بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَمَن يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُولَ فَأُولٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولٰئِكَ رَفِيقًا (نساء:٦٩)

مَاٰثِرُ الْاَنْبِيَآءِ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَآثَارُ الشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِينَ

ملقب بہ

اقوال سلفؒ

جلد دہم

جس میں چودہویں صدی ہجری نصف ثانی یعنی ۱۳۸۷ھ سے ۱۴۰۰ھ تک کے اولیاء کرام اور سو سے زائد خواتین صحابیات، تابعیات اور دیگر ولیات و عارفات کے احوال و اقوال مختصراً ذکر کئے گئے ہیں۔

مؤلفہ:

شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم

مکتبہ دار المعارف الہ آباد

ادارہ معارف مصلح الامتؒ الہ آباد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

کتاب سے متعلق ضروری معلومات

نام کتاب : مَاٰثِرُ الْاَنْبِیَآءِ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَآثَارُ الشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْن

ملقب بہ ''اقوال سلفؒ '' جلد دہم

مرتب : شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم

تعداد صفحات : ۷۵۲ تعداد اشاعت : ۱۱۰۰

سن اشاعت : ۱۴۴۳ھ مطابق ۲۰۲۲ء

باہتمام : مولانا محمد عبداللہ قمر الزمان قاسمی الہ آبادی

تصحیح : مولانا محمد عبید اللہ ندوی و مولانا فیروز عالم قاسمی

کمپوزنگ : مولوی رشید احمد بھروچ، گجرات و مولوی مسعود احمد قاسمی الہ آباد

ناشر : مکتبہ دار المعارف الہ آباد، ادارہ معارف مصلح الامتؒ الہ آباد

قیمت :

ملنے کے پتے:

(۱) مکتبہ دار المعارف الہ آباد، ۹ ۶۳ ۱ / بی وصی آباد، یوپی، ۲۱۱۰۰۳

(۲) دار الکتب الاسلامیہ، بی ۱۱۷ / بی ۱۳۹ ،نور اللہ روڈ، نزد مصطفےٰ کامپلکس، ڈی کریلی، الہ آباد

(۳) مکتبہ فیضان قمر ٹائم ٹو ٹائم دکان نمبر ۷ ایس ڈی چال، بہرام باغ روڈ، جوگیشوری، ممبئی

(۴) مکتبہ رحمانیہ، دار العلوم عربیہ اسلامیہ بھروچ، محمود نگر کنتھاریہ، بھروچ، گجرات

(۵) قاضی بکڈ پو، بالمقابل بڑی مسجد (مرکز) رانی تلاؤ، سورت، گجرات ۳۹۵۰۰۳

(۶) مکتبہ النور دیوبند، یوپی ۲۴۷۵۵۴ (۷) مکتبہ صدیق دیوبند یوپی ۲۴۷۵۵۴

(۸) الفرقان بکڈ پو، ۱۳/ ۱۱۴ نظیر آباد لکھنؤ

فہرست

مَاٰثِرُ الْاَنْبِیآءِ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَ آثَارُ الشُّہَدَآءِ وَ الصّٰلِحِین
ملقب بہ ''اقوال سلف'' جلد دہم

نمبر شمار	فہرست عنوان	صفحہ نمبر
ا	عرض ناشر: از محمد عبداللہ قمر الزمان قاسمی الہ آبادی	۱۴
ب	پیش لفظ: از مرتب عفی عنہ	۱۵
ج	مقدمہ: مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ ندوۃ العلماء لکھنؤ	۲۰
د	مکتوب: حضرت مولانا برہان الدین صاحب سنبھلیؒ ندوۃ العلماء لکھنؤ	۲۲
ہ	تبصرہ: حضرت مولانا ضیاء الدین صاحب اصلاحیؒ دار المصنفین اعظم گڈھ	۲۴
و	تأثر: عزیزم مولانا مجیب الغفار صاحبؒ استاذ حدیث مظہر العلوم بنارس	۲۵
ز	تأثر: حضرت مولانا قاری محمد احسن صاحب فتحپوری ناظم تجوید القرآن فتحپور	۲۷
ح	تأثر: حضرت مولانا اسرار الحق صاحب قاسمیؒ صدر تعلیمی وملی فاونڈیشن دہلی	۳۲
ط	تقریظ: حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی دامت برکاتہم استاد حدیث دار العلوم دیوبند	۳۷
ی	تقریظ: حضرت مولانا عتیق احمد صاحب بستوی زید مجدہ استاد دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ	۴۰
ک	تأثر: حضرت مولانا محمد ادریس صاحب ملی قاسمی شیخ الحدیث معہد ملت مالیگاؤں	۴۷
ل	تأثر: حضرت مولانا اشفاق الرحمٰن صاحب اندور، ایم۔ پی	۴۸
--	وحضرت مولانا اسماعیل صاحب بھوٹا ٹکاریہ بھروچ گجرات	--
م	تأثر: عزیزم مولانا محمد سعیدی صاحب ناظم مظاہر علوم وقف سہارنپور	۵۴

اولیاء مقربین وعلماء ربانیین

نمبر شمار	فہرست عنوان	سنہ وفات	صفحہ نمبر
۱	حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتحپوریؒ الہ آبادی	سنہ ۱۳۸۷ھ	۵۷
	حضرت مصلح الامت کے مخصوص اصحاب		
	حضرت مولانا قاری محمد مبین صاحبؒ	سنہ ۱۴۳۹ھ	۱۱۱
	حضرت حافظ ڈاکٹر صلاح الدین صاحب صدیقیؒ	سنہ ۱۴۳۰ھ	۱۲۳
	حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب جامیؒ	سنہ ۱۴۱۱ھ	۱۲۷
	حضرت مکرم ماسٹر محمد عیسی صاحب حمید پوریؒ	سنہ ۱۴۱۸ھ	۱۳۰
	حضرت مولانا محمد فاروق صاحبؒ اترانوی الہ آبادیؒ	سنہ ۱۴۲۱ھ	۱۳۴
	محب مکرم جناب ڈاکٹر محمد ظفر صاحبؒ	سنہ ۱۴۱۲ھ	۱۳۸
	حضرت مولانا مفتی محمد حنیف صاحب جونپوریؒ	سنہ ۱۴۳۵ھ	۱۴۳
	حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بستویؒ	سنہ ۱۴۱۴ھ	۱۴۶
	مکرم مولانا محمد یونس صاحبؒ کڈی گجرات	سنہ ۱۴۲۷ھ	۱۵۰
	حضرت مولانا حکیم وصی احمد صاحبؒ	سنہ ۱۴۱۶ھ	۱۵۳
	حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب الہ آبادی		۱۵۸
	حافظ غیاث الدین صاحب سارٹر گورکھپوری		۱۶۸
	حضرت الاستاد مولانا عبدالغفار صاحبؒ		۱۷۱
۲	حضرت العلامہ مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ دیو بند	سنہ ۱۳۸۷ھ	۱۷۶
۳	حضرت مولانا محمد صدیق صاحب الہ آبادیؒ	سنہ ۱۳۷۴ھ	۱۸۴
۴	حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب اجراڑویؒ	سنہ ۱۳۷۷ھ	۱۸۶
۵	حضرت مولانا مفتی شمس الدین صاحب بڑودویؒ	سنہ ۱۳۷۸ھ	۱۹۱

صفحہ نمبر	سنہ وفات	فہرست عنوان	نمبر شمار
۱۹۵	سنہ ۱۳۸۷ھ	فخر گجرات حضرت مولانا علی محمد صاحب سورتیؒ	۶
۲۰۱	سنہ ۱۳۸۹ھ	حضرت مولانا عبدالرشید صاحب رانی ساگریؒ	۷
۲۰۷	سنہ ۱۳۸۹ھ	حضرت مفتی اسماعیل صاحب گورا گجراتیؒ	۸
۲۱۲	سنہ ۱۳۸۹ھ	حضرت مجاہد عبدالعزیز صاحب بدری عراقیؒ	۹
۲۱۷	سنہ ۱۳۸۹ھ	حضرت شیخ محمد الحامد صاحب الشامیؒ	۱۰
۲۲۱	سنہ ۱۳۹۰ھ	حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب مجددی بھوپالیؒ	۱۱
۲۲۷	سنہ ۱۳۹۰ھ	حضرت حاجی عبدالغفور صاحب جودھپوریؒ	۱۲
۲۳۱	سنہ ۱۳۹۱ھ	حضرت مولانا محمد مسلم صاحب جون پوریؒ	۱۳
۲۳۳	سنہ ۱۳۹۱ھ	حضرت وجیہ عالم شیخ محمد نصیف صاحب سعودیؒ	۱۴
۲۳۷	سنہ ۱۳۹۱ھ	حضرت مولانا قاری ریاست علی صاحب بحرآبادی غازی پوریؒ	۱۵
۲۴۲	سنہ ۱۳۹۱ھ	حضرت محدث حرم شیخ علوی بن عباس المالکیؒ	۱۶
۲۴۴	سنہ ۱۳۹۲ھ	حضرت فخر المحدثین مولانا سید فخر الدین احمد صاحبؒ دیوبند	۱۷
۲۴۸	سنہ ۱۳۹۲ھ	حضرت مولانا حافظ محمد منیر صاحب اعظمیؒ	۱۸
۲۵۱	سنہ ۱۳۹۳ھ	حضرت الحاج حبیب الحسن خاں صاحب شیروانیؒ	۱۹
۲۵۵	سنہ ۱۳۹۳ھ	حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب کوپا گنجی مئویؒ	۲۰
۲۵۸	سنہ ۱۳۹۴ھ	حضرت استاذ المحدثین مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی تھانویؒ	۲۱
۲۷۰	سنہ ۱۳۹۴ھ	حضرت مولانا محمد ادریس صاحب صدیقی کاندھلویؒ	۲۲
۲۸۲	سنہ ۱۳۹۴ھ	حضرت فقیہ علامہ محمد ابوزھرہ صاحب مصریؒ	۲۳
۲۸۶	سنہ ۱۳۹۵ھ	محترم جناب شاہ فیصل صاحبؒ سعودیہ عربیہ	۲۴
۲۹۶	سنہ ۱۳۹۵ھ	حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب دیوبندیؒ	۲۵

نمبر شمار	فہرست عنوان	سنہ وفات	صفحہ نمبر
۲۶	حضرت مولانا عبدالحیؒ صاحب چشتی اعظمیؒ	سنہ ۱۳۹۵ھ	۳۰۹
۲۷	حضرت شیخ ابوالوفاء صاحب افغانیؒ	سنہ ۱۳۹۵ھ	۳۱۲
۲۸	حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندویؒ	سنہ ۱۳۹۶ھ	۳۱۷
۲۹	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب عثمانیؒ مفتی اعظم پاکستان	سنہ ۱۳۹۶ھ	۳۲۹
۳۰	حضرت مجاہد ملت مولانا اطہر علی صاحب بنگالیؒ	سنہ ۱۳۹۶ھ	۳۵۰
۳۱	حضرت وکیل بابا نجم احسن صاحب نگرامیؒ	سنہ ۱۳۹۶ھ	۳۵۸
۳۲	حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ	سنہ ۱۳۹۷ھ	۳۶۴
۳۳	حضرت مولانا محمد عثمان صاحب دربھنگویؒ	سنہ ۱۳۹۷ھ	۳۷۴
۳۴	حضرت مولانا عبداللہ صاحب بہلویؒ پاکستان	سنہ ۱۳۹۸ھ	۳۷۶
۳۵	حضرت مولانا سید محمد الحسنی صاحب ندوی لکھنویؒ	سنہ ۱۳۹۸ھ	۳۸۷
۳۶	حضرت مولانا ظہور الحسن کسولویؒ ناظم خانقاہ تھانہ بھون	سنہ ۱۳۹۸ھ	۳۹۲
۳۷	حضرت مولانا امین صاحب ادروی مئویؒ	سنہ ۱۳۹۹ھ	۳۹۸
۳۸	حضرت مولانا سراج احمد صاحب امروہویؒ	سنہ ۱۳۹۹ھ	۴۰۱
۳۹	حضرت مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادیؒ	سنہ ۱۳۹۹ھ	۴۰۶
۴۰	حضرت مولانا عبدالحکیم صاحب فتحپوری مئویؒ	سنہ ۱۳۹۹ھ	۴۱۱
۴۱	حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب فتحپوری مئویؒ	سنہ ۱۳۹۹ھ	۴۱۶
۴۲	حضرت مولانا عبیدالرحمٰن صاحب الہ آبادیؒ	سنہ ۱۳۹۹ھ	۴۱۸
۴۳	حضرت مولانا اسعداللہ صاحبؒ ناظم مظاہر العلوم سہارنپور	سنہ ۱۳۹۹ھ	۴۲۱
۴۴	حضرت مولانا محمد کفایت اللہ صاحب ثانیؒ	سنہ ۱۳۹۹ھ	۴۳۱

ازواج وامہات انبیائے کرام علیہم السلام

نمبر شمار	فہرست عنوان	سنہ وفات	صفحہ نمبر
۴۵	پیش لفظ: ازمؤلف عفی عنہ		۴۳۵
۴۶	حضرت حوّا علیہا السلام		۴۴۹
۴۷	حضرت سارہ علیہا السلام		۴۵۰
۴۸	حضرت ہاجرہ علیہا السلام		۴۵۲
۴۹	حضرت اسمٰعیلؑ کی دوسری اہلیہ محترمہ علیہا السلام		۴۵۶
۵۰	حضرت ایوبؑ کی اہلیہ محترمہ علیہا السلام		۴۵۷
۵۱	حضرت موسیٰؑ کی اہلیہ محترمہ علیہا السلام		۴۵۸
۵۲	حضرت مریمؑ اوران کی والدہ علیہا السلام		۴۶۰
۵۳	حضرت بلقیسؓ		۴۶۲
۵۴	حضرت آسیہؓ		۴۶۴

صحابیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نمبر شمار	فہرست عنوان	سنہ وفات	صفحہ نمبر
۵۵	حضرت صفیہؓ عمۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	پہلی صدی سنہ ھ	۴۶۵
۵۶	حضرت ثویبہؓ مرضعۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	پہلی صدی سنہ ھ	۴۶۸
۵۷	حضرت حلیمہؓ مرضعۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	پہلی صدی سنہ ھ	۴۶۹
۵۸	حضرت سلمیٰؓ خادمۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	پہلی صدی سنہ ھ	۴۷۲
۵۹	حضرت امامہؓ نواسئ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	پہلی صدی سنہ ھ	۴۷۳
۶۰	حضرت ام الفضلؓ زوجہ حضرت عباسؓ	پہلی صدی سنہ ھ	۴۷۵
۶۱	حضرت فاطمہؓ زوجہ خواجہ ابوطالب	پہلی صدی سنہ ھ	۴۷۸

صفحہ نمبر	سنہ وفات	فہرست عنوان	نمبر شمار
۴۸۰	پہلی صدی سنہ ھ	حضرت بریرہؓ خادمہ حضرت عائشہؓ	۶۲
۴۸۳	پہلی صدی سنہ ھ	حضرت ام ہانیؓ بنت خواجہ ابوطالب	۶۳
۴۸۵	پہلی صدی سنہ ھ	حضرت فاطمہؓ زوجہ حضرت اسامہ بن زیدؓ	۶۴
۴۸۶	پہلی صدی سنہ ھ	حضرت زینبؓ زوجہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ	۶۵
۴۸۸	پہلی صدی سنہ ھ	حضرت ام ایوب انصاریہؓ	۶۶
۴۹۱	پہلی صدی سنہ ھ	حضرت خولہؓ زوجہ حضرت عثمان بن مظعون	۶۷
۴۹۴	پہلی صدی سنہ ھ	حضرت ام عطیہؓ بنت حارث	۶۸
۴۹۶	پہلی صدی سنہ ھ	حضرت اسماء انصاریہؓ	۶۹
۴۹۹	پہلی صدی سنہ ھ	حضرت ام سلیمؓ والدہ حضرت انسؓ	۷۰
۵۰۱	پہلی صدی سنہ ھ	حضرت عاتکہؓ بنت زید	۷۱
۵۰۲	پہلی صدی سنہ ھ	حضرت خولہؓ بنت ازور	۷۲

تابعیات اور دیگر عارفات

۵۰۹	دوسری صدی سنہ ھ	مکرمہ خیرہ والدہ حسن بصریؒ	۷۳
۵۱۱	پہلی صدی سنہ ھ	مکرمہ ام عاصمؒ	۷۴
۵۱۴	دوسری صدی سنہ ھ	مکرمہ ام سفیان ثوریؒ	۷۵
۵۱۶	دوسری صدی سنہ ھ	مکرمہ بی بی رابعہ شامیہؒ	۷۶
۵۱۷	دوسری صدی سنہ ھ	مکرمہ بی بی کردیہؒ	۷۷
۵۱۸	دوسری صدی سنہ ھ	مکرمہ فاطمہ بنت عبدالملکؒ زوجہ عمر بن عبدالعزیزؒ	۷۸
۵۲۳	دوسری صدی سنہ ھ	مکرمہ ام ربیعہ الرائےؒ	۷۹

نمبر شمار	فہرست عنوان	سنہ وفات	صفحہ نمبر
۸۰	مکرمہ بی بی ام طلقؒ	سنہ دوسری صدی ھ	۵۲۸
۸۱	مکرمہ ام یحیٰؒ	سنہ دوسری صدی ھ	۵۳۰
۸۲	مکرمہ بی بی شعوانہؒ	سنہ دوسری صدی ھ	۵۳۸
۸۳	مکرمہ بی بی ام احسانؒ	سنہ دوسری صدی ھ	۵۴۱
۸۴	مکرمہ والدہ امام اعظم ابوحنیفہؒ	سنہ ۱۳۰ کے بعد ھ	۵۴۳
۸۵	مکرمہ والدہ امام مالکؒ	سنہ دوسری صدی ھ	۵۴۵
۸۶	مکرمہ والدہ امام اوزاعیؒ	سنہ دوسری صدی ھ	۵۴۶
۸۷	مکرمہ والدہ امام اسمٰعیل ابن علیہؒ	سنہ دوسری صدی ھ	۵۴۷
۸۸	مکرمہ والدہ امام شافعیؒ	سنہ دوسری صدی ھ	۵۴۹
۸۹	مکرمہ والدہ امام شعبہ بن حجاجؒ	سنہ دوسری صدی ھ	۵۵۱
۹۰	مکرمہ والدہ امام الاوقصؒ	سنہ دوسری صدی ھ	۵۵۲
۹۱	مکرمہ بی بی مریم بصریہؒ	سنہ ۱۳۵ھ	۵۵۴
۹۲	مکرمہ نُفیسہ بیت حسانؒ	سنہ ۲۰۸ھ	۵۵۵
۹۳	مکرمہ بی بی ام محمدؒ	سنہ ۲۱۳ھ	۵۵۸
۹۴	مکرمہ ملکہ زبیدہؒ	سنہ ۲۱۶ھ	۵۵۹
۹۵	مکرمہ بی بی فاطمہ نیشاپوریؒ	سنہ ۲۲۳ھ	۵۶۵
۹۶	مکرمہ جوہر براثیہؒ	سنہ ۲۹۷ھ	۵۶۷
۹۷	مکرمہ والدہ امام بخاریؒ	سنہ تیسری صدی ھ	۵۷۰
۹۸	مکرمہ والدہ امام احمد بن حنبلؒ	سنہ تیسری صدی ھ	۵۷۲

نمبر شمار	فہرست عنوان	سنہ وفات	صفحہ نمبر
۹۹	مکرمہ بی بی مضغہ، مخہ، زبدہؒ اخوات بشر حافیؒ	تیسری صدی سنہ ھ	۵۷۴
۱۰۰	مکرمہ آمنہ رملیہؒ	تیسری صدی سنہ ھ	۵۷۶
۱۰۱	مکرمہ بی بی امۃ الجلیلؒ	تیسری صدی سنہ ھ	۵۸۱
۱۰۲	مکرمہ ام عباسؒ	تیسری صدی سنہ ھ	۵۸۲
۱۰۳	مکرمہ بی بی ام علیؒ	تیسری صدی سنہ ھ	۵۸۵
۱۰۴	مکرمہ بی بی ام ہارونؒ	تیسری صدی سنہ ھ	۵۸۷
۱۰۵	مکرمہ فاطمہ بنت عبد الرحمٰنؒ	سنہ ۳۱۲ھ	۵۸۹
۱۰۶	مکرمہ خلدیہ بنت جعفرؒ	چوتھی صدی سنہ ھ	۵۹۰
۱۰۷	مکرمہ بی بی مریم اندلسیہؒ	چوتھی صدی سنہ ھ	۵۹۱
۱۰۸	مکرمہ سیدہ فاطمہ ام الخیرؒ	پانچویں صدی سنہ ھ	۵۹۲
۱۰۹	مکرمہ بی بی فخر النساءؒ	سنہ ۵۷۴ھ	۵۹۶
۱۱۰	مکرمہ بی بی تقیہ شامیہؒ	سنہ ۵۷۹ھ	۵۹۸
۱۱۱	مکرمہ رضیع خاتونؒ	سنہ ۵۸۱ھ	۵۹۹
۱۱۲	مکرمہ بی بی فاطمہ بنت المثنیٰ	چھٹی صدی سنہ ھ	۶۰۱
۱۱۳	مکرمہ بی بی عصمۃ خاتونؒ	چھٹی صدی سنہ ھ	۶۰۳
۱۱۴	مکرمہ بی بی من میلؒ	چھٹی صدی سنہ ھ	۶۰۴
۱۱۵	مکرمہ تاج النساء بنت رستم اسبہانیہؒ	سنہ ۶۱۱ھ	۶۰۶
۱۱۶	مکرمہ زینب بنت شیخ احمد رفاعیؒ	سنہ ۶۳۰ھ	۶۰۷
۱۱۷	مکرمہ بی بی اسماء شامیہؒ	سنہ ۶۳۳ھ	۶۰۸

نمبر شمار	فہرست عنوان	سنہ وفات	صفحہ نمبر
۱۱۸	مکرمہ بی بی سارہؒ	سنہ ۶۳۸ھ	۶۰۹
۱۱۹	مکرمہ بی بی ام الخیر جمال النساءؒ	سنہ ۶۴۰ھ	۶۱۱
۱۲۰	مکرمہ ضیفہ خاتونؒ	سنہ ۶۴۰ھ	۶۱۲
۱۲۱	مکرمہ آسیہ مقدسیہؒ	سنہ ۶۴۰ھ	۶۱۴
۱۲۲	مکرمہ بی بی شیریں بنت عبداللہ ہندیہؒ	سنہ ۶۴۰ھ	۶۱۵
۱۲۳	مکرمہ امۃ الحکم عائشہؒ	سنہ ۶۴۱ھ	۶۱۶
۱۲۴	مکرمہ بی بی قرسم خاتونؒ	سنہ ۶۴۳ھ	۶۱۷
۱۲۵	مکرمہ بی بی زلیخاؒ	سنہ ۶۴۸ھ	۶۱۹
۱۲۶	مکرمہ بی بی عائشہ المنوبیہؒ	سنہ ۶۵۳ھ	۶۲۲
۱۲۷	مکرمہ بی بی فاطمہ صائمہؒ	سنہ ۶۹۶ھ	۶۲۳
۱۲۸	مکرمہ بی بی خدیجہ بنت عبدالرحمٰنؒ	سنہ ساتویں صدی ھ	۶۲۴
۱۲۹	مکرمہ سلیمہ سلطانؒ	سنہ ساتویں صدی ھ	۶۲۵
۱۳۰	مکرمہ بی بی حافظہ جمالؒ	سنہ ساتویں صدی ھ	۶۲۷
۱۳۱	مکرمہ بی بی خدیجہ بنت قیمؒ	سنہ ۶۹۹ھ	۶۲۸
۱۳۲	مکرمہ بی بی زینب بنت عبدالرحمٰنؒ	سنہ ۷۱۰ھ	۶۲۹
۱۳۳	مکرمہ بی بی فاطمہ بنت عباسؒ	سنہ ۷۱۴ھ	۶۳۰
۱۳۴	مکرمہ بی بی حبیبہ محدثہؒ	سنہ ۷۳۳ھ	۶۳۱
۱۳۵	مکرمہ بی بی عائشہ بنت مسلم حرانیؒ	سنہ ۷۳۷ھ	۶۳۲
۱۳۶	مکرمہ تمن آغا بیگمؒ	سنہ آٹھویں صدی ھ	۶۳۳

نمبر شمار	فہرست عنوان	سنہ وفات	صفحہ نمبر
۱۳۷	مکرمہ بی بی بلقیس بنت محمدؒ	سنہ ۸۴۱ھ	۶۳۴
۱۳۸	مکرمہ بی بی خدیجہ بنت عبدالرحمٰنؒ	سنہ ۸۷۰ھ	۶۳۶
۱۳۹	مکرمہ بی بی مریم بنت علیؒ	سنہ ۸۹۱ھ	۶۳۶
۱۴۰	مکرمہ ملکہ عائشہ ام ابوعبداللہ محمدؒ	سنہ نویں صدی ھ	۶۳۸
۱۴۱	مکرمہ خدیجہ بنت احمدؒ	سنہ نویں صدی ھ	۶۴۱
۱۴۲	مکرمہ بی بی سلمٰی بنت شمس الدینؒ	سنہ نویں صدی ھ	۶۴۲
۱۴۳	مکرمہ بی بی عائشہ بنت یوسف الباعونیؒ	سنہ ۹۲۲ھ	۵۴۳
۱۴۴	مکرمہ بی بی بدیعۃ الحبیبیہؒ	سنہ دسویں صدی ھ	۶۴۵
۱۴۵	مکرمہ بی بی فاطمہ بنت عبدالقادرؒ	سنہ ۱۰۱۶ھ	۶۴۶
۱۴۶	مکرمہ شہزادی جہاں آرا بیگمؒ	سنہ ۱۰۹۲ھ	۶۴۸
۱۴۷	مکرمہ شہزادی روشن آرا بیگمؒ	سنہ گیارہویں صدی ھ	۶۵۲
۱۴۸	مکرمہ حافظہ مریمؒ	سنہ بارہویں صدی ھ	۶۵۴
۱۴۹	مکرمہ حافظہ شہزادی زیب النساءؒ	سنہ ۱۱۱۴ھ	۶۵۵
۱۵۰	مکرمہ دختر حضرت شاہ محمد اسحٰقؒ	سنہ تیرہوں صدی ھ	۶۶۱
۱۵۱	مکرمہ گلبدن باجیؒ	سنہ تیرہویں صدی ھ	۶۶۳
۱۵۲	مکرمہ بادشاہ بیگم دہلویؒ	سنہ تیرہویں صدی ھ	۶۶۴
۱۵۳	مکرمہ صولت النساء بیگمؒ	سنہ تیرہویں صدی ھ	۶۶۵
۱۵۴	مکرمہ بی بی لحاظ النساءؒ	سنہ ۱۳۰۸ھ	۶۶۶
۱۵۵	مکرمہ بی بی شمس النساءؒ	سنہ ۱۳۰۹ھ	۶۶۷

نمبر شمار	فہرست عنوان	سنہ وفات	صفحہ نمبر
۱۵۶	مکرمہ عائشہ تیموریہؒ	۱۳۲۰ھ	۶۶۷
۱۵۷	مکرمہ بی بی صفیہؒ	۱۳۳۶ھ	۶۶۹
۱۵۸	مکرمہ بی اماں آبادی بیگمؒ	۱۳۴۳ھ	۶۷۱
۱۵۹	مکرمہ سیدہ اماں بی (عزیز النساءؒ)	۱۳۶۲ھ	۶۷۵
۱۶۰	مکرمہ صاحبزادی احمدی بیگمؒ	چودھویں صدی ھ	۶۷۹
۱۶۱	مکرمہ بی بی مقبول النساء بیگمؒ	چودھویں صدی ھ	۶۸۱
۱۶۲	مکرمہ سیدہ فاطمہ بی بیؒ	چودھویں صدی ھ	۶۸۳
۱۶۳	مکرمہ سیدہ خیر النساء بہترؒ	۱۳۸۸ھ	۶۸۴
۱۶۴	مکرمہ سیدہ امۃ اللہ تسنیمؒ	۱۳۹۶ھ	۶۸۸
۱۶۵	مکرمہ سیدہ امۃ العزیزؒ	۱۴۱۶ھ	۶۹۲
۱۶۶	مکرمہ نواب گوہر بیگم قدسیہؒ (بیگم ریاست بھوپال)	۱۲۹۹ھ	۶۹۶
۱۶۷	مکرمہ نواب سکندر جہاں بیگمؒ (بیگم ریاست بھوپال)	۱۲۸۵ھ	۷۰۱
۱۶۸	مکرمہ نواب شاہجہاں بیگمؒ (بیگم ریاست بھوپال)	۱۳۹۹ھ	۷۰۵
۱۶۹	مکرمہ نواب سلطان جہاں بیگمؒ (بیگم ریاست بھوپال)	۱۳۴۸ھ	۷۱۲
۱۷۰	مکرمہ حبیبہ خاتونؒ	۱۳۶۶ھ	۷۲۴
۱۷۱	مکرمہ حجانی زبیدہ بیؒ	۱۴۴۰ھ	۷۲۷
۱۷۲	رفیقۂ حیات اول عزیزہ عقیلہ خاتونؒ بنت مصلح الامتؒ	۱۳۷۹ھ	۷۳۰
۱۷۳	رفیقۂ حیات دوم عزیزہ تقریب النساءؒ	۱۴۳۷ھ	۷۴۲
۱۷۴	ایک عابدہ جنیہ کی نصیحت		۷۴۷
	مراجع ومصادر		۷۴۸

عرض ناشر

''اقوال سلف جلد دہم'' آپ حضرات کے سامنے پیش کرنے پر اللہ تعالیٰ کا شکرگزار ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے اس سلسلۃ الذہب کو آگے بڑھانے کی توفیق ارزانی فرمایا۔اس جلد میں چودہویں صدی ہجری نصف ثانی کے حضرات اکابر کے حالات وکمالات اور مفید ارشادات قلمبند کئے گئے ہیں۔

اقوال سلف محض تذکرہ نگاری اور سوانح عمری نہیں ہے بلکہ اہل علم واہل دل کے دینی، علمی، فکری، اصلاحی، تعلیمی وتربیتی اور تجدیدی کارناموں اوران کی متنوع خصوصیات وامتیازات کا بہترین وثیقہ ہے۔

ماشاء اللہ مکتبہ دارالمعارف الہ آباد مختلف موضوعات پر متعدد اصلاحی وعرفانی، علمی وعملی کتابیں اور مختلف تراجم وسیر اردو انگریزی اور گجراتی زبان میں منظرعام پرلانے کا شرف حاصل کرتا رہا ہے۔ اللہ تعالی مزید توفیق عطا فرمائے۔

اخیر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مشفق المکرم والد ماجد صاحب دامت برکاتہم کی عمرصحت وعافیت کے ساتھ دراز فرمائے، اور مکتبہ کے جملہ معاونین کو صحت وعافیت عطا فرمائے تاکہ اس طرح کے بیش قیمت مضامین آپ لوگوں کے ہاتھوں تک پہنچانے کا شرف ہم خدام مکتبہ حاصل کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے توفیق عطا فرمائے، اور قبول فرمائے۔ آمین

محمد عبداللہ قمرالزمان قاسمی الہ آبادی

ذوالحجہ ۱۴۴۳ھ جولائی ۲۰۲۲ء

پیش لفظ

الحمد لله العليم الحكيم حق حمده، و الصّلوٰة و السلام على سيدنا محمد رسوله وعبده، وعلى من سار على نهجه القويم المبين، من الصحابة و التابعين و العلماء العاملين، و من تبعهم باحسان الى يوم الدين۔ امابعد: فقد قال اللہ تعالی ''ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ''۔

(الواقعہ)

ایک بڑا گروہ اگلے لوگوں میں سے ہوگا اور ایک بڑا گروہ پچھلے لوگوں میں سے ہوگا۔ (بیان القرآن)

یعنی اصحاب یمین پہلوں میں بھی بکثرت ہوئے ہیں اور پچھلوں میں بھی اُن کی کثرت ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

اصحابِ یمین وہ پاک باطن نفوس مطمئنہ والے متقی ہوں گے جن کے دل روشن ہیں، پھر آخرت میں انہی کے ساتھ گنہگار اہل ایمان کو بھی شامل کر دیا جائے گا، خواہ انبیاء وصلحاء کی سفارش سے ان کے گناہوں کو معاف کر دیا جائے گا، یا اللہ بغیر شفاعت کے ان کی خطاؤں کو بخش دے گا، یا عذاب دینے کے بعد پاک صاف کر کے صلحاء اور اہل تقویٰ کے ساتھ ملا دے گا، کیونکہ جہنم سے مؤمن کے گناہوں کا میل ایسا صاف ہوجائے گا جیسے لوہار کی بھٹی سے لوہے کا میل صاف ہوجاتا ہے۔

امت محمدیہ کا کوئی دَور اصحاب الیمین سے خالی نہ ہوگا: مؤمنین ومتقین واولیاء اللہ تو اس پوری امت کے اول وآخر میں بھاری تعداد میں رہیں

گے، اور امت محمدیہؐ کا کوئی دور، کوئی طبقہ اصحاب الیمین سے خالی نہ رہے گا، اس کی شہادت اس حدیث سے بھی ملتی ہے جو صحیح بخاری و مسلم میں حضرت معاویہؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی، اور ہزاروں مخالفتوں کے نرغے میں بھی وہ اپنا رُشد و ہدایت کا کام کرتی رہے گی، اس کو کسی کی مخالفت نقصان نہ پہنچا سکے گی، یہاں تک کہ قیامت قائم ہونے تک یہ جماعت اپنے کام میں لگی رہے گی۔

(گلدستۂ تفاسیر: ج ۷، ص ۴۸، مرتب: حضرت الحاج عبدالقیوم مہاجر مدنی)

اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **مثل اُمتی مثل المطر لایدری اوله خیر ام اٰخره۔** (یعنی میری امت کی مثال بارش جیسی ہے، نہیں معلوم کہ اس بارش کا ابتدائی خیر ہے یا آخری)۔

سبحان اللہ! اس حدیث پاک سے امت محمدیہؐ کی جو فضیلت ثابت ہوئی وہ ظاہر ہے، کہ اس کا اول حصہ بھی خیر ہے اور آخر حصہ بھی، اول حصہ کے خیر ہونے کی صورت یہ ہے کہ دین اسلام جو اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے اس کی تاسیس و تبلیغ کے لئے ایسی برگزیدہ جماعت کی ضرورت تھی جو اس خدمت کو انجام دے سکے، چنانچہ صحابۂ کرامؓ، تابعین، و تبع تابعینؒ کی جماعت نے اس اہم خدمت کو باحسنِ وجوہ انجام دیا، اس لئے اُن حضرات کے فضل و شرف کو اخیر امت کے خواص، اولیاء اور اتقیاء نہیں پہنچ سکتے۔

اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا: **خیر امتی قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم۔**

یعنی سب سے زیادہ خیر کا زمانہ میرا زمانہ ہے، پھر میرے بعد کا، پھر اُس کے بعد کا۔

ان حضرات اولین کے شرف وفضل کے لئے یہی کافی ہے، چنانچہ مشہور مقولہ ہے: "**الفضل للمتقدم**" یہی حال بارش کا بھی ہے کہ اس کا شروع وآخر دونوں ہی خیر ہوتا ہے، مگر ابتدائی بارش کی زیادہ اہمیت ہوتی ہے، اس لئے کہ وہ زراعت کے لئے اساس وبنیاد کی حیثیت رکھتی ہے، اگر وہ نہ ہوتو آگے پودوں کی نشوونما کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اسی طرح صحابۂ کرامؓ، تابعینؒ وتبع تابعینؒ اسلام کیلئے اساسی وبنیادی حیثیت رکھتے ہیں، بعد میں اُسکو باقی وقائم رکھنے کیلئے مخلص جماعت کی ضرورت تھی، اس لئے لاتعداد ابرار، متقین، اصحاب یمین اور مجددین کا سلسلہ جاری فرمایا، جنہوں نے اپنے سینوں کو اسلام کے نور سے منور کرکے دوسروں کو بھی اُس نور سے منور فرمایا، خود چشمۂ صافی سے سیراب ہوئے اور دوسروں کو بھی سیراب کرکے اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے، ظاہر ہے کہ ان حضرات کے بھی خیر ہونے میں کیا کلام ہوسکتا ہے۔

الحمدللہ! یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے اور تا قیامت جاری رہے گا، جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عن ثوبان لاتزال طائفة من أمتی ظاهرين على الحق، لا يضرهم من خذلهم ولا من خالفهم الی قيام الساعة۔

(مختصر تفسیر ابن کثیر: ص/ ۴۳۰، سورۂ واقعہ)

یعنی میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی نہیں ضرر

پہنچائے گا ان کو جو ذلیل کرنا چاہے گا، اور نہ وہ جو ان کی مخالفت کرے گا، قیامت تک۔

اس طرح امت کے ہر دور میں اصحاب یمین اتنی کثیر تعداد میں ہوئے اور ہو رہے ہیں کہ ان کی تعداد کروڑوں تک پہنچ جاوے تو کچھ بعید نہیں، چنانچہ صحابۂ کرامؓ ہی کی تعداد لاکھوں سے زائد ہے، جن کے اصحاب یمین ہونے میں کیا کلام ہوسکتا ہے، جن کے بارے میں خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: "**اصحابی کالنجوم فبایّھم اقتدیتم اھتدیتم**"۔ (مشکوٰۃ ص:۵۵۴) (یعنی میرے صحابہ کرامؓ مثل ستاروں کے ہیں، ان میں سے جس کی بھی اقتداء کروگے ہدایت یاب ہوجاؤ گے)۔

پس ان تمام حضرات کے علوم ومعارف، اقوال واحوال کو بالاختصار بھی احاطۂ تحریر میں لانا دشوار تر ہی نہیں بلکہ محال ہے، اس کے لئے ہزاروں مجلدات بھی ناکافی ہوں گے، تاہم اس حقیر نے چاہا کہ صحابہ کرامؓ وتابعینؒ اور ان کے بعد ابرار ومقربین میں سے کچھ حضرات کے حالات وارشادات کو قلمبند کروں، تاکہ بطورِ نمونہ ان حضرات کی تعلیمات وہدایات یکجا جمع ہوجائیں اور **مالا یُدرک کلّه لا یترک کله** کا مصداق ہوجاوے، یعنی اگر کُل کو نہ لیا جاوے تو کل کو چھوڑا بھی نہ جاوے، اور ہم نے ان سب حضرات سے پہلے رئیس الصالحین، سید المرسلین حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مختصر تذکرہ بھی بطورِ تبرک کردیا ہے، تاکہ آخر تک ان کے فیوض وبرکات سے ناظرین کرام مستفیض ہوتے رہیں۔

وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

اس جلد دہم میں ان اولیاء کرام کے تذکرے ہیں جن کا تذکرہ

اقوال سلف پنجم قدیم میں آچکا ہے۔مزید کچھ ایسے اولیاء کرام کے بھی تذکرے ہیں جو گوشۂ گمنامی میں تھے۔ نیز انبیائے کرام کی ازواج وامہات اور صحابیات وتابعیات اور بہت سی دیگر ولیات و عارفات کے تذکرے بھی ہیں جنہوں نے علمی و عملی کمالات کو حاصل کیا اور مسند درس و تدریس اور مشیخت پر بیٹھ کر لوگوں میں اصلاح وارشاد کا وہ فریضہ انجام دیا جو ہم مردوں کیلئے قابل رشک ہے۔
اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔آمین۔

اعتذار: چونکہ اقوال سلف پہلے چھ جلدوں میں طبع ہوئی تھی لہذا انہیں جلدوں کے حساب سے تبصرے اور تقریظات لکھے گئے تھے۔مگر بحمداللہ اب یہ کتاب گیارہ جلدوں میں طبع ہورہی ہے۔ اسلئے تبصرے وغیرہ اسی خاص جگہ پر رکھنا دشوار ہے، اس وجہ سے جہاں مناسب سمجھا وہاں نقل کردیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کے گمان کے مطابق معاملہ فرمائے۔آمین، فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔

محمد قمرالزمان الہ آبادی

بمقام مدرسہ عربیہ بیت المعارف

بخشی بازار، الہ آباد

۴؍ذی الحجہ ۱۴۴۱ھ

مقدمہ

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قدس سرہ المتوفی ۱۴۱۹ھ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ وَ سَلَّمَ۔

اہل علم اور اصحاب نظر جانتے ہیں کہ بزرگان دین ومشائخ طریقت اور بزرگان سلف کے تذکرے ،سوانح عمریاں اور ملفوظات وافادات کا عظیم ذخیرہ کتب خانوں کی زینت وبرکت اور شائقین ومعتقدین کے مطالعہ واستفادہ میں رہا ہے،لیکن یہ زیادہ تر کسی ایک برگزیدہ بزرگ اور اپنے زمانہ کے مصلح ومربی اور شیخ طریقت کے حالات یا ملفوظات وافادات کے ذخیرہ پر مشتمل ہے۔

لیکن اہل نظر اور صاحب تجربہ لوگ جانتے ہیں کہ زمانوں میں تغیر وتنوع ہے اور اشخاص اور ان کے تجربہ ومطالعہ میں بھی تنوع پایا جاتا ہے اور یہ ایک فطری امر ہے۔ اس لئے اس کی بھی ضرورت تھی کہ مختلف اور متفاوت عارفین ، مشائخ ومرشدین اور معلمین و مصلحین اور اسی کے ساتھ طالبین صادقین ،عابدین وزاہدین اور صالحین کے حالات واردات وتجربات اور نصائح وتلقینات جمع کی جائیں تاکہ مختلف ومتفاوت العصر والعمر اور متنوع حالات وماحول کے اشخاص کو ان سے رہنمائی حاصل ہو اور ان کو اپنی ضرورت اور کام کی چیزیں ملیں۔

فاضل گرامی مولانا محمد قمر الزمان صاحب الہ آبادی کا سلسلہ ’’اقوال سلف‘‘ اسی موضوع ومقصد کی چیز ہے،جس کا حصہ پنجم (مگر اب نئی طباعت میں دسواں

حصہ ہے) اس وقت راقم کے سامنے ہے، یہ حصہ اس عصر وعہد جدید کے بلند پایہ مشائخ مخلصین، صالحین ومصلحین کے اقوال وتجربات اور نصائح او رارشادات پر مشتمل ہے اورجن سے زندگی میں رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ اپنی کمزوریوں اورضرورتوں کا بھی علم ہوتا ہے۔ اس حصہ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان مشائخ ومصلحین کے ساتھ بعض صالحات وعابدات اور پابند شرع اور بزرگوں سے تعلق رکھنے والی خواتین کے اقوال وحالات بھی شامل کئے گئے ہیں، ان میں قدیم ومشہور خواتین وصالحات کے ساتھ راقم کے خاندان کی متعدد مستورات کے حالات وتجربات اوران کا اللہ کے ساتھ تعلق اورتوفیق الٰہی کے نتائج وشواہد بھی آ گئے ہیں، اس طرح کتاب مستورات کے طبقہ کیلئے بھی مفید، شوق انگیز وہمت افزا بن گئی ہے، اوراس کی مستحق ولائق ہے کہ وہ دیندار گھروں میں مطالعہ کے لئے دی جائے اوراس سے گھر کے سب افراد (مردوزن) فائدہ اٹھائیں۔ اللہ تعالی مصنف مکرم کی سعی قبول فرمائے اوراس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ پہونچائے۔ آمین۔

ابوالحسن علی ندوی

دائرہ شاہ علم اللہ۔ تکیہ کلاں رائے بریلی

۲/ جمادی الاولی ۱۴۱۸ھ

مکتوب

محب مکرم حضرت مولانا برہان الدین صاحب سنبھلیؒ

شیخ التفسیر دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

باسمہ سبحانہ

مخدوم محترم حضرت مولانا قمرالزمان صاحب دام مجدکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی! تقریباً ایک ہفتہ قبل عزیز گرامی قدر مولوی سلطان الہدیٰ سلمہٗ کے بدست گرانقدر علمی تحفہ (اقوال سلف حصہ چہارم) ہمدست ہوا اور انہیں کی زبانی قبلہٗ مشرق ومغرب کے شہر سے بخیر واپسی کی اطلاع بھی ملی (فالحمدللہ علیٰ ذالک) سلف کے اقوال واحوال کے اس گرانقدر خزینہ سے آنکھوں کے ساتھ دل کی ٹھنڈک کا سامان فراہم کرکے آپ نے ہم جیسے نہ جانے کتنے پیاسوں کی تشنگی بجھائی اور بے نوروں کیلئے روشنی مہیا کی (فجزاکم اللہ خیر الجزاء) یوں تو سلف کا ہر حال وقال اپنے اندر سامان موعظت ونصیحت رکھتا ہے، مگران میں سے چند کے تفصیلی اقوال واحوال نے کم فہموں اور سخت مزاجوں کیلئے بھی فرار کی راہ گویا بند کردی ہے۔لیکن ''وماالتوفیق الاباللہ'' اور (گویا حجت تمام کردی ہے) اس پر آپ یقینا اہل قلوب ونظر کی طرف سے بجا طور پر شکریہ کے مستحق ہیں۔

حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ کے اقوال واحوال کے تحت انکے قیمتی

رسالہ ’’اقامۃ الحجۃ‘‘ کا خلاصہ پیش کر کے تو اہل علم پر آپ نے بڑا ہی احسان کیا ہے۔ اس لئے ’’اِنّ اللہ لایضیعُ اجر المُحسنین‘‘ زبان قلم پر بے ساختہ آ گیا۔ اسی طرح حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور بعض دیگر اکابر کے اقوال زریں کا اندوختہ سہولت پسند طبیعتوں کیلئے خاص طور سے گویا نعمت باردہ ہے۔

جی تو چاہتا تھا کہ تفصیل سے اپنے تأثرات قلمبند کر کے بھیجوں، مگر اس کیلئے فرصت درکار ہے اور فرصت کے انتظار میں اور نہ جانے کتنی تاخیر رسید میں ہو جاتی جس سے اپنی شرمندگی میں اضافہ کے علاوہ اور کچھ نہ ہوتا۔

آپ نے راقم کی حقیر سی ٹوٹی پھوٹی تحریر کو ’’تعارف‘‘ کا سا اہم عنوان دیکر کتاب کا جزء بنا کر جو افتخار بخشا ہے اسے خورد نوازی کے علاوہ اور کیا نام دیا جائے۔

دعائے خیر میں یاد رکھنے کی درخواست ہے۔ سفر کے احوال جاننے کا اشتیاق بھی۔ والسلام

احقر محمد برہان الدین
دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
از لکھنؤ ۱۸/۱۱/ سنہ ۱۹۹۴ء

تبصرہ

مولانا ضیاء الدین صاحب اصلاحیؒ

مدیر رسالہ ''معارف'' شبلی منزل۔ اعظم گڈھ

لائق مؤلف نے ''اقوال سلفؒ'' کا جو مفید سلسلہ شروع کیا ہے، اس کی دینی وتبلیغی حلقوں میں پذیرائی ہو رہی ہے۔

فاضل مرتب مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ ومولانا محمد احمد صاحب پرتا پگڈھیؒ کے دست گرفتہ اوراب خود ہدایت وارشاد کے منصب پر فائز ہیں، ارشادات وملفوظات کے ذیل میں ان کے قلم سے مختصر توضیحی عبارتوں نے کتاب کی دلکشی اور فائدہ دوچند کردیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ کتاب صرف اقوال سلف کا مجموعہ ہی نہیں بلکہ یہ تذکرۃ المتقین بھی ہے، جس کا مطالعہ نفع سے خالی نہیں۔

(نقل از رسالہ ''معارف'' اعظم گڈھ بابت: ماہ/ مارچ ۱۹۹۵ء شوال ۱۴۱۵ھ)

تأثر

عزیزم مولانا مجیب الغفار صاحب اسعد اعظمیؒ

استاذ حدیث جامعہ مظہر العلوم، بنارس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ کہ آپ کی تالیفات لطیفہ کی افادیت اور برکات کے سلسلہ میں اہل اللہ کی شہادات موجود ہیں اور وہی کافی وافی ہیں، اللہ تعالی آپ کی تمام تالیفات کو ہم متوسلین ومسترشدین نیز جملہ مسلمین وسالکین الی اللہ کیلئے دلیل راہ بنائے۔آمین۔

میرے لئے انتہائی خوشی کی بات ہے کہ مشائخ عظام وعلمائے اعلام اکابر کے تذکرے کے ساتھ مرشدی حضرت مصلح الامتؒ کی صاحبزادی عقیلہ آپا مرحومہ کا تذکرہ بھی اس حصہ میں آ گیا ہے، ہم لوگوں کی طالبعلمی کے زمانہ میں آپ اکثر ان کا تذکرہ فرمایا کرتے تھے، بہت سی باتیں جو کانوں میں پڑی تھیں وہ الحمدللہ اس تذکرہ میں آ گئی ہیں، ایک مرتبہ آپ نے بیان کیا تھا کہ مچھروں کی کثرت سے وہ بہت پریشان تھیں، چھوٹے چھوٹے بچے پاس ہی سو رہے تھے، آپ نے ان سے کہا کہ منہ پر چادر ڈال کر سو رہیں، تو انہوں نے کہا تھا کہ اگر میں ایسا کروں گی تو یہ مچھر بھی میرے پیارے بچوں پر ٹوٹ پڑیں گے، مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا کہ اپنی راحت کیلئے بچوں کی تکلیف کا سبب بنوں۔

سبحان اللہ ! کیسی اچھی فکر اور سوچ تھی انکی ، ان کے بارے میں جو مبشرات اور رؤیائے صالحہ ہیں ان کا کیا کہنا، انکی بزرگی اور خوش نصیبی کے لئے یہ بھی کیا کم ہے کہ آپ ان سے راضی اور ان کے نیک ہونے کی شہادت دے رہے ہیں، صالحین وصالحات کے تذکروں میں ان کا بھی تذکرہ ہورہا ہے۔ یہ بھی ان شاء اللہ علامت ہے اس بات کی کہ ان کا حشر ان کے والد ماجد سیدی ومرشدی حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ اور دیگر صالحین امت کے ساتھ ہوگا، اور انہیں جنت علیا میں مقام نصیب ہوگا۔

حدیث پاک میں ہے کہ ایما امراۃ ماتت وزوجھا راض عنھا دخلت الجنۃ[1] اللہ ہمیں بھی نیک لوگوں میں شامل فرمادے۔ آمین۔

ربّنا آمنّا فاکتبنا مع الشّٰھدین۔ ونطمع ان یدخلنا ربّنا مع القوم الصالحین۔ والسلام خیر ختام۔

خویدکم وتلمیذکم مجیب الغفار غفرلہ

اخیر عشرہ شوال ۱۴۱۸ھ

---

[1] جو عورت مرجائے اور اس کا شوہر اس سے خوش ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگی۔

تبصرہ

مکرم حضرت مولانا قاری محمد احسن صاحب فتحپوریؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداًو مصلیاً و مسلما!

قرآن کریم کی سورۂ یوسف کی آخری آیت کا ابتدائی حصہ یہ ہے لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِاُولِيْ الْاَلْبَابِ یعنی ان (انبیاء علیھم السلام اوران کی امتوں) کے قصوں میں اہل فہم کیلئے بڑی عبرت ہے (اور وہ فوراً ہی سمجھ جاتے ہیں کہ اطاعت کا انجام کیا ہوتا ہے اور نافرمانی کا کیا۔

قرآن کریم میں حضرت یوسف اور ان کے والد حضرت یعقوب علیہما السلام اوران کے بھائیوں کے علاوہ دیگر انبیائے سابقین اور انکی امتوں کے قصے کثرت کے ساتھ بیان ہوئے ہیں نیز غیر انبیاء کے عبرت ناک قصے اور بہت سے سبق آموز واقعات بھی بیان ہوئے ہیں چنانچہ لقمان حکیم کی اپنے بیٹے کیلئے نصیحتوں کا تفصیل سے بیان ہوا ہے۔بعض صحابہ کا عموماًاور حضرت زید رضی اللہ عنہ کا ان کے اسی نام کے ساتھ ذکر ہوا ہے۔اوران سب میں اہل فہم کیلئے عبرت ونصیحت کا غیر معمولی سرمایہ موجود ہے۔

دسیوں لاکھوں احادیث مبارکہ کے عظیم ذخیرہ کو اصطلاح شرع میں حدیث کہتے ہیں جوشریعت اسلامیہ کا دوسرا عظیم ومقدس سرمایہ ہے۔اوراسی وجہ

سے اس کی تدوین وتحفیظ کے ساتھ اعتناء اس کی شان کے مطابق امت مسلمہ نے کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال واحوال اور تقریر کے اس اصطلاحی نام کے علاوہ لغوی اعتبار سے اس کو اقوال سلف کے نام سے تعبیر کر لینے کو غلط نہیں کہا جا سکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ کے صحابہ، تابعین، تبع تابعین، آپ کے نائبین، علمائے امت، صلحاء، اولیاء اللہ اور ائمہ عظام ہمارے سلف صالحین ہیں جن کے اقوال ان کی سیرت اور ان کی زندگی کے سبق آموز قصوں کی تدوین وتحفظ کا بھی اہتمام نہایت شدت سے کیا گیا ہے۔

قرآن کریم اور احادیث مبارکہ کے مقدس ذخیرہ میں کسی کمی یا زیادتی کی نہ گنجائش ہے اور نہ اس کی ضرورت۔ بنی نوع انسان کیلئے جتنی جس قدر اور جس قسم کی ضرورت تھی وہ سب ان میں موجود ہے اور اس کے بعد قرآن وحدیث کا جو مقدس سرمایہ اس امت مسلمہ کے سپرد ہوا تو اس کے ایک بڑے طبقہ نے قولاً وعملاً جس طرح اسکی تشریح کی اور حسب توفیق انھوں نے اپنی زندگیوں کو اپنے اخلاق وکردار اور سراپا کو قرآن وحدیث کی تعلیمات وہدایات کی روشنی میں جس طرح ڈھال کر دنیا کے سامنے پیش کیا بجا طور پر اس کو اسلام کی جیتی جاگتی اور چلتی پھرتی تصویر کہا جا سکتا ہے۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک ایک سنت پر عمل پیرا ہو کر اور آپکی ہر ہر ادا میں اپنے آپ کو ڈھال کر داستان عشق ومحبت میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا، ایسوں کی ہی زندگیاں امت کے لئے مشعل راہ ہیں، اور ایسوں ہی کی تقلید کر کے صراط مستقیم کا سراغ ملتا ہے، اور انہی کے قدموں میں پڑ جانے، ان کے نقش قدم پر چل کر خود کو مٹا دینے سے حضرت حق جل مجدہ کا حصول

ممکن ہوتا ہے۔

یہ وہی صوفیۂ کرام اور صلحائے امت ہوتے ہیں جنکی حیات وسیرت مسترشدین کے امراض باطن کے لئے تریاق اوران کی زبان سے نکلا ہوا ایک ایک کلمہ ان کی زندگی کی کایا پلٹ دینے والا ہوتا ہے، ان کی ایک نگاہ سحر اثر سے مریض باطن کو شفا اور بے چین دلوں کو سکون حاصل ہوتا ہے، اور پھر جب دنیا ان کے وجود مسعود سے محروم ہوتی ہے تو ان کے سیرت واحوال کے مطالعے سے بھی روح کو تازگی حاصل ہوتی ہے اور امراض کا ازالہ ہوتا ہے۔

ابتدائی سطور میں مرقومہ قرآن کریم کی آیت کریمہ اور اس کے بعد احادیث مبارکہ کے ذکر کا منشاء اس حقیقت کی طرف اشارہ کرنا تھا کہ قرآن وحدیث میں بھی اقوال سلف کی افادیت پر صراحت موجود ہے، چنانچہ اسی افادیت کے پیش نظر اہل قلم علماء امت نے صلحاء، صوفیہ، مشائخ ودیگر اہل کمال کی سیرتوں پر مضامین سپرد قلم کئے ہیں، اوران کے اقوال زریں کو جمع کر کے امت کے روحانی امراض کے ازالہ اور غفلت شعار زندگیوں میں بیداری کا سامان فراہم کیا ہے، چنانچہ ایسے ہی اہل قلم حضرات کی چند کتابیں یہ ہیں، احوال سلف، اخلاق سلف، اعمال سلف، عبد الرحمن سلمی کی طبقات الصوفیہ، ابن سعد کی الطبقات الکبریٰ اورامام شعرانی کی طبقات کبریٰ اوردور حاضر کے ایسے ہی ایک باذوق صاحب قلم، اہل دل، صاحب نسبت بزرگ، مرشدی حضرت اقدس مولانا شاہ محمد قمر الزمان صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم ہیں، جنھوں نے اسی موضوع پر اقوال سلف نام کی ایک عظیم تصنیف کو وجود بخشا، یہ اپنے موضوع پر

ممتاز ترین عظیم کتاب گیارہ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔

یہ ایک نا قابل انکار حقیقت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس اور آپکے بعد حضرات صحابۂ کرامؓ، تابعین، اور تبع تابعین پھر امت کے تمام صلحاء، صوفیہ، مشائخ، ائمہ اور علماء کی سیرت اور ان کے اقوال زریں کا استقصاء تو کسی ایک مصنف کے لئے ممکن نہیں لیکن اقوال سلف میں جتنی ذوات قدسیہ کے اقوال واحوال اردو زبان میں جس سلیقہ اور حسن انتخاب کے ساتھ مع اضافۂ فوائد کے جمع کر دئے گئے ہیں اس زبان میں ایسی کوئی تصنیف اس خاکسار کے علم میں موجود نہیں۔

کتاب کی مشمولات کی اثر آفرینی اور اس کی افادیت کے سلسلہ میں دور حاضر کے اساطین علماء امت نے جن پر شکوہ لفظوں میں اپنے جذبات وخیالات کا اظہار کیا وہ اس کتاب کی قدر ومنزلت اور اس کی عظمت و نافعیت کے لئے ایسے شواہد عدل ہیں جو بہت کم کسی تصنیف کو میسر ہوتے ہیں۔

چنانچہ اس عظیم تصنیف کی پذیرائی کا حلقہ بہت وسیع ہو چکا ہے ہندوستان کے علاوہ دیگر کئی ممالک میں یہ کتاب مقبول ہوکر ہاتھوں ہاتھ لی گئی ہے، اس کے مشمولات کی اثر انگیزی نے دور حاضر کے اولیاء اللہ، صوفیۂ عظام، مشائخ کرام اور عالمی شہرت یافتہ علمائے امت کو متأثر کر کے ان کو اس کی ساحرانہ اثر انگیزی کے اعتراف پر مجبور کیا ہے، ہزاروں صفحات میں بکھرے ہوئے جواہر پاروں تک رسائی سب کے بس کی بات نہ تھی، ان ہی لعل وجواہر اور گہر پاروں کو ایک مقدس ذات گرامی اور دور حاضر کی عظیم شخصیت شیخ المشائخ حضرت اقدس

مرشدی مولانا شاہ محمد قمر الزمان صاحب دامت برکاتہم نے اپنے ماہرانہ ذوق تصنیف وتالیف کے ساتھ سلک تحریر میں نظم کر کے ہار بنا کر عام اردو داں حضرات کی خدمت میں پیش کر کے اس تک رسائی ان کے لئے آسان کر دی۔

فجزاہ اللہ خیر الجزاء۔

اس کم مایہ خاکسار کا تو احساس یہ ہے کہ کتاب کے مشمولات میں کسی بھی صاحب نسبت شخصیت کو پڑھا جائے تو اگر قاری کا قلب معاصی کی آلودگیوں کی وجہ سے مکمل سیاہ نہیں ہو چکا تو چند ہی سطروں کے بعد اس کے قلب میں ایک صالح انقلاب کی روشنی ان شاء اللہ نظر آنے لگے گی، اس لئے اس کتاب کی اثر آفرینی کے اظہار کے لئے مزید الفاظ وعبارت کی حاجت نہیں، کتاب ہاتھ میں ہے خود تجربہ کر کے دیکھ لیا جائے، عیاں را چہ بیاں۔

وما توفیقی الا باللہ

مرشد مکرم کا ادنیٰ خادم

خاکسار سید محمد احسن قاسمی

خادم جامعہ تجوید القرآن آزاد نگر، فتح پور، یوپی

تاثر

محب مکرم حضرت مولانا اسرار الحق قاسمیؒ

صدر آل انڈیا تعلیمی وملی فاؤنڈیشن دہلی

اک رند نے روح میں تازگی بھر دی

خالق دوجہاں نے انسانوں کی ہدایت ورہنمائی کے لئے ایک طرف آسمانی کتابیں نازل فرمائیں تو دوسری طرف انبیاء علیہم السلام کو بھی مبعوث فرمایا اور قرآن مقدس جیسا مکمل ضابطہ حیات عطا کرکے دین کو مکمل فرمادیا۔اور یہ بھی سچ ہے کہ انسان کو انسانیت ،صدق وصفا اور مختلف خداؤں کے بجائے خدائے واحد کی پیروی کی راہ پر گامزن کرنے اور ان کے اندر عشق ومعرفت کی جوت جگانے میں سلف صالحین کی صحبتیں ،ان کے تربیت کے طور طریقے اور ان کے ارشادات وملفوظات نہایت مؤثر ثابت ہوتے رہے ہیں۔صیقل گری کے اس کارنا تمام میں بے شمار اولیاء اللہ، بزرگوں اور علماء نے اپنی زندگیاں کھپادیں اور خود کو فنا کرکے ایک ایسی دنیا آباد کی جن میں عبد ومعبود کے حقیقی رشتوں کی گونج اور صرف اللہ سے دل لگانے کی آہٹ محسوس ہوتی ہے۔معرفت خداوندی کی بھٹی میں انسان کو کندن بنانے کا یہ کام اولیاء اللہ کی نورانی مجلسیں کرتی رہی ہیں یا صوفیہ کی خانقاہیں، بزرگان دین، اولیاء اللہ اور سلف صالحین کی صحبتیں اور اصلاح وتربیت کے جداگانہ طریقوں کے ساتھ ساتھ ان کے ملفوظات وعملی حکمتوں کا یہ

سلسلہ ہر دور میں جاری رہا ہے۔ چونکہ علمائے سلف صالحین اور شیوخ کے گراں قدر ملفوظات اور ارشادات عالیہ قرآن وسنت کی روشنی میں اور مقاصد شریعت کے عین مطابق ہوتے ہیں اس لئے انھیں سننے، پڑھنے اور عمل کرنے سے انسان کی زندگی میں حیرت ناک تبدیلی رونما ہوتی ہے۔

ہندوستان میں بھی اسلام کی تبلیغ اور علوم دینیہ کی ترویج واشاعت علمائے ربانی اور شیوخ طریقت کے ذریعے ہی ہوئی، اور دہلی کے تخت شاہی سے بنگال کی کھاڑی تک، صوبہ سرحد اور ملتان سے کیرالہ کے ساحل تک لاتعداد انسانوں پر صاحب نسبت بزرگوں کی نظر معرفت اور اقوال وعرفان کا ایسا اثر ہوا کہ بجلی کی سی تیزی سے لوگ آغوش اسلام میں آتے چلے گئے۔

زیر نظر کتاب ''اقوال سلف'' میں شیخ طریقت حضرت اقدس مولانا محمد قمر الزماں صاحب دامت برکاتہم نے دریائے عشق ومعرفت میں ڈوب کر صلحاء واتقیاء، صاحب معرفت واہل دل اور شیوخ کے اقوال وملفوظات اور اللہ پر مر مٹنے کی مختلف اداؤں اور جاں سوزی وجفاکشی کی تصویر کشی کی ہے۔

بزرگان دین کے مواعظ وملفوظات کو مرتب کر کے کتابی صورت میں پیش کرنے کا سلسلہ دوسری صدی ہجری سے رائج ہے۔اس موضوع پر حضرت عبداللہ بن مبارک (متوفی ۱۸۱ھ) کی ضخیم تصنیف ''کتاب الزہد والرقائق'' اور امام احمد بن حنبل (متوفی ۲۴۱ھ) کی ''کتاب الزہد'' نہایت اہم تصنیفات ہیں۔ابوالنصر جہنی، حضرت جنید بغدادی اور ان کے بعد کے صوفیہ کے بھی ملفوظات محفوظ ہیں۔

تصوف ایک ایسی راہ ہے جس سے انسان اللہ سے انتہائی قریب تک پہنچ جاتا ہے، تصوف آدابِ عبدیت سکھاتا ہے اور تصوف انسانی زندگی میں ایسی چنگاری پیدا کرتا ہے اور ایسا رنگ بھرتا ہے جس سے وہ تقویٰ وطہارت سے لیس چلتا پھرتا مقصدِ خداوندی کا نمونہ بن جاتا ہے۔ اسی راہ کے ایک مسافر حضرت شیخ مولانا محمد قمر الزمان صاحب دامت برکاتہم کی نگاہ جب مشہور صاحب نسبت بزرگ امام عبد الوہاب شعرانیؒ کی کتاب ''الطبقات الکبریٰ'' پر پڑی تو ان کا قلب صالح اس جانب مائل ہوا کہ کیوں نہ اس پُر اثر ولازوال تصنیف کو عربی زبان سے اردو میں منتقل کردیا جائے تاکہ جہانِ اردو بھی اس کی چاشنی اور اثرات سے مستفیض ہو۔ واضح ہو کہ امام عبد الوہاب شعرانی ۸۹۹ھ میں مصر کے ساقیہ ابی شعرہ میں پیدا ہوئے مختلف علوم وفنون کے حصول کے بعد انھوں نے راہِ سلوک وتصوف کی کئی منزلیں طے کیں۔ ان کے شیوخ کی تعداد تین سو سے کم نہیں ہے۔ شب وروز عبادت وریاضت اور تصنیف وتالیف میں گزارے اور جفاکشی ان کی فطرت کا حصہ بن گئی تھی۔ دعوت وارشاد اور اپنی خانقاہ میں تعلیم وتربیت کا تاحیات سلسلہ قائم رکھا اور ۹۷۳ھ میں وہیں دفن ہوئے۔ درجنوں تالیفات چھوڑی ہیں جن میں ''الطبقات الکبریٰ'' کو نہایت اہمیت حاصل ہے۔

حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب دامت برکاتہم نے نہایت عقیدت واحترام سے امام شعرانی کی کتاب الطبقات الکبریٰ کا تلخیص وترجمہ شروع کیا تو اکابرین واسلاف کے اقوال وارشادات اور مفید ومؤثر حکمتوں کی ایک دنیا اور پند ونصائح کا ایک سمندر ان کی آنکھوں کے سامنے آگیا۔

اسی طرح عہد نبوی سے دور حاضر تک کے صوفیہ، اتقیاء اور اللہ کے برگزیدہ بندوں کے اقوال واحوال کو حضرت مولانا قمر الزمان صاحب مدظلہ نے ایک سنہری لڑی میں نہایت سلیقے اور منظم انداز میں پرودیا ہے۔ گیارہ جلدوں پر مشتمل ''اقوال سلف'' انسانوں کی رہنمائی اور نصیحت کے لئے بیش قیمت تحفہ بھی ہے اور علمی دنیا کے لئے ایک تاریخی دستاویز بھی۔

غرض حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب مدظلہ العالی ایک بلند پایہ عالم دین اور صاحب نسبت بزرگ ہیں۔ جنھیں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ممتاز خلیفہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ جیسے یگانہ روزگار ومشہور صاحب جذب وسلوک سے راہ حق کی تربیت واجازت بھی حاصل ہے اور رشتۂ مصاہرت بھی۔ ساتھ ہی انھوں نے قطب الزماں حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپگڑھی قدس سرہ سے بھی کسب فیض کیا اور خلیفہ ومجاز بیعت ہوئے۔ مزید حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کے دونوں خلیفہ حضرت مولانا قاری حبیب احمد صاحب مظاہری الہ آبادی اور حضرت حافظ ڈاکٹر صلاح الدین صاحب صدیقیؒ نے بھی تحریری طور پر اجازت وخلافت سے نوازا۔ اسی طرح حضرت مولانا قمر الزمان صاحب ایک ایسے صاحب نسبت بزرگ ہیں جو باعلم وباکمال بھی ہیں اور دو عظیم شخصیتوں کی روحانی وجدان کا پرتو بھی، اس لئے موصوف کی شخصیت دوآتشہ بلکہ سہ آتشہ ہوگئی ہے۔ میں حضرت موصوف کو اس وقت ہندوستان میں علوم وسلوک کے اعلیٰ مقام پر پاتا ہوں۔

علمی رنگ اور روحانی تپش ان کی سطر سطر میں محسوس کی جاسکتی ہے۔ انھوں

نے طبقات کبریٰ کا ترجمہ کیا ہے مگر اپنے افادات عالیہ اور زریں تنقید وتبصرہ سے
اس مجموعہ کو ہمہ رنگ بنادیا ہے۔ اقوال سلف کی کل جلدیں امت کے لئے عظیم تحفہ
ہیں، اگر دیگر زبانوں [1] میں بھی یہ منتقل ہوجائیں تو ملت پر احسان عظیم ہوگا۔ علاوہ
ازیں حضرت مولانا قمر الزمان صاحب کی مجالس ومواعظ حسنہ سے مستفید ہونے
والوں اور ان کے لائق فرزندوں کو چاہیئے کہ وہ حضرت ممدوح کے مواعظ
وملفوظات کو بھی مرتب کرکے اس راہ کے مسافروں کی روشنی کا سامان پیدا کریں۔

اسرار الحق قاسمی

صدر آل انڈیا تعلیمی وملی فاؤنڈیشن دہلی

---

[1] الحمد للہ محب مکرم الحاج شبیر احمد صاحب انگریزی زبان میں طباعت کرا رہے ہیں۔
فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔ (قمر الزمان)

تقریظ

حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی دامت برکاتہم

استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

حضرت مولانا محمد قمرالزمان صاحب دامت برکاتہم سے طالب علمی کے زمانہ ہی سے شناسائی ہے۔ حضرت شاہ وصی اللہ صاحبؒ، جو حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے اجل خلفاء میں سے تھے، حضرت کا وطن ''فتح پورتال نرجا'' ایک کوردہ علاقہ تھا، حضرت نے وہاں نہ کبھی جمعہ کی نماز پڑھی اور نہ پڑھنے دیتے تھے۔ اس زمانے میں جب کہ سفر کی کوئی سہولت میسر نہیں تھی اور حضرت کے گاؤں تک پہنچنا آسان نہ تھا، حضرت تھانویؒ سے منسلک بڑے بڑے لوگوں کے بارے میں سنتے رہے کہ وہ لوگ حضرت شاہ صاحبؒ کے پاس ''فتحپورتال نرجا'' سفر کی سخت مشقت برداشت کرتے ہوئے تشریف لے آتے تھے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے حضرت مولانا محمد قمرالزمان صاحب مدظلہ العالی کو جب اپنی صاحبزادی سے رشتہ کے لئے منتخب فرمالیا تو ان کی تعلیم وتربیت کے لئے اپنے پاس فتحپورتال نرجا ہی میں قیام کو لازم کردیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ باقاعدہ ان لوگوں کو تعلیم بھی دیتے تھے اور تربیت بھی کرتے تھے۔ ہم لوگوں کے استاذ حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب کوپاگنجی جو ہمارے یہاں مدرسہ اشاعت العلوم میں صدر مدرس تھے اور حضرت مولانا عبدالحی صاحب مئویؒ کے

بعد ان کا ایسا فیض جاری ہوا، آپ کے بعد جتنے بھی باکام مولوی تیار ہوئے وہ سب حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب کی برکت تھی اور یہ فیض رسانی کی نسبت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کی دَین تھی۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے ان کو اپنے پاس ان حضرات کو تعلیم دینے کے لئے بلالیا تھا، جس کی وجہ سے حضرت مولانا محمد قمرالزمان صاحب زید مجدہ سے زیادہ ہی شناسائی رہی ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد حضرت مولانا محمد قمرالزمان صاحب زید مجدہ نے حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتا بگڈھیؒ سے تجدید بیعت کرلی، اور حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات تک برابر ان کی خدمت میں رہے۔ آپ اس طرح کی نظیر متأخرین میں نہیں دیکھ سکتے، اگر اس کی مثال ملتی ہے تو متقدمین مشائخ میں ملتی ہے۔ اس کے بعد ایسا شخص دوطرح کی مستقل نسبت حاصل کرنے والا آپ کسی کو نہیں پائیں گے، اور جب علم کے ساتھ ایسا تقویٰ بھی حاصل ہوجاتا ہے تو وہی نافع ہوجاتا ہے۔

حضرت مولانا مدظلہ ''اقوال سلف'' کے عنوان سے گیارہ جلدیں اب تک تصنیف کرچکے ہیں، جس میں سلف صالحین کے اقوال واحوال کو جمع کرکے اپنے مختصر سے تبصرے کے ذریعہ اس کے نفع کو عام کردیا ہے۔ اگر صرف کتاب سے اصلاح ہوسکتی ہے تو اس کتاب کے ذریعہ سے مکمل اصلاح ہوجاتی، مگر اللہ تعالیٰ کی سنت ایسی نہیں ہے، البتہ کوئی سخت سے سخت دل والا ہو، اس کتاب کے پڑھنے کے بعد اس کا متأثر ہونا ضروری ہے اور اس کتاب کے مذکّر ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

یہ چند الفاظ حضرت مولانا مدظلہ کے پیش خدمت ہیں، ممکن ہے ناچیز کے لئے دعا فرمادیں اور اللہ تعالیٰ مجھ کو بھی ان لوگوں میں شامل کر لے، جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے دعا کی: ’’تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ‘‘۔ آمین

نعمت اللہ اعظمی، خادم التدریس

دارالعلوم دیوبند

۱۸ر شعبان المعظم ۱۴۴۳ھ

تقریظ

حضرت مولانا عتیق احمد صاحب بستوی زید مجدہ

استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمین والصلاۃ والسلام علیٰ خاتم الانبیاء والمرسلین محمدبن عبد الله الامین وعلیٰ آله الطیبین الطاهرین، وعلیٰ اصحابه الغر المیامین وعلیٰ اولیائه الصادقین الصالحین وعلی من تبعهم ودعا بدعوتهم الیٰ یوم الدین! وبعد۔

حضرت جبرئیل امین نے انسانی شکل میں آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک مجلس میں دین وشریعت کے بعض اہم امور کے بارے میں سوالات کئے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جوابات بیان فرمائے، حضرت جبرئیل امین نے ”صدقت“ فرما کر ان جوابات کی تصدیق فرمائی، انہیں میں سے ایک سوال ”احسان“ کے بارے میں تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”**الاحسان أن تعبد الله کأنک تراہ، فان لم تکن تراہ فانه یراک**“ کہ احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی بندگی اس طرح کرو گویا تم اللہ کو دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے دیکھ نہیں رہے ہو تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے، مقصد یہ ہے کہ احسان کیفیت حضوری کا نام ہے کہ انسان کو ہر عمل اور عبادت میں اس بات کا احساس رہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے عمل اور اس کی نیت کو دیکھ رہے ہیں، انسان دینی اعمال اخلاص

کے ساتھ محض اللہ کی رضامندی کے لئے کرے، ریا اور نمائش اور کوئی دنیوی مقصد اس سے متعلق نہ ہو۔

احسان دین کا اہم ترین شعبہ ہے جس سے انسان کے اعمال میں روح پیدا ہوتی ہے اور خالق کائنات جل وعلا سے اس کا تعلق مضبوط سے مضبوط ہوتا جاتا ہے، حتیٰ کہ وہ قرب الٰہی سے سرفراز ہوتا ہے اور اللہ کی طرف سے اس کی محبت مخلوقات کے دلوں میں ڈال دی جاتی ہے، دین کے احکام واعمال جب احسانی کیفیات سے منور ہوتے ہیں تو حقیقت دین انسان کو نصیب ہوتی ہے۔

قرآن کریم کی بہت سی آیات اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے شمار احادیث دین کے اسی حصہ یعنی احسان سے تعلق رکھتی ہیں، لیکن جب اسے تصوف وسلوک کا نام دے دیا گیا تو یہ چیز بہت سے حضرات کے یہاں نزاعی بن گئی اور یہ بحث ہونے لگی کہ تصوف وسلوک دین کا حصہ ہے یا نہیں؟، کہیں یہ دین میں اضافہ تو نہیں؟، یہ بحث اس لئے بھی شروع ہوگئی کہ تصوف وسلوک کی بعض کتابوں میں کچھ ایسے مباحث بھی شامل کردئے گئے جن کا سرچشمہ کتاب وسنت میں تلاش کرنا تقریباً ناممکن ہے، اور صوفیاء کا ایک ایسا طبقہ بھی پیدا ہو گیا جس نے شریعت اور طریقت کو ایک سکے کے دو رخ نہیں بلکہ دو متضاد چیزیں قرار دے دیا، بعض نے یہاں تک کہہ دیا کہ شریعت چھلکا ہے اور طریقت مغز۔

اصطلاحات کی اس معرکہ آرائی نے بہت سی غلط فہمیاں پیدا کردیں، اور امت کے ایک طبقہ کو دین کے اس اہم شعبہ سے یعنی شعبۂ احسان سے بدظن کردیا، اور اس کے عظیم فوائد سے محروم کردیا جب کہ واقعہ یہ ہے کہ احسان دین کا

اہم ترین شعبہ ہے اور بہت سی قرآنی آیات اور احادیث نبویہ اس سے متعلق ہیں۔

ہر دور میں ربانی علماء نے فنِ احسان جسے تصوف کا نام دیا جاتا ہے کو اپنی بحث و تحقیق اور تصنیف و تالیف کا موضوع بنایا اور ہزاروں بیش قیمت تصانیف اور رسالے وجود میں آئے جو شرعی علوم کے ساتھ انسانی علوم کا بھی گراں قدر حصہ ہے اور جدید دور میں خود انسان کے بارے میں خصوصاً اس کے نفسیاتی اور اخلاقی پہلو پر جو کچھ تحقیقات ہو رہی ہیں اس میں بہت مفید اور معاون ہے۔

احسانی کیفیت پیدا ہونے کا ایک مؤثر ذریعہ اہل اللہ کی صحبت ہے کتاب وسنت میں اللہ کے نیک بندوں کی صحبت میں رہنے اور ان کے نفوس قدسیہ سے فیضیاب ہونے کی بار بار تلقین کی گئی ہے، صحابہ کرام نے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ سلم کی صحبت کی برکت سے مقام صحابیت پایا اور اسلامی شریعت میں صحابہ رسول کا خصوصی مرتبہ و مقام تسلیم کیا گیا، اہل اللہ کی صحبت سے اور ان کی تربیت کے نتیجہ میں انسان اخلاق حسنہ سے آراستہ ہوتا ہے برے اخلاق سے پاک ہوجاتا ہے، اس میں اخلاص وللٰہیت، تواضع وفروتنی، تقویٰ اور خشیت کی کیفیات پیدا ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ کی محبت سے دل معمور ہوتا ہے، اور انسان کوشش کرتا ہے کہ اس کی زندگی کا مقصد آخرت کی کامیابی ہو، مال کی محبت دل سے نکل جاتی ہے اور انسان بندگی کے درجات میں ترقی کرتا رہتا ہے۔

الحمدللہ اسلامی تاریخ کے ہر دور میں اور عالم اسلام کے ہر علاقہ میں اللہ کے ایسے برگزیدہ بندے رہے ہیں جو احسانی کیفیات سے آراستہ تھے اور بندگانِ خدا کو اللہ تعالیٰ کی محبت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے لبریز

کرتے تھے، مسلمانوں کو سچا مسلمان اور بہتر سے بہتر انسان بنانے کی سعی فرماتے تھے، اوران شاء اللہ یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔

ہمارا ملک ہندوستان بھی اسلامی تاریخ کے ہر دور میں اکابر اہل اللہ، مشائخ وصوفیہ سے آباد رہا اوران کے فیض صحبت سے لاکھوں انسانوں کی دل کی دنیا بدلتی رہی، تزکیہ واحسان کا یہ سلسلہ برصغیر ہند و پاک میں ہر دور میں قائم رہا۔

آخری صدیوں میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے تصوف و احسان کے مباحث منقح کرکے اوراصل اسلامی تصوف (جو احسان کا دوسرا نام ہے) کو پورے آب وتاب کے ساتھ امت کے سامنے پیش کرنے کی جو کوشش فرمائی اوراس پر انہیں جو کامیابی ملی وہ اپنی مثال آپ ہے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بے شمار بندگان خدا کی تربیت فرمائی، اخلاق حسنہ سے آراستہ کیا، سچا انسان بنایا اوران میں اتباع شریعت کا مزاج پیدا کیا، حضرت تھانویؒ کے خلیفہ جہاں جہاں پہنچے ایمان و احسان کی قندیلیں روشن کیں، انوار شریعت سے پورے پورے علاقے اورخطہ کو منور فرمایا۔

بزم اشرف کے ایک نمایاں چراغ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے، جنہیں اللہ تعالی نے بے شمار خصوصیات سے نوازا تھا، ان کی صحبت میں غیر معمولی تاثیر تھی، جذب وکیف کا ان پر غلبہ رہتا تھا، قرآن کریم کے علوم ولطائف سے انہیں بڑی مناسبت تھی اوران کے مواعظ وملفوظات کا تانابانا قرآن کریم سے تیار ہوتا تھا، وہ بڑے ہی قوی النسبت اورقوی التاثیر بزرگ تھے، اللہ تعالی نے ان کے فیض کو دور دور تک پہنچایا، اور ہزاروں لاکھوں بندگانِ

خدا ان کی صحبت وتربیت سے فیض یاب ہوئے۔

حضرت شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے فیضیاب ہونے والوں میں ایک نمایاں نام حضرت مولانا قمرالزماں صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم کا بھی ہے، حضرت مولانا قمر الزماں صاحب کی جوانی اورنو جوانی حضرت شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت وتربیت میں گزری، انہوں نے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے خوب خوب فائدہ اٹھایا، اوران کے منظورنظر رہے، حتی کہ حضرت شاہ صاحب نے اپنی ایک بچی کا عقد مولانا قمر الزماں صاحب دامت برکاتہم سے کردیا، اسی دور کے دوسرے بزرگ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڑھی کی بھی ان پر خصوصی نظر کرم رہی، ان کی مجالس اور صحبتوں سے موصوف برابر فیضیاب ہوتے رہے بالآخر حضرت مولانا پرتاب گڑھیؒ نے انہیں اجازت وخلافت سے نوازا۔

حضرت مولانا قمر الزماں صاحب ہمارے بزرگوں کی آخری یادگار ہیں، اللہ تعالی نے ان کے فیض کو پوری دنیا میں پہنچایا ہے اور امت کے تمام طبقات سلوک واحسان کے میدان میں اس سے استفادہ کررہے ہیں، اللہ تعالی ان کی عمر اور صحت میں برکت عطا فرمائے اوران کے فیوض کو عام اور تام فرمائے۔

حضرت مولانا محمد قمرالزمان صاحب دامت برکاتہم کی ایک بڑی خصوصیت ان کی جامعیت، اعتدال اور تمام دینی وعلمی حلقوں سے گہرا مخلصانہ ارتباط ہے۔

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ، حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب

پرتا بگڈھیؒ کے علاوہ دوسرے اکابر علماء ومشائخ سے بھی گہرا تعلق رکھتے تھے اور ان سے استفادہ کرتے تھے، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے ان کا خصوصی ربط وتعلق تھا۔ حضرت مولانا علی میاں ندویؒ ان کے بڑے قدر شناس تھے، ان کی آمد وملاقات سے حد درجہ مسرور ہوتے تھے۔

اسی غیر معمولی تعلق ومحبت کا مظہر حضرت مولانا قمر الزمان صاحب دامت برکاتہم کی ضخیم کتاب ''نقوش وآثار مفکر اسلام'' ہے جو حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کی شخصیت وافکار پر لکھی جانے والی چند اہم ترین کتابوں میں سے ہے۔ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ بھی الحمدللہ شائع ہوچکا ہے۔موجودہ ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم بھی حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب دامت برکاتہم سے خصوصی تعلق ومحبت رکھتے ہیں اور ان کی خواہش اور کوشش ہوتی ہے کہ ندوۃ العلماء کی مجلس منتظمہ میں ان کی شرکت ضرور ہو اور وہی اس کی صدارت فرمائیں۔

حضرت مولانا قمر الزماں صاحب کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ تزکیہ واحسان، درس وتدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کے میدان میں بھی انہوں نے بڑے گراں قدر کام کیے ہیں، جن میں سے سب سے اہم اور نمایاں کام ان کی عظیم تصنیف ''اقوال سلف'' ہے جو گیارہ جلدوں میں ہے، مولانا موصوف نے اس کتاب کے ذریعہ تصوف واحسان کے قدیم وجدید لٹریچر کو زندہ کردیا ہے، اور تصوف کے علوم کو اس طرح کشید کردیا ہے کہ ہر شخص کے لیے اس سے استفادہ آسان ہوگیا ہے۔

اس وقت میرے پیش نظر ''اقوال سلف'' کی آٹھویں جلد ہے جو ۶۰۰/ صفحات پر مشتمل ہے، اس جلد میں چودہویں صدی ہجری نصف اول کے اولیاء کرام کے احوال واقوال مختصرا ذکر کئے گئے ہیں، اس میں ۸۲/ بزرگوں کا تذکرہ ہے، جن کی سن وفات ۱۳۱۳ھ سے لے کر ۱۳۵۴ھ تک ہے، اس جلد میں مختلف ممالک اور مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے اہل اللہ کے حالات اوران کے اقوال کافی اختصار وجامعیت سے اکٹھا کیے گئے ہیں۔

''اقوال سلف'' کا اصل نام ''مآثر الانبیاء والصدیقین وآثار الشہداء والصالحین'' ہے جواردو میں ''اقوال سلف'' کے نام سے مشہور ہے، اس کی مختلف جلدوں پر مختلف بزرگان دین اوراصحاب تحقیق علماء کی تقریظات ہیں، یہ کتاب سلوک واحسان کا عظیم گنجینہ اورتذکرہ وسوانح کا بہترین انسائیکلوپیڈیا ہے، اس کا مطالعہ کرنے سے اگرایک طرف اہل اللہ کے حالات معلوم ہوتے ہیں تو دوسری طرف ان کے اقوال اور واقعات سے دلوں کا زنگ دور ہوتا ہے اور دل ودماغ میں ایمانی کیفیات اوراحسانی جذبات پیدا ہوتے ہیں۔

ہماری دعاہے کہ اس کتاب کی باقی جلدیں بھی زیور طبع سے آراستہ ہوں اوراللہ تعالیٰ اس کتاب کوقبولیت مقبولیت سے نوازے اورمصنف کتاب دامت برکاتہم کا سایہ اس امت پرتادیرصحت وعافیت کے ساتھ قائم رکھے۔

عتیق احمد بستوی
استاذ دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ
ناظم مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلما لکھنؤ
۱/اپریل ۲۰۲۲ مطابق ۲۸ شعبان ۱۴۴۳ھ

تأثر

حضرت مولانا محمد ادریس عقیل صاحب ملی قاسمی زید مجدہ

شیخ الحدیث معہد ملت مالیگاؤں

شیخنا المحترم العارف باللہ حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب الہ آبادی دامت فیوضکم العالیہ بالصحۃ والعافیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اللہ رب العزت آپ کا سایہ صحت وعافیت اور جملہ روحانی برکات کے ساتھ ہمارے سروں پر قائم رکھے۔

’’اقوال سلف‘‘ کا سلسلہ کسی نعمت سے کم نہیں ہے۔اقوال کے ساتھ احوال کا علم بھی ہوتا ہے۔مطالعہ کے ذریعہ یہ تصور قائم ہوتا ہے کہ آپ کی انگلی پکڑ کر ہم اسلاف کی روحانی،عرفانی مجلس میں شریک ہو رہے ہیں اور علم ومعرفت کے دریچوں سے آنے والی کرنوں سے مستفید ہو رہے ہیں۔آپ کے ذریعہ وجود میں آنے والی تمام کاوشوں کو اللہ رب العزت بے انتہا قبول فرمائے۔بالخصوص ’’اقوال سلف‘‘ کے اس شاہ کار سلسلے کو تکمیل تک پہنچا کر امت کے لئے نفع کا سامان بنائے۔

بندہ دعائے خیر کا محتاج ہے۔صحت اور حسن خاتمہ کے لئے دعا فرمائیں، احباب اور اہل خانہ سلام ودعائے خیر کے لئے درخواست کرتے ہیں۔ فقط

محمد ادریس عقیل

مالیگاؤں

۱/۴/۲۰۲۲ء

تأثرات

مکرم مولانا محمد اسماعیل صاحب بھوٹا ٹنکاریہ بھروچ گجرات

و

مکرم مولانا محمد اشفاق الرحمٰن صاحب مفتاحی اندوری (ایم پی)

(اقوال سلف کی اشاعت ایک انقلابی کارنامہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حامداً و مصلیاً و مسلما۔ اما بعد!

الحمد للہ آج بتاریخ ۶/ جنوری ۲۰۲۰ء مرشد ومربی حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب دامت برکاتہم کی تصنیفِ لطیف ''اقوال سلف ہفتم'' کا بالاستیعاب مطالعہ اختتام پذیر ہوا، اور اب حضرت کے حکم کی تعمیل میں اللہ جل شانہ سے توفیق ونصرت کے طلبگار ہوکر حضرت ہی کی توجہات عالیہ کے زیر سایہ اپنے کچھ تأثرات پیش کرنا چاہتے ہیں اور رب کریم کی بارگاہ میں دعا کرتے ہیں کہ وہ محض اپنے رحم وکرم سے فیضانِ اقوال سلف کی نسبت پر مناسب اور مفید تعبیرات کا القاء فرما کر اسے ہم سب کے ظاہر وباطن کی اصلاح اور اپنی ذات پاک سے نسبت کے حصول کا ذریعہ بنائے۔ (آمین)

اس انمول اور لاثانی کتاب کا بنیادی سرچشمہ حضرت العلامہ ابوالمواہب عبدالوہاب شعرانیؒ کی مشہور ومعروف اور انتہائی مقبول کتاب ''الطبقات الکبریٰ'' ہے، اور یہ اس بیش قیمت علمی، فکری، اصلاحی اور روحانی سرمایہ کا ترجمہ نہیں بلکہ اس کی ترجمانی ہے۔ اس کے علاوہ حضرت والا دامت برکاتہم نے دیگر معتمد ومستند کتابوں

سے بھی اکابر واسلاف کے اقوال واحوال کا تذکرہ فرمایا ہے، اب یہ مبارک سلسلہ نہ صرف طالبانِ علوم شریعت اور سالکین راہِ سلوک ومعرفت کیلئے بلکہ مرشدین ومصلحین کیلئے بھی ایک غنیمت کبریٰ ہے اور اللہ جل شانہ وعم نوالہ کی نعمت عظمیٰ بھی۔

اس علمی ،اصلاحی اور انقلابی سلسلۃ الذہب کا مختصر نام یا لقب ''اقوال سلف'' ہے۔ جب کہ کتاب میں متعدد اکابر سلف کے اقوال سے پہلے ان کے احوال بھی مذکور ہیں، اور ایسا بھی ہے کہ فقط احوال ہی ہیں، اقوال نہیں ہیں۔

دراصل بات یہ ہے کہ اہل اللہ کے اقوال واحوال میں کوئی تضاد نہیں ہوتا، بلکہ ان کے اقوال ان کے احوال ہی کے آئینہ دار ہوتے ہیں، اور کام میں کثرت اور کلام میں قلت ان کی زندگی کا اہم اصول ہوتا ہے۔ وہ مردانِ قال ہی نہیں، بلکہ مردانِ حال بھی ہوتے ہیں، ان کا عمل اس عارفانہ نصیحت پر ہوتا ہے کہ

قال رابگذار مردِ حال شو پیشِ مرد کاملے پامال شو

پھر جب کاملین کے سامنے پوری طرح پامال ہوجانے کے نتیجہ میں انہیں اللہ جل شانہ کی جانب سے کمال وجمال اور عرفانِ الٰہی کی نعمت خاصہ حاصل ہوتی ہے تو ان کے اقوال بھی دوسروں کے احوال سے بدر جہا بہتر ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں اللہ والوں کی شان بھی عجیب ہوتی ہے کہ ان کے احوال میں پند ونصائح کا ایک عالم پنہاں ہوتا ہے، ان کی نشست وبرخاست اور ہر نقل وحرکت سے افادات وافاضات کا ظہور ہوتا رہتا ہے، ان کی صحبت مریضانِ قلب کیلئے اکسیرِ اعظم سے کم نہیں ہوتی ہے۔

چنانچہ اسی بناء پر وہ کچھ کہے بغیر بھی اپنی زبان حال سے بہت کچھ کہہ دیتے ہیں۔ ان کا کہنا بھی مؤثر ہوتا ہے، اس لئے کہ وہ دل سے کہتے ہیں، اور

''از دل خیزد بردل ریزد'' والا معاملہ ہوتا ہے، اور ان کا کچھ نہ کہنا بھی اثر انداز ہوتا ہے، بلکہ کبھی تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ خموشی کی افادیت تکلم سے بڑھ جاتی ہے ۔

خموشی معنی دارد کہ در گفتن نمی آید

اسی لئے کہا جاتا ہے کہ کاملین کا امتیاز یہ بھی ہے کہ ان کی خاموشی بھی افادیت سے خالی نہیں ہوتی۔ جیسا کہ برادرِ محترم مولانا محمد اسمٰعیل صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا کہ میں نے خود استاذِ گرامی، مسیح الامت حضرت مولانا شاہ مسیح اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ سے سنا کہ ''جس پیر کی خاموشی فائدہ بخش نہیں ہوتی اس کا تکلم بھی مفید نہیں ہوتا۔''

اس حقیقت کو سمجھنے کیلئے بہت دور جانے کی ضرورت نہیں، مؤلف کتاب، ہمارے حضرت دامت برکاتہم کی مجالس میں بسا اوقات طویل خاموشی چھائی رہتی ہے، حاضرین مجلس پر یا تو ذکر وفکر کی ایک کیفیت طاری رہتی ہے یا وہ نظر چرا کر حضرت کے رخ زیبا کو انتہائی ذوق وشوق اور جذبۂ محبت کے ساتھ طالبانہ نگاہوں سے دیکھتے رہتے ہیں اور اس طرح اپنے رب کی صفات جمال وجلال کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ ولی اللہ کو دیکھنے سے اللہ جل شانہ کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔جیسا کہ کہا گیا ہے ''الذین اذا رؤوا ذکر اللہ۔''

دوسری طرف حضرت والا کی محبانہ اور مشفقانہ نظر عنایت اور توجہات عالیہ اپنے عزیزوں کی جانب مبذول رہتی ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ حضرت والا دامت برکاتہم کے افادات وافاضات کا دریا حاضرین کے دلوں میں نسبت ومحبت الٰہی کو پیوست کرنے میں جاری وساری ہے۔ پھر جب حضرت خطاب فرماتے ہیں تو

سامعین ہمہ تن گوش ہوکر سنتے ہیں، اور بیان میں سادگی اور اختصار کے باوجود جاں بلب مریضان قلب بھی شفایاب ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

الغرض اقوال سلف میں اقوال بھی ہیں اور احوال بھی، ملفوظات بھی ہیں اور مکتوبات بھی، ترغیبات بھی ہیں اور تنبیہات بھی، ظاہری امراض کا علاج بھی ہے اور باطنی مشکلات کا حل بھی، علمی اور تحقیقی نکات بھی ہیں اور فقہ وتفسیر وحدیث کے فوائد بھی، اور متعدد مقامات پر حضرت والا کے مختصر مگر انتہائی جامع افادات نے تو اس کتاب کو رشد وہدایت کا مینارۂ نور ہی بنا کر چھوڑا ہے۔

ماشاء اللہ! کتاب اس قدر دلچسپ اور جاذبِ قلب ونظر ہے کہ پڑھنا شروع کردیں تو چھوڑنا مشکل، اور چھوڑ دیں تو اس کے بغیر رہا بھی نہیں جاتا، اس لئے کہ اس میں دوا بھی ہے اور غذا بھی، اور دونوں ہی سے استغناء ممکن نہیں۔

نیز یہ ایک ایسا علمی، دینی، اصلاحی اور انقلابی مجموعہ اور تاریخی موسوعہ ہے جس سے صاف ظاہر اور ثابت ہوتا ہے کہ امت میں تعلیم وتدریس، اصلاح وارشاد، تطہیر وتزکیۂ نفوس، احیاء وتجدید دین اور دعوت وعزیمت کے کارہائے نمایاں ہر زمان ومکان میں تسلسل کے ساتھ ہوتے رہتے ہیں، اور الحمد للہ آج بھی وارثین انبیاء ان اہم امور وفرائض کی انجام دہی میں ہمہ تن مصروف ہیں۔

پھر خود حضرت والا دامت برکاتہم (جو کہ ایک طرف مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب الہ آبادیؒ کے علوم واعمال اور کمال وجمال کے وارث وامین ہیں تو دوسری طرف عارف باللہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپگڈھیؒ کے ذوق وشوق اور جذب واحسان کا عکس جمیل ہیں) روز وشب درس وتدریس،

تعلیم وتبلیغ، اصلاح وارشاد، تزکیہ وتربیت نفوس اور حفاظت واشاعت اسلام کے ہمہ جہتی کاموں میں اپنے تمام تر وجود کے ساتھ مصروف ومنہمک ہیں اور ہمہ وقت بندگان خدا سچی طلب کے ساتھ حضرت سے وابستہ ہوتے رہتے ہیں اور حضرت اپنے دستہائے شفقت ومحبت سے انہیں بناتے اور سنوارتے ہیں۔

الحمد للہ اس طرح کی سعی پیہم اور جہد مسلسل کے نتیجہ میں حضرت کے منتسبین اور اجازت یافتہ علماء ومشائخ کی مساعی جمیلہ کی برکت سے ملک وبیرون ملک میں تعلیم وتربیت اور افراد سازی کے صدہا کارخانے قائم ہیں اور یہ سلسلہ وسیع وعریض اور دور دراز تک ہوتا جارہا ہے۔ کتاب کی ترتیب اس قدر مؤثر ہے کہ جب یکسوئی کے ساتھ اس کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو ایسا لگتا ہے کہ ہم دنیا کے ہر خطے اور ہر علاقہ کا سفر کررہے ہیں اور ہر زمانہ کے علماء ربانیین، مرشدین، مصلحین اور مشائخ کبار کی درسگاہوں، خانقاہوں اور تربیتی مراکز میں حاضر ہیں اور ان سے خوب استفادہ کررہے ہیں، لیکن ہمارا یہ سفر حضرت ہی کی رہنمائی کا مرہون منت ہے، بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حضرت والا اپنے دست شفقت سے ہماری انگلیاں پکڑ کر متقدمین ومتأخرین کی مجالس میں لے جارہے ہیں اور آداب استفادہ سکھاتے ہوئے مستفید ومستفیض ہونے کا موقع عنایت فرمارہے ہیں۔

پھر چونکہ ایک زمانہ میں غالی متصوفین نے سلوک وتصوف کے صاف ستھرے نظام تزکیۂ وتربیت میں بہت سی نامناسب اور سنت وشریعت کے خلاف باتوں کی آمیزش کردی تھی جس کے نتیجہ میں تصوف کو شریعت کے خلاف ایک مستقل نظام کی حیثیت سے جانا جاتا تھا اور مسائل تصوف کو انتہائی مشکل اور

پیچیدہ خیال کیا جاتا تھا اس لئے سخت ضرورت تھی کہ تصوف کی حقیقت اور مسائل تصوف کو کتاب وسنت کی روشنی میں واضح کیا جائے۔

الحمد للہ اس ضرورت کی تکمیل کے لئے ماضی قریب میں حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمۃ نے کتاب وسنت اور سیرت طیبہ کی روشنی میں احسان وسلوک اور تصوف کی حقیقت اور اس کی افادیت کو واضح کیا، غلط فہمیوں کا ازالہ فرمایا اور اس بات کو ثابت کیا کہ شریعت اور طریقت میں کوئی منافات نہیں ہے۔ پھر حضرت کے خلفاء اور دیگر اکابر نے اس مہم کو آگے بڑھایا، اور اپنے اپنے انداز میں تصوف کا تعارف کرایا۔

اب موجودہ زمانہ میں مؤلف کتاب حضرت والا دامت برکاتہم اپنے اکابر کے علم وعرفان کے ترجمان اور شارح ہیں اور الحمد للہ اس انداز میں مسائل تصوف کو بیان فرماتے اور سمجھاتے ہیں کہ عام وخاص سب کیلئے یکساں طور پر سمجھنا اور استفادہ بہت ہی آسان ہوجاتا ہے۔ ماشاء اللہ! ابھی تک حضرت کے قلم گہر بار سے ہزاروں صفحات لکھے جاچکے ہیں اور درجنوں کتابیں منظر عام پر آکر قبولیت عامہ حاصل کرچکی ہیں۔ اور ابھی اقوال سلف کی مزید قسطوں اور دیگر کتابوں کی طباعت کا سلسلہ جاری ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ رب کریم حضرت والا کے سایۂ عاطفت کو صحت، عافیت اور قوت کے ساتھ ہم سب پر دراز تر اور قائم دائم فرمائے، اور حضرت کے فیضان علم وعمل کو عام وتام فرمائے۔ آمین۔

(مولانا) محمد اسمٰعیل ساکن ٹنکاریہ (گجرات)

(مولانا) محمد اشفاق الرحمٰن مفتاحی (اندور)

تأثر

عزیزم مولانا محمد سعیدی صاحب سہارنپوری

(ناظم مظاہر علوم وقف سہارنپور)

الحمد للہ الذی علم بالقلم ،علّم الانسان مالم یعلم ،والصّلٰوۃ والسلام علی رسولہ الأکرم وعلی آلہ وصحبہ ومن تبعہ من الأمم۔ وبعد!

حضرت مولانا محمد قمر الزمان الہ آبادی مدظلہم کسی تعارف کے محتاج نہیں، ان کی بہت سی بیش بہا، قیمتی، نادر، مفید ونافع اور علمی واصلاحی کتابیں منصۂ شہود پر جلوہ فگن ہوکر اہل علم، بزرگانِ دین، سالکین ومسترشدین اور عوام وخواص کے لئے سرمۂ بصیرت بن چکی ہیں، ان کی سب سے اہم کتاب ''اقوال سلف'' ہے جس کی نویں جلد میرے سامنے ہے۔

''اقوال سلف'' کا یہ بابرکت سلسلہ تقریباً چار دہائیوں سے جاری ہے، اس کی ہر جلد پڑھنے کے بعد آسودگی کے ساتھ ہی اگلی جلد کی طلب پیدا ہوجاتی ہے جو بلاشبہ حضرت مرتب صاحب مدظلہم کے اخلاص وللّٰہیت پر دال ہے۔

سلوک وتصوف اور اکابر علماء وصلحاء کے حالات زندگی پر اگرچہ متعدد کتابیں موجود ہیں مگر اس کتاب کو جو چیز ممتاز کرتی ہے وہ اس کتاب میں شامل ہزاروں شخصیات کا کمالِ روحانی، جمالِ عرفانی، ان کے اقوال وملفوظات اور ان کے بیش قیمت تجربات ہیں۔

شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب مدظلہ کی یہ کتاب صرف سلف کے واقعات ہی پر مشتمل نہیں ہے بلکہ تقریباً ایک ہزار جلیل القدر ہستیوں کے حالات زندگی، واردات قلبی، ملفوظات طیبات، قصص وواقعات اوران کے تجربات کا بھی احاطہ کرتی ہے، اس کی ہر جلد اپنی مثال آپ ہے اگر آپ بالاستیعاب اس کتاب کو پڑھیں تو یقین جانئے اس کے پڑھنے سے عقل کوانجلاء، روح کوتقویت اورعقیدہ کو پختگی حاصل ہوتی ہے، اقوال سلف کو پڑھنے سے شبہات کا ازالہ ہوتا ہے، انسان کی دنیا سے بے رغبتی وبے تعلقی اور خالق کائنات سے ربط وتعلق پیدا ہوتا ہے، لایعنی کو چھوڑنے کا مزاج بنتا ہے، اخلاص نیت اور اصلاح نیت کی توفیق ملتی ہے۔

بزرگوں کے حالات اورارشادات سیرت نبویہ کا عکس اور سنت نبوی کا نمونہ ہوتے ہیں، بزرگوں کی صحبت میں رہ کر ہی صحیح طور پر اسلامی تربیت اور سنت نبوی پر عمل کی توفیق ملتی ہے چنانچہ اولوالعزم صحابہ کرام کی زندگیاں، تابعین عظام کی نیرنگیاں اور تبع تابعین کی رعنائیاں نیز اسلافِ امت کی قابل رشک جھلکیاں عہد بہ عہد اگر دیکھنی ہوں تو سیکڑوں کتابوں کو پڑھنے اور ہزاروں اوراق کو کھنگالنے کے بجائے ’’اقوال سلف‘‘ کو اپنے مطالعہ میں رکھ لیجئے، یہی ایک کتاب ان شاء اللہ نہ صرف علامہ ابن الجوزی (المتوفی ۵۹۷ھ) کی صفۃ الصفوۃ سے، ابن خلکان (المتوفی ۶۸۱ھ) کی وفیات الاعیان سے، علامہ ذہبیؒ (المتوفی ۷۴۸ھ) کی سیر اعلام النبلاء سے، عبدالرحمن جامیؒ (المتوفی ۸۹۸ھ) کی نفحات الانس سے، علامہ عبدالوہاب شعرانیؒ (المتوفی ۹۷۳ھ) کی الطبقات الکبریٰ

سے، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (المتوفی ۱۰۵۲ھ) کی اخبار الاخیار سے، مصطفی بن عبداللہ کاتب چلپی المعروف بہ حاجی خلیفہ (۱۰۶۸ھ) کی کشف الظنون سے اور مولانا عبدالحی رائے بریلی (۱۳۴۱ھ) کی نزہۃ الخواطر سے مستغنی کردے گی بلکہ بہت سے اصلاحی، عرفانی اوراحسانی سلسلوں کے عظیم و باکمال ہستیوں سے بھی متعارف ہونے کا ذریعہ ثابت ہوگی۔

مجھے امید ہے کہ جس طرح شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب زیدمجدہم کی ذات والاصفات مرجع عوام وخواص ہے ان کی یہ کتاب بھی اہل علم واہل ذوق کے کتب خانوں، لائبریریوں اور مطالعہ گاہوں کی زینت بن کر قلب کو گرمانے اور روح کو تڑپانے کا ذریعہ بنے گی۔ **وماذٰلک علی اللہ بعزیز۔**

العبد: محمد سعیدی۔ ناظم ومتولی: مظاہر علوم (وقف) سہارنپور

۲۸؍ربیع الاول ۱۴۴۲ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّی عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡم۔ امّابعد:

سیدی ومرشدی حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ المتوفی ۱۳۸۷ھ

خاندان وولادت: آپ کا خاندان مسلم راجپوت تھا، آپ کی ولادت باسعادت ۱۳۱۲ھ مطابق ۱۸۹۵ء میں بمقام فتح پور تال نرجا ضلع (اعظمگڈھ) مئو میں ہوئی۔ والد محترم کا اسم گرامی محمد یعقوب خاں تھا جو ماشاء اللہ قرآن پاک کے حافظ اور بستی کے معزز شخص تھے، والدہ ماجدہ بھی نہایت دیندار تھیں۔ رحمهم الله تعالی۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں ہوئی، اور حافظ ولی محمد (جو اسم بامسمیٰ تھے) کے زیر تربیت حفظ قرآن پاک کی دولت سے مشرف ہوئے، حافظ ولی محمد صاحب نے شاگرد رشید کی صلاحیت کا اندازہ کر کے یہ نصیحت فرمائی کہ دیکھو بیٹے تم عربی پڑھنا، چنانچہ اسی جذبہ کے تحت حضرت والاؒ، مولانا محمد عثمان صاحب فتحپوری کے ساتھ کانپور گئے اور وہاں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ: ۱۳۲۸ھ میں حضرت مولانا محمد عثمان صاحب فتحپوریؒ ہی کے ساتھ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور وہاں داخلہ لیا، ۱۳۳۶ھ میں دورۂ حدیث یعنی درس نظامی کی تکمیل فرمائی، بخاری شریف محدث جلیل حضرت علامہ مولانا انور شاہ کشمیریؒ سے پڑھی، حضرت شاہ صاحبؒ کے علاوہ دیگر علمائے اعلام بھی آپ کے اساتذہ میں سے ہیں، مثلاً حضرت مولانا سید

اصغر حسین صاحب دیوبندیؒ ،حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب عثمانیؒ ، حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب عثمانیؒ ، حضرت علامہ مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ ،حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ وغیرہم ۔

زمانۂ طالب علمی: کمسنی ہی سے آپ تقوی ،طہارت ،زہد اور قناعت جیسی صفات حسنہ سے متصف تھے ،بچپن ہی سے نامحرم عورتوں سے پردہ کرتے تھے ، نیز مشتبہ کھانے سے پرہیز کرتے تھے ،بعض دفعہ ایسا بھی ہوا ہے کہ مشتبہ کھانے کو معدہ نے قبول نہ کیا اور قے ہوگئی ، طالب علمی کے دور میں عام دعوتوں میں شرکت نہ فرماتے ، چاہے اس کی وجہ سے فاقہ ہی کیوں نہ کرنا پڑے اور ایثار وہمدردی کا یہ حال تھا کہ اگر کسی طالب علم کا کھانا مدرسہ سے جاری نہ ہوتا تو اپنے کھانے میں اس کو شریک فرمالیتے ، چونکہ آپ دیوبند کے ریلوے اسٹیشن کے قریب کی مسجد میں امامت فرماتے تھے ،اس لئے عصر سے پہلے صرف روٹی لے کر چلے جاتے اور وہاں گڑ یا نمک وغیرہ سے تناول فرمالیتے تھے ،طالب علمی کے دور میں بھی معاملات کی صفائی کا خاص لحاظ رکھتے ، چنانچہ آپ کو ایک مرتبہ حضرت حافظ احمد صاحبؒ مہتمم مدرسہ دارالعلوم دیوبند نے مدرسہ کے کسی کام سے حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خدمت میں تھانہ بھون کرایہ اور کھانے کا خرچ دے کر بھیجا ،مگر خانقاہ تھانہ بھون میں کھانے کا انتظام حضرت تھانویؒ نے فرمایا اس لئے جو رقم کھانے کی بچی اسے حضرت مہتمم صاحبؒ کو واپس فرمادیا۔ مہتمم صاحب اس سے بہت خوش ہوئے اور آپ کی دیانت کی داد دی ، غرض ان خصائل حسنہ کی وجہ سے اساتذۂ کرام کے نزدیک وقیع اور سب کی نظر

میں عزیز رہے۔

تزکیۂ نفس اور تربیت باطنی: چونکہ آپ کو زمانۂ طالب علمی ہی سے اصلاح اخلاق اور تزکیۂ نفس کا خیال دامنگیر تھا، اس لئے حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ دیوبندی سے بیعت ہو گئے اور آپ کی مجلس میں شریک ہو کر فیض صحبت سے بہرہ ور ہوتے رہے، مگر اسی اثناء میں حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک آزادی کے سلسلہ میں گرفتاری کا واقعہ پیش آیا اور آپ جزیرہ مالٹا میں اسیر کر دیئے گئے، مگر چونکہ بیعت کا اصل مقصود اصلاحِ نفس ہے، اس لئے آپ نے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے اصلاحی تعلق قائم فرمایا اور بیعت ہو گئے، اور خانقاہِ تھانہ بھون کی آمد و رفت شروع فرما دی۔

قیام خانقاہ تھانہ بھون: چنانچہ فراغت کے بعد یکسو ہو کر اصلاح و تربیت کے لئے خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون تشریف لے گئے، جیسا کہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب عثمانیؒ تحریر فرما رہے ہیں:۔

> ''مولانا میرے ہم سبق تھے اور ہماری فراغت درس نظامی کی تکمیل سے ۱۳۳۶ھ میں ہوئی، مولانا موصوف دیوبند سے فارغ ہو کر سیدھے تھانہ بھون چلے گئے اور علم و عمل کے مقاصد میں کامیاب ہوئے''۔

خلافت: چونکہ حضرت حکیم الامتؒ کی خدمت میں طلب صادق لے کر گئے تھے اس لئے مرشد کامل کی پوری توجہ آپ کی طرف مبذول ہوئی اور تھوڑی ہی مدت میں مقامات سلوک اور منازل طریق طے فرما لئے، اور خلعت خلافت سے مشرف

ہوئے، ذَالِکَ فَضۡلُ اللہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ مگر اس شرف سے بہرہ ور ہونے کے بعد بھی خانقاہ میں عرصہ تک مقیم رہے، ذکر و شغل کے علاوہ خانقاہ کے مدرسہ میں تدریسی خدمت بھی انجام دیتے تھے، کبھی وہاں کی مسجد میں امامت بھی فرماتے تھے، نیز حضرت حکیم الامتؒ کے ملفوظات لکھنے، مکتوبات کے نقل کرنے اور عربی کتابوں کے ترجمے کرنے کی خدمت بھی انجام دیتے تھے۔ آپ ہی نے ''تربیت السالک'' جیسی اہم کتاب پر مقدمہ ارقام فرمایا ہے جسے حضرت حکیم الامتؒ نے بہت پسند فرمایا، چنانچہ حضرت مصلح الامتؒ ہی کا لکھا ہوا مقدمہ ''تربیت السالک'' کے شروع میں طبع ہوا ہے، تاہم ان سب خدمات علمیہ کے باوجود اصل کام یعنی ذکر و شغل، تزکیۂ نفس اور اصلاح اخلاق کی طرف ہمیشہ توجہ مبذول رکھتے تھے، بلکہ اکثر خانقاہ سے جنگل و میدان کی طرف نکل جاتے تھے اور دیر دیر تک وہاں ذکر و فکر میں مشغول رہتے تھے اور اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

باغ میں لگتا نہیں ، صحرا سے گھبراتا ہے دل
اب کہاں لے جاکے بیٹھیں ایسے دیوانے کو ہم

قیام وطن: اہل وطن کے فیضیاب ہونے کا جب مبارک وقت آیا تو خود حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے وفات سے چند سال قبل حضرت مصلح الامتؒ سے ارشاد فرمایا کہ اب آپ وطن چلے جائیں اور وہاں کام کریں تا کہ آپ سے لوگ مستفیض ہوں، چنانچہ آپ اپنے وطن فتحپور تال نرجا ضلع مئو تشریف لائے اور وعظ و نصیحت کا کام شروع فرمایا، برادری کی بستیوں میں بیان کے لئے مثلاً کاریساتھ، ندوہ سرائے، حمید پور وغیرہ آنے جانے کا سلسلہ قائم فرمایا اور

قریب کے قصبات پورہ معروف، کوپا گنج، مئوناتھ بھنجن بھی آمد ورفت رہی، کوپا گنج میں تو پیرانی صاحبہ کے علاج کے سلسلہ میں عرصہ تک قیام فرمایا، جس سے اہل قصبہ کو بہت نفع ہوا۔

تدریس :۔ یوں تو متعدد مدارس میں آپ نے تعلیم دی ہے جس میں مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور مشہور ہے، اسی مدرسہ میں حضرت مولانا عبدالستار صاحب پورہ معروفی اوران کے برادر خورد مولانا عبدالجبار صاحبؒ شیخ الحدیث مدرسہ شاہی مرادآباد کو حضرت مصلح الامتؒ سے شرف تلمذ حاصل ہوا ہے، رہا فتحپور تال نرجا میں مستقل تدریس تو حضرت مصلح الامتؒ کے بڑے خویش برادر مکرم قاری محمد مبین صاحبؒ کی رہائش کے بعد ہوا ہے، چند سال کے بعد رجب ۱۳۷۰ھ مطابق جون ۱۹۵۰ء میں جب اس حقیر کا رشتہ حضرت والاؒ کی صاحب زادی سے ہوا تو پھر یہ حقیر بھی دارالعلوم مئو سے تعلیمی سلسلہ منقطع کر کے حضرت والاؒ کی خدمت میں آ گیا، اور بھائی صاحب کی جو کتابیں ہدایۃ النحو وغیرہ زیر درس تھیں ان میں شریک ہو گیا، کوپا گنج کے مولوی منظور الوحید صاحبؒ ، مولوی انوارالغنی صاحبؒ ، مولوی نظام الدین صاحبؒ اور مولانا محمد یونس صاحبؒ بھی شریک درس رہے۔ اس کے بعد ہی مولانا محمد حنیف صاحبؒ جونپوری مع اپنے چند ساتھیوں کے دورۂ حدیث کیلئے آ گئے تو ان کو حضرت والاؒ درس دینے لگے، کافی دنوں تک اس کا سلسلہ رہا۔

الحمدللہ حضرت مصلح الامتؒ نے اسی طرح ہم لوگوں کو بھی ہر فن کی کتابیں پڑھائیں، چنانچہ بخاری شریف، ترمذی شریف، ابن ماجہ، اسی طرح کچھ حصہ روح المعانی وتفسیر کشاف کا بھی درس دیا۔

طریقۂ درس: حضرت والاؒ دوران درس مختصر تقریر کرنے کے عادی تھے، عبارت کی درستگی پر بہت زور دیتے تھے، اور صحیح ترجمہ کرنے کی ترغیب دیتے، فرماتے کہ اگر طالب علم نے یہ دونوں کام درست کرلئے تو پھر اب اس کی استعداد بڑھتی ہی جائے گی، اس لئے طلبہ کو اس کا بہت اہتمام کرنا چاہئے۔

بعض مسائل میں تحقیق فرماتے تو دسیوں کتابیں سامنے آجاتیں، چنانچہ حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کے ایک شاگرد مولانا حکیم انعام الحق صاحب مئوی نے جو یہ دیکھا تو برجستہ فرمایا کہ آج حضرت شاہ انور صاحبؒ کا درس یاد آگیا، آپ کو ماشاء اللہ تعالیٰ علوم عقلیہ سے بھی مناسبت تھی، چنانچہ ان میں سے بعض کتابوں کا درس بھی دیتے تھے، سراجی کے پڑھانے کا بڑا اہتمام تھا، اور اس کی اہمیت بیان فرماتے رہتے تھے، نیز کتب درسیہ کے علاوہ اور بہت سی کتابیں ہم لوگوں کو پڑھائیں مثلاً تفسیر میں تفسیر کشاف، روح المعانی کا مقدمہ، تصوف میں ترصیع الجواہر المکیہ امام غزالیؒ کی منہاج العابدین، القول الجمیل، خیر کثیر، تاریخ میں تاریخ الخلفاء وغیرہ۔

تزکیۂ نفوس اور اصلاحِ اخلاق: چونکہ حضرت مصلح الامتؒ کا اصل کام تو تزکیۂ نفوس اور اصلاح اخلاق ہی کا تھا، اس لئے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کا اہم و اعلیٰ مقصد یہی تھا، اس لئے ان حضرات کے سچے نائب اور وارث بھی اس کی طرف خاص توجہ مبذول فرماتے ہیں، چنانچہ حضرت مصلح الامتؒ اس نیابت کا حق ادا کرتے ہوئے تزکیۂ نفوس کی اہمیت اور ضرورت پر شدومد سے کلام فرماتے تھے اور عام وخاص سب کو اس کی طرف

متوجہ فرماتے۔

طلبہ سے بھی تصحیح نیت اور اصلاح اخلاق کا برابر مطالبہ فرماتے اور اطلاع احوال کو ضروری سمجھتے تھے، اگر کوئی کوتاہی کرتا تو تنبیہ فرماتے ، اس کی وجہ سے ہر طالب علم کو اپنے احوال پر نظر اور اصلاح کی فکر رہتی تھی ، اور فکر پیدا ہوجانا ہی اصل طریق اور اساس اصلاح ہے۔

کبھی طلبہ سے فرماتے کہ یہ مدرسہ نہیں بلکہ خانقاہ ہے، مطلب یہ ہوتا کہ یہ دارالعلم ہی نہیں بلکہ دارالعمل بھی ہے، اس لئے ابھی سے عمل کا خیال رکھو گے تو عمل ہوگا ورنہ پڑھنے کی بعد بھی بے عمل ہی رہو گے، بلکہ فرماتے کہ طالب علمی کے زمانہ ہی سے کسی قدر ذکر کا عادی رہنا چاہئے، تاکہ فارغ ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کے ذکر کے پابند رہو۔ اگر طالب علمی کی طویل مدت کو غفلت میں گزارو گے تو فارغ ہونے کے بعد بھی ذاکر نہ ہوگے بلکہ غافل کے غافل ہی رہ جاؤ گے۔

چونکہ حضرت مصلح الامتؒ کو اصلاح وتربیت کا اہم منصب سپرد تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اصلاح کے باب میں کمال بصیرت اور نور فراست سے نوازا تھا، جس کی وجہ سے بہتوں کو باطنی نفع پہنچا اور آپ کے فیض صحبت سے ایک جماعت مستفیض ہوئی، چنانچہ علماء نے اس کی تصدیق کی، اور مصلح الامت کے لقب سے نوازا۔ فللہ الحمد و المنۃ۔

طریقۂ اصلاح: یوں ابتدائی دور میں حالات کے مطابق کسی قدر شدت اور سختی اختیار فرمایا، مگر اخیر عمر میں رفق ونرمی کو ترجیح دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ

دریں زمانہ اصلاح کے لئے تلطف متعین ہے،اور آپ کا عمل اس شعر کے مطابق تھا ؎

آسائش دو گیتی تفسیر این دو حرفست   بادوستاں تلطف بادشمناں مدارا

یعنی دونوں جہاں کی راحت اس میں ہے کہ دوستوں کے ساتھ لطف وکرم کا معاملہ کیا جائے اور دشمنوں کے ساتھ مدارات وحسن سلوک کا۔

مجلس: وطن میں عموماً علاوہ ماہ رمضان کے مجلس بعد نماز ظہر فرماتے، اس میں کتاب وسنت کی تعلیم کے ساتھ ساتھ تصوف کے مضامین بھی بیان فرماتے، عموماً استدلال میں ''احیاء العلوم، رسالہ قشیریہ، تفہیمات، مکتوبات معصومیہ، مکتوبات رشیدیہ وارشاد الطالبین'' اور حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے رسائل مثلاً قصد السبیل، تعلیم الدین وغیرہ کو پیش فرماتے۔

مجلس کی خصوصیت: آپ کی مجلس غیبت، شکایت اور لایعنی باتوں سے پاک ہوتی تھی، کبھی فرماتے۔

''احباب چوں حاضراند باعداء چہ حاجتست''۔(یعنی جب احباب حاضر ہیں تو اغیار کی باتوں کی کیا ضرورت ہے۔) کسی فرد یا جماعت کا برائی سے ذکر نہ فرماتے، خود سیاسی باتیں نہ فرماتے، بلکہ خانقاہ میں سبھی کو سیاسی باتیں کرنے سے منع فرماتے اور یہ شعر پڑھتے ؎

ما قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم   از ما بجز حکایتِ مہر و وفا مپرس

آپ کا طریق اصلاح: آپ بجائے ردّ بدعت کے سنت کو پیش فرماتے تاکہ اس کو مخالف رد نہ کرسکے اور اپنے لوگوں کو اسی طریقہ کے اختیار کرنے کی

ترغیب دیتے تھے۔ اصلاح وتربیت کے باب میں حکمت وموعظت حسنہ کی خاص رعایت فرماتے اورنرم گولیکن مگوغیرصواب، پرعمل فرماتے،یعنی حق بات کہو مگرنرمی سے کہو۔

تعمیر خانقاہ وتوسیع مسجد: فتحپور تال نرجامیں جب طالبین کی آمد بکثرت ہونے لگی اور مستقل قیامگاہ کی ضرورت محسوس ہوئی توحضرت والاؒ نے مسجد کی پچھّم جانب چارکمروں کی خام خانقاہ بنوائی پھر جب وہ تنگ ہوگئی تو بہت سے کمروں پر مشتمل پختہ دومنزلہ خانقاہ بنوائی جو ماشاء اللہ ذاکرین سے آباد رہنے لگی،مگرجب مسجد کی توسیع کی ضرورت محسوس ہوئی توحضرت والاؒ نے قدیم مسجد کو منہدم کرکے ازسرنو ۱۳۷۰ھ میں نہایت وسیع خوشنما مسجد تعمیر کرائی،مگرافسوس صد افسوس کہ اب خانقاہ ومسجد دونوں ہی خستہ حالت میں موجود ہیں۔فیاحسرتاہ۔ دعاہے کہ اللہ تعالی اپنے فضل وکرم سے اس کی ظاہری وباطنی تعمیر کی سبیل پیدافرمائے۔آمین۔

تاسیس مدرسہ وصیۃ العُلوم فتحپور: چونکہ اب تک مدرسہ کی کوئی عمارت نہ تھی اس لئے حضرت والاؒ کو مدرسہ کی تعمیر کا بھی خیال ہوا اور بڑے شوق سے بھوپال کے انجینئر سے اس کا نہایت شاندار نقشہ بنوایا اوراس کے مطابق بنیاد بھی رکھی،مگرافسوس کہ رمضان ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۹۵۶ء میں گاؤں کے پَردھانی کے الیکشن کے سلسلہ میں باہم مسلمانوں ہی میں فساد ہوگیا،جس کا اثرحضرت والاؒ کی ذات اقدس پر پڑرہا تھا اورآپ کے اطمینان قلب اورجمع خاطر میں خلل انداز ہونے کا خطرہ ہوا،تو یہ چیز اہل اللہ کو کب گوارا ہوسکتی تھی،اس لئے کہ ان حضرات

کا تو یہ حال ہوتا ہے۔

بردل سالک ہزاراں غم بود　　گر ز باغ دل خلالے کم بود

یعنی سالک کے دل پر ہزاروں غم ہوتے ہیں، اگر اس کے دل کے باغ سے ایک تنکہ بھی کم ہوتا ہے۔

سفر گورکھپور: لہذا گھر بار اور عالیشان مسجد و دو منزلہ خانقاہ سب کو خیر باد کہہ کر گورکھپور کیلئے روانہ ہوگئے، اور مکرم مولوی نثار اللہ صاحب مرحوم (رئیس گورکھپور) اور انکے برادر خورد مکرم مولوی امجد اللہ صاحب مرحوم کے مکانوں پر قیام فرما ہوئے اور مجلس کا نظم فرمایا اور ہم لوگوں کو بخاری شریف و ترمذی شریف وغیرہ بہت سی کتابیں یہیں شروع کرائیں، مجلس میں عوام و علماء جوق در جوق آنے لگے، مگر افسوس کہ اسی اثناء میں حضرت والاؒ کو درد قولنج کا ایسا شدید دورہ پڑا کہ جانبر ہونے کی امید باقی نہ رہی، مگر اللہ نے اپنے فضل و کرم سے امت مسلمہ کے استفاضہ کیلئے حیات نو عطا فرمائی اور چند سال مزید خدمت دین اور افاضہ خلق کا موقع نصیب فرما کر مزید اپنے قرب و قبول کی سعادت بخشی، چنانچہ ماشاء اللہ اہل گورکھپور کو خوب فیض پہنچایا۔ **فللہ الحمد و المنۃ۔**

مگر کسی وجہ سے کچھ مہینوں حضرت والاؒ کا قیام مع جملہ اہل خانہ کے مشفقی المکرم مولانا حکیم وصی احمد خانصاحبؒ کے مکان پر بھی رہا، انہوں نے بہت ہی محبت و عقیدت کا ثبوت دیا اور خوب ہی خوب حق خدمت و ضیافت ادا فرمایا۔

سفر الہ آباد: مگر افسوس کہ حکیم صاحبؒ کے مکان پر حضرت والاؒ کو پھر دوبارہ درد قولنج کا دورہ پڑا، مزید ہچکی بھی شروع ہوگئی جو کسی علاج سے بند نہیں ہو رہی تھی،

تو مشورہ ہوا کہ الہ آباد چل کر علاج کریں، چنانچہ آناً فاناً اس کا انتظام ہو گیا اور چند احباب کے ساتھ الہ آباد کے لئے روانہ ہو گئے، اور حسن منزل میں قیام فرمایا، پھر چند دنوں کے بعد یعنی اوائل نومبر ۱۹۵۷ء مطابق ۱۳۷۷ھ میں اہل خانہ کو بھی بلا لیا، اور حضرت کے خواص مکرم حاجی شفیع اللہ صاحب مرحوم اور مکرم حاجی عبدالوحید صاحب مرحوم کے مکانات پر قیام پذیر ہوئے، اور ان لوگوں نے بھی بہت ہی اکرام کا معاملہ فرمایا۔

مکان کی خریداری: مگر وہاں گرمی کی شدت مزید پانی کی قلت کی وجہ سے تکلیف ہونے لگی تو حضرتؒ گرمی کی شدت کی وجہ سے حسن منزل سے ڈاکٹر صلاح الدین صاحب کے مکان مچھلی کوٹھی منصور پارک تشریف لے جانے لگے۔ سارے بچے حسن منزل ہی میں تھے، ایک دن حضرت فجر کے بعد حسن منزل تشریف لائے تو حاجی شفیع اللہ صاحبؒ کے مکان کے اندرونی صحن میں اہلیہ یعنی مقبول احمد، سعید احمد، عزیز احمد و محبوب احمد کی والدہ بچوں کو لیکر گرمی سے پریشان تھیں اور سب کو پاوڈر لگا کر صحن میں بیٹھائی ہوئی تھیں تو حضرت ان کی پریشانی دیکھ کر بہت متاثر ہوئے تو اہلیہ نے کہا کہ ابا! ایسی گرمی ہے جس سے بہت تکلیف و پریشانی ہو رہی ہے اس لئے کوئی کشادہ مکان لے لیجئے تاکہ اس گرمی کی شدت واذیت سے نجات ملے، حضرت والاؒ کو بھی خیال ہوا کہ اگر یہاں کوئی وسیع مکان مل جاتا تو مناسب ہوتا، تاکہ ہمارے بچوں کو راحت ملے اور ذاتی مکان ہو جانے سے طالبین کی آمد و رفت اور ان کی رہائش اور ان کی اصلاح و تربیت میں مزید آسانی حاصل ہو جاتی۔ غرض اس کا اظہار اپنے خاص مشیر مکرم

حافظ ڈاکٹر صلاح الدین صاحبؒ صدیقی سے فرمایا تو انہوں نے وکیل ابوالحسن صاحبؒ مچھلی شہری کے مکان واقع محلہ بخشی بازار کی خریداری کا مشورہ دیا، چنانچہ اس مکان کو حضرت والاؒ نے پچیس ہزار روپئے میں خریدلیا (مگر حضرت مصلح الامتؒ کے پاس اتنی رقم بھی نہ تھی کہ نقد ادا فرماتے اس لئے قسطوار جیسے جیسے بطور ہدیہ رقم ملتی اس حقیر کے واسطہ سے ڈاکٹر صلاح الدین صاحبؒ کو اور وہ مکرم وکیل ابوالحسن صاحب کو ادا فرماتے، چنانچہ قلیل ہی مدت میں وہ رقم ادا ہوگئی) اور جملہ اہل خانہ حسن منزل سے اس مکان نمبر ۲۳ر بخشی بازار میں منتقل ہوگئے، اور اس کے بعد ہی حضرتؒ نے مجلس عام میں الہ آباد میں مستقل سکونت کے ارادہ کا اعلان فرمادیا، جس سے اہل شہر کو بہت مسرت ہوئی۔ پھر حضرت والاؒ نے نہایت جدوجہد سے تعلیم وتربیت کا کام شروع فرمایا اور مکان کا ایک حصہ خانقاہ کیلئے مخصوص فرمادیا، **فلله الحمد و المنّة**

چنانچہ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ ''پرانے چراغ'' حصہ اول میں یوں رقمطراز ہیں:

''اس کے کچھ عرصہ بعد مولانا گورکھپور سے الہ آباد تشریف لے آئے اور الہ آباد کیا تشریف لائے، الہ آباد اور الہ آباد والوں کی قسمت جاگی اور شہر جو عرصہ دراز تک تصوف ومعرفت کا مرکز رہ چکا تھا اور یہاں کے بارہ دائرے مشہور تھے، اب ذکر اللہ اور دعوت الی اللہ کی برکت سے اسم بامسمیٰ اور صحیح معنی میں الہ آباد ہوگیا۔ مولانا گورکھپور سے ربیع الثانی ۱۳۷۷ھ میں الہ آباد تشریف لائے، کچھ عرصہ حسن منزل میں قیام رہا، پھر روشن باغ (بخشی بازار) کا محلہ آپ کے قیام

سے منور وروشن ہوا، اور وہاں ایک خانقاہ اور دار التربیت قائم ہوگیا‘‘۔

(پرانے چراغ: حصہ اول ص/۱۶۹)

مسجد و مدرسہ وصیۃ العلوم الہ آباد: جب حضرت مصلح الامتؒ بخشی بازار کے مکان میں قیام پذیر ہوئے تو ڈھال والی مسجد بخشی بازار میں (جو ابھی نامکمل تھی) نماز کی ادائیگی کیلئے جانے لگے، وہاں کے متولی صاحبؒ نے حضرت والاؒ کو مسجد کا نظم بخوشی سپرد فرمادیا، پس حضرت مصلح الامتؒ نے مسجد کی تعمیر مکمل فرمائی، ساتھ ہی اس کے گرد حجروں کی تعمیر کراکے مدرسہ وصیۃ العلوم کی بنیاد رکھی، اور اپنے نواسہ مولوی مقبول احمد قاسمیؒ وغیرہ سے مدرسہ کا افتتاح فرمایا اور مکرم بھائی قاری محمد مبین صاحب کو اس کا مہتمم اور اس حقیر کو اس کا صدر مدرس مقرر فرمایا تھا۔

مسجد و مدرسہ بیت المعارف: محلہ میں ایک مسجد ''مسجد سیمرغ'' کے نام سے مشہور تھی، وہاں بھی حضرت والاؒ اپنے محبین ومخلصین کی طلب وخواہش پر عموما ظہر وعصر کی نماز پڑھتے تھے، باہر سے آنے والے کچھ طالبین وہاں بھی قیام کرتے تھے اور حضرت والاؒ وہاں بھی مجلس فرماتے تھے، اسی کی برکت سمجھئے کہ ۲۸/ذی الحجہ ۱۳۹۵ھ مطابق ۱۹۷۶ء کو چند احباب کے مشورہ اور اعانت سے اس حقیر نے وہاں مدرسہ عربیہ بیت المعارف کی بنیاد رکھی، جس میں ماشاء اللہ موقوف علیہ یعنی مشکوۃ شریف تک کی تعلیم ہوتی ہے، خوش قسمتی سے حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتاپ گڈھی کا سالہا سال اس مدرسہ میں قیام بھی رہا جس کی وجہ سے علماء ومشائخ کی برابر آمدورفت رہی، الحمدللہ اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ ادامہا اللہ تعالی۔

اصلاح امت کا داعیہ وجذبہ: آپ کو امت کی اصلاح کا بہت خیال وجذبہ تھا، فساد امت کو دیکھ کر بیحد دردمند وفکر مند رہتے تھے، آپ کا خیال تھا کہ علماء کو دعوت کے لئے جگہ جگہ بھیجا جائے، اور دعوت کے آداب وشرائط پر برابر کلام فرماتے تھے، اور فرماتے تھے کہ مجھے لوگ جگہ جگہ بلاتے ہیں، میں کہاں کہاں جاؤں، لوگ آ آ کر کام کا ڈھنگ سیکھیں اور اپنی اپنی جگہ کام کریں تو اس طرح کام ہر جگہ ہوسکتا ہے، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ حضرت والاؒ کی خدمت میں الہ آباد تشریف لائے تو حضرتؒ والا کے جذبۂ حال کو دیکھ کر ''پرانے چراغ'' میں یوں ترجمانی فرمائی جو بالکل حق وصواب ہے۔ وہ یہ ہے:

حضرت مولانا ندوی کا ارشاد: فرمایا ایک اضطرابی وسیمابی کیفیت تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی کل چین نہیں، مسلمانوں کے حالات، اخلاق ومعاملات کے بگاڑ، صدق واخلاص کی کمی اور نفاق کی کھلی آنکھوں مشاہدے نے بیقرار اور مضطرب بنا رکھا ہے، اصلاحِ حال اور دعوت فرار الی اللہ کا جذبہ قلب ودماغ واعضاء پر مستولی ہوگیا ہے اور وہ حال ہے جو اس شعر میں بیان کیا گیا ہے ؎

شعلہا آخر ز ہر مویم دمید　　از رگ اندیشہ ام آتش چکید

مولانا محمد الیاس صاحبؒ بانی تبلیغ سے مشابہت: مولانا کی اس بے قراری اور سیماب وشی کو دیکھ کر مولانا محمد الیاس صاحبؒ یاد آ گئے،، وہی نحیف جثہ، وہی گفتگو میں تکلفات اور انداز خطابت سے بے نیازی، وہی موسوی رنگ کہ زبان سینہ کے جوش اور دل کا ساتھ نہ دے سکے، وہی دعوت کا غلبہ، وہی فکر میں ڈوبا ہوا سکوت، وہی اضطراب سے لبریز تکلم، دعوت کے موضوع کا ضرور فرق تھا، لیکن

اپنے موضوع سے عشق اور اپنے کام کی فکر کا وہی حال تھا، صبح اور شام کی مجلسوں میں شرکت کا اتفاق ہوا، ایسے جذب کی کیفیت تھی جس پر عقل وسلوک کے پہرے بیٹھے ہوئے تھے، کبھی کبھی بعض مخلص خادموں کے سر پکڑ کر ہلاتے اور ان کو کسی نکتہ یا ضرورت کی طرف متوجہ فرماتے''۔ (پرانے چراغ:۱/۱۷۰)

رسالہ ''معرفت حق'': حضرت والاؒ کے مواعظ وملفوظات کی افادیت میں کسی کو کیا شک ہوسکتا ہے، مگر وہ خدمت اقدس میں حاضر باشوں اور آمدورفت رکھنے والوں تک محدود تھی، اس لئے اللہ کو منظور ہوا کہ اس کا فائدہ عام ہو اور دائم رہے، لہٰذا حضرت والاؒ کے مجاز مکرم حافظ ڈاکٹر صلاح الدین صاحب صدیقیؒ نے حضرت اقدس سے اجازت لے کر ''معرفت حق'' کے نام سے الٰہ آباد سے ایک ماہنامہ رسالہ جاری فرمایا، مگر اب وہی رسالہ ''وصیۃ العرفان'' کے نام سے جاری ہے۔

سفر گجرات: حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ ربیع الاول ۱۳۸۶ھ میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل تشریف لے گئے، چند روز قیام رہا واپسی پر اپنے تاثر کا ان کلمات طیبات میں اظہار فرمایا: '' یہاں پہونچ کر طلبہ واساتذہ کی جو حالت دیکھی اس کا میرے اوپر اچھا اثر ہوا، ان کی وضع، تواضع، مسکنت ادب واحترام ساری ہی چیزیں بیحد پسند ہوئیں، چنانچہ ایک عربی اور دینی مدرسہ کو جیسا ہونا چاہئے الحمد للہ جامعہ اسلامیہ کو ایسا ہی پایا، بلاشبہ یہ چیزیں اساتذہ اور اراکین کی دینداری اور اخلاص کا ثمرہ ہیں، اس پر میں آپ حضرات کو مبارکباد دیتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے جامعہ کی ظاہری اور باطنی ترقی کیلئے دعا کرتا ہوں، بعض عوارض کی بناء پر وہاں قیام بہت ہی قلیل رہا جس کا

مجھے بھی افسوس ہے۔ والسلام کمسک الختام وصی اللہ عفی عنہ

۲۷/ربیع الاول ۱۳۸۶ھ کرلا، بمبئی۔

سفر بمبئی: الہ آباد میں ماشاء اللہ تعالیٰ حضرت اقدس کی ذات بابرکات سے کتاب وسنت کی تعلیم اور تزکیۂ نفوس کا خوب ہی خوب کام چل رہا تھا کہ اچانک دورانِ مجلس آپ پر فالج کا اثر ہوا، علاج کیلئے شفاء الملک حکیم شمس الدین صاحب لکھنؤ سے بلائے گئے، مگر چند ہی دنوں بعد بغرض علاج لکھنؤ تشریف لے گئے، اور مکرم وزیر مظفر حسین صاحب کے مکان پر قیام رہا۔ حکیم شفاء الملک شمس الدین صاحب کے علاوہ دیگر ڈاکٹر بھی بغرض زیارت روزانہ تشریف لاتے۔ اس کے بعد بغرض علاج بمبئی تشریف لے گئے۔ جس کی کسی قدر تفصیل کے لئے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی وہ عبارت پیش کرتا ہوں جو ''پرانے چراغ'' میں تحریر فرمائی ہے:

''اب بمبئی کی قسمت نے زور کیا، ظاہر بیں سمجھے کہ مولانا اپنے علاج کے لئے تشریف لے جاتے ہیں، لیکن حقیقت میں اہل بمبئی کا علاج مقصود تھا اور وہاں ایک روحانی مطب کھلنے کا قضاوقدر میں فیصلہ ہوگیا تھا، مولانا کی دل بستگی (جس کے ساتھ اہل بمبئی کی دل کشائی وابستہ تھی) بمبئی اور اہل بمبئی سے بڑھتی گئی، اور اہل بمبئی کو بھی مولانا کی ذات سے گرویدگی اور عقیدت آناً فاناً ترقی کرتی گئی، سارے قرائن واسباب اس بات کے مؤید تھے کہ مولانا کی آمد و قیام سے ہندوستان کے اس عظیم ترین

شہر (جس کا مزاج ہمیشہ سے تجارتی اور کاروباری رہا ہے اور جو کسی زمانہ میں مسلک دیوبند کے داعیوں اور علمبرداروں کے لئے ارض ممنوعہ کی حیثیت رکھتا تھا) کے ساکن سمندر کی سطح میں ادنیٰ سا تموج وحرکت بھی پیدا نہ ہوگی، مولانا کے پاس ان اسلحہ اور وسائل میں سے کوئی ایک چیز بھی نہ تھی جو بمبئی کے لوگوں کو متأثر اور گرویدہ کرسکتی، یعنی خطابت، ظاہری وجاہت، پروپیگنڈا اور ظاہری شان وشوکت وغیرہ، لیکن قضا وقدر کے فیصلے ان میں سے کسی چیز کے بھی تابع اور پابند نہیں، لوگوں نے جو کچھ دیکھا تمام تر قیاسات کے برخلاف تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی غیبی قوت کام کررہی ہے اور لوگوں کے دلوں اور روحوں کو ان کی طرف متوجہ کررہی ہے، میں نے ان تاجروں اور بمبئی کے چوٹی کے کاروباری لوگوں کی عقیدت ورجوع کو دیکھا جو اس سے پہلے کسی دینی دعوت وتحریک سے متأثر نہیں ہوئے تھے، اور جو علماء حق کی طرف سے شدید غلط فہمیوں اور بدگمانیوں میں مبتلا تھے، ان کا رجوع برابر بڑھتا گیا، اور تیزی سے ان میں اصلاح وتغیر آنے لگا، دیکھتے دیکھتے ان کی صورت وسیرت میں نمایاں تبدیلیاں ہونے لگیں، مجھے ۱۹۵۰ء سے بمبئی جانے کا برابر اتفاق ہوتا رہا ہے، اور اس میں مشکل سے کسی سال وقفہ ہوتا تھا، لیکن اب مولانا کے قیام کے بعد جو بمبئی جانا ہوا تو وہاں کی

حالت ہی دوسری دیکھی، جن لوگوں کو مولانا کی مجلس میں دیکھنے کی بالکل امید نہ تھی، ان کو وہاں سر بہ زانو پایا، حالانکہ یہاں کشش کے وہ سب اسباب مفقود تھے جو بمبئ کے لئے ضروری تھے ۱۹۶۷ء میں حجاز جاتے ہوئے چند روز بمبئ ٹھہرا، میں ایک دن صبح کُرلا جہاں مولانا کا قیام رہتا تھا، ٹھیک صبح کے درس کے وقت پہنچا، مجھے مولانا کی کرسی کے پایہ کے پاس جگہ دی گئی، مولانا تشریف لائے میکروفون سامنے تھا، کچھ بیان فرمانا شروع کیا، درمیان میں تفسیر وحدیث کی کتابیں منگوا کر ان کی عبارتیں سناتے اور تقریر فرماتے، میں پایہ سے لگا بیٹھا ہوا تھا، مولانا کے لہجہ اور طرز کلام سے بھی مانوس تھا، لیکن میں خود بھی گفتگو کا خاص حصہ نہیں سمجھ سکا لیکن دیکھتا تھا کہ لوگوں کے چہرے اور آنکھوں میں گہرا اثر ہے، کئی بار کی طرح اس موقع پر بھی اندازہ ہوا کہ تاثیر کے لئے خطابت والفاظ کی شرط نہیں۔ ع

بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست

ورنہ اس کے برخلاف بڑے بڑے شعلہ بیان مقرر تقریر کا سماں باندھ دیتے ہیں، لیکن نہ قلوب پر کوئی اثر ہوتا ہے اور نہ زندگی میں کوئی انقلاب اس لئے کہ بقول جگر ؎

آنکھوں میں سرور عشق نہیں چہرے پر یقیں کا نور نہیں

اگر خدا کو منظور ہوتا اور مولانا کے سفر وقیام کا سلسلہ چند

سال اور قائم رہتا تو شاید بمبئی میں خاصے وسیع پیمانے پر دینی بیداری، اصلاح حال، اتباع سنت کا ذوق اور بیسیوں نہیں بلکہ سینکڑوں زندگیوں میں انقلاب پیدا ہوجاتا، لیکن خدا کی حکمت اور اسرار الٰہی کو کوئی نہیں جانتا، نومبر ۱۹۶۷ء مطابق ۱۳۸۷ھ کو یہ سلسلۂ خیر و برکت اچانک ختم ہوگیا، اور صرف بمبئی ہی نہیں، بلکہ سارا ہندوستان اور عالم اسلام اس مبارک وجود سے محروم ہوگیا، جس نے مشائخ پیشیں اور مصلحین اولین کی یاد تازہ کردی اور ثابت کردیا تھا کہ اخلاص و درد، اپنے کام کی دُھن اور لگن اور روحانی قوت بڑے سے بڑے ناسازگار حالات اور سخت سے سخت خوفزدہ اور ظاہر پرست دور اور ماحول میں بھی اپنے اثر دکھائے بغیر نہیں رہتی۔ ع

جہانے را دگرگوں کرد یک مرد خودآ گاہے

(پرانے چراغ: ج/۱ص/۱۷۷)

حج ربُّ البیت:۔

حج زیارت خانۂ کعبہ بود حج ربّ البیت مردانہ بود

اگرچہ حضرت مصلح الامتؒ ۱۹۳۸ء میں فریضۂ حج کی ادائیگی سے فارغ ہوچکے تھے، تاہم آپ نے اپنی دونوں صاحبزادیوں اور ان کے ازواج واولاد اور اپنے چند اعزاء واحباب کے ساتھ بحری جہاز سے حج کا ارادہ فرمالیا۔

حضرت مصلح الامتؒ کے حج کی خبر پورے ہندوستان میں شائع ہوچکی تھی،

لہذا حضرت والا کی زیارت کیلئے مریدین ومتوسلین کثیر تعداد میں جمع ہو گئے تھے، اس لئے حضرت مصلح الامتؒ نے اس حقیر کو بلاکر فرمایا کہ دیکھو مجھ سے ملنے کیلئے بہت لوگ آ گئے ہیں، لہذا تمہاری ذمہ داری ہے کہ سب سے ملاقات تو کرواؤ مگر مجھے ذرا بھی تکلیف نہ پہونچے، یہ کام تم ہی کر سکتے ہو مگر چونکہ تم ممبئی کے لوگوں سے واقف نہیں ہو اسلئے ظہیر الحق سے اس کام میں مدد لو۔ (یعنی مکرم ظہیر الحق بھائی فتحپوریؒ ساکن تال نرجا ضلع مئو جو حضرت کے مخصوص لوگوں میں سے تھے)۔

چنانچہ حضرت والاؒ ۱۹ر شعبان ۱۳۸۷ھ مطابق ۲۲ر نومبر ۱۹۶۷ء کو دن میں دس، گیارہ بجے بمبئی بندرگاہ کیلئے اپنی قیامگاہ واقع کُرلا سے روانہ ہوئے اور نماز ظہر جہاز پر باجماعت ادا فرمائی، یہ حقیر بھی اس جماعت میں شریک تھا، اس موقع پر بھی اہم مرحلہ آخری سلام ومصافحہ کا تھا، اس لئے کہ محبین ومتوسلین کا کثیر مجمع تو پہلے سے تھا ہی، مزید بمبئی کے متعلقین بھی بندرگاہ پہنچ گئے جس کی وجہ سے کافی ازدحام ہوگیا، حتی کہ کار سے نکلنا بھی دشوار ہوگیا، کسی طرح سے حضرت مصلح الامتؒ بمشکل تمام جہاز تک پہنچائے گئے، مگر یہ حقیر ایک مخلص دوست کی نصرت سے جہاز پر مع غلام زادوں مولوی مقبول احمد، مولوی سعید احمد، مولوی عزیز احمد، مولوی محبوب احمد سلّمہم کے حضرت والاؒ سے پہلے پہنچ گیا تھا، حضرت والاؒ جب پہنچے تو لوگوں کی بھیڑ بھاڑ اور سلام ومصافحہ سے کافی تعب وتکان محسوس فرما رہے تھے، اس لئے فرمایا کہ یہ لوگ مجھے مار ہی ڈالیں گے مگر معاً یہ فرمایا کہ یہ سب محبت ہی میں تو کر رہے ہیں، اس کے بعد حضرت والاؒ اپنے فرسٹ کلاس حجرے میں تشریف فرما ہو گئے۔

یہ حقیر مع غلام زادوں کے حاضر خدمت ہوا، چونکہ حضرت والاؒ بچوں کی جدائی سے بے حد حزین وغمگین تھے، اس لئے مجھ سے نہایت افسردگی اور حزن وغم کے ساتھ فرمایا کہ بچوں کا خیال رکھنا۔ اور تم کو جلد ہی بلالوں گا۔

اس کے بعد ہم لوگ حضرتؒ سے رخصت ہوکر بصد حسرت وافسوس جہاز سے نیچے اُترے اور ساحل سمندر پر کھڑے ہوگئے، حضرت والاؒ اپنے محبین ومحبوبین کی تسلی کیلئے غایت محبت وشفقت کے جذبہ سے حجرے کے سامنے بارجہ پر تشریف لائے اور کرسی پر جلوہ افروز ہوئے اور دعا کیلئے دست مبارک اٹھایا، اس ہیئت کو دیکھ کر سبھی لوگ دعا میں شریک ہوگئے، اور گریہ وزاری کا سماں بندھ گیا اور آمین، آمین کہتے رہے، مجھے قوی امید ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے فضل وکرم سے اپنے مخلص نیک بندوں کی دعاؤں کو قبول فرمایا ہوگا۔

تھوڑی دیر کے بعد تقریبا ر ۴ بجے عصر سے قبل جہاز روانہ ہوگیا، ہم لوگ حسرت بھری نگاہوں سے جہاز کو جاتے ہوئے دیکھ رہے تھے، جہاز دور ہوتا چلا گیا۔ اور میں بزبان حال یہ شعر پڑھ رہا تھا۔

اے تماشا گاہِ عالم روئے تو   تو کجا بہر تماشا می روی

حضرت مصلح الامتؒ کی اس حقیر پر عنایات ونوازشات

حضرت مصلح الامتؒ کی عنایات ونوازشات بیحد وبے شمار ہیں، تاہم ان میں سے چند کو پیش کررہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس حقیر کو ریا وسمعہ سے محفوظ رکھے، آمین۔

حضرت مصلح الامتؒ کی خدمت میں مستقل قیام کے کچھ ہی دنوں کے بعد اس حقیر نے جب حضرت مصلح الامتؒ سے بذریعہ مکتوب نصیحت کی درخواست کی تو

اس کے جواب میں یہ مصرع ارقام فرمایا:

ہر کجا پستیست آب آنجا رود

(جہاں نشیب ہوتا ہے پانی ادھر ہی جاتا ہے)

اور کچھ دنوں کے بعد وظیفہ بارہ تسبیح پڑھنے کا امر فرمایا جس کی پابندی کا اہتمام کیا، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین۔ چنانچہ عرصہ تک خانقاہ کے درمیانی چھوٹے کمرہ میں پابندی سے اس کو ادا کرتا رہا۔ مگر افسوس کہ گاؤں کے فساد کی وجہ سے وطن ہی کو خیر باد کہنا پڑا۔

پھر عرصہ دراز کے بعد دوبارہ نصیحت طلب کی تو حضرت مصلح الامتؒ نے یہ شعر تحریر فرمایا:

تن از پئے کار آمدہ بےکار مدار   دل از پئے یار آمدہ بے یار مدار

(یعنی بدن کام کیلئے آیا ہے اس لئے اس کو بیکار نہ رکھو اور دل یار (محبوب حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ) کیلئے عطا ہوا ہے اس لئے بے یار کے نہ رہو)

ایک مرتبہ اس حقیر نے اپنے خط میں یہ شعر لکھا جس کو میں پڑھا کرتا تھا۔

دل آرامے کہ داری دل درو بند   دیگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

یعنی دل آرام یعنی اللہ تعالیٰ جو محبوب حقیقی ہے اس سے دل کو وابستہ کرو، اس کے علاوہ تمام محبوبانِ عالم سے آنکھوں کو بند کرلو۔

یہ شعر حضرت والا نے پڑھ کر بہت ہی خوشی کا اظہار فرمایا۔ فالحمد للہ رب العالمین۔

بشارات: ایک مرتبہ حضرتؒ نے بڑے اہتمام سے فرمایا کہ: قمر الزمان! میری وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے تم کو خاندانی و برادری کے جو رذائل ہیں ان

سے تم کو نکال دیا۔ اور اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکرادا کیا۔

اسی طرح حضرت والا نے اخیر عمر میں وفات سے چند مہینوں پہلے اس حقیر کو ڈھال والی مسجد کے شروع کے کمرہ میں نہایت اہتمام سے مخاطب کر کے فرمایا کہ: قمرالزمان! میں تو تمہارے اندر فساد کا مادہ ہی نہیں پاتا۔

الحمدللہ حضرت مرشدی ومولائی کی ان دونوں ہی بشارتوں کو اپنے لئے نہایت گرانقدر سرمایۂ آخرت سمجھتا ہوں، اسلئے مجھے امید ہے کہ اس کی برکت سے ان شاءاللہ تعالی یہ ناکارہ جنت میں مرشدیؒ بلکہ جملہ صالحین کی رفاقت ومعیت سے نوازا جائے گا۔ بفضلہٖ تعالی وبحرمۃ سیدالکریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جملہ مرویات احادیث کی اجازت: جب حضرت مصلح الامتؒ حج کے لئے جانے لگے تو یہ مسئلہ درپیش ہوا کہ جو طلبہ مدرسہ وصیۃ العلوم میں موقوف علیہ کتابیں یعنی مشکوٰۃ شریف، بیضاوی شریف وغیرہ پڑھ چکے ہیں تو وہ دورۂ حدیث کی کتابیں کس مدرسہ میں پڑھیں گے۔ تو اس حقیر نے کسی سے کہا کہ طلبہ کسی دوسرے بڑے مدرسہ میں دورہ کی تکمیل کرلیں۔ تو جب یہ بات حضرت مصلح الامتؒ کو پہنچی تو آپؒ نے مکرم ڈاکٹر ظفر صاحب بنارسی کے ذریعہ اس حقیر کو طلب کیا اور فرمایا کہ آخر میں نے تم کو بخاری شریف کس لئے پڑھایا تھا، لہذا تم بخاری شریف پڑھاؤ، میں تم کو جملہ مرویات احادیث کی اجازت دیتا ہوں۔

اسی امر کی تعمیل کرتے ہوئے اس حقیر نے مکمل بخاری شریف پڑھائی، مولانا عبدالرحمٰن جامی صاحب نے مسلم شریف اور مولانا محمد حنیف صاحب نے ترمذی شریف کا درس دیا۔

اس وقت دورۂ حدیث شریف کے طلبہ میں مولوی ارشاد احمد، مولوی انوار احمد، مولوی ظہیر الدین اور مولوی محمد ارشد بنارسی مولوی عزیز الحق مئوی وغیرہم تھے۔

ختم بخاری شریف: ختم بخاری شریف کے لئے مکرم مولانا سید ظہور الحسن صاحب ناظم خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون اور مولانا حکیم محمد مسعود صاحب اجمیری کو دعوت دی گئی اور یہ حضرات تشریف لائے اور اہتمام سے ختم بخاری شریف کی سعادت نصیب ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اس کی برکات سے ہم سب کو بانصیب فرمائے۔ آمین

مگر افسوس کہ یہ سلسلہ درس بخاری شریف اس کے بعد جاری نہ رہ سکا۔

فقہ فی الدین کی بشارت: ایک مرتبہ عید الاضحیٰ کے دن حضرتؒ کو یہ اشکال ہوا کہ ہم الہ آباد شہر میں رہتے ہیں، اور ہماری قربانی بمہرولی گاؤں میں فجر کی نماز سے پہلے ہوجاتی ہے۔ تو یہ قربانی جائز ہے یا نہیں؟ حضرتؒ نے اس مسئلہ کی تحقیق کیلئے اس حقیر کو اور مولانا عبدالرحمٰن جامی صاحبؒ کو حکم دیا کہ تم سب لوگ اس مسئلے کو دیکھو۔ بہت سی کتابوں میں تلاش کرنے کے بعد اس حقیر کو ''بحر الرائق'' میں یہ عبارت ملی: **والمعتبر فی ذلک مکان الاضحیة حتی لو کانت فی السواد والمضحی فی المصر یجوز کما انشق الفجر۔** (بحر الرائق ج:۸/ص:۳۲۱)

یعنی اس مسئلہ میں مضحی (قربانی کی جگہ) کا اعتبار ہے نہ کہ مضحّیِ (قربانی کرنے والا) کا۔

چنانچہ حضرت والاؒ اس تحقیق کو دیکھ کر بیحد خوش ہوئے اور فرمایا کہ قمر الزمان اگر تم کہو تو پگڑی باندھ کر تم کو شاہ صاحب بنادوں یا **فقہ فی الدین** دے دوں؟ میں نے کہا حضرت **فقہ فی الدین** ہی عنایت فرمادیجئے۔

اپنے حجرۂ خاص میں رہنے کا امر: اس حقیر کے لئے بڑی سعادت کی بات ہے کہ جب حضرت والاؒ ممبئی جانے لگتے تو مجھ سے اپنے حجرۂ خاص کی طرف اشارہ کر کے فرماتے کہ تم اس کمرہ کی چارپائی پر سونا۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ بستر مڑا ہوا تھا تو اپنے دست مبارک سے بستر کو درست فرمایا اور فرمایا کہ تم اسی پر سونا۔

میں ان نوازشات کا اہل تو نہ تھا مگر یہ محض حضرت والا کی غایت شفقت ومحبت تھی۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء

آپ کا معمول: حضرت والاؒ کا خاص طور سے اخیر میں مہمانوں کو چائے پلانے کا معمول ہو گیا تھا بغیر چائے پلائے کسی کو رخصت نہ فرماتے تھے۔ اس لئے فرماتے تھے کہ دیکھو جو چائے ہوٹل سے آتی ہے اس کی قیمت لے لیا کرو، اس میں تکلف نہ کیا کرو، ورنہ تو اس طرح تمہاری سب تنخواہ ہی ختم ہو جائے گی۔

روغن موم کی مالش: ایک مرتبہ حضرتؒ کی ران کے متصل گلٹی نکل آئی تھی تو حضرت مکرم حکیم افہام اللہ صاحبؒ (علیگڈھ خلیفہ حضرت مصلح الامتؒ) نے فرمایا کہ اس کے علاج کے لئے ضروری ہے کہ اس پر روغن موم کی مالش کیا جائے، تو حضرتؒ نے بڑی افسردگی سے فرمایا کہ وہاں بھلا کون مالش کریگا؟ تو اس حقیر نے برجستہ عرض کیا کہ حضرت میں کروں گا۔ حضرت والاؒ اس جواب سے بہت متاثر ہوئے، اور ارشاد فرمایا: ہاں تمہارے علاوہ یہ کون کرسکتا ہے؟ چنانچہ احقر نے مہینوں مالش کیا اور الحمدللہ وہ گلٹی ختم ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ان معمولی خدمات کو قبول فرمائے اور اپنی رضا وخوشنودی کا وسیلہ بنائے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

تصنیف وتالیف میں شرکت: حضرتؒ نے احقر سے قیام فتح پور سے

ہی تصنیفی کام لینا شروع کردیا تھا۔ چنانچہ ''وصیۃ الاخلاق'' کی تصنیف میں مولانا عبدالرحمٰن جامی صاحبؒ کے ساتھ حضرتؒ نے اس حقیر کو بھی شریک فرمالیا۔ اور کتاب کی تکمیل کے بعد مئو، کوپاگنج کے نیز دیگر مقامات کے علماء کرام کے مجمع میں سنانے کا امر فرمایا، جو میرے لئے بہت مشکل تھا۔ تاہم کسی طرح اس خدمت کو انجام دیا۔ فللہ الحمد و المنة

حضرت مصلح الامتؒ کا خاص ارشاد: مجھے خطاب کر کے فرمایا: دیکھو میرا کوئی مضمون بغیر تمہارے دیکھے شائع نہ ہوا کرے۔ اس لئے کہ معلوم نہیں کون کیا لکھ دے جس کی وجہ سے بعد میں لوگوں کو اعتراض کا موقع مل جائے۔ یہ بھی فرمایا کہ بعض اکابر کے مضامین میں ایسی چیزیں درج ہوگئیں کہ جن پر بعد میں لوگ اعتراض کرتے ہیں۔ لہذا میرے کسی مضمون میں ایسی بات نہ آنا چاہئے جو قابل اعتراض ہو۔

اس لئے یہ حقیر نہایت اہتمام سے حضرت والا کے ملفوظات ومضامین کو غور وخوض سے مکرر سہ کرر دیکھتا ہے، تاکہ حضرت والا کے حکم کی تعمیل ہوسکے، بلکہ ناظرین کرام کی خدمت میں یہ حقیر بصد ادب عرض پرداز ہے کہ اپنی تصنیف وتالیف میں اس قدر محنت وجانفشانی نہیں کرتا جس قدر حضرت کے مضامین میں کرتا ہے تاکہ حضرت مرشدی کے مضمون میں کوئی قابل اعتراض بات نہ رہ جائے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالی مزید اس کی توفیق عطا فرمائے تاکہ یہ مضامین امت کیلئے مفید سے مفید تر ثابت ہوں۔ واللہ الموفق

فتوی لکھنے کی تاکید: ماشاءاللہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب جامیؒ فتوی نویسی کا کام بخوبی انجام دیتے تھے، تاہم حضرت مصلح الامتؒ کی خواہش تھی کہ یہ حقیر

بھی یہ کام کرے تا کہ فتویٰ نویسی کا سلیقہ آ جائے۔ چنانچہ یہ حقیر اس کام پر لگا رہا، اور اس حقیر کی سعادت ہے کہ حضرت والا کو اس حقیر پر اتنا اعتماد تھا کہ از خود اگر کسی مسئلہ کا جواب ارشاد فرماتے تو مستفتی سے ضرور فرماتے کہ قمر الزمان کو بھی بتلا دینا۔

چنانچہ عینک سے متعلق استفتاء کے بارے میں خود فرمایا کہ تم جواب لکھو۔ جب اس حقیر نے جواب لکھا تو اتنا پسند فرمایا کہ اس کو اپنے بیاض خاص میں نقل فرمایا۔ وہ یہ ہے

استفتاء: نماز پڑھتے وقت عینک لگانے کا حکم۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بغیر چشمہ اتارے نماز پڑھنا مکروہ ہے یا نہیں؟

الجواب: عینک لگانے والے عموما دو طرح کے لوگ ہوتے ہیں بعض تو ضرورۃً وعلاجاً لگاتے ہیں یعنی عینک لگائے رکھنا ہی ان کے لئے مفید ہوتا ہے اور اتارنے کی صورت میں آنکھیں تلملا اٹھتی ہیں اور چکا چوندسی معلوم ہوتی ہے اور نظر بہت کم آتا ہے جس کی وجہ سے ان کو ایک گھٹن اور الجھن سی رہتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ درجہ تو ضرورت کا ہے اور اس شخص کیلئے یہ مفید ہے اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ عینک سے ان کو کوئی نفع معتد بہ نہیں بلکہ وہ صرف شوقیہ اس کو لگاتے ہیں اور بزعم خود اس کو تن آرائی کا ایک زیور تصور کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اس شخص کا یہ فعل ایک فعل عبث ہے جس سے احتراز خارج صلوۃ میں بھی کرنا چاہئے اور نماز میں تو بدرجہ اولی۔

پہلے قسم کے لوگوں کیلئے تو عینک کا استعمال بحالت صلوۃ بھی بلا کراہت جائز ہے اور یہ حکم نفس عینک لگانے کا ہے باقی اگر اس کی وجہ سے اور کوئی دوسرا محظور لازم

آئے مثلاً یہ کہ اس کی کمانی ایسی ہو کہ اس کی وجہ سے صرف پیشانی زمین پر رکھی جاسکتی ہو اور ناک کے رکھنے میں وہ مانع بنتی ہو تو اس قباحت کا سبب بننے کی وجہ سے اس شخص سے بھی کہا جائے گا کہ نماز میں عینک اتار لیا کرے۔اس کی دلیل فقہاء کرام کی تصریحات سے ماخوذ ہے۔فرماتے ہیں: **کرہ عبثه ای بثوبه وبجسده للنهی الالحاجة۔الی آخره** (شامی: ج۲/ص۵۰/۳)

مذکورہ بالا تصریحات سے معلوم ہوا کہ ایک عبث چیز بھی ضرورت نماز میں عبث نہیں رہ جاتی تو ایسی چیز جو کہ مفید ہے اور کسی درجہ میں علاج بھی ہو اور اس کا احداث بھی حالت صلوۃ میں نہ کیا گیا ہو تو وہ تو بلا کراہت جائز ہے باقی بعض اکابر سے جو مطلقا کراہت کا قول منقول ہے تو اس کا محل دوسرے لوگ ہو سکتے ہیں جن کی تفصیل اوپر بیان ہوئی۔واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔کتبہ قمر الزمان (بیاض خاص حضرت مصلح الامتؒ)

حضرت والاؒ کو اپنی مرحومہ صاحبزادیوں کی اولاد کی فکر: عزیزم مقبول احمد، سعید احمد، عزیز احمد، محبوب احمد و کمال احمد بن نبیلہ سلمہم چونکہ نواسے ہی تھے، شفقت و محبت میں کیا کمی ہو سکتی تھی، لہذا مکان نمبر ۴۰۷ بخشی بازار کے متعلق برابر فرماتے تھے کہ اس کو میں نے اپنے نواسوں کو دیا ہے۔ مجھ سے فرماتے کہ اپنے بچوں کو اطمینان دلایا کرو کہ نانا جان نے تم لوگوں کو سامنے کی یہ زمین دیا ہے، جس پر حضرت ہی کے دور کے چند کمرے تعمیر شدہ ہیں۔

نیز فرماتے تھے کہ میں دروازہ پر اس زمین کے سامنے اس لئے بیٹھتا ہوں تاکہ اس کی تعمیر مکمل ہو جائے۔حضرت والاؒ کو مکان بنوانے کی فکر اس قدر تھی کہ جب آپ کو صبح ۸/ بجے کی مجلس میں فالج کا حملہ ہوا تو اس حال میں خاص حجرے میں لٹا دیا

گیا، اور ہوش وحواس بجا نہ تھا مگر الحمدللہ اس کے کچھ دیر بعد ہوش آ گیا تو مجھ سے فرمایا کہ گھبرانا نہیں، جب کہ یہ حقیر آپ کی خدمت میں حاضر تھا، میں بچوں کے لئے مکان اس زمین پر اپنی زندگی میں بنوا کر جاؤں گا۔ ایک دفعہ جب ہم لوگوں کے لئے وصی آباد میں زمین خریدا۔ قطعہ زمین کے متعلق بھی فرمایا تھا کہ یہ ایک ہزار روپیہ لوجح سے واپسی پر اس کو بنوا دوں گا۔ مگر افسوس کہ حضرت والا کا یہ سفر سفرِ آخرت ثابت ہوا اور دونوں مکان نہ بنوا سکے۔ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت میں پہنچ گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مصلح الامتؒ کی شفقتوں کی چند یادیں: مکان مصلح الامت بخشی بازار کے ابتدائی زمانہ میں یہ واقعہ پیش آیا کہ بڑے ہال کے بعد چھوٹے حجرہ میں ایک عالم صاحب نے اپنی نشست کے لئے حجرے کو منتخب کیا، مگر جب حضرت والا نے دیکھا تو معاً فرمایا کہ یہاں ''قمر الزمان'' بیٹھا کریں گے، اس لئے کہ میں اپنے پاس آنے والوں کا واسطہ قمر الزمان کو رکھنا چاہتا ہوں۔ اسی طرح حضرت والا کے منشاء کے مطابق آنے والے لوگوں کے لئے واسطہ بنا رہتا تھا۔ اس حکم کے بعد اس حقیر نے درس وتدریس کے لئے وہاں ہی اپنی نشست گاہ بنا لیا، اور اخیر تک وہیں تدریس کی خدمت انجام دیتا رہا۔ مگر افسوس کہ اس کا خاتمہ اس مصرع کا مصداق ہوا۔ ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

اب اخیر میں تیمناً چند مکتوب نقل کرتا ہوں جو اس حقیر نے حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کے نام تحریر کیا تھا، خصوصاً وہ مکتوب جس میں حضرت مصلح الامتؒ نے جواب تحریر کرتے ہوئے کچھ اہم کتابوں کے پڑھانے کا حکم صادر فرمایا۔ مکتوب ملاحظہ فرمائیں:

پہلا مکتوب

سیدی و مرشدی و مقتدائی حضرت مولانا صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ معروض خدمت اقدس اینکہ مکرمی بھائی صاحب آج صبح بخیر

مبرور دار مسلم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

وعافیت تشریف لائے حضرت والا دامت برکاتہم و متعلقین کی خیر و عافیت معلوم کر کے بہت ہی مسرت ہوئی الحمد للہ

الحمد للہ

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ صحت مستمرہ عطا فرماویں آمین

مولوی یاسر علی صاحب جن کا خط ارسال خدمت ہے کل حضرت والا کو تلاش کرتے ہوئے آئے

احقر ان کو ٹھہرایا۔ حضرت والا کو بخوبی جانتے تھے اور اپنے کو شاگرد (بھی بن گئے) بتلایا۔ ایک لڑکا ساتھ لائے

تھے کہیں دوسری جگہ داخلہ کے لئے بجا رہے تھے مگر یہاں کے طور و طریقہ کو دیکھ کر انھوں

نے یہیں داخلہ پسند کیا۔ اور حضرت والا کو اجازت کے لئے خط لکھا (اجازت ہے)۔ لڑکے کا خرچ خود

ہی دیں گے۔ احقر نے بچے کے طعام و قیام کا انتظام کر دیا **اچھا کیا**

بندہ عطاء الحسن و صاحب سلمہ مشکوٰۃ شریف اور جلالین شریف شروع کر کے حضرت والا

پہلے جلالین خود پڑھا کرو اگر دقت ... مشکوٰۃ ...

آئے ہیں۔ مجھے اصرار کر رہے ہیں کہ تم بھی کوئی کتاب اپنے ذمہ لیلو۔ احقر ان کا

دیکھتے ہوئے ہمت و جرأت نہیں کر رہا ہے اب تک جو کتابیں شروع ہوئیں حضرت والا

کی صریح اجازت و دعا کے ساتھ شروع ہوئی ہیں ورنہ میں ناکارہ تو اس کا

ہرگز اہل نہ تھا حضرت والا کے ہمت دلانے سے آمادہ ہو جاتا تھا۔ حضرت والا جو مناسب خیال

فرماویں تحریر فرمادیں کہ اطمینان ہو جائے **لکھ دیا** ہم لوگ خود اس معاملہ میں طے نہیں کر سکتے

تفسیر و حدیث کی کتابیں ہیں آپ جو دیری بہت تو شروع کرانے کی نہیں ضروری ہے حضرت
احقر نے جو کتاب تصور فرمادیں گے اسکے لئے ہمت کرے گا۔
والا ہی دستگیری فرمادیں دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو منشا کے مطابق کام کرنے کی
توفیق عطا فرمادیں اور حضرت والا کی تعلیمات و خصوصیات کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمادیں آمین

مولوی ریاست علی صاحب حضرت والا کی سب کتابیں لے گئے ہیں۔ کہہ رہے تھے کہ

حضرت مولانا کا ایک رسالہ آگرہ میں دیکھنے کا موقع ملا تھا۔ اس میں حضرت

نے تحریر فرمایا ہے کہ کام کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے قرآن کو اپنی اصل بنادیں اور اس

کی روشنی میں کام کریں احادیث سے اسکی شرح کریں پھر اسکے بعد اقوال نقل کریں

کہہ رہے تھے کہ بیشک [?] یہ بات بہت ہی عمدہ ہے کسی سے نہیں سنا واقعی کام کا طریقہ یہی تھا۔ حضرت

والا کی سب کتابیں دیدہ میں اسکی خوب اشاعت کرونگا [illegible] الحمد للہ فی الحال دہلی گئے ہیں

دینی اجتماع میں۔ حضرت والا الحمدللہ ہم لوگ بھی بخیریت ہیں۔ حکیم صاحب سے سلام مسنون جا کر کہوں گا

پھر جو باتیں ہونگی مطلع کرونگا۔ مزید دعا کا طالب ہوں فقط والسلام

حضرت والا سعید صاحب جلدی میں ہیں اسلئے طریقہ سے نہیں لکھ [?] احقر قمر الزماں

سکاٹ بیٹ [?] ہے معاف فرمادیں [illegible]

پڑھنے کی مزید سہولت کے لئے کمپیوٹر سے بھی درج کر رہے ہیں۔

سیدی ومرشدی ومقتدائی حضرت مولانا صاحب دامت برکاتہم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ(۱)
معروض خدمت اقدس اینکہ مکرم بھائی صاحب آج صبح بخیر وعافیت تشریف لائے،(۲) حضرت والا وجملہ متعلقین کی خیر وعافیت معلوم کرکے بہت ہی مسرت ہوئی،(۳) اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ صحت مستمرہ عطا فرمادیں۔
مولوی ریاست علی صاحب جن کا خط ارسال خدمت ہے کل حضرت والا کو تلاش کرتے ہوئے آئے، احقر نے ان کو ٹھہرایا۔ حضرت والا کو بخوبی جانتے تھے اور اپنے کو شاگرد بتلایا،(۴) ایک لڑکا ساتھ لائے تھے، کہیں دوسری جگہ داخلہ کے لئے لے جارہے تھے۔ مگر یہاں کے طور وطریقہ کو دیکھ کرانھوں نے یہیں داخلہ پسند کیا۔ اور حضرت والا کو اجازت کے لئے خط لکھا، (۵) لڑکے کا خرچ خود ہی دیں گے، احقر نے بچے کے طعام وقیام کا انتظام کردیا۔(۶)
مولوی عمار الحسن صاحب سلمہ مشکوٰۃ شریف اور جلالین شریف شروع کرکے حضرت والا سے آئے ہیں۔
مجھے اصرار کررہے ہیں کہ تم بھی کوئی کتاب اپنے ذمہ لے لو۔(۷) احقر اپنے کو دیکھتے ہوئے ہمت وجرأت نہیں کررہا ہے اس لئے کہ اب تک جو کتابیں شروع ہوئیں حضرت والا کی صریح اجازت ودعا کے ساتھ شروع ہوئی ہیں۔

جواب باصواب
حضرت مصلح الامتؒ

(۱) برخوردار سلمہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔
(۲) الحمد للہ
(۳) الحمد للہ
(۴) ہوں گے۔
(۵) اجازت ہے۔
(۶) اچھا کیا۔
(۷) لے لو، جلالین خود پڑھاؤ اگر وقت ہوتو مشکوٰۃ بھی۔
ف: میری سعادت ہے کہ حضرت مرشدی و استادی نے جلالین ومشکوٰۃ پڑھانے کی اجازت مرحمت فرمائی،

ورنہ میں ناکارہ تو اس کا ہرگز اہل نہ تھا، حضرت والا کے ہمت دلانے سے آمادہ ہوجاتا تھا۔ حضرت والا جو مناسب خیال فرمادیں تحریر فرمادیں کہ اطمینان ہوجائے۔(۸) ہم لوگ خود اس معاملہ میں طے نہیں کرسکتے۔ تفسیر وحدیث کی کتابیں ہیں ہمت تو شروع کرانے کی نہیں پڑ رہی ہے، حضرت والا ہی دستگیری فرمادیں، احقر کے لئے جو کتاب مقرر فرمادیں گے اس کے لئے ہمت کرے گا۔ دعا فرمادیں (۹) کہ اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو منشاء کے مطابق کام کرنے کی توفیق عطا فرمادیں۔(۱۰) اور حضرت والا کی تعلیمات وخصوصیات کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمادیں۔(۱۱)

مولوی ریاست علی صاحب حضرت والا کی سب کتابیں لے گئے ہیں۔ کہہ رہے تھے کہ حضرت مولانا کا ایک رسالہ آگرہ میں دیکھنے کا موقع ملا تھا اس میں حضرت نے تحریر فرمایا ہے کہ ''کام کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے قرآن کو اصل بنا دیں اور اس کی روشنی میں کام کریں۔ احادیث سے اس کی شرح کریں، پھر اس کے بعد اقوال نقل کریں'' کہہ رہے تھے کہ یہ بات بہت ہی عمدہ ہے، کسی سے نہیں سنا، واقعی کام کا طریقہ یہی ہے۔ دعا کا طالب ہوں۔

فقط والسلام

احقر قمر الزمان

جب کہ بخاری وغیرہ کی روایت کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ اس کی برکات سے نوازے۔ آمین

(۸) لکھ دیا۔

(۹) دعا کرتا ہوں۔

(۱۰) آمین

(۱۱) آمین

دوسرا مکتوب

مرشدی و مولائی حضرت مولانا صاحب دامت برکاتہم ۱۳۱

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ معروض خدمت اینکہ طالب کے لئے اپنے احوال
کی اطلاع اپنے شیخ کو [کرنا] بہت ضروری ہے اسلئے کہ شیخ کامل اگرچہ خداداد نور قلب
و فراست سے طالب کی استعداد اور جذبات کا اندازہ لگالیتا ہے اور اسکے مطابق
اصلاح و تربیت کرتا ہے مگر خود طالب کی اطلاع سے مزید بصیرت ہوتی ہے اور
اسکو اصلاح میں آسانی ہوتی ہے نیز یہ کہ مربی کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ [طالب] اپنے
احوال کی نگہداشت رکھتا ہے اور اصلاح کی فکر میں رہتا ہے اور اپنے احوال باطنی
کے پیش کرنے میں مجھ پر اعتماد ہے تو اس سے شیخ اپنی توجہ خصوصی [اسکو] کرے گا [illegible] اور
اس کام اور اس طریق میں شیخ کی توجہ ہی سے کام بنتا ہے بغیر اسکے سالہا سال
کے مجاہدات سے بھی [illegible] مقصود [حاصل] نہیں ہوتا۔

ایک فائدہ یہ ہے کہ شیخ کو [کبھی] اصلاح میں ضیق اٹھانی پڑتی ہے اسطرح
کہ اپنے قلب کی صفائی اور نور سے طالب کی زبوں حالی کا اندازہ لگالیتا ہے [ہیں]
کہ اس حالت میں ہے مگر چونکہ علم قطعی نہیں ہوتا اسلئے اس سے اغماض اور
درگذر فرماتے ہیں اور تاویل کرتے ہیں اور اس سے اسکی حالت کے
مطابق معاملہ کرنے سے رکتے ہیں اسطرح ان کو ضیق ہوتی ہے کہ آخر اسکے ساتھ

کس قسم کا معاملہ کروں۔ علاوہ ازیں طالب کی اسی حالت میں عرصہ کتنا
بڑا رہتا ہے اور اسکی اصلاح نہیں ہو پائی اور جب خود ظاہر کر دے گا
تو علی وجہ البصیرۃ والیقین اصلاح کا طریقہ اختیار فرمادیں گے اور اسکو اس
عقدہ سے نکالیں گے۔ اور سمجھیں گے کہ یہ طالب صادق ہے اور مخلص ہے
اسلئے اپنے امراض کو بار بار مجھسے بیان کر رہا ہے۔ اس سے انشراح قلب
اور اطمینان ہوگا اور اگر کوئی باوجود تعلق مشائخ کے احوال کی اطلاع نہیں کرتا
تو سمجھا جائیگا کہ کاذب ہے رسماً طریق میں داخل ہو گیا ہے۔ اصلاح مقصود نہیں ہے
حضرت والا یہ اپنی ناقص فہم سے جو کچھ ادا کر سکا ہوں پیش خدمت کر دیا ہے
یوں اپنی حالت کیا عرض کروں خطوط لکھنے سے کیا لطف اور لذت قلب محسوس
کرتا ہے اور کیا چیز ملتی ہے اور اس سلسلہ کے منقطع ہوجانے
سے کیسی نحوست اور خلاء معلوم ہوتا ہے۔ اسکے بیان کرنے سے عاجز ہوں
حضرت والا دعا فرمادیں اللہ تعالیٰ فہم عطا فرمادیں اور صحت عطا فرمادیں والسلام

دوسرا مکتوب کمپوز شدہ

مرشدی ومولائی حضرت مولانا صاحب دامت برکاتکم	جواب باصواب حضرت مصلح الامتؒ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ معروض خدمت اینکہ طالب کے لئے اپنے احوال کی اطلاع اپنے شیخ کو کرنا بہت ضروری ہے، (۱) اس لئے کہ شیخ کامل اگرچہ خداداد نور قلب وفراست سے طالب کی استعداد اور جذبات کا اندازہ لگا لیتا ہے اور اس کے مطابق اصلاح وتربیت کرتا ہے، مگر خود طالب کی اطلاع سے مزید بصیرت ہوتی ہے، اور اس کو اصلاح میں آسانی ہوتی ہے۔ نیز یہ کہ مربی کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ طالب اپنے احوال کی نگہ داشت رکھتا ہے اور اصلاح کی فکر میں رہتا ہے اور اپنے احوال باطنی کے پیش کرنے میں اس کو مجھ پر اعتماد ہے تو اس سے شیخ اپنی توجہ خصوصی کرے گا اور اس طریق میں شیخ کی توجہ ہی سے کام بنتا ہے بغیر اس کے سالہا سال کے مجاہدات سے بھی مقصود حاصل نہیں ہوتا۔ ایک فائدہ یہ ہے کہ شیخ کو کبھی اصلاح میں ضیق اٹھانی پڑتی ہے اس طرح کہ اپنے قلب کی صفائی اور نور سے طالب کی زبوں حالی کا اندازہ لگا لیتے ہیں کہ اس حالت میں ہے۔ مگر چونکہ علم قطعی نہیں ہوتا اس لئے اس سے اغماض اور درگذر فرماتے ہیں اور تاویل کرتے ہیں اور اس سے اس کی حالت کے مطابق معاملہ کرنے سے رکتے ہیں اس طرح ان کو ضیق ہوتی ہے کہ آخر اس کے ساتھ کس قسم کا معاملہ کروں۔	(۱) جس طرح مریض کو طبیب سے احوال بتلانا ضروری ہے، اس لئے کہ مدار علاج کا اسی پر ہے، بدون احوال صحیحہ کے اطلاع کے علاج میں کامیابی دشوار ہے، اور گو طبیب کامل اور شیخ کامل اس کو اپنے خداداد حذاقت سے سمجھ لیتا ہے پھر بھی مریض کے خود بتلانے سے اس کو اس علاج میں بہت مدد ملتی ہے۔ دونوں علاجوں میں اس امر میں بہت کوتاہی ہورہی ہے۔

علاوہ ازیں طالب بھی اسی حالت میں عرصہ تک پڑا رہ جاتا ہے اور اس کی اصلاح نہیں ہو پاتی۔ اور جب خود ظاہر کردے گا تو علی وجہ البصیرت والیقین اصلاح کا طریقہ اختیار فرما دیں گے۔ اور اس کو اس عقبہ سے نکالیں گے اور سمجھیں گے کہ یہ طالب صادق ہے اور مخلص ہے اس لئے اپنے امراض کو بار بار مجھ سے بیان کررہا ہے۔ اس سے انشراح قلب اور اطمینان ہوگا، اور اگر باوجود تعلق، مشائخ کے احوال کی اطلاع نہیں کرتا تو سمجھا جائے گا کہ کاذب ہے رسماً طریق میں داخل ہوگیا ہے۔ اصلاح مقصود نہیں ہے۔ حضرت والا یہ اپنی ناقص فہم سے جو کچھ ادا کرسکا ہوں پیش خدمت کردیا ہے، یوں اپنی حالت کیا عرض کروں خطوط لکھنے سے کیا لطف اور لذت قلب محسوس کرتا ہے اور کیا چیز ملتی ہے، اور اس سلسلہ کے منقطع ہوجانے سے کیسی نحوست اور خلا معلوم ہوتا ہے اس کے بیان کرنے سے عاجز ہوں۔ حضرت والا دعا فرمادیں۔ اللہ تعالیٰ فہم عطا فرمادیں اور صحت عطا فرمادیں۔ والسلام	پس فائدہ اطلاع کا مریض کے احوال کا علم اور عدم اطلاع میں عدم علم۔ پس دونوں حالتوں میں کتنا فرق ہے۔ ایک میں جہل ہے دوسرے میں علم۔ ”قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون“ میں تو یہ سمجھ رہا ہوں کہ ظاہری علاج میں جو کامیابی نہیں ہوتی اور اسی طرح باطنی میں، اس کا سبب فقط احوال مریض پر اطلاع نہ ہونا ہے۔

ملفوظات مُصلح الامتؒ

اب ہم حضرت مُصلح الامتؒ کے ملفوظات نقل کرتے ہیں جو اس تالیف کا اصل مقصد ہے، لہٰذا ان کو بغور بلکہ بذوق وشوق اصلاح کی نیت سے پڑھیں اور اثر لیں۔ جس کو حضرت مولانا حکیم بشیر الدین[ا] کوپا گنجیؒ نے ضبط فرمایا ہے۔

فجزاھم اللہ تعالیٰ۔

فرمایا: آج کل لوگ اعمال میں لذّت کے طالب ہوتے ہیں، اس لئے جب تک لذت ملتی ہے عمل کرتے ہیں اور جب لذّت نہیں ملتی تو عمل ہی کو ترک کر دیتے ہیں، حالانکہ ہم مامور ہیں عمل کے نہ کہ لذّت کے۔

ف: سُبحان اللہ کیسی عمدہ بات فرمائی جو کہ سالکین راہ کے لئے بصیرت افروز بھی ہے اور نصیحت آموز بھی۔ (مرتب)

نیز فرمایا کہ عام طور سے لوگ کرامت کے طالب ہیں، حالانکہ ہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے استقامت کے مامور ہیں نہ کہ کرامت کے، پس استقامت تو اللہ تعالیٰ کا مطلوب ہے اور کرامت ہمارا مطلوب ہے، لہٰذا استقامت کرامت سے بڑھ کر ہے، اسی بنا پر بزرگوں کا مشہور مقولہ ہے:۔ ’’**الاستقامة فوق الکرامة**‘‘

ا۔ حکیم صاحب کا شمار حضرت مصلح الامتؒ کے مخصوص ترین حضرات میں ہوتا تھا، یقیناً آپ حضرتؒ کے بہت ہی مزاج شناس تھے اور مشیر خاص تھے، متقی و پرہیز گار تھے، ذی استعداد عالم تھے، محدث جلیل علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ سے ڈابھیل کے مدرسہ میں حدیث پڑھی تھی ۱۴۰۷ھ میں آپ کی وفات ہوئی، رحمہ اللہ تعالیٰ اور اپنے وطن کوپا گنج کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ نور اللہ مرقدہ۔ (مرتب)

یعنی استقامت کا درجہ کرامت سے بڑھا ہوا ہے۔

ف: آج عام طور پر لوگ بُزرگی وولایت کا معیار کرامت ہی کو سمجھتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے خود ولایت کی پہچان صرف ایمان وتقویٰ کو بیان فرمایا ہے، اور بس جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلآ اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوا يَتَّقُوْنَ۔ (یونس:۶۳)

ترجمہ: یاد رکھو! اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ مغموم ہوتے ہیں، وہ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیز رکھتے ہیں۔

فرمایا: بزرگوں کی خدمت میں آنے کا مقصد نسبت مع اللہ کی تحصیل ہونا چاہئے، چنانچہ بعض بادشاہوں نے تو بادشاہت تک کو ترک کر دیا اور اس نسبت عالیہ کو حاصل کیا۔

ف: چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ نسبتہائے صوفیہ غنیمت کبریٰ است ورسوم ایشاں ہیچ نمی ارزد۔ یعنی صوفیہ کی نسبت (مع اللہ تعالیٰ) نعمت عظیمہ ہے مگر ان کے رسوم کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ (تفہیمات: ص/۲۴۲، ج/۲)

فرمایا: بزرگوں کی خدمت میں آمد ورفت کے باوجود اگر دُنیا کی حرص وہوس نہ چھوٹے تو سمجھ لو کہ وہ مخلص نہیں ہے، اس لئے کہ بُزرگوں نے فرمایا ہے ؎

ہر حریصے ناسزائے ترک دُنیا کے کند   شیر مردے باید ودریا دلے مردانہٗ

یعنی ہر حریص ونالائق بھلا دُنیا کو کیسے چھوڑ سکتا ہے کیونکہ اس کے لئے تو شیر مرد اور دریا دل ہونے کی ضرورت ہے۔

فرمایا: سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ سے کسی نے کہا کہ حضرت آپ تو واصل باللہ ہو گئے تو پھر تسبیح کیوں پڑھتے ہیں؟ تو فرمایا کہ اسی سے تو اللہ تعالی تک پہونچا ہوں تو اسی کو چھوڑ دوں؟ (چنانچہ یہ بھی ان کا قول منقول ہے کہ اگر مجھے عمر نوح مل جائے تاہم ایک وظیفہ بھی ترک نہ کروں گا)۔

ف: مگر افسوس کہ اب ہمارا یہ حال ہے کہ معمولی سے معمولی عذر کی وجہ سے بڑے سے بڑا وظیفہ بلکہ فریضہ ترک کر دیتے ہیں۔ (مرتب)

فرمایا: ہماری خانقاہیں اور مدرسے دونوں ہی تباہ و برباد ہو گئے ہیں، پہلے انہی اداروں سے کام کے باکمال لوگ نکلتے تھے اور کام کرتے تھے مگر افسوس کہ اب کام کے لوگ پیدا نہیں ہوتے، اس لئے کام ترقّی نہیں کر رہا ہے۔

فرمایا: کہ دوسروں کی تبلیغ کا شوق ہے مگر اپنی اصلاح کی فکر نہیں ہے۔ اس معاملہ میں عوام پر تو شفقت ہے مگر اپنے اوپر شفقت نہیں یعنی جب اپنی اصلاح کی فکر نہیں ہے تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ خود اپنے اوپر شفقت نہیں ہے، یہ کیسی عجیب بات ہے، العیاذ باللہ تعالی۔

فرمایا: یہ کیسا تصوف وسلوک ہے کہ ایک دن تسبیح ووظیفہ پڑھا اور دوسرے دن چھوڑ دیا، حدیث پاک میں ہے "**احب الاعمال الی اللہ ادومها وان قل**" (مشکوۃ: ص: ۱۱۰) یعنی اللہ تعالی کے یہاں سب سے زیادہ پسندیدہ عمل وہ ہے جس پر مداومت کی جائے چاہے قلیل ہی کیوں نہ ہو۔ اور یہ آئین محبت کے بھی خلاف ہے، اس لئے کہ اللہ تعالی کے قُرب وقبول ہی کے لئے تو وظائف پڑھے جاتے ہیں، اب جب کہ ان کو چھوڑا جا رہا ہے تو یہی سمجھا جائے گا کہ

اللہ تعالیٰ کا قُرب وقبول اس کو محبوب نہیں ہے۔

ف: سبحان اللہ! اس سے مداومت علی الاعمال کی کیسی کچھ اہمیت معلوم ہوتی ہے، جو ہم سب کو مستحضر رکھنے کے لائق ہے۔(مرتب)

فرمایا: لوگوں سے کہتا ہوں کہ اگر لوگوں کے دکھانے کے لئے سَو رکعتیں بھی پڑھو گے تاہم تمہارا کوئی معتقد نہ ہوگا تو پھر ایسی نماز سے کیا فائدہ؟ تو کیوں نہ اللہ تعالیٰ کی رضا ہی کے لئے پڑھتے تاکہ اللہ تعالیٰ راضی ہو، پھر یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں تمہاری محبت وعقیدت ڈال دے اور تمہارا مقصد بھی حاصل ہو جائے۔

فرمایا: لوگوں کا عقیدہ ہی خراب ہو گیا ہے اس لئے بزرگوں کی جگہوں کو اصلاح کے لئے نہیں سمجھتے بلکہ تعویذ، گنڈہ اور جھاڑ پھونک کے لئے مخصوص سمجھتے ہیں، اسی کا نتیجہ ہے کہ بزرگوں کے پاس آنے جانے کے باوجود اپنی اصلاح نہیں کرپاتے، جہاں تھے وہیں رہتے ہیں، مشائخ کو راضی رکھنا چاہتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کو نہیں، تو پھر اس آمد ورفت سے کیا نفع؟

فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ارشاد: **وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ** کے تحت قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں: **ویحتمل ان یراد بہ الانفاق من جمیع المعادن التی آتاھم اللہ تعالی مِنَ النِعَم الظاھرۃ والباطِنۃ۔**

ویؤیدہ قولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام: اِنّ عِلْمًا لَا یُقَالُ بِہٖ کَکَنْزٍ لَا یُنْفَق مِنْہُ والیہ ذھب من قال: ومما خصصناھم بہ انوار المعرفۃ یفیضون۔

ترجمہ: اور ہوسکتا ہے کہ ''مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ'' سے ان تمام عطیات

میں سے خرچ کرنا مراد ہو جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو عطا فرمائے ہیں۔ اب وہ عطیات خواہ نعمت ظاہرہ میں سے ہوں یا نعمت باطنہ میں سے۔

اور اس کی تائید فرمان نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس علم کی مثال جو دوسروں تک نہ پہونچایا جائے اس خزانے کی سی ہے جس میں سے خرچ نہ کیا جائے۔ اسی معنی کو اختیار کیا ہے ان لوگوں نے جنہوں نے یہ بات فرمائی ہے کہ ہم نے ان لوگوں کو جن انوار معرفت سے خاص کیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ جیسے اللہ تعالیٰ کے عطا فرمودہ اموال سے انفاق لوازم تقوی سے ہے، ویسے ہی اللہ رب العزت کے انعام فرمودہ علوم ومعارف، انوار واسرار سے دوسروں کو مستفیض کرنا بھی مقتضیات تقویٰ سے ہے۔

فرمایا: گلستاں میں ہے کہ ایک وزیر کو بادشاہ نے معزول کر دیا تو وہ بزرگوں کے حلقہ میں داخل ہو گیا اور ان حضرات کی صحبت سے متأثرّ ہوا اور اطمینانِ قلب کی دولت سے بہرہ ور ہوا، کچھ دنوں کے بعد بادشاہ اس وزیر سے خوش ہو گیا اور سابق منصب سپرد کرنا چاہا تو اس نے قبول نہ کیا اور کہا کہ ''معزولی بہ کہ مشغولی'' یعنی وزارت سے معزولی، مشغولی سے بہتر ہے۔ (گلستاں ب/۱)

ف: یقیناً قلب میں اللہ تعالیٰ کی محبت ومعرفت اور انکی نسبت دنیا ومافیہا سے بدرجہا بہتر ہے، بلکہ دونوں میں کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔ (مرتب)

فرمایا: حضرت علیؓ کا ارشاد ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد مجھے اتنا حزن وغم ہے کہ اگر روؤں تو تمام چربی آنسوؤں کے ذریعہ بہہ جائے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مصائب پر صبر کرنا چاہئے اس لئے آپ

کے حکم کے مطابق جتنا بڑا غم ہے اسی کے اعتبار سے صبر بھی کروں گا۔ ؎

اُرِیْدُ وِصَالَهٗ وَ یُرِیْدُ هِجْرِیْ　　فَأَتْرُکُ مَا اُرِیْدُ لِمَا یُرِیْد

ترجمہ: یعنی میں تو اس کے وصال کا طالب ہوں اور میرا محبوب میرے ہجر وفراق کو چاہتا ہے، لہذا میں اپنے مقصود کو چھوڑ کر محبوب کی مراد کو بخوشی قبول کرتا ہوں۔

فرمایا: ایک بوڑھی عورت طواف کررہی تھی، جب تھک گئی تو معلّم سے کہنے لگی کہ معلّم صاحب اب باقی طواف کو معاف کردو، توبہ توبہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ معلم طواف کو معاف کردے۔ (اس لئے کہ معلّم کو شریعت کے احکام میں قطع وبرید کا اختیار نہیں ہے)۔

یہی حال ہمارے پاس آنے جانے والوں کا ہے کہ چاہتے ہیں کہ ہم دین کو معاف کردیں، اصلاح کو معاف کردیں تا کہ بزرگوں کے پاس آنا جانا محض رسمی ہو کر رہ جائے تو بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے؟

فرمایا: اللہ تعالی نے بنی اسرائیل کے متعلق ارشاد فرمایا کہ: وَمِنْهُمْ اُمِّیُّوْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ الْکِتَابَ اِلَّا اَمَانِیَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ۔ (سورہ بقرہ:۷۸)

ترجمہ: ان (یہودیوں) میں سے بعض ناخواندہ ہیں، خبر نہیں رکھتے کتاب کی، سوائے جھوٹی آرزؤں کے اور ان کے پاس کچھ نہیں مگر خیالات۔

یہ حال اگرچہ اللہ تعالی یہود کا بیان فرمارہے ہیں مگر ہم مسلمانوں کا بھی یہی حال ہے کہ عمل نہیں کرنا چاہتے بلکہ اپنے خیالات وخواہشات میں مست ہیں، حالانکہ اس راستہ میں عمل کی ضرورت ہے اور یہی مقصود ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

قدم باید اندر طریقت نہ دم　　　کہ اصلے ندارد دمے بے قدم

یعنی اس راہِ خدا میں عمل کرنا چاہئے اس لئے کہ قول بغیر عمل کے معتبر نہیں ہے۔

کار کُن کار بگذر از گُفتار　　　کاندریں راہ کار باید کار

یعنی کام کرو، کام، بات نہ کرو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں کام ہی کی وقعت ہے، نہ کہ بات کی۔

فرمایا: عجیب بات ہے کہ جو بات شیخ سے بتلانے کی ہے اس کو چھپاتے ہیں حالانکہ شیخ مثل طبیب کے ہے جب تک اپنے امراض کو ظاہر نہ کیا جائے گا وہ کیسے علاج کرے گا اور پھر کیسے شفا ہوگی؟

فرمایا: قلب کی مثال پان جیسی ہے کہ ذرا دھوپ لگتی ہے تو وہ خشک ہوجاتا ہے، اسی طرح قلب کے بدلتے دیر نہیں لگتی، بعض دفعہ گناہ صغیرہ کا قلب پر بہت بُرا اثر پڑتا ہے، جس سے قلب کی حالت بگڑ جاتی ہے اس لئے اپنے قلب کی حفاظت کی بہت فکر رکھنی چاہئے۔

فرمایا: واعظ کو چاہئے کہ اپنے کو ہادی نہ سمجھے، اس لئے کہ ہادی تو درحقیقت اللہ تعالیٰ ہیں، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے خطبہ میں یوں ارشاد فرماتے ہیں: **مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ** ۔یعنی جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں ہے اور جسے وہ گمراہ کردے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے۔

فرمایا: اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے اپنا رسول بھیج کر اور اپنا کلام نازل فرما کر ہماری ہدایت کا راستہ آسان فرمادیا ہے اور کمند

لٹکا دی ہے اب جس کا جی چاہے اس کو پکڑ کر اللہ تعالی تک پہونچ جائے۔

ف: سُبحان اللہ! کتنا آسان نسخہ ہے اللہ تعالی تک پہونچنے کا، اللہ تعالی ہم سب کو اس کی توفیق مرحمت فرمائے۔(مرتب)

فرمایا: اللہ تعالی کے کلام میں حُسن وخوبی کی کوئی انتہاء نہیں ہے، چنانچہ کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے۔؎

بہارِ عالم حسنش دل وجاں تازہ می دارد

برنگ اصحاب صورت را ببو ارباب معنی را

ترجمہ: اس کے حسن وجمال کی بہار دل وجان کو تازہ رکھتی ہے۔اصحاب ظاہر کو اپنے رنگ وظاہری رونق سے اور ارباب باطن کو اپنی خوشبو کے ذریعہ۔

اب بتلایئے اس کے سننے کے بعد مومن کو کلام اللہ کی تلاوت سے کیسا تعلق ہوگا اور کس دل سے تلاوت کرے گا، چنانچہ ایک بُزرگ کلام اللہ کی ایسے کیف وحال سے تلاوت فرماتے تھے کہ دریا کا پانی ٹھہر جاتا تھا۔

ف: یقیناً اللہ تعالی کے کلام کے اندر ایسی ہی تاثیر ہے جس کا اثر تلاوت کرنے والے بلکہ اس کے سننے والے پر پڑتا ہے، اسی لئے کُفارِ عرب قرآن پاک کے سننے سے خود بھی بچتے تھے اور اپنے لوگوں کو منع بھی کرتے تھے تاکہ اس کا اثر نہ ہوجائے اور حلقۂ اسلام میں نہ داخل ہوجائیں۔(مرتب)

فرمایا: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیابت کا منصب لینا آسان نہیں ہے، بلکہ اس کیلئے بہت کچھ ریاضت ومجاہدہ کی ضرورت ہوتی ہے۔؎

خون دل پینے کو اور لختِ جگر کھانے کو یہ غذا ملتی ہے جاناں ترے دیوانے کو

فرمایا: اللہ تعالی کی توفیق کے بغیر کوئی نیک عمل نہیں ہوسکتا، چنانچہ بہت سے لوگ یہاں آکر رمضان میں رہنا چاہتے ہیں مگر کوئی نہ کوئی ایسا مانع پیش آجاتا ہے کہ نہیں آپاتے۔

پس ہر شخص کو چاہئے کہ وہ اس بات کا یقین کرلے کہ ہم سے جو بھی نیک عمل ہورہا ہے وہ محض اللہ تعالی کے فضل وتوفیق سے ہورہا ہے، لہذا اسے چاہئے کہ اس توفیق الٰہی پر اللہ تعالی کا شکر ادا کرے۔

فرمایا: ایک بادشاہ نے یہ اعلان کیا کہ جو شخص مسجد میں سب سے پہلے آنے کا پابند ہوگا اور صفِ اول میں نماز ادا کرے گا اس سے اپنی لڑکی کی شادی کروں گا، یہ سن کر ایک جوان شخص مسجد میں بہت سویرے آنے لگا اور صف اول میں نماز ادا کرنے لگا، آخر سب کی نظر اس جوان پر پڑی کہ یہ شخص بہت نمازی ہے اور جماعت کا پابند ہے، شدہ شدہ یہ بات بادشاہ کو بھی پہونچی تو اس نے اپنی لڑکی سے رشتہ کا پیغام بھیجا تو اس شخص نے جواب دیا کہ درحقیقت میں نے یہ پابندی اور نیک عمل تو شاہزادی سے رشتہ ہی کے لئے شروع کی تھی مگر اللہ تعالی نے مجھے ایسی باطنی دولت عطا فرمادی کہ اب میں شاہزادی سے رشتہ پر رضامند نہیں ہوں۔

فرمایا: فقہ سے بے تعلقی بڑھتی جارہی ہے، اس لئے بہت کم لوگ رہ گئے ہیں جن کو فقیہ کہا جائے، اس لئے کہ فقیہ دراصل وہ ہے جس کی نظر اُصول وفروع سب پر حاوی ہو۔

اس لئے اب اندیشہ ہورہا ہے کہ کہیں یہ علم مندرس یعنی ختم ہی نہ ہوجائے، لہذا جس کو اس علم سے تعلق ومناسبت ہے اس کو چاہئے کہ محنت کرکے اس علم میں کمال ومہارت حاصل کرے تاکہ صحیح فتویٰ دے سکے ورنہ تو ایک

ایسا نازُک دور آرہا ہے کہ جاہل لوگ اپنی رائے سے فتویٰ دیں گے جس سے خود گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

فرمایا: اگر کوئی کسی شخص کو بلا وجہ بُرا بھلا کہے اور وہ خاموش رہے، جواب نہ دے تو اس سے نفس اتنا مرتا ہے جس کی حد نہیں، اللہ تعالی کو یہ صفت بہت پسند ہے، اسی کو صبر کہتے ہیں جو مومن کی خاص صفت ہے۔

فرمایا: اللہ تعالی نے دنیا کو بنایا جو غفلت کی جگہ ہے تو اللہ تعالی ہی نے اس کے ازالہ کے لئے قرآن پاک کو نازل فرمایا تا کہ بندے غفلت کا شکار نہ ہوں۔

ف: سبحان اللہ! کیا خوب حقیقت بیان فرمائی، مگر جب ہم خود غفلت ہی کو شعار بنالیں اور اس کے شکار ہو جائیں اور اس سے نکلنا نہ چاہیں تو اس کا کیا علاج ہے؟ (مرتب)

فرمایا: ایک بُزرگ کے پاس ایک شخص آئے تو ان بزرگ نے ان کو ایک ہی ہفتہ میں خلافت دے دی، تو پُرانے لوگ جو سالہا سال سے خانقاہ میں مقیم تھے ان کو خیال ہوا کہ ہم اتنے دنوں سے ہیں ہم کو خلافت نہ ملی اور یہ شخص ابھی ہفتہ ہوئے آیا اور اس کو خلافت سے نواز دیا گیا؟ ان بزرگ کو ان لوگوں کے خیال کا انکشاف ہو گیا، انہوں نے فرمایا کہ تم لوگ جنگل سے گیلی لکڑی کاٹ کر لاؤ، لہذا وہ لوگ گیلی لکڑی کاٹ کر لائے، تو فرمایا کہ اس میں آگ لگاؤ، تو ان لوگوں نے ہزار کوشش کی مگر آگ نہ لگی، شیخ یہ منظر دیکھ رہے تھے، فرمایا کہ بھائی آگ لگی ؟ ان لوگوں نے کہا: نہیں، حضرت گیلی لکڑی میں آگ نہیں لگا کرتی، تو فرمایا کہ ڈوب نہیں مرتے، بالکل یہی تمہاری مثال ہے کہ تم لوگ مثل گیلی لکڑی کے ہو کہ سالہا سال سے تم پر محنت کر رہا ہوں مگر آگ تم میں اب تک نہ لگ سکی، اور یہ شخص طالب صادق اور قوی الاستعداد تھا

جو مثل خشک لکڑی کے تھا، اس لئے میں نے ذرا توجہ کی اور فوراً اسے کامیابی حاصل ہوگئی، اس لئے میں نے اس کو خلافت سے نوازا۔

ف: سبحان اللہ! ان بزرگ کی فہم وفراست کی بات تھی کہ اس معنوی حقیقت کو محسوس مثال کے ذریعہ سمجھادیا اور جس کو بھی اللہ تعالیٰ تعلیم وتربیت کی خدمت سپرد فرماتے ہیں تو اس کو ایسی تدبیر وسیاست اور فراست سے نوازتے ہیں، جس سے وہ صحیح طور پر کام کرتا ہے۔ (مرتب)

ملفوظات: ضبط فرمودہ ڈاکٹر علی ملپا خلیفہ حضرت مصلح الامتؒ

☆……{۱} فرمایا: عرصہ سے کہا کرتا تھا کہ کوئی شیخ مستقل نہیں ہے بلکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا پیرو اور تابع ہے، اور یہ بات شرح عقائد میں بھی مل گئی جو عقائد ہی کی کتاب ہے، اس میں استقلال کے معنی اوامر ونواہی میں عدم اطاعت کو لکھا ہے خود نص قرآنی ہے {قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ} آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم لوگ اللہ سے محبت رکھتے ہو تو ہماری اتباع کرو۔

علم مشکل ہے، عمل آسان:

☆……{۲} فرمایا: میں نے الٰہ آباد میں بیان کیا تھا کہ علم مشکل ہے اور عمل آسان، تو لوگوں کو بہت تعجب ہوا اس لئے کہ ذہنوں میں یہ بات جمی ہوئی ہے کہ عمل مشکل ہے اور علم آسان، تو میں نے سمجھایا کہ علم کے بہت سے ابواب ہیں اور اس کے مختلف فنون ہیں، نیز ایک علم ظاہری ہوتا ہے، اور ایک باطنی، لہٰذا ان میں سے ہر ایک کا احاطہ مشکل ہوتا ہے، رہا عمل تو اس میں یہ بات نہیں ہے اس لئے کہ اس کا تعلق نفس سے ہے، جب تک وہ کسل کرتا ہے اس وقت تک عمل نہیں

کرتا مگر جب اس سے کسل دور ہوجاتا ہے اور نفس عمل کے لئے مستعد ہوجاتا ہے تو پھر عمل کرنا آسان ہوجاتا ہے، مشکل نہیں رہ جاتا۔

یہی وجہ ہے کہ عابدین ہر جگہ بکثرت موجود ہیں مگر باصلاحیت عالم نظر نہیں آتے، ضلع کا ضلع خالی دکھائی پڑتا ہے حالانکہ علم اور علماء دونوں ہی کی فضیلت قرآن وحدیث میں بکثرت مذکور ہے، مثلاً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے ''**فضل العالم علی العابد کفضلی علیٰ ادناکم**'' یعنی عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے میری فضیلت تمہارے سب سے کم تر پر۔

سبحان اللہ! عالم کی کیسی فضیلت بیان فرمائی جس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ دوسرا بیان ہی نہیں کرسکتا تھا، لہٰذا جس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فضیلت دے رہے ہیں اور افضل قرار دے رہے ہیں تو پھر کس کی مجال ہے کہ اس کو گھٹا دے یا گرا دے۔

☆......{۳} فرمایا: میں نے علی گڑھ میں بیان کیا تھا کہ تمام اولیاء اللہ میں بطور قدر مشترک جو چیز پائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ ان حضرات نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنی عقل ورائے کو فنا کردیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مطاع ومقتدا اور پیش رو مان کر اپنے کو ہر معاملہ میں ان کا مقلد اور پس رو ہونا عملاً ثابت کردیا چنانچہ اس راہ میں جس کو جو کچھ ملا ہے اسی کی برکت سے ملا ہے۔

اسی لئے میں نے بیان کیا تھا کہ مشائخ مستقل نہیں ہوا کرتے بلکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تابع ہوتے ہیں، اسی لئے جو ولی استقلال کا دعویٰ کرے وہ ولی نہیں ہے، علماء نے اس کو کتابوں میں لکھ دیا ہے اور اس کو سمجھانے کی پوری پوری کوشش فرمائی ہے، چنانچہ شرح عقائد میں ولی کی تعریف یوں فرمائی گئی ہے:

هو العارف بالله تعالىٰ وصفاته حسب مايمكن، المواظب على الطاعات، المجتنب عن المعاصى، المعرض عن الانهماک فى اللذات و الشهوات۔ (شرح عقائد ص/۱۰۵)

ولی وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا بقدر امکان عارف ہو، طاعات پر مواظب ہو اور معاصی سے اجتناب کرتا ہو اور لذات اور شہوات سے دور رہنے والا ہو۔

اس کے کچھ ہی آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں کہ :

لن يكون وليًا الا ان يكون محقاً فى ديانته، وديانتُه الاقرار بالقلب واللسان برسالة رسوله مع الطاعة له فى اوامره ونواهيه حتى لو ادعى هذا الولى الاستقلالَ بنفسه وعدم المطاوعة لم يكن وليًا۔

(شرح عقائد ص/۱۰۷)

کوئی شخص ولی نہیں ہوسکتا جب تک اپنی دیانت میں محق نہ ہو، اور محق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا قلب وزبان سے مقر ہو اور رسول اللہ ﷺ کے جملہ اوامر ونواہی میں آپ کی اطاعت کرتا ہو (یعنی عقائد وعبادات کے علاوہ معاملات و معاشرت اور اخلاق میں بھی اس طرح متبع سنت ہو کہ ان کے سلوک وبرتاؤ کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کے اخلاق یاد آجائیں) اور اگر اس ولی نے دین کے کسی شعبے میں آپ ﷺ کی متابعت کو ضروری نہ جانا اور اپنے کو مستقل گردانا تو وہ شخص ہرگز ہرگز ولی نہ ہوگا۔

پہلے کے تمام بزرگان دین جو اہل طریقت کہلاتے ہیں وہ اہل شریعت بھی ہوئے ہیں، چنانچہ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں ؎

خلاف پیمبر کسے رہ گزید که ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید
مپندار سعدی کہ راہِ صفا تواں رفت جز بر پئے مصطفی

جس نے پیغمبر کے خلاف راستہ اختیار کیا وہ ہرگز منزل کو نہ پہنچے گا۔اے سعدی! یہ نہ خیال کر کہ نجات کا راستہ آں حضورؐ کے نشان کے خلاف بھی چلا جا سکتا ہے۔

نیز شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ اپنے مکتوبات میں فرماتے ہیں ؎

ہر کہ در راہِ محمد رہ نیافت تا ابد گردے ازیں درگہ نیافت

یعنی جس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا راستہ نہ ملا تو وہ درگاہ خداوندی کا گرد بھی نہ پائے گا۔

سانحۂ وفات حسرت آیات: بمبئی سے روانگی کے بعد دو ہی روز گزرے تھے کہ ۲۲ رشعبان ۱۳۸۷ھ مطابق ۲۴ رنومبر ۱۹۶۷ء کو جمعہ کے دن مغرب کی نماز کیلئے حضرت والاؒ ہال کمرے میں تشریف لے گئے اور فرض سے فارغ ہو کر اپنے کمرے میں آ کر سنت ادا کی، اس کے بعد استنجاء کیلئے تشریف لے گئے اور وہاں سے عجیب کیفیت کے ساتھ واپس آئے، جس کو دیکھ کر حضرت کے خادم ممتاز احمد اور مولوی ارشاد احمد وغیرہ گھبرا گئے، اور مکرم قاری محمد مبین صاحب کو اس حالت سے مطلع کیا، وہ آئے تو دیکھ کر سمجھ گئے کہ حالت نازک ہے اس لئے بسرعت تمام نیچے کے درجہ میں گئے اور مولانا عبدالرحمن جامی صاحب، مکرم ڈاکٹر صلاح الدین صاحب صدیقی، مکرم بھائی زکی اللہ صاحب وغیرہم کو اس حالت سے مطلع کیا، یہ لوگ حضرت والاؒ کی خدمت میں فوراً پہنچ گئے، چونکہ متلی اور قے کا سلسلہ جاری تھا، اس لئے جہاز کے ڈاکٹر بلائے گئے، انہوں

نے دوا انجکشن لگائے جس سے قدرے افاقہ محسوس ہوا، مگر وہ عارضی تھا، طبیعت اندر اندر بگڑتی ہی گئی یہاں تک کہ چند گھنٹوں کے بعد اسی شب کے ساڑھے گیارہ بجے یا اس کے کچھ دیر کے بعد بیت اللہ کے بجائے رب البیت سے جا ملے اور مکان کے بجائے مکین سے واصل ہو گئے۔ اِنَّ اِلیٰ رَبِّکَ الرُّجعیٰ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

تجہیز و تکفین و نماز جنازہ: یہ خبر وائرلیس کے ذریعہ حجاز پہونچی تو وہاں کے مخلصین نے اور خود مکرم مدحت کامل صاحب سفیر ہند متعین سعودی عرب نے جنت المعلی میں تدفین کیلئے حکومت سعودیہ سے منظوری حاصل کرنے کی کوشش کی جس میں کامیابی ہوئی، اور بالکل استثنائی طریقہ پر جسد مبارک کو البلد الامین لانے کی سرکاری طریقہ پر اجازت ملی، اور جنت المعلیٰ میں شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کی لحد کی جگہ پر قبر بھی تیار کر لی گئی، اور مدرسہ صولتیہ میں غسل کی تیاری بھی شروع کر دی گئی، لیکن یہاں بھی اللہ تعالی کا خصوصی معاملہ رہا، اس غلط فہمی کی بناء پر کہ حکومت سعودیہ کی طرف سے اجازت نہیں ملی، جہاز کے کپتان نے کہا کہ لاش کو بغیر سرکاری اجازت کے ہم ساحل پر نہیں لے جا سکتے، اس مجبوری سے بعجلت تمام جہاز ہی پر غسل اور تکفین کی خدمت انجام دی گئی اور حضرت مصلح الامتؒ کے خویش و خلیفہ اخی المکرم قاری محمد مبین صاحبؒ نے جنازہ کی نماز پڑھائی، اس کے بعد جسد مبارک کو جہاز کے قوانین کے مطابق سمندر میں اتار دیا گیا، اس طرح اس شعر کا مضمون جو حضرت والاؒ گاہے گاہے پڑھا کرتے تھے صادق آیا۔

پھول کیا ڈالو گے تربت پر مری ۔۔۔ خاک بھی تم سے نہ ڈالی جائے گی

رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً ونور اللہ مرقدہ۔

حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحبؒ جو حضرت مصلح الامتؒ کے تلامذہ میں تھے اور بہت ہی خاص تعلق تھا وہ فرماتے تھے کہ حضرت مولاناؒ یہ شعر بکثرت پڑھا کرتے تھے۔

ہوئے مر کے ہم جو رسوا، ہوئے کیوں نہ غرق دریا

نہ مرا جنازہ اٹھتا، نہ کہیں مزار ہوتا

اس سلسلہ میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے ''پرانے چراغ'' میں جو مؤثر و بصیرت افروز مضمون تحریر فرمایا ہے؛ اسے ملاحظہ فرمائیں:

''یہ واقعہ جس طرح پیش آیا، تدبیر کی بے بسی اور تقدیر کی قہاری صاف نمایاں تھی، تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ وَاللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰی اَمْرِہٖ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَایَعْلَمُوْنَ۔

اس طرح ان برگزیدہ افراد کی نورانی فہرست میں جن کے مدفن ہونے کا شرف بجائے آغوش خاک کے سمندر کے سینہ کو عطا کیا گیا اور جن میں حضرت مولانا مفتی عنایت احمد صاحب کاکوری، مصنف ''علم الصیغہ'' اور ''تاریخ حبیب الٰہ'' اور قاضی محمد سلیمان صاحب منصور پوری مصنف ''رحمۃ للعالمین'' جیسے صلحاء و مقبولین شامل ہیں، ایک اور مرد کامل کا اضافہ ہوا، اور سمندر کو شکایت نہ رہی کہ وہ اس دولت سے یکسر محروم ہے، جو زمین کے نصیب میں آئی''۔ (پرانے چراغ:۱/۱۷۹)

حضرت مصلح الامتؒ کی صاحبزادیاں:

حضرت مصلح الامتؒ کی صرف چار صاحبزادیاں ہی تھیں۔الحمدللہ چاروں ہی صاحبزادیاں نیک اور صالحہ تھیں۔جن کے اسماء یہ ہیں: صفیہ خاتون،

عقیلہ خاتون، نبیلہ خاتون اور شکیلہ خاتون۔

۱۔ صفیہ خاتونؒ کا نکاح مولانا قاری محمد مبین صاحب ابن قاری محمد امین اظہر صاحبؒ سے ہوا، ان سے تین صاحبزادیاں اور تین صاحبزادے باحیات ہیں۔ جن کے اسماء یہ ہیں۔ زکیہ خاتون، خالدہ خاتون، محمودہ خاتون، مولوی احمد متین قاسمی، مولوی احمد مکین مظاہری اور مولوی محمد امین قاسمی ندوی۔

۲۔ عزیزہ عقیلہ خاتونؒ کا نکاح اس حقیر محمد قمر الزمان ابن سلطان احمد ابن محمد نذیر خاں سے ہوا، ان سے پانچ اولادیں ہوئیں۔ چار لڑکے اور ایک لڑکی۔ لڑکی عائشہ خاتون تو دس بارہ دن اس دار فانی میں رہ کر عالم آخرت کو رخصت ہو گئی۔ بچوں کے اسماء بالترتیب یہ ہیں۔ مولوی مقبول احمد قاسمی، مولوی سعید احمد قاسمی ندوی مدنی، مولوی عزیز احمد قاسمی اور مولوی محبوب احمد ندوی۔ مگر افسوس کہ بڑے لڑکے مولوی مقبول احمد قاسمی ذوالحجہ ۱۴۳۷ھ مطابق ۲۰۱۶ء کو دنیا سے کوچ کر گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ انھوں نے چار لڑکے اور تین لڑکیاں چھوڑیں۔

۳۔ عزیزہ نبیلہ خاتونؒ کا نکاح مولوی نور الہدیٰ مرحوم ابن حافظ مختار احمد صاحبؒ سے ہوا، جن سے دو صاحبزادے مولوی کمال احمد ندوی اور نیاز احمد ہوئے۔ لیکن نیاز احمد کا انتقال بچپن ہی میں ہو گیا تھا۔

۴۔ عزیزہ شکیلہ خاتونؒ کا نکاح مولوی ارشاد احمد ابن قاری محمد امین اظہر صاحبؒ سے ہوا، جن سے تین صاحبزادیاں عطیہ خاتون، حبیبہ خاتون، خدیجہ خاتون اور دو صاحبزادے عزیزم احمد جس کا بچپن ہی میں انتقال ہو گیا، اور دوسرے حافظ محمود کریم سلمہ جو ماشاء اللہ باحیات ہیں۔

حضرت مصلح الامت کے مخصوص اصحاب

حضرت مولانا قاری محمد مبین صاحبؒ المتوفیٰ ۱۴۳۹ھ

(از: نبیرۂ مصلح الامتؒ احمد متین بن قاری محمد مبین صاحب)

جائے پیدائش: ضلع اعظم گڈھ (اور اب مئو) میں شہر اعظم گڈھ سے پچاس میل کی بُعد مسافت پر واقع کاری ساتھ نامی گاؤں ہے۔ یہ تحصیل گھوسی سے قریب ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ جہاں شرفائے ہند مسلمان راجپوت زمینداروں پر مشتمل قدیم زمانہ سے ایک خاندان آباد ہے۔ اسی باا ثر معزز خانوادہ سے والد ماجد مولانا قاری محمد مبین صاحبؒ کا تعلق ہے۔

جہاں تک سن ولادت کا تعلق ہے، یقینی طور پر اس کا تعین مشکل ہے۔ البتہ کچھ معتبر روایات کے مطابق ولادت کا سن ۱۹۲۷ء یا ۱۹۲۸ء مطابق سن ۱۳۴۵ھ ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو وفات کے وقت ان کی عمر تقریباً ۹۲ سال تھی۔

تعلیم: تعلیم کے متعلق فراہم شدہ معلومات سے کچھ اجمالی تفصیل اس طرح ملتی ہے کہ ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد جد امجد مولانا قاری امین اظہر صاحبؒ سے حاصل کی۔ کچھ مراحل کے بعد فتح پور تال نرجا میں واقع مکتب بھی جاتے رہے۔ دادا جان مرحوم چونکہ دار العلوم مئو میں مدرس تھے اس لئے تجوید وقرأت کی تکمیل اس وقت کے معروف قاری مصطفےٰ صاحبؒ اور اپنے والد ماجد مدرس دار العلوم قاری امین اظہر صاحبؒ سے کی۔ غرض حصول تعلیم کا دورانیہ اور اس کے مقامات عمر

وحالات کے لحاظ سے بدلتے رہے۔حرف شناسی وناظرہ قرآن کے ابتدائی نقوش مولدووطن میں ثبت ہوئے، پھر دار العلوم مئو اور فتح پور تال نرجا میں قیام رہا۔ حصول علم کا یہ زریں سلسلہ بڑھتا وفروغ پاتا رہا۔حضرت مصلح الامت علیہ الرحمۃ سے وابستگی کے بعد درس نظامی کی ابتدائی کتابوں سے لیکر فضیلت (یعنی بخاری شریف وغیرہ) تک کی تعلیم حضرت اقدسؒ کے زیرسایہ وتربیت مکمل ہوئی۔

اس وقت کے معروف مدارس میں تعلیم حاصل نہ کرنے کی اصل وجہ بذات خود حضرت مصلح الامتؒ کا مدارس کے بدلتے ماحول وعمومی بداستعدادی کو دیکھ کر ان الفاظ میں یہ عزم وفیصلہ تھا کہ میں ’’اپنے ان بچوں (یعنی دامادوں) کو کہیں باہر تعلیم کے لئے نہیں بھیجوں گا بلکہ خود ہی تعلیم بھی دونگا اور ان کی تربیت کرونگا‘‘۔(حالات مصلح الامت جلد دوم صفحہ ۲۰۸) چنانچہ ایسا ہی ہوا۔بلکہ درسی کتابوں کےعلاوہ بہت سی کتابیں حضرت مصلح الامتؒ نے پڑھائیں۔حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب مدظلہ تذکرہ مصلح الامتؒ میں لکھتے ہیں کہ ’’کتب درسیہ کےعلاوہ بہت سی کتابیں ہم لوگوں کو پڑھائیں۔مثلاً تفسیر میں کشاف، روح المعانی کا مقدمہ، تصوف میں ترصیع الجواہر المکیہ، امام غزالیؒ کی منہاج العابدین، القول الجمیل، خیر کثیر، تاریخ میں تاریخ الخلفاء وغیرہ‘‘۔(تذکرہ مصلح الامتؒ جلد ا صفحہ ۳۸)

مصلح الامتؒ سے والد ماجد اور اس خانوادہ کےقرب اور وابستگی کی بنیاد رکھنے والے دادا جان مرحوم (قاری امین اظہر صاحبؒ) تھے۔حضرت مصلح الامتؒ سے ان کا گہرا تعلق، عقیدت ومحبت اور اخلاص کا نتیجہ تھا کہ حضرت مصلح الامتؒ نے ان کو بیعت وارشاد کی تحریری طور پر اجازت مرحمت عطا فرمائی۔اس لحاظ سے دیکھا

جائے تو باپ اور بیٹے دونوں کو حضرت شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے بیعت وارشاد کی اجازت حاصل تھی۔ وللہ الحمد والمن والفضل۔

موضع کاریساتھ: ’حالات مصلح الامتؒ‘ کے مصنف مولانا عبدالرحمان جامیؒ ’’حالات مصلح الامتؒ‘‘ میں رقمطراز ہیں کہ موضع کاریساتھ ضلع مئو میں ہمارے آبائی مکان پر وعظ فرمایا۔ جس میں خاص طور پر فرمایا کہ میں اس برادری میں دین پھیلانا چاہتا ہوں اور آپ لوگوں سے کہتا ہوں کہ ان شاء اللہ تعالیٰ یہاں بھی اولیاء پیدا ہوں گے، اور اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہو کر رہے گا۔ اور اس برادری میں دین پھیل کر رہے گا۔ چنانچہ اس قریہ میں بہت سے حضرتؒ کے جاں نثار پیدا ہوئے اور حضرتؒ کی تعلیمات کو گلے لگایا۔ الحمدللہ علی احسانہ کہ حضرت مصلح الامتؒ نے اپنی چاروں صاحبزادیوں کا اسی قریہ بلکہ ایک ہی خاندان کے صاحبزادوں سے نکاح کا شرف عطا فرمایا۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشآء۔

(حالات مصلح الامتؒ: ص ۱۶۴ ج ۱)

فتح پور تال نرجا و دارالعلوم (مئو) میں والد ماجد کے علمی سفر کے بارے میں مولانا حکیم اخلاق صاحب مدظلہ (ساکن کوپا گنج) لکھتے ہیں کہ اسی مطلع انوار علم سے نور علم کے اکتساب کرنے والوں میں راہ طریقت کے آفتاب وماہتاب حضرت شاہ قاری مولانا محمد مبین صاحبؒ خلیفۂ اجل وجانشیں حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب علیہ الرحمہ بھی ہیں اور مولانا محمد قمر الزماں صاحب مدظلہٗ العالی کا اسم گرامی بھی شامل ہے۔

ان حضرات نے مسند رشد وہدایت پر فائز ہو کر ملک وبیرون ملک

ہزاروں مسترشدین مریدین وسالکین کو اس راہ کی ایسی لذت و چاشنی سے آشنا کرادیا کہ ان کے حلقے میں لاالہ اللہ اور اللہ۔اللہ کی پر درد صدا گونج رہی ہے۔

حضرت قاری محمد مبین صاحب مرحومؒ ۷۴-۷۶ء میں تجوید قرآن اپنے والد مرحوم مولانا قاری امین اظہرؒ مدرس مدرسہ ہذا سے پڑھتے اور مشق کرتے تھے، اور مولانا قمر الزماں صاحب مدظلہ نے ۴۹-۵۰ء میں عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں، پھر دونوں حضرات حضرت مصلح الامتؒ کی زندگی میں ان ہی کے زیر سرپرستی تاحیات رہے اور الہ آباد میں متوطن ہو گئے۔ (شان دار العلوم سہ ماہی مجلہ جولائی تا دسمبر ۲۰۲۱ء)

انسانوں کی طرح زمین ومکان کی قسمت بھی بدلتی ہے۔ کسے معلوم تھا کہ یثرب سے جو کھجوروں کے جھنڈ اور پتھریلے راستوں کے درمیان واقع تھا، سعادت کا وہ روشن ستارہ طلوع ہوگا جس کی کرنیں تادم آخر بزم عالم کو منور کرتی رہیں گی۔ دار العلوم دیوبند کی تاسیس سے قبل سید احمد شہیدؒ کو علوم نبوت کی خوشبو محسوس ہوئی۔ اور یہ احساس وادراک مادی ومعنوی شکل میں آج بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ مصلح الامتؒ نے جو کچھ محسوس کیا اس کو یہ تعبیر دی جاسکتی ہے کہ ؎

قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید

کسی کے وہم وخیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ مشرقی اضلاع کے اس کوردہ گاؤں سے ایسی ہستیاں نمودار ہوں گی جو اپنی جدو جہد، اخلاص وعمل، تزکیہ وتربیت اور سوز دروں کے مشعل سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات وہدایات کی روشنی بکھیریں گی۔ اور زندگی کا ورق ورق اسی مقدس فریضہ کے اشاعت کی دھن میں صرف ہوگا۔

مصلح الامتؒ کی تعلیم وتربیت: مولانا عبد الرحمن بیخود رحمۃ اللہ علیہ

جنوری ۱۹۴۱ء میں خانقاہ تھانہ بھون میں حاضری کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے حضرت مصلح الامتؒ سے اصلاحی تعلق قائم رکھنے پر فرمایا: ''یہ حضرت جذب میں کامل ہیں، مادر زاد ولی ہیں ذرا ڈر کے رہنا تربیت واصلاح میں بہت سخت ہیں لیکن ان کی تربیت موثر ہے''۔(مکتوبِ مولانا عبدالرحمن بیخودؒ: ص ۳) حضرت مصلح الامتؒ کی تعلیم وتربیت کے نظام میں رہنا مواخذہ داروگیر واصلاحی گرفت کو برداشت کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ ایک دو دن یا چند ہفتہ مہینہ وسال بھی نہیں پوری زندگی رذائل کے امالہ تزکیۂ قلب اور خدا کی رضا جوئی کیلئے مکمل زندگی وقف کر دینا انہی نفوس قدسیہ کا نصیب ہوسکتا ہے جن کے لئے دنیا وآخرت کی سعادت وفلاح ازل سے مقدر ہے۔ وَذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ۔

والد ماجدؒ اپنے بچپن کے ساتھی کا یہ جملہ نقل کرتے تھے کہ 'مبین! سونے کی کس قلم سے اپنی تقدیر لکھا کر لائے ہو، مگر سونے کی اس تقدیر کیلئے کتنی ریاضت کرنی ہوتی ہے، کتنے مجاہدات اور کتنی نزاکتوں سے گذرنا ہوتا ہے وہ ان لوگوں پر خوب اچھی طرح عیاں ہے جو اہل دل وخاصان خدا کی سیرت واحوال سے واقف ہیں ؎

بہت شیشے پگھلتے ہیں تو ایک پیمانہ بنتا ہے

ان کی زندگی میں قیام ممبئی کے دوران کچھ مخلصین کی ترغیب پر میں نے ان سے یہ درخواست کی مصلح الامتؒ کی طویل صحبت ومعیت کے کچھ حالات لکھا دیجئے مگر ہر مرتبہ سکوت اختیار کر لیتے، مگر بار بار کے اصرار پر یہ جملہ ان کی زبان سے نکلا کہ حالات تو بڑے لوگوں کے ہوتے ہیں میرا شمار ان میں کہاں۔

اپنے کو کچھ نہ سمجھنا یہ انکا حقیقی حال تھا، یہ بات مدح سرائی پر محمول نہ کی جائے کہ فنا و نیستی، مٹنے مٹانے و اخفائے ذات و کمالات کے اوصاف میں منفرد و نمایاں مقام رکھتے تھے، اس کے پس پردہ ان کے محبوب و دلبر شیخ و مربی شاہ وصی اللہ نور اللہ مرقدہٗ کی صحبت و تربیت کا عکس جمیل کارفرما ہے، ان کی صحبت کیمیا اثر کیا یہ رنگ بھی نہ لائے گی کہ اس ذات والا گہر کی باطنی دولت کا امین اظہار و شہرت کی علامات سے اس درجہ بے تعلق و بیگانہ ہو کہ ان ہی علامات سے باطنی کمالات کے سرداروں کو پہچانا جاتا ہے، مصلح الامتؒ کے حلقۂ ارادت سے وابستہ حضرات کے کانوں میں اب تک ان کی لبوں سے نکلا یہ شعر سماعت میں محفوظ ہوگا۔ ؎

میں تو نام ونشاں مٹا بیٹھا　　　شہرہ میرا اڑا دیا کس نے

اللہ رب العزت نے جتنا چاہا والد ماجدؒ کی ذات گرامی اللہ کے بندوں کیلئے رشد و ہدایت کا سامان بنی، کتنے غفلت زدہ قلوب کو جگایا، ملک و بیرون ملک کے کتنے وابستہ متعلقین تھے جو ان سے وابستگی و حلقۂ ارادت میں آنے کے بعد ان کی زندگیوں میں انقلاب آیا، ایمان راسخ ہوا اعمال صالحہ کی توفیق ہوئی اور زندگی زندگی دینے والے کیلئے وقف ہوگئی۔ ؎

شورش عندلیب نے روح چمن میں پھونک دی
ورنہ کلی کلی، یہاں مست خواب ناز تھی

والد ماجدؒ کی سوانح و تعارفی مضامین میں ناگزیر ہے کہ خالوئے محترم حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب دام اللہ ظلہ کا نام گرامی نہ آئے، دونوں شخصیتیں حقیقی ماموں زاد بھائی اور ہمزلف بھی ہیں، پھر تعلیم و تربیت بھی ایک ہی مرکز انوار سے

ہوئی، اور ایک ہی میخانہ سے سرشار سیراب و فیضیاب بھی ہوئے، درجات میں تفاوت ایک امر فطری ہے، ذوق و استعداد کے لحاظ سے طریق کار کا مختلف ہونا بھی قدرتی شئی ہے، اس دنیا کا مادی چمن ہو یا روحانی گلشن دونوں ہی کیلئے یہ سامانِ زیب وزینت ہے کہ کھلنے والے معطر پھول الگ الگ رنگ و بو کے حامل ہوں کہ۔

گلہائے رنگارنگ سے ہے زینت چمن

اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

حضرت مصلح الامتؒ کی پیش گوئی ذہن میں مستحضر رہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہو کر رہے گا، حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے کہ اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰہِ مَنْ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ۔ (صحیح بخاری ۲۷۰۳:) اس دنیا میں اللہ کے بعض بندے اس مقام کے حامل ہیں کہ اگر وہ کسی کام کیلئے اللہ تعالیٰ سے قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ اس کام کی تکمیل کر دیتے ہیں، حضرت اقدسؒ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے جملے حیرت انگیز طور پر پورے ہوئے، مصلح الامتؒ کے چاروں داماد اسی گاؤں اور ایک ہی گھرانہ کے چشم و چراغ تھے۔ مذکورہ بالا ان دو شخصیتوں کے علاوہ بقیہ دو داماد مولانا نور الہدیٰ صاحبؒ (والد ماجدؒ کے عم زاد بھائی) اور عم محترم مولانا ارشاد احمد صاحب مدظلہٗ (والد ماجدؒ کے حقیقی بھائی) کو بھی حضرت اقدسؒ کی طویل صحبت ومعیت حاصل رہی اور شرف تلمذ سے بھی بہرہ ور ہوئے، تکمیل تعلیم کے بعد مدرسہ وصیۃ العلوم (الہ آباد) میں مدت دراز تک تدریسی فرائض بھی بحسن خوبی انجام دئے۔ غرض ہر ایک نے حسب توفیق دین کی خدمت کی اور کر رہے ہیں۔ بالخصوص حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب مدظلہ کی ذات گرامی سے ملک

و بیرون ملک، دین وایمان، تزکیہ وتربیت اور مصلح الامتؒ کے علوم ومعارف کا عظیم الشان کام انجام پذیر ہے۔ اللہ رب العزت حضرت ممدوح کے فیوض وبرکات کو عام وتام کرے اور ان کے سایۂ عاطفت کو ہم اولاد واحفاد وتمام ملت اسلامیہ پرتادیر قائم رکھے۔ ؎

میرے ساقی تو رہے آباد میخانہ رہے　　　　مے رہے مینا رہے گردش میں پیمانہ رہے

والد ماجد کا مصلح الامتؒ سے اولین تعارف: مصلح الامتؒ سے اولین تعارف کے بارے میں والد ماجدؒ نے تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اکثر وبیشتر ایسا ہوتا کہ جب حفظ قرآن کیلئے فتح پور گاؤں کے ابتدائی حدود میں قدم رکھتا تو میری نظر ایک مسجد پر پڑتی جس میں ایک بزرگ ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک ٹہلتے ہوئے نظر آتے جو مسجد کے اندر اپنے اوراد وظائف میں ہمہ تن مشغول ومصروف ہوتے، میں کنوئیں سے پانی کھینچتا اور وضو کر کے شرف ملاقات حاصل کرتا اور مصافحہ سے بہرہ ور ہوتا حضرت اقدسؒ سر پر دستِ شفقت رکھتے اور دعاؤں سے نوازتے۔

فضل الٰہی جب شامل حال اور نصرت غیبی دستگیری کرے تو یہ قدم اٹھتے نہیں اٹھائے جاتے ہیں، رفتہ رفتہ ملاقات وتعارف کا یہ سلسلہ رنگ لایا، میکدۂ تھانہ بھون کے میخوار کی نگاہِ کیمیا اثر اپنا کام کر چکی تھی۔ انس ومحبت کی آنچ تیز سے تیز تر ہوتی گئی اور وقت آیا کہ یہ قربت قرابت داری میں تبدیل ہوگئی۔ اور آگے چل کر ایک طویل ریاضت ومسلسل مجاہدہ اور شاعر کی زبان میں 'خون دل پینے اور لخت جگر کھانے' کے بعد حضرت مصلح الامت علیہ الرحمہ کی باطنی اور روحانی دولت کے امین

ومحافظ بھی بنے۔کون جانتا تھااور کسے خبر تھی کہ مستقبل میں اس طفل مکتب کے سر پر دربارِاشرفی کی امانت وروحانیت کا تاجِ زریں رکھا جائے گااور علم ومعرفت سے بیگانہ اس دورافتادہ کوردہ گاؤں سے بھی سلسلۂ چشتیہ کے رشد وہدایت کا چراغ روشن ہوگا۔وَذَالِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ آیت کریمہ کی ترجمانی ہندی زبان میں اس مشہور مصرعہ سے بھی کی جاسکتی ہے کہ ؎

پیا جس کو چاہے سہاگن بنائے

کاش خدا! روحانیت کے اس چمن، بام ودر، اوران کے محبوب کی دہلیز کو قوت گویائی عطا کردیتا توان کے عشق ومحبت کی بے مثال داستان اہل نظر کے سامنے آتی، ان کے دنوں کی تپش ان کے شبوں کے گداز کا پتہ چلتا، استقامت کسے کہتے ہیں، فنا ونیستی کس مرتبۂ بلند کا نام ہے، سچی ارادت وعقیدت کی حقیقت کیا ہے؟ شہرت کی طلب، ستائش کی تمنا اور صلہ سے بے پروا ہوکر عہد وفا نبھانے کے لئے کوئی ایک دو دن نہیں پوری زندگی کیسے گزاری جاتی ہے اور شمع ہر رنگ میں سحر ہونے تک کیسے جلتی رہتی ہے، یہ داستان لکھی تو جاسکتی ہے مگر قلم کو خون دل میں ڈبونا ہوگا ؎

دیکھیں کیا گزرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک

یہ دیوار و درِ اس حقیقت پنہاں کی نقاب کشائی بھی کرتے کہ خدا کی قرب ورضا حاصل کرنے کیلئے کسی مرشد کامل سے وابستہ ہوکر ساری ترغیبات وترجیحات تہہ کرکے بس ایک مالک ومولیٰ کی رٹ کیسے لگائی جاتی ہے،شبانی سے کلیمی کا مرتبۂ عالی کب ملتا ہے، اپنے مرشد ومحبوب ہادی طریق کی عطا کردہ نعمتوں کی قدر دانی کے صلہ میں حق امانت کیسے ادا کیا جاتا ہے، بے قدری اور ناقدروں کے اس دور

میں کوئی آئے اور دیکھے کہ امین کسے کہتے ہیں۔ یہ حضرت کی چارپائی ہے، یہ ان کا حجرہ وقلم ہے، یہ ان کی عطا کردہ مخصوص تسبیح ومناجات ہے، یہ کتابیں یہ بیاض ہے، یہ کیا، یہ ساری نعمت، علم وروحانیت کا سارا چشمۂ فیض انہیں کا دیا ہوا ہے۔

کوئلیا مت کر پکار کریجوا لاگے کٹار

کاش! اخیر شب کے سناٹوں میں اپنے رب مالک ومولیٰ کے سامنے ان کی تڑپ ان کا گریہ، ان کا تضرع، سنایا جاسکتا۔ کاش! بعد مغرب تسلسل کے ساتھ ان کے ذکر جہری کی صدابندی کردی جاتی جب ضرب لاالٰہ کے نشیب وفراز سے فضا گردش کرتی، اور ہوا میں ارتعاش پیدا ہوجاتا اور وقت سحر ان کے ٹوٹے ہوئے دل سے حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی مشہور مناجات کے یہ اشعار نکلتے تو ہم غافل نوجوانوں کی گہری نیند بھی کھل جاتی۔

زشر نفس امّارم پناہم دار یا اللہ ہوائے غیر خود کلی زمن بردار یا اللہ

دربارِ الٰہی میں حاضری: ۹ ستمبر ۲۰۱۸ء کا دن ستمگر ثابت ہوا، ۹ کی شب اس دارفانی کی آخری شب تھی، ادھر گذشتہ کئی سالوں سے بار بار یہ فرماتے کہ اب اُدھر یعنی عالم آخرت کی فکر ہے، یہ کہتے اور فکر میں ڈوب جاتے، ان کی اس کیفیت کو دیکھ کر میں نے کبھی دبے لفظوں میں تسلی واطمینان خاطر کی بات کہی تو بڑی خوبصورتی سے میری تسکین کیلئے اس نازک سلسلۂ گفتگو کو موڑ دیا، ضبط غم اخفائے حالات وکمالات کے وہ سمندر تھے اور سمندر تو سب کچھ پی جاتا ہے۔

کہہ رہا ہے شور دریا سے سمندر کا سکوت
جس میں جتنا ظرف ہے اتنا ہی وہ خاموش ہے

لیجئے وہ وقت سفر آگیا جس کے تصور سے ہم کانپ اٹھتے تھے،۹ ستمبر کی رات حضرت والد ماجدؒ عجب کیفیت سے سرشار تھے،کبھی نماز پڑھتے،کبھی دعا کرتے اور دلسوزی و بے قراری کیساتھ مناجات میں مصروف ہوجاتے،بار بار آسمان کی طرف انگشت شہادت سے سفر آخرت کی روانگی کا اشارہ کرتے نشیب وفراز کی انہی کیفیتوں میں ۱۱-۱۰ بجے دن کے دوران سینہ سے ایک روح فرسا شورش انگیز آواز نکلی،باآواز بلند کلمۂ شہادت (لاالہٰ الا اللہ محمد رسول اللہ) پڑھا اور کلمہ توحید وشہادت کے اس اقرار وادائیگی میں اتنی بلند آہنگی تھی کہ کمرہ کی فضا گونج اٹھی۔اللہ اللہ سوختہ وخستہ جسم وجان اور تن زار زار سے یہ کہاں سے اور کیسی ایمانی قوت آگئی۔ ؎

مرگ مجنوں پہ عقل گم ہے کہ میرؔ　　　کیا دیوانے نے موت پائی ہے

پھر اس زبان سے کوئی دوسری بات نہیں سنی گئی اور یہ آخری کلمہ ثابت ہوا،محبوب حقیقی پر مرمٹنے والوں کی اگر وقت رحلت کی تاریخ وسوانح کا مطالعہ کیا جائے تو کچھ اسی قسم کے ایمان ویقین وتوحید کے دلنواز مظاہرے دیکھنے وسننے میں آتے ہیں، الغرض سکوت ومدہوشی کے اسی عالم میں ایمبولینس سے ہسپتال لے جائے گئے مگر ہر تدبیر الٹی ہوگئی اور کچھ نہ دوا نے کام کیا،بالآخر شام ۵ بجے مصلح الامتؒ کی نگاہ کیمیا اثر سے علم وروحانیت کا یہ چمکنے والا آفتاب الٰہ آباد کے حوالی افق میں ہمیشہ کیلئے غروب ہوگیا،تواضع وانکساری کا نورانی پیکر روپوش ہوا،صحبت شب کی جلی ہوئی شمع اپنا اجالا پھیلا کر ہمیشہ کیلئے خاموش ہوگئی۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

تدفین: ہماری مسجد ومدرسہ سے غوث نگر قبرستان تقریباً ۲ کلومیٹر دور ہے، قبرستان کی جانب جانے والی دوشاہراہوں کے علاوہ مختلف سمت سے گورستان

جانے والی گلیاں سڑکیں سب کی سب لوگوں کے ہجوم سے بھری تھیں، والد ماجد رحمہ اللہ گرچہ عزلت نشیں تھے، دولت وشہرت وامارت سے کنارہ کش تھے مگر خدا کی رضا جوئی کے اسی جذبہ نے انہیں مقام محبوبیت تک پہنچا دیا خلق خدا ان کے آخری سفر میں مشت خاک ڈالنے کے جذبہ سے پروانہ وار نثار ہوئی، غیر متوقع ازدحام اور خلق خدا کے ہجوم کو دیکھ کر بعض نوجوانوں نے اس طرح حیرت واستعجاب کا اظہار کیا کہ الہ آباد میں اتنے لوگ کہاں سے آگئے، اس میں آسمانی مخلوق شامل معلوم ہوتی ہے، غروب آفتاب کے وقت اس آفتاب رشد وہدایت کو بھی مغرب کی اذان کے صداؤں کے درمیان لحد میں اتارا گیا۔

موت تو سب کو آتی ہے مگر جب زندگی قابل رشک ہو، تو موت بھی خوبصورت ہوجاتی ہے، والد ماجدؒ نے کتنی خوبصورت قابل رشک موت پائی ہے مصلح الامتؒ نے جو امانت، کار عظیم، منصب گرانقدر انہیں سونپا تھا وہ بڑی ہمت حوصلہ، اخلاص، عزیمت واستقامت وخوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے اور جاتے جاتے بھی اپنا خون جگر اس کی شاخوں پر چھڑک گئے۔ یہ خانقاہ، مدرسہ، مسجد اور رسالہ ''وصیۃ العرفان'' اور اس کے صفحات پر محبت ومعرفت کے مضامین انہیں کا فیض اور خون جگر ہے، جو ہمیشہ اس دور کی بڑھی ہوئی تاریکیوں میں مشعل راہ ثابت ہوگا۔

دیا تو خاموش ہے مگر دل تو جلتا ہے چلے آؤ جہاں تک روشنی معلوم ہوتی ہے

انشاء اللہ العزیز یہی عمل میدان حشر میں خدا ورسول اور ان کے شیخ ومرشد کے سامنے سرخروئی کا باعث ہوگا، اللہ رب العزت حضرت اقدس والد ماجدؒ کی قبر اطہر کو نور سے بھر دے، مغفرت کے پھول نچھاور کرے، اور اعلیٰ علیین میں مقام قرب ورضا عطا فرمائے۔

حضرت حافظ ڈاکٹر صلاح الدین صاحب صدیقیؒ

تعارف: مکرم ڈاکٹر صاحبؒ کا مختصر تعارف یہ ہے کہ آپ کی ولادت موضع بھِتری ضلع غازی پور میں ہوئی، آپ کا بچپنا اپنے والد داروغہ نجم الدین صاحبؒ کے ساتھ دیوبند، سہارنپور اور تھانہ بھون کے اطراف میں گذرا جس کی وجہ سے اس زمانہ کے علماء ومشائخ کی خدمت میں جانے کی سعادت حاصل ہوئی، بلکہ بعض عربی کتابیں بھی دارالعلوم دیوبند میں پڑھیں، خصوصاً حضرت حکیم الامتؒ کی خدمت میں بلکہ اندورن خانہ بھی آتے جاتے رہے۔ اس کے بعد طبیہ کالج الہ آباد سے فراغت حاصل کی۔ اور جب حضرت مصلح الامتؒ ۱۹۵۶ء میں الہ آباد آئے تو ہمہ وقت مثل سایہ کے اخیر وقت تک بلکہ سفر آخرت تک خدمت اقدس میں رہے۔ حضرت مصلح الامتؒ نے تعلق کے کچھ ہی دونوں بعد تحریری طور پر بیعت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ **ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔**

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ حضرت مصلح الامتؒ کے اہل خانہ کے معالج بھی تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرتؒ نے ایک گرم دوا استعمال کرلیا تھا جس کی بناء پر حضرت کو کافی دقت تھی جب ڈاکٹر صاحبؒ کو معلوم ہوا تو انہوں نے اپنا تیار کردہ شربت ’’سلاڈینال‘‘ پیش کیا تو حضرت نے نوش کیا، ماشاءاللہ حضرتؒ کو فوری آرام ہوگیا۔

اسی طرح والدہ مولوی مقبول احمد نے مرض وفات میں مجھ سے کہا کہ وہ ڈاکٹر صاحب نہیں ہیں کیا؟ میں نے کہا ڈاکٹر صلاح الدین صاحب؟ تو انہوں

نے کہا ہاں، تو میں نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب کہیں باہر گئے ہیں ورنہ اس موقع پہ ضرور موجود رہتے۔

ماشاء اللہ! آپ نے بخشی بازار روشن باغ مکان نمبر ۲۳ر کی خریداری میں خاص خدمت انجام دی اسی طرح رسالہ معرفت حق کے اجراء کی بھی آپ کو سعادت نصیب ہوئی۔ جس کا فیض اب بھی جاری وساری ہے، غرض حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے حضرت مصلح الامتؒ سے خوب ہی خوب فیض اٹھایا۔ جس پر آپ کے یہ پر کیف اشعار دال ہیں ۔

مجھ کو ہر شے میں نظر آتا ہے اللہ اللہ — صدقۂ شیخ زمن شاہ وصی اللہؒ
بھر دیا قلب میں انوار کا اک سیل رواں — کیسی یہ حکمت ودانائی ہے اللہ اللہ

اپنی سعادت: جب اس حقیر نے حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کی معرکۃ الآراء کتاب ''اعتراف ذنوب'' پر کچھ لکھنے کیلئے ڈاکٹر صاحب سے عرض کیا تو ڈاکٹر صاحبؒ نے جو کچھ لکھا اس کو بعینہ بصیرت کیلئے درج کررہا ہوں۔

یہ حقیر کم ترین صلاح الدین احمد عزیزم مولانا محمد قمر الزمان سلمہ کو مبارکباد پیش کرتا ہے کہ وہ ''اعتراف ذنوب مؤلفہ شیخ زمن حضرت مصلح الامتؒ'' کی طباعت کا ارادہ کررہے ہیں مزید اس کی کسی قدر توضیح وتسہیل بھی کی ہے اللہ تعالیٰ اس عزم کو پایۂ تکمیل تک پہونچائے اور قبول فرمائے، آمین۔

ماشاء اللہ! ملک وبیرون ملک میں مولانا سلمہ سے تصنیف وتالیف کے علاوہ تعلیم وتزکیہ نفوس کا کام بھی ہو رہا ہے اور طالبین اس کو قبول فرمارہے ہیں۔ اللھم زد فزد۔

مولانا سلمہ کی ان ہی صلاح وصلاحیت جو حضرت مصلح الامتؒ کے زمانے سے دیکھ رہا تھا جس کی بناء پر آپ سے حضرت ہی زمانے سے موانست ومحبت تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ مولانا کی بیحد یاد آئی اسی وقت بے ساختہ وبرجستہ یہ اشعار زبان پر آگئے ؎

آرہے ہو یاد تم قمرالزمان   اے محب خاص اے روح رواں
فیض تیرا ہر طرف جاری رہے   نکتہ سنج و نکتہ فہم و نکتہ داں

اسی بناء پہ حضرت مصلح الامتؒ کے رحلت فرمانے کے بعد آپ کو توکلاً علی اللہ خلافت اور چاروں سلسلوں میں تحریری طور پر بیعت کی اجازے دی، اللہ تعالیٰ آپ سے خوب کام لے اور قبول فرمائے اور آپ کے ذریعہ علوم تصوف اور سلاسل صوفیہ کو مزید فروغ عطا فرمائے۔ آمین۔   والسلام

صلاح الدین احمد صدیقی

۲۰؍فروری ۲۰۰۸ء

محب مکرم حافظ ڈاکٹر صلاح الدین صاحبؒ نے حضرت مصلح الامتؒ کی وفات پر جو تأثرات ''مفارقت شیخ'' کے عنوان سے منظوم فرمائے ہیں، پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔ ؎

مفارقت شیخ

ہم نشینو آج اپنا مہرباں جاتا رہا   قدر جو کرتا تھا میری قدرداں جاتا رہا
دم بدم کرتا تھا جو لطف وکرم کی بارشیں   وہ کرم فرما ہمارا مہرباں جاتا رہا
ساتھ میں جس کے چلے تھے حج بیت اللہ کو   وائے ناکامی وہ میر کارواں جاتا رہا

واقفِ رازِ نبوت ماہرِ اسرار دیں
چھوڑ کر تنہا ہمیں سوئے جناں جاتا ہے

اب وصی اللہ سا عارف کہاں پائیں گے ہم
صاحبِ لطف وکرم شیخ زماں جاتا رہا

حامئ دینِ الٰہی حق پرست وحق شناس
آہ! وہ شمع حرم کا پاسباں جاتا رہا

رفعتِ ہستی پہ جس کی تجھ کو فخر وناز تھا
اے زمینِ ہند اب وہ آسماں جاتا رہا

کھل رہے تھے جس سے گلہائے عقیدت ہر طرف
چھوڑ کر اپنا چمن وہ باغباں جاتا رہا

نکتہ سنج ونکتہ فہم ونکتہ بیں ونکتہ رس
مرکز علم و ادب کا نکتہ داں جاتا رہا

فخرِ امت فخرِ ملت نازشِ درسِ حدیث
آفتاب علم دیں کا وہ چراغ ضوفشاں جاتا رہا

اب کہیں گے کس سے نجمی اپنا ہم رازِ نہاں
پردہائے معرفت کا راز داں جاتا رہا

صلاح الدین عفی عنہ

یوم یکشنبہ ۱۶؍مئی ۱۹۷۲ء

حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب جامیؒ المتوفی ۱۴۱۱ھ

ولادت: آپ کی ولادت ۱۳۳۷ھ مطابق ۱۹۱۹ء میں محلہ قضیانہ قصبہ مچھلی شہر ضلع جونپور میں ہوئی۔ آپ کے والد محترم کا اسم گرامی حضرت مولانا سراج الحق صاحب مچھلی شہری ہے جو شہر الہ آباد میں مشہور و معروف ہے۔

تعلیم و تربیت: ابتدائی تعلیم آپ نے دستور کے مطابق گھر پر پائی، پھر اسکول میں داخل کر دیئے گئے۔ آٹھویں کلاس تک پہنچے کہ والد محترم نے اپنے مرشد حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو لکھا کہ ''میرے دو لڑکے ہیں ایک کو انگریزی پڑھا رہا ہوں، دوسرا قرآن مجید حفظ کر رہا ہے۔ اسے عربی پڑھانے کا ارادہ ہے''۔ اس کے جواب میں حضرت حکیم الامتؒ نے یہ سوال فرمایا کہ ''جسے انگریزی پڑھا رہے ہیں اس کے دین کی حفاظت کے لئے کیا سوچا ہے؟'' اس کے جواب میں عملاً مولانا جامیؒ کا نام انگریزی اسکول سے کٹوا کر الہ آباد کے محلہ چک کے عربی مدرسہ اشرفیہ میں داخل کر دیا، جہاں حضرت مولانا حامد حسین صاحب امروہی (خلیفہ حکیم الامتؒ) مدرس تھے۔ کچھ دنوں مکرم محترم حافظ محمد یٰسین صاحب خلیفہ حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب الہ آبادیؒ کی خدمت میں بغرض تعلیم و تربیت رہے۔ پھر آپ نے مدرسہ مظاہر علوم سے ۱۳۶۲ھ میں درس نظامی کی تکمیل فرمائی اور سند فضیلت سے مشرف ہوئے۔

جذبۂ اصلاح و تربیت: مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے اثنائے قیام میں حضرت حکیم الامتؒ کی خدمت میں برابر حاضر ہوتے تھے۔ چونکہ حضرت حکیم الامتؒ زمانہ

طالبعلمی میں بیعت نہ فرماتے تھے بلکہ آخری دور میں اصلاح وتربیت کا کام بھی اپنے خلفاء کوسپرد فرمادیا تھا۔ اس لئے آپ نے حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب الہ آبادیؒ سے اصلاحی تعلق قائم کر کے خط وکتابت کا سلسلہ جاری فرمایا۔ مگر کچھ ہی دنوں کے بعد حضرت حکیم الامتؒ رحلت فرماگئے اس لئے حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحبؒ ہی سے بیعت ہوگئے۔ اورآپ کی تعلیمات وہدایات پرعمل کرتے رہے۔آخر ۱۳۶۳ھ میں حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب کی بھی وفات ہوگئی۔ تو آپ نے حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ سے اصلاحی تعلق قائم فرمایااور خانقاہ فتحپور تال نرجا آنے جانے لگے، بلکہ مستقل وہاں ہی قیام کی سعادت نصیب ہوگئی۔ اس طرح آپ کواپنی اصلاح وتربیت کا بہترین موقع میسر آگیا۔ **ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشآء۔**

خانقاہ وصی اللٰہی میں حاضری اور خدمات: اس کے بعد ۱۹۵۱ء میں حضرت مصلح الامتؒ کی خدمت اقدس میں آگئے۔ یوں تو حضرت مصلح الامتؒ تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ مختلف فنون کی متعدد کتابوں کا خود درس دیتے تھے۔ مگر بعض کتابوں کی تدریس خانقاہ کے مقیمین حضرات علماء مثلاً مولانا عبدالرؤف صاحب کو پاگنجی، مولانا عبدالرحمٰن صاحب جامیؒ اور مولانا محمد حنیف صاحب جونپوری کوسپرد فرمادی تھی۔ اس طرح اس حقیر کوان حضرات سے بعض کتابوں کے پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔

آپ نے حضرتؒ کے مواعظ وملفوظات کے ضبط وترتیب کی اہم خدمت انجام دی، جوامت کی اصلاح وتربیت کے لئے گرانقدر خزانہ ہے۔ نیز آپ ''حالات مصلح الامتؒ'' کے عنوان سے رسالہ ''معرفت حق'' و ''وصیۃ العرفان'' میں قسط وار مضمون لکھتے رہے، جواب ماشاءاللہ یکجا کر کے ''حالات مصلح الامتؒ'' ہی کے نام

سے تین ضخیم جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں، جو نہایت بصیرت افروز ونصیحت آموز مضامین پر مشتمل ہیں۔ جن کا مطالعہ ہر خاص وعام کے لئے نہایت مفید ہے۔ اس کے علاوہ مولانا جامی صاحبؒ نے بعض اہم کتابوں کے ترجمے بھی کئے ہیں۔

آپ کا صبر وشکر: آپ مرض نقرس (گٹھیا) میں مبتلا تھے، درد وتکلیف بھی رہتی تھی، مگر کوئی حرف شکایت زبان پر نہ لاتے تھے بلکہ چہرہ بشرہ سے بھی اس کا اندازہ نہیں ہوتا تھا۔ اخیر تک ہر شخص سے نہایت بشاشت سے ملتے تھے۔ بلکہ اپنی خوش مزاجی کے مطابق مزاح کی باتیں بھی فرماتے تھے۔ اس کے علاوہ حضرت مصلح الامتؒ کی رفاقت میں اتنی طویل مدت کے قیام میں ظاہر ہے کہ یسر وعسر، نشاط وعتاب ہر ہی قسم کے حالات پیش آئے مگر ہر حال میں صبر وشکر پر ثابت رہے۔

حضرت کا خاص لطف وکرم: ادھر حضرت مصلح الامتؒ بھی آپ کے صدق وخلوص کی قدر فرماتے تھے اور گھر کے خاص فرد کی طرح ان کے ساتھ معاملہ فرماتے تھے، اپنے خصوصی مکان میں آپ کو مع اہل وعیال کے رہائش کے لئے ایک حصہ دے رکھا تھا۔ نیز آپ کو اپنے اس سفر حج میں ساتھ رکھا تھا جو حضرت کے لئے سفر آخرت ثابت ہوا۔ اس طرح آپ کو حضرتؒ کی حیات طیبہ کے اخیر لمحہ تک ساتھ رہنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

وفات: وفات سے کچھ دنوں پہلے محلہ وصی آباد الہ آباد میں حضرت مصلح الامتؒ کے عطا فرمودہ قطعۂ زمین پر تعمیر شدہ مکان میں منتقل ہوگئے۔ مرض کا سلسلہ تو چل ہی رہا تھا۔ آخر ۱۰؍رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ کو اسی مکان سے دار آخرت کی طرف رحلت فرمائی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اور الہ آباد کے مشہور قبرستان واقع محلہ اکبر پور میں مدفون ہوئے۔ نور اللہ مرقدہ۔

حضرت مکرم ماسٹر محمد عیسیٰ صاحب حمید پوری المتوفی ۱۴۱۸ھ

(مولوی ارشد رشیدی فتحپوری کے مرتب کردہ رسالہ ''نقوش عیسیٰ'' سے ماسٹر صاحب کی مختصر سیرت مرتب کی گئی ہے۔)

ولادت باسعادت: آپ کی ولادت ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۴ء میں ہوئی۔ والد محترم کا نام عبدالرحمن خان صاحب تھا۔

آغاز تعلیم: آپ کی ابتدائی تعلیم گھوسی ضلع مئو اور عظمت گڑھ میں ہوئی، پھر جبلی انٹر کالج گورکھپور سے آپ نے ہائی اسکول کیا، اور آگرہ سے بی۔اے اور کانپور یونیورسٹی سے آپ نے ایم۔اے کیا، اور وہاں ممتاز نمبرات سے کامیاب ہوئے۔

درس وتدریس: اس کے بعد آپ مئو کے جیون رام اسکول سے منسلک ہوئے اور چند سال وہاں انگریزی وحساب کی تعلیم دی، پھر ۱۹۵۳ء میں الہ آباد کے اسلامیہ کالج میں آپ کی تقرری ہوئی، جہاں آپ تقریباً ۱۹۷۰ء تک بحیثیت ماسٹر تعلیم دیتے رہے۔

اصلاحی تعلق اور دینی مساعی: آپ نے حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ سے فتحپور میں ہی اصلاحی تعلق قائم کرلیا تھا، اور کافی اہتمام سے شاہ صاحب کی نورانی مجلس میں شرکت بھی کرتے تھے، شاہ صاحب کی نظر کیمیا اثر نے آپ کی زندگی کی کایا پلٹ دی، اور عصری تعلیم میں ایک معتد بہ مقام کے باوجود آپ پر دین کا ایسا رنگ چڑھا کہ آپ کی ساری ترجیحات دینی تگ ودو ہوکر رہ گئیں۔

اور شاہ صاحب کی بابرکت صحبت اور ان کی پرنور مجالس کا آپ پر اس قدر اثر

ہوا کہ مئو کے اسکول سے آپ مستعفی ہوکر حضرت فتحپوری کی خدمت میں جا پڑے اور معاش کے لئے فتحپور میں دکان کر لی اور اسی کو اپنا مستقر بنالیا، اور پوری یکسوئی کے ساتھ آپ نے خوب ہی خوب حضرت شاہ صاحبؒ سے اکتساب فیض کیا حتی کہ آپ نے چند دینی وعلمی کتابیں بھی حضرتؒ سے پڑھیں، اس طرح آپ کو حضرت شاہ صاحبؒ سے شاگردی کا شرف بھی حاصل ہوا۔

اور حضرت شاہ صاحبؒ کے الہ آباد تشریف لانے سے قبل ۱۹۵۳ء میں آپ مع اہل وعیال الہ آباد پہونچ کر محلہ کٹرہ میں فروکش ہوکر اسلامیہ کالج میں بحیثیت ماسٹر منسلک ہو چکے تھے پھر جب شاہ وصی اللہ صاحبؒ الہ آباد تشریف لائے تو دوبارہ آپ کو اپنے مرشد ومربی کا قرب حاصل ہوا، اور آپ سے استفاضہ کا موقع نصیب ہوا۔ الغرض آپ حضرت شاہ صاحبؒ کے کافی معتمد اور ممتاز لوگوں میں سے تھے۔ فالحمد للہ رب العالمین۔

چنانچہ روایت یہ بھی ہے کہ ایک موقع پر حضرت شاہ صاحب نے آپ کے بارے میں فرمایا کہ: ''مرنے کے بعد اگر اللہ تعالی پوچھیں گے کہ تم دنیا سے کیا لائے ہو تو میں عیسیٰ کو پیش کردوں گا''۔ اور یہ بات مشہور ہے کہ شاہ صاحب نے آپ کو خلافت سے بھی نوازا تھا۔ اور یہ کچھ بعید بھی نہیں ہے بلکہ قرین قیاس بھی ہے۔

بارگاہ مسیح الامت میں: حضرت مصلح الامتؒ کی رحلت کے بعد آپ نے اپنی مزید تربیت روحانی کے لئے حضرت مولانا مسیح اللہ خانصاحب جلال آبادیؒ سے اصلاحی تعلق قائم کیا، وقتاً فوقتاً حضرت مسیح الامتؒ کی خانقاہ میں پہونچ کر مہینوں قیام فرماتے، اور آپ کی علمی وروحانی مجالس سے مستفید ہوتے۔

الغرض آپ نے اپنے شیخ ثانی کی نسبت ومعیت کو ایک نعمت عظمی سمجھ کر نہ صرف مجلس کی باریابی اور حاضر باشی پہ اکتفاء کیا بلکہ حضرت کی اس طرح اتباع وپیروی کی کہ بہت جلد آپ اپنی عملی پختگی اور امتیازی خصوصیات کی وجہ سے حضرت مسیح الامت کے منظور نظر اور معتمد خاص بن گئے، اہم امور میں حضرت مسیح الامتؒ آپ سے مشورہ لیتے اور بہت سے فیصلے آپ کی تجویز کے مطابق کرتے تھے، آپ کے علمی رسوخ کے پیش نظر حضرت مسیح الامتؒ آپ کو ''مثل عالم'' کہا کرتے تھے۔ اور ماشاء اللہ حضرت مسیح الامتؒ نے آپ کو خلافت واجازت سے بھی نوازا۔ **فللہ الحمد**

دعوت وارشاد: تقریباً ۱۹۷۰ء کی دہائی میں آپ اپنے وطن موضع حمید پور میں مسند ارشاد پر فائز ہوئے اور لوگوں کی اصلاح وتربیت کا سلسلہ شروع کیا جو کہ آپ کی وفات تک قائم رہا، آپ کی مجلس کافی سادہ عام فہم حضرات شیخین کے طرز پہ ہوا کرتی تھی۔ بسا اوقات برادری کی خاص بستی ندوا سرائے میں بھی آپ کا وعظ کے لئے جانا ہوتا تھا۔

کتب بینی کا ذوق اور علمی مقام: آپ علم دوست انسان تھے، حضرات شیخین کی طویل صحبت ومعیت سے آپ کو علمی ذوق، دینی کتابوں سے انسیت وتعلق حاصل ہوگیا تھا، کتب بینی وکثرت مطالعہ آپ کا بہترین مشغلہ تھا، آپ کے پاس کتابوں کا ایک ذخیرہ تھا، عربی، اردو اور انگلش تینوں زبانوں میں کتابیں آپ کے پاس ہمہ وقت موجود رہتی تھیں فقہی کتابیں بڑی تعداد میں آپ کے پاس تھیں، شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمۃ کی غنیۃ الطالبین اکثر آپ کے سرہانے رہتی تھی۔

نظم وضبط اور وقت کی قدر ومنزلت: آپ نظم وضبط کے انتہائی پابند تھے، ہر کام کے لئے آپ کے یہاں ایک وقت مقرر تھا، پڑھنا لکھنا گھر کا کام کاج

خورد ونوش، اوراد و وظائف اور مسترشدین کو وقت دیناوغیرہ سارے امور آپ کے یہاں ایک نظم وضبط اور متعین اوقات کے ساتھ انجام پاتے تھے۔صبح سے رات سونے تک آپ کسی نہ کسی دینی وعلمی یا خانگی انتظامی کام میں ہمہ وقت مشغول نظر آتے تھے،لایعنی کام اور تضییع اوقات کا آپ کے یہاں کوئی تصور ہی نہ تھا۔

معاملات کی صفائی وشفافیت: لوگوں کے حقوق کا بڑا خیال رکھتے تھے، جب بھی کسی سے کوئی کام لیتے تو اسے معقول اجرت دینے کا اہتمام فرماتے، معاملات کی صفائی اور حقوق العباد کی ادائگی کالحاظ اس حد تک تھا کہ آپ نے اپنے مرض الوفات میں اپنے خاص آدمی قاری یونس صاحب (جنھوں نے آپ کی وصیت کے مطابق نماز جنازہ پڑھائی) کو کچھ رقم بطور امانت دے کر فرمایا کہ میرا کفن، قبر کھودنے کا صرفہ،آمد ورفت کا خرچ وغیرہ سب اسی سے ادا کرنا اور کسی کی حق تلفی نہ ہوجائے اور کسی کو میری وجہ سے ادنی گرانی نہ ہواس کا خیال رکھنا۔

ف: ماشاء اللہ کیا ہی خوب سیرت تھی کہ جس کو پیش نظر رکھنا ہم سب کے لئے لازم ہے، خصوصاً برادری کے لوگوں کوتو مزید عبرت ونصیحت حاصل کرنا چاہئے۔واللہ الموفق

وفات حسرت آیات: کچھ دنوں کی علالت کے بعد آپ نے بروز منگل ۱۷/جون ۱۹۹۷ء مطابق ۱۰/صفر ۱۴۱۸ھ داعی اجل کو لبیک کہا۔اور موضع حمید پورا اپنے آبائی قبرستان میں مدفون ہوئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

ف: ماشاء اللہ ایسے متقی ومتدین شخص ماسٹر محمد عیسی صاحب حمید پوری سے ہمارا خاص رشتہ تھا یعنی ہماری حقیقی خالہ صاحبہ (زوجہ مکرم خالو عبد العلیم خاں صاحب فتح پوری) کی سوکن کے داماد تھے،اس طرح ہمارے بہنوئی ہوئے۔(قمرالزمان)

حضرت مولانا محمد فاروق صاحب اترانوی الہ آبادیؒ المتوفی ۱۴۲۱ھ

نام ونسب وولادت: نام محمد فاروق ابن عبدالحق ابن خدابخش قریشی مرحوم، آپ ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۱ء موضع اتراؤں، تحصیل ہنڈیہ ضلع الہ آباد میں پیدا ہوئے۔

تعلیم وتکمیل: آپ نے جناب الحاج حافظ محمد اسحاق صاحب اترانویؒ سے ناظرہ وحفظ قرآن مکمل کیا، اورفن تجوید حضرت قاری عبدالقدوس صاحب نابینا مسترشد حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے مکتب اسلامیہ اتراؤں میں حاصل کیا۔

قاری صاحب بوجہ عدم بصارت اپنے مرشد حضرت حکیم الامتؒ کی کتابیں نہ پڑھ سکنے کی وجہ سے آپ سے پڑھواتے تھے،اسی وجہ سے آپ کو حضرت حکیم الامتؒ سے عقیدت ومحبت اوران کے علوم ومعارف سے مناسبت بچپن ہی سے پیدا ہوگئی تھی، جوتادم حیات برقرار رہی۔

آپ نے مڈل اسکول تک کی تعلیم ہنڈیہ میں اورابتدائی فارسی مولوی تہور حسین صاحب سے بھوپت پور میں اور علم طب حکیم مولوی حبیب اللہ صاحب اترانوی، اورمتوسطات کی کتابیں مدرسہ سبحانیہ الہ آباد میں حاصل کیں۔

مظاہرعلوم میں داخلہ: آپ نے ۱۳۶۵ھ میں جامعہ مظاہرعلوم سہارنپور میں علم حدیث شریف کی تکمیل کی۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا اسعداللہ صاحبؒ، مولانا عبداللطیف صاحبؒ اورشیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ قابل ذکر ہیں۔

جذبہ اصلاح وتربیت: آپ زمانہ طالبعلمی ہی سے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خاص معتقد تھے، دوران تعلیم تھانہ بھون حضرت حکیم الامتؒ کی خدمت میں حاضری بھی دی تھی، فراغت کے بعد حضرت حکیم الامتؒ کے خلیفہ حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب الہ آبادیؒ کا دامن تھاما، پھر ان کے وصال کے بعد کسی شیخ کامل کی تلاش ہوئی تو طلب وجستجو نے حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کی خدمت میں میں فتحپور تال نرجا ضلع مئو پہنچایا، یہاں اپنی سلامتی طبع، اعتدال کامل اور ظرافت عقل کی وجہ سے بہت جلد حضرت مصلح الامتؒ کی خدمت میں رسوخ حاصل کرلیا، آپ حضرت کے مزاج شناش تھے، حضرت کی منشا پہچان کراس کے مطابق کام کرتے تھے۔

آپ کی خصوصیات: بہرکیف مولانا کی زندگی زہدوقناعت، عبادت وریاضت، تعلیم وتدریس، تصنیف وتالیف، تزکیہ وتربیت، دعوت وتبلیغ، اہتمام سنت اور ردمنکرات سے عبارت تھی۔ اور مولانا کا خاص وصف احقاق حق اور ابطال باطل تھا۔ اس سلسلے میں نہ تو وہ مداہنت سے کام لیتے اور نہ ہی کسی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ کرتے۔ شاید ان کی اس صفت میں ان کے نام ’’فاروق‘‘ (یعنی فارق بین الحق و الباطل) کا اثر کارفرما تھا۔

اقوال: ۱۔ فرمایا کہ ’’افضل الجهاد كلمة حق عندسلطان جائر‘‘ کا مطلب صرف یہی نہیں ہے کہ بادشاہ اور سلطان کے سامنے ہی حق بات کہنا جہاد ہے بلکہ اس زمانہ میں عوام (پبلک، جمہور) سلطان کے حکم میں ہے۔ لہذا عوام کے سامنے حق بات کہنا بھی جہاد ہے۔ اوران کے خوف سے کلمۂ حق نہ کہنا ترک جہاد ہے۔

۲۔کسی نے کہا کہ آپ دین کے سلسلہ میں متشدد ہیں۔

جواب میں آپ نے فرمایا کہ میں متشدد نہیں،متصلب ہوں،تشدد مذموم ہےاورتصلب محمود ہے۔

وفات: آپ کی وفات ۱۶رصفر المظفر ۱۴۲۱ھ مطابق ۲۰رمئی ۲۰۰۰ء بروز سنیچر ہوئی۔ اِنَّاللہِ وَاِنَّااِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ۔ اور اپنے آبائی قبرستان نزد جامعہ فاروقیہ اتراؤں میں مدفون ہوئے۔رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

اب ہم آپ کا قصیدہ جو حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کی منقبت میں تحریر فرمایا ہے۔اس میں سے بغرض اختصار صرف ۲۱؍اشعار درج کرنے کی سعادت حاصل کررہے ہیں جوان شاء اللہ ناظرین کرام کے لئے موجب فرح وسرور ہوگا۔فللہ الحمد والمنہ۔

بہار آئی ہوئے اہلِ چمن محوِ گل افشانی ۔۔۔ بہت دلکش ہے مرغانِ چمن کی زمزمہ خوانی
سرعرشِ معلّٰی جا کے پہنچا ہے دماغ ان کا ۔۔۔ غزلخواں شادماں رقصاں ہیں سب باصد خوش الحانی
یہ کیسا بحر فیض ابر نیساں جوش پر آیا ۔۔۔ ہوئی ہے صفحۂ گیتی پہ کیا کیا گوہرافشانی
پراس کثرت میں پھولوں کی نمایاں شان وحدت ہے ۔۔۔ کہ ہے سب کی زباں پر نغمۂ توحید ربانی
مگراس دم الہ آباد کا کچھ اور عالم ہے ۔۔۔ بنا یہ شہران روزوں مثالِ باغ رضوانی
گلی کوچوں میں کس خورشید کی ہے یہ کرن پھوٹی ۔۔۔ ہوئی کس آفتاب دین کی تشریف ارزانی
شہِ والا گہر شیخ المشائخ، شہ وصی اللہ ۔۔۔ شہ دیں، نائب فخر رسل، محبوب سبحانی
سراپا صدق صدیقی، مجسم شان فاروقی ۔۔۔ مثالِ جذب مرتضوی وعکس حلم عثمانی
مسیحائے زماں نباضِ فطرت، حاذق وعارف ۔۔۔ حکیم نکتہ دان و ماہر امراض نفسانی

فہیم و عاقل و دانا ذکی و مصلح کامل
مبصر ذو فراست، واقفِ جذبات انسانی

تواضع صبر و تسلیم و رضا عبدیت و عفت
توکل ترک و تجرید و امانت میں ہے لاثانی

خوشا دیدار اس کا موجب ذکر الٰہی ہے
رخِ روشن ہے اس کا مظہر انوار صمدانی

ہے جامِ شرع اک کف میں تو اک میں عشق کا سنداں
وہ باہم کھیلتا ہے جام و سنداں سے بآسانی

مسائل دیں کے بتلاتا ہے احیاء و عوارف سے
ادھر کنز و ہدایہ سے ہے دیتا درس روحانی

پئے امراض اقوام و ملل بخشے ہیں جو اس نے
ہیں وہ سب کیمیاوی نسخے الہامی و لاثانی

جلال و ہیبت حق اس کے چہرہ سے نمایاں ہے
جمال حسن سیرت کی ہے مظہر اس کی پیشانی

ہوا ثابت بہ معنی اس کے دربارِ مقدس میں
کہ یکدم باخدا شا بودن بہ از ملک سلیمانی

عنایت سب پہ ہوتی ہے وہ اپنا ہو کہ بیگانہ
رعایت سب کی ہوتی ہے وہ شہری ہو کہ دہقانی

جہاں پہنچے قدم اس کے ہوئی تعمیر مسجد کی
بلند ہونے لگا پھر کلمۂ توحیدِ ربانی

دعا پر ختم کرتا ہے سخن جذبی کہ اب اس کی
زبان خامہ ہے گنگ اور عاجز ہے سخندانی

چلے تا حشر چمکے تا قیامت اس کی برکت سے
نسیم گلشن عرفاں، شعاعِ مہر ایمانی

محب مکرم جناب ڈاکٹر محمد ظفر صاحب ؒ المتوفی ۱۴۱۲ھ

(ازعزیزم احمد صاحب ابن ڈاکٹر محمد ظفر صاحب ؒ)

والد صاحب کے اجداد محلہ ملک پورہ گھوسی، اعظم گڈھ (اب ضلع مئوناتھ بھنجن) کے باشندے تھے۔ بعد میں کوریا پار منتقل ہوگئے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ والد صاحب ۱۹۲۰ء میں کوریا پار میں پیدا ہوئے اور گاؤں میں ابتدائی دینی تعلیم کے علاوہ مڈل کلاس تک اسکولی تعلیم حاصل کی۔ خاص کر حضرت مولانا عبدالمجید صاحب مجاز حضرت تھانویؒ سے خصوصی شرف تلمذ حاصل تھا۔ ان کی صحبت والد محترم کے لئے نعمت عظمیٰ ثابت ہوئی۔ نیکی وتقویٰ کا ان پر ایک خاص رنگ چڑھ گیا۔ جس نے ان کو بہت جلد حضرت اقدس شاہ وصی اللہ صاحبؒ کی خدمت میں پہنچا دیا۔ یہ ہمارے خاندان پر اللہ تعالیٰ کا خاص کرم رہا کہ تمام بڑے بزرگ مثلاً دادا، چھوٹے دادا اور ان کی تمام اولادیں حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ سے منسلک رہی ہیں۔ اور اس کے اثرات ہم لوگوں کی اولادوں میں بھی موجود ہیں۔ **فللہ الحمد و المنہ۔**

ہاں مدرسہ ناصر العلوم سے جب جدا ہوئے تو وہاں سے کانپور گئے اور محلہ کرنیل گنج میں رہ کر کتابت وطباعت کا فن سیکھا، کچھ دنوں ایک پریس میں کام بھی کیا، پھر ہومیوپیتھی کی طرف متوجہ ہوئے، اس کی تعلیم حاصل کی، لکھنؤ اور پٹنہ جا کر ڈاکٹری کی ڈگری حاصل کی۔

۱۹۴۰ء میں آپ بنارس آ گئے۔ یہیں آپ کو محکمہ تعمیرات عامہ میں ملازمت مل گئی۔ اسی دوران آپ کا نکاح حضرت چاند شاہ صاحب ٹانڈہ کے خلیفہ شاہ کلیم اللہ صاحب کی صاحبزادی محترمہ فخر النساء سے ۱۹۳۸ء میں ہوا۔ میری والدہ کی پرورش ان کی نانی وبعدہ ممانی نے کی۔ میری والدہ کہتی تھیں کہ مجھے اپنی والدہ یاد نہیں ہیں۔ جب ذرا شعور ہوا تو اپنے کو نانی ممانی کی گود میں پایا۔نانی جنھوں نے ہماری پرورش کی اور ماموں صاحب نے بھی باپ کی طرح شفقت و پیار اور ایک بیٹی کی طرح نکاح کرایا۔ ہمارے نانا ہمیشہ جنگلوں میں عبادت وریاضت میں مشغول رہتے تھے۔کبھی کبھی آ کر مجھے دیکھ کر واپس چلے جاتے تھے۔

والد صاحب محکمہ تعمیرات میں نقشہ نویس تھے۔سرکاری مکانوں کا نقشہ بناتے تھے۔ ۱۹۴۷ء میں جب ملک آزاد ہوا تو بعض ایسے حالات پیدا ہوئے کہ والد مرحوم کو اپنے شیخ کے مشورے سے ملازمت چھوڑ کر اپنے دواخانے کی طرف پوری طرح متوجہ ہونا پڑا۔اور رخصت کے ایام میں الہ آباد اپنے شیخ کی خدمت میں حاضری دیتے۔اس طرح حضرت سے ایک خاص تعلق قائم ہو گیا۔ ۱۹۶۵ء میں آپ کو تحریری طور پر مجاز صحبت بنایا گیا۔اپنے شیخ سے ان کا تعلق اتنا گہرا ہو گیا تھا کہ وہ فیملی ڈاکٹر بن گئے۔ان کی حیثیت گویا گھر کے ایک فرد سی ہو گئی تھی۔اس لئے ڈاکٹر محمد ظفر صاحب کا بیٹا ہونے کی وجہ سے میرا حضرت کے گھر میں آنا جانا لگا رہتا تھا۔

محترم والد صاحب نماز باجماعت کی سختی سے پابندی کرتے تھے۔ ہمیشہ

باوضو رہا کرتے تھے، تہجد کے پابند تھے۔ تہجد کے بعد ذکراللہ میں مشغول ہوجاتے۔ اذان فجر تک یہ سلسلہ جاری رہتا۔اذان کے بعد سنت پڑھ کرمناجات مقبول کی ایک منزل پڑھ کرمسجد چلے جاتے اوراشراق پڑھ کرہی گھرواپس ہوتے تھے۔ میں نے ایک مرتبہ پوچھا کہ کیا کیا ذکر کرتے ہیں اور کتنا کرتے ہیں؟ جواب میں فرمایا کہ اسم ذات کا ذکر کرتا ہوں اور کوشش کرتا ہوں کہ پندرہ ہزار ہوجائے،کبھی کبھی زائدبھی ہوجاتا ہے۔حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کے بعدحضرت قاری محمدمبین صاحب سے تجدید بیعت کیا اور ان کے مجاز بیعت ہوئے۔ساری زندگی تقویٰ و پرہیزگاری سے گذارا۔فالحمدللہ رب العالمین

وفات: ۲۳؍مئی ۱۹۹۲ء بروز شنبہ اذان فجر کے وقت بلندآواز سے تین مرتبہ اللہ اللہ اللہ کہا اور روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ کرم فرما کر مغفرت فرمائے اوردرجات عالیہ سے نوازے۔آمین

اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ میں بہت شفارکھی تھی۔مریض ان کی بتائی ہوئی ترتیب وترکیب پرعمل کرتاتو بہت جلدشفایاب ہوجاتا۔طریقہ یہ تھا کہ ایک ہاتھ مریض کی نبض پر،تو دوسرا ہاتھ گھڑی پر، چندسکنڈ کے بعدخود ہی سارا مرض بتانے لگتے۔بیچارہ مریض اقرارکرلیتا کہ آپ بالکل درست فرمارہے ہیں۔

والدمحترم نہایت بااصول تھے۔ ہرکام میں وقت کی پابندی کا خاص خیال رکھا کرتے تھے۔عبادت کا ایک خاص ذوق رکھتے تھے۔موسم خواہ کچھ بھی ہوساری زندگی نوافل کی سختی سے پابندی کرتے،مثلاً نماز اشراق مسجد میں،تو نماز چاشت دواخانے میں،اوابین کی پوری بیس رکعتیں تاحیات اداکرتے رہے۔

والد صاحب طبیب حاذق ہونے کی وجہ سے شہر میں بہت ہی عقیدت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ اس کا اندازہ ان کی وفات پر ہوا۔ جنازے میں ہزاروں افراد نے شرکت کی اور تعزیت کے لئے آنے والے افراد نیز اخبارات ورسائل میں شائع ہونے والے مضامین سے بھی لوگوں کی ان سے محبت وعقیدت کا خوب اندازہ ہوا۔ ان کی وفات کے بعد یہ بھی معلوم ہوا کہ دو افراد کو انھوں نے بیعت بھی کیا تھا، حالانکہ اس طرف ان کی توجہ بالکل نہیں تھی۔

والد محترم مرحوم اپنے یومیہ مشاغل خاص کر دواخانے کی وجہ سے شہر میں آنے جانے کا معمول نہیں رکھتے تھے۔ برادر گرامی مولانا محمد ارشد اعظمی صاحب مدظلہ کی وجہ سے جو جامعہ مطلع العلوم بنارس میں عرصہ دراز تک استاد رہے اور وہیں سے ریٹائر بھی ہوئے۔ کبھی کبھی ان کے پاس چلے جایا کرتے تھے اور وہاں کے اساتذہ وذمہ داران بھی کبھی کبھی ملاقات کے لئے آتے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ کبھی کبھی جمعہ کے روز اپنے پیر بھائی حاجی عبدالجلیل صاحب مرحوم رنگ والے کے یہاں چلے جاتے تھے۔ والد محترم فرمایا کرتے تھے کہ ''مرنے کے بعد ترکہ اولاد میں تقسیم ہوجاتا ہے، لیکن وہ نعمت باطنی جو بزرگوں سے حاصل ہوئی ہے اس کو وہی پائے گا جو اس راہ کی محنت ومجاہدہ کرے گا''۔

میرے والد صاحب کی خواہش پر حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ نے ہمارے مشفق استاد اور محترم شیخ حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب دامت برکاتہم کو تمام مرویات احادیث کی اجازت دے کر بخاری شریف پڑھانے کا حکم فرمایا تھا۔

والد محترم جب اس دنیا سے رخصت ہوئے تو ۵ / بچے اور ۴ / بچیاں چھوڑ کر رخصت ہوئے۔ اس وقت چھ زندہ ہیں، باقی تین اللہ کے پیارے ہو چکے ہیں اور والدہ صاحبہ بھی دس سال قبل وفات پا چکی ہیں۔

اللہ پاک کرم فرما کر والدین مرحومین اور وفات شدہ بھائی بہن کی مغفرت فرمائے اور درجات عالیہ سے نوازے۔ آمین

والد مرحوم کو یہ شعر بہت پسند تھا اور اسے بار بار دہرایا کرتے تھے۔

باغ میں لگتا نہیں صحرا سے گھبراتا ہے دل
اب کہاں لے جا کے بیٹھیں ایسے دیوانے کو ہم

درحقیقت ان کے شیخ حضرت مصلح الامتؒ کا بھی یہی حال تھا اس لئے وہ بھی اس شعر کو پڑھا کرتے تھے۔

حضرت مولانا مفتی محمد حنیف صاحب جونپوری متوفی ۱۴۳۵ھ

از: مقصود احمد قاسمی

نام ونسب: محمد حنیف بن شیخ محمد ذاکر بن شیخ قدرت اللہ ہے۔ آپ کی ولادت ۱۹۰۸ء مطابق ۱۳۲۶ھ میں اپنے نانیہال موضع لپری ضلع جونپور میں ہوئی۔ آبائی وطن، بندوَل، جیراج پور، ضلع اعظم گڈھ ہے۔

تعلیم وتربیت: ۷ یا ۸ برس کی عمر میں ناظرہ قرآن کریم اور کچھ اردو پڑھنا لکھنا سیکھا، پھر چہارم پرائمری تک پڑھکر تعلیم موقوف ہوگئی۔ ابتدا ہی سے مزاج دینی تھا، کم سنی کے باوجود مسجد کی صفائی ستھرائی کا شوق تھا، اذان دینے، نماز باجماعت کا اہتمام وغیرہ بچپن ہی سے رہا۔ اپنے گاؤں میں رہ کر کاشتکاری وغیرہ کے کام انجام دیتے تھے اور لوگوں کی مزدوری وغیرہ کے ذریعہ معاش کا نظام چلتا تھا۔ چند سالوں کے بعد مدرسہ ضیاء العلوم مانی کلاں میں پڑھنے کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

خانقاہ وصی اللہی فتحپور میں آمد: سن شعور کو پہنچنے کے بعد تصوف سے دلچسپی پیدا ہوئی، تو حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کی خدمت میں فتح پور تال نرجا ضلع مئو پہنچے اور پھر آپ ہی کے ہوکر رہ گئے۔ بخاری شریف وغیرہ کا درس حضرت مصلح الامتؒ سے ہی حاصل کیا۔

تدریس وافتاء: حضرت شاہ صاحب فتح پوریؒ کی خدمت میں رہ کر علوم ظاہری سے فراغت کے بعد بحیثیت مدرس قیام فرما رہے، پھر حضرتؒ کے ساتھ الہ آباد تشریف

لائے اور حضرتؒ کی وفات کے بعد کئی سالوں تک تدریسی خدمت انجام دیتے رہے۔
اس کے بعد حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوریؒ کی دعوت پر مدرسہ ریاض العلوم گورینی جونپور تشریف لے گئے جہاں صدر مدرس، صدر مفتی اور شیخ الحدیث کے عہدہ پر فائز ہوئے، وہاں سے علاحدگی کے بعد مدرسہ بیت العلوم سرائے میر اعظم گڈھ میں بھی بخاری شریف اور افتاء وغیرہ کی کتابوں کے درس سے طلبہ کو سیراب کرتے رہے۔
لیکن جب مختلف امراض نے گھیر لیا تو وہاں سے علاحدہ ہوکر اپنے ایک شاگرد رشید مفتی لئیق احمد صاحب کے قائم کردہ مدرسہ دارالابرار موضع جومہ متصل قصبہ پھولپور ضلع اعظم گڈھ میں قیام کرلیا اور یہی مقام آپ کیلئے ابدی قیام گاہ ثابت ہوا۔
طلبہ پر شفقت: آپ طلبہ پر بہت شفیق تھے اسباق بہت ہی محنت سے سمجھاتے تھے اہم سے اہم تر پیچیدہ مسائل کو نہایت سہل انداز میں پیش کردیتے تھے۔ سمجھانے کے بعد فرماتے تھے کہ اہم بحث ہے توجہ کے ساتھ محفوظ کرلو۔
اخلاص: ہم طلبہ کو اخلاص کی تلقین بہت کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ تھوڑا عمل کرو لیکن اخلاص کے ساتھ کرو چونکہ اللہ تعالی اخلاص ہی دیکھتے ہیں اخلاص کے سلسلے میں آپ بیتی سناتے تھے کہ حضرت مصلح الامتؒ کے قیام گورکھپور کے دوران قصبہ انول میں (جو راقم السطور کا وطن ہے) بیان کیلئے جانے کا موقع ملا میں نے وہاں اخلاص پر بیان کیا واپسی پر حضرتؒ نے پوچھا کہ کیا بیان کیا تھا میں نے عرض کیا کہ اخلاص پر بیان کیا تھا تو حضرت نے فرمایا کہ اخلاص جانتے بھی ہو، یہی موضوع ملا تھا؟ فرماتے تھے کہ اتنا زبردست مواخذہ کیا کہ میرا اخراج ہوگیا۔ کئی روز کے بعد میری معافی قبول ہوئی، لیکن چھ ماہ تک بیان کرنے

پر پابندی کردی گئی۔فرماتے تھے کہ حضرت مصلح الامتؒ کا یہی انداز اصلاح تھا، ایسا اسلئے کرتے تھے کہ کہیں کبر وعجب نہ پیدا ہوجائے۔

فقہ سے شغف: آپ کو علم فقہ سے بہت ہی مناسبت تھی۔ فتح القدیر شرح ھدایہ اور شامی وغیرہ یونہی مطالعہ کرتے رہتے تھے۔نماز باجماعت کے بیحد پابند تھے۔سادگی آپکا ایک خاص وصف تھا اپنا کام خود کرنے کے عادی تھے۔بکری،مرغی وغیرہ پالتے تھے،ان کو کھلانا پلانا اوران کی جگھوں کی صفائی وستھرائی اپنے ہاتھ سے انجام دیتے تھے۔اگر کوئی طالب عالم صفائی کیلئے بڑھتا تو بہت ہی پر لطف انداز سے روک دیتے تھے۔کھانے پینے اوڑھنے اور پہننے میں کوئی خاص ذوق نہیں تھا۔

ارشادات: فرماتے تھے کہ اگر ساری دنیا دیکر بھی سچا دوست مل جائےتو لے لو اس وجہ سے کہ اس زمانہ میں یہ مخلص دوست کا ملنا عنقا ہے۔

فرمایا کہ جب دو چار آدمی مصافحہ کرنے لگتے ہیں اور حضرت کہنے لگتے ہیں تو نفس اندر سے کہتا ہے کہ اگر ہم حضرت نہ ہوتے تو لوگ ہم کو حضرت کیوں کہتے؟ اب جس کا اپنی ذات سے متعلق اچھا گمان رہتا ہے وہ اس موقع پر بہت جلد نفس کے بہکاوے میں آکر خود کو اچھا سمجھنے لگتا ہے جس کی وجہ سے اس کیلئے روحانی ترقیات کے دروازے بند ہوجاتے ہیں اور جو شخص اپنے نفس کے متعلق بدگمان رہتا ہے وہ بچ جاتا ہے۔

وفات: آپ کی وفات ۲۶/جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ مطابق ۲۸/مارچ ۲۰۱۴ء کو جمعہ کا دن گذار کر رات میں ہوئی انا للہ وانا الیہ راجعون ۔نماز جنازہ دوسرے دن ۱۱/بجے مفتی لئیق احمد نے پڑھائی۔آپ کی وصیت کے مطابق مدرسہ دار الابرار جومہ متصل قصبہ پھولپور اعظم گڑھ میں مدفون ہوئے۔ نور اللہ مرقدہ۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بستویؒ متوفی ۱۴۱۴ھ

از: مقصود احمد قاسمی

نام ونسب وولادت: نام محمد یوسف، والد کا نام حیات محمد بن محمد ممتاز ہے۔ ضلع بستی کے ''بنیتھو'' نامی گاؤں میں یکم جون ۱۹۲۶ء مطابق ۲۴/ذی قعدہ ۱۳۴۶ھ کو آپ کی ولادت ہوئی۔

ابتدائی تعلیم: جب آپ نے ذرا ہوش سنبھالا تو والد صاحب نے گاؤں ہی کے اسلامی مکتب میں بغرض تحصیل علم داخل کر دیا۔ اس کے بعد ضلع کی مشہور قدیم دینی درسگاہ مدرسہ عربیہ ہدایت العلوم کرہی میں بغرض تعلیم داخل فرما دیا۔

شوال المکرم ۱۳۶۲ھ میں مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور میں داخل ہوئے۔ مکمل چار سال مظاہر علوم میں علم حاصل کیا اور ماشاء اللہ اساتذہ کی توجہ اور فیض صحبت سے آپ کی زندگی میں انقلاب آ گیا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ علمی لیاقت اور شرافت وسنجیدگی میں اعلیٰ درجہ کے طالب عالم شمار کئے جانے لگے۔ اساتذہ سے محبت اور ادب واحترام اور ان کی خدمات کی بدولت آپ اساتذہ کے منظور نظر تھے۔ نیز شاگرد خاص میں شمار کئے جاتے تھے۔ اور یہ نعمت کیوں نہ حاصل ہوتی جب کہ سعادت ونجابت کے آثار بچپن ہی سے نمایاں تھے۔

بالائے سرش ز ہوش مندی   می تافت ستارۂ بلندی

تدریسی زندگی: نواح علیگڈھ میں تعلیم وتبلیغ کے لئے تقریباً چھ سال قیام

فرمایا۔ پھر اپنے شیخ حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کے حکم سے خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون میں بحیثیت صدر مدرس ۱۹۵۶ء میں تشریف لے گئے۔ وہاں نورانی قاعدہ سے لےکر مشکوٰۃ شریف تک کی کتابیں زیر درس رہیں۔ ۱۹۶۰ء میں خرابی صحت کی وجہ سے حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنے محبوب اور منظور نظر مسترشد کو اپنے پاس بلوالیا۔ کم وبیش چھ سال مرشد کی خدمت میں قیام رہا۔

۱۹۶۷ء میں جب شاہ صاحبؒ نے سفر حرمین کا قصد فرمایا، تو اسی سال آپ حضرت شاہ صاحبؒ سے رخصت لےکر وطن تشریف لائے اور شہر بستی میں محترم جناب ماسٹر ابدال الحق صاحبؒ کے مکان پر قیام فرمایا، اور بے سروسامانی کے عالم میں اطراف وجوانب کے مشورے اور تعاون سے ایک مدرسہ خیر العلوم نام سے قائم فرمایا۔

حضرت والا نے اس ادارہ کو ایک خوشنما دین کا چمن بنایا، اخیر وقت تک مدرسہ کی ترقی اور فلاح وبہبود کے لئے کوشاں رہے۔ آخر یہ عندلیب حق گلشن علم وادب کو خیر باد کہہ کر ہزاروں کے دلوں کو تڑپاتے ہوئے اپنے معبود حقیقی سے جاملا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اوصاف واخلاق: توکل آپ کی زندگی کا خاص وصف تھا، آپ سادگی سے زندگی بسر کرتے تھے۔ آپ تکلفات سے بالکل خالی تھے، تواضع وانکساری میں منفرد تھے۔ کھانے وغیرہ میں بھی کوئی تکلف نہ تھا، نہ ہی لباس میں زینت، لمبا کرتا، شلوار اور گول ٹوپی زیب تن فرماتے تھے۔ حضرت والاؒ اپنے پھٹے کپڑوں میں خود پیوند لگا لیتے تھے اور اسے درست کر کے پہنتے تھے۔

تواضع وانکساری میں بے مثال تھے۔آپ جس طرح مدرسہ ومسجد میں جھاڑو لگا کر صفائی کرتے اسی طرح آپ مسجد ومدرسہ کی نالیاں اور بیت الخلاء بھی صاف کرتے تھے۔حضرت والا کو صفائی کرتے دیکھ کر طلبہ بھی شریک ہوجاتے تھے۔آنے والوں میں بعض حضرات اس کام کو دیکھ کر کہتے ''حضرت آج آپ بڑی محنت کررہے ہیں'' تو آپ فرماتے ''ممکن ہے اللہ تعالیٰ کو میرا یہی عمل پسند آجائے اور مغفرت کا ذریعہ بن جائے''۔

بیعت واجازت: ۱۹۴۶ء میں مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب الہ آبادیؒ سے اصلاحی تعلق قائم ہوا۔اصلاح کی غرض سے فتحپور تال نرجا بھی حاضری کا شرف حاصل ہوا، اور خانقاہ الہ آباد میں تو چھ سال قیام پذیر رہے۔اور مجاز صحبت کی ذمہ داری سے سرفراز ہوئے۔

حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کے انتقال کے بعد محی السنۃ حضرت مولانا ابرارالحق صاحبؒ ہردوئی سے اصلاحی تعلق قائم ہوا۔اصلاح نفس اور روحانی امراض کا علاج تو دربارِ مصلح الامتؒ میں ہوچکا تھا۔حضرت محی السنۃؒ نے اپنے مسترشد کے حالات اور اذہان وافکار، تقویٰ وطہارت کا نور باطن سے اندازہ کرلیا۔اور ۵؍محرم الحرام ۱۳۹۱ھ میں تحریری اجازت بیعت کی دولت سے سرفراز فرمایا۔

علمی شوق: درس وتدریس کے لئے درسی کتابوں کے مطالعہ کا خاص اہتمام تھا، فارغ اوقات میں غیر درسی کتابوں کے مطالعہ کا بہت شوق تھا۔ بطور خاص اکابرین کے ملفوظات اوران کے حالات کا مطالعہ فرماتے رہتے تھے۔اسی وسیع

مطالعہ کی برکت سے آپ کی تقاریر اور مواعظ میں ایک خاص کشش تھی، لوگ آپ کے بیانات میں بکثرت شریک ہوتے تھے۔

آپ کا ایک منظوم کلام پیش خدمت ہے: ؎

آداب حضوری

دل میں محبوب کی یادوں کو بسالوں تو چلوں — ان کی تصویر خیالوں میں رچالوں تو چلوں
دل کی ظلمت کو بتاؤ میں کہاں لیجاؤں — ان کی سیرت کو میں آئنہ بنالوں تو چلوں
آپ ہیں سید ابرار رحمت عالم — ساکن گنبد خضراء کو منالوں تو چلوں
سارے عالم کیلئے آپ مسیحا ہیں حضورؐ — اس مسیحائی میں دل پاک بنالوں تو چلوں
راہ سنت ہی ہے امت کیلئے آب حیات — پہلے اس راہ پہ اپنے کو لگالوں تو چلوں
حوصلہ چاہئے اس راہ پر چلنے کیلئے — اپنی گفتار کو کردار بنالوں تو چلوں
دعوئ عشق ومحبت تو بہت آساں ہے — پہلے خود نفس کی خواہش کو مٹالوں تو چلوں
چشم گریاں دل بریاں غم ہجراں کا سلام — اپنے دامن میں یہ سوغات سجالوں تو چلوں
وجد میں روح ہو اور دل میں ہو ایماں کی بہار — سرمۂ شوق کو آنکھوں میں لگالوں تو چلوں
اتنا پیغام صبا میرا بھی کہنا ان سے — دامنِ توبہ میں یوسفؔ کو چھپالوں تو چلوں

وفات: ۲۲/ذی قعدہ ۱۴۱۴ھ مطابق ۵/۶/مئی ۱۹۹۴ء جمعرات، جمعہ کی درمیانی شب میں گیارہ بج کر چالیس منٹ پر اپنی دائمی آرام گاہ جنت الفردوس کو رحلت فرما گئے۔ اور اپنے بے شمار محبین و متعلقین کو روتا دھوتا چھوڑ کر محبوب حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اور اپنے آبائی گاؤں بنیتھو ضلع بستی میں مدفون ہوئے۔ نور اللہ مرقدہٗ۔

(ماخوذ از تذکرہ یوسف۔ مرتبہ مولانا عبد الرب صاحب قاسمی، مدرس مدرسہ خیر العلوم بستی)

مکرم مولانا محمد یونس صاحبؒ کڈی گجرات متوفی ۱۴۲۷ھ

تعارف: مولاناؒ کی ولادت قصبہ محمدی لکھیم پور میں ۱۹۳۶ء مطابق ۱۳۵۵ھ میں ہوئی۔ مولانا کے والد محترم کا اسم گرامی مولانا مستحسن صاحبؒ ہے، جو حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب الہ آبادیؒ کے خاص مرید و مسترشد تھے، اور نہایت ذاکر و شاغل تھے۔ مستقلاً موضع ہرداس پور میں رہتے تھے، اور برسات میں بھی کئی ندیوں کو پار کر کے حضرت مصلح الامتؒ کی مجلس میں شرکت کرتے تھے۔

مولانا محمد یونسؒ بھی غالباً ساتھ رہتے تھے۔ اور فتح پور میں حضرت سے پڑھتے تھے۔ پھر ہم لوگ الہ آباد آگئے تو مکرم صوفی عبدالرب صاحبؒ کی صاحبزادی سے ان کا نکاح ہوگیا، اور کڈی ضلع مہسانہ گجرات چلے گئے۔ پھر الہ آباد آئے اور ہم لوگوں کے ساتھ حدیث شریف اور تفسیر کی کتابیں پڑھیں۔ ماشاءاللہ ذہین طلبہ میں سے تھے، مگر سخت اقتصادی دشواری کی بناء پر دوبارہ کڈی چلے گئے۔ وہاں ہی اخیر تک رہے اور دینی و علمی بہت سی خدمات انجام دیں۔ اس حقیر سے بہت محبت فرماتے تھے، اس لئے جب ہم نے مدرسہ بیت المعارف بخشی بازار الہ آباد قائم کیا تو سب سے پہلے کڈی گجرات کا ہی سفر ہوا۔ مولانا نے ممبئی میں بھی چند صاحب ثروت حضرات سے ملاقات بھی کروائی۔

فجزاهم الله احسن الجزاء۔

مولانا کا حسن ظن: اس کے بعد ان کے حسنِ ظن کا ایک واقعہ لکھتا ہوں، جس کو بطور شکریہ کے لکھنا ضروری بھی سمجھتا ہوں، وہ یہ کہ یہ حقیر حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپگڈھیؒ کی وفات کے بعد ۱۴۱۲ھ میں دارالعلوم کنتھاریہ بھروچ کی دعوت پر نظام خانقاہ کیلئے گیا۔ اسکے بعد دوسرے سال حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحبؒ کی وفات ہوئی تو اصحاب پالن پور مثلاً مولانا مفتی آدم صاحب بھیلونیؒ اور مولانا آدم صاحب کھلیؒ و مولانا عبدالرحیم صاحبؒ وغیرہم مولانا یونس صاحبؒ کی خدمت میں تجدید تعلق کیلئے یا ان سے مشورہ کیلئے گئے، تو انہوں نے برجستہ کہا (جب کہ ان کے شیخ مولانا عبدالحلیم صاحبؒ باحیات تھے اور وہ خود ان کے مجاز بیعت تھے) کہ ہمارے ساتھی مولانا قمر الزمان صاحب خانقاہ کنتھاریہ کے نظام کیلئے یہاں آتے ہیں، میرا خیال ہے کہ آپ لوگ ان سے اصلاحی تعلق قائم کرلیں تو مناسب ہوگا۔ لہٰذا انہوں نے تعلق قائم کیا۔ ماشاءاللہ۔

الحمدللہ! روز بروز سلسلہ بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ اکثر علماء اس سلسلہ میں داخل ہوگئے جو برابر خانقاہ کنتھاریہ اور الہ آباد میں آتے ہیں، اور دونوں خانقاہوں کو زینت بخشتے ہیں۔ ان میں سے متعدد حضرات کو اجازت وخلافت بھی دی ہے۔

مکتوب: اب مولاناؒ کا ایک خاص مکتوب نقل کرتا ہوں جو اس حقیر کے نام ارسال فرمایا تھا، ملاحظہ کریں:

مجی المکرم و مشفقی المحترم، ادام اللہ تعالیٰ شفقاتکم وعنایاکم ومدظلکم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ خیریت طرفین مطلوب

آج کی ڈاک سے ہدیہ سنیہ ''اقوال سلف'' موصول ہوکر قلبی مسرت کا

سبب بنا۔ شروع کیا تو ایسی لذت حاصل ہوئی کہ پڑھتا ہی چلا گیا۔ نماز کا وقت ہوا تو مجبوراً کتاب ہاتھ سے رکھی۔ ماشاء اللہ بارک اللہ، اللہ تعالیٰ نے آں محترم سے بڑا مفید کام لے لیا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں اور ہم سب استفاضہ کرنے والوں کی طرف سے آپ کو جزائے خیر عطا فرمائیں کہ آں محترم نے ہم سب پر بڑا ہی احسان فرمایا ہے کہ مختلف سمندروں کے دُرِ نایاب غواصی فرما کر نکالے اور ایک سِلک میں پرو کر نو لکھا ہار ہم جیسے کم ہمتوں کو مہیا فرما دیا۔ جزاکم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء، وشکر مساعیکم وتقبل۔

محمد یونس

۱۰ر جمادی الاخریٰ ۱۴۲۷ھ

غرض مولانا محمد یونس صاحبؒ سے خاص تعلق رہا ہے۔ انہوں نے اقوال سلف کے متعلق جس قدر لکھا وہ مختصر ہونے کے ساتھ نہایت جامع ہے۔ جس کی وجہ سے دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں خاص مقام عطا فرمائے، اور ان کی خدمات دینیہ وسلوکیہ کو قبول فرمائے۔

وفات: اپنے وطن قصبہ محمدی لکھیم پور میں صفر ۱۴۲۷ھ مطابق ۲۰۰۶ء میں وفات ہوئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

حضرت مولانا حکیم وصی احمد صاحبؒ المتوفی ۱۴۱۶ھ

(از: حکیم محمد احمد قاسمی علیگ)

نام ونسب: وصی احمد بن لعل محمد بن جہانگیر ابن حافظ ابراہیم کا تعلق پٹھانوں کی یوسف زئی شاخ سے تھا۔ جو غدر ۱۸۵۷ء کے موقع پر جد گرامی جہانگیر خان نے مغرب سے ہجرت کر کے دیوراج پار تحصیل بانس گاؤں میں پناہ لی، پھر شہر گورکھپور کو اپنا وطن بنایا۔

ولادت و پرورش: ولادت ۱۹۲۳ء/۱۳۴۱ھ میں شہر گورکھپور کے محلہ عسکر گنج میں ہوئی۔ ایام شیر خوارگی میں یتیم ہو گئے، عمر چار پانچ سال کے درمیان تھی کہ والدہ محترمہ کا سایہ بھی اٹھ گیا، پرورش آپ کے بڑے بھائی حاجی ولی محمد صاحب نے اس طور سے کی کہ والدین کی کمی کا احساس نہ ہونے دیا۔

تحصیل علم: ابتدائی تعلیم مدرسہ انجمن اسلامیہ شہر گورکھپور میں حاصل کی، درس نظامی کی ابتدائی کتب مدرسہ ناصر العلوم گھوسی (قائم شدہ ۱۸۳۵ء) میں مولانا عبدالمجید صاحبؒ و مولانا احمد علی کوریا پاری و دیگر اساتذہ سے اور چند سال بعد متوسطات کے لئے مولانا بخشش احمد صاحبؒ کی معیت میں خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون کا سفر کیا اور وہاں متوسطات کی تکمیل کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کا رخ کیا جہاں مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاملپوریؒ، مولانا اسعد صاحب رامپوریؒ، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ و دیگر

اساطین علم سے تکمیل علم کیا اور سند فضیلت حاصل کی، پھر دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوکر قند مکرر کے طور پر شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ، شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہیؒ، شیخ التفسیر مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ ودیگر اساتذہ سے کسب فیض کیا۔ دینی علوم کی تکمیل کے بعد برادر مکرم کی خواہش اور استاد گرامی مولانا حسین احمد مدنیؒ کے مشورے سے علیگڈھ مسلم یونیورسٹی میں نابغۂ روزگار اساتذہ سے علم طب کی تکمیل کی اور خصوصاً نباضی وتشخیص عملی میں امتیاز حاصل کیا، اسی طرح علوم دینیہ میں جزئیات فقہیہ پر عبور حاصل تھا جو قیام تھانہ بھون کا فیض تھا۔

اہل اللہ سے تعلق: اہل اللہ سے تعلق اور علماء وصلحاء سے محبت ورثہ میں ملی تھی، آپ کے والد جو ایک خداترس شب بیدار، خدمت خلق کے خوگر انسان تھے جن کا اصلاحی تعلق شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ سے تھا اور آپ کے تین بڑے بھائیوں میں دو حاجی ولی محمد وحاجی شفیع محمد کا اصلاحی تعلق مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ سے اور ایک بھائی مولوی فتح محمد صاحبؒ کا تعلق شیخ الاسلامؒ سے تھا۔اسی سبب اہل اللہ سے محبت غایت درجہ کو پہنچی ہوئی تھی۔ صغر سنی میں قیام تھانہ بھون کے دوران حکیم الامتؒ سے بیعت کی درخواست کی جو نامنظور ہوئی، بعدہ قیام مظاہر علوم سہارنپور کے دوران حضرت مدنیؒ سے شرف بیعت حاصل ہوا اور پھر اسی در کے ہوکر رہ گئے، مگر دوسرے اکابر امت سے ایسی محبت جو اپنی مثال آپ ہے، خصوصاً حضرت مصلح الامتؒ سے ایسی محبت اور ایسا تعلق تھا کہ دیکھنے سے کوئی بھانپ نہ سکتا تھا کہ آپ کا اصلاحی

تعلق حضرت مدنیؒ سے ہے، حضرت مصلح الامتؒ نے جس زمانہ میں حکیم صاحب کے کاشانہ کو اپنے قیام سے شرف بخشا تھا انہیں ایام میں حضرت مدنیؒ کا انتقال ہوا ،خبر بذریعہ تار حکیم صاحب کو ملی وہ مضطرب و بے چین ہو گئے تو مصلح الامتؒ کی بڑی صاحبزادی کو کافی تعجب ہوا اور بے ساختہ حکیم صاحب کی اہلیہ سے اپنے خاص لہجہ میں فرمایا کہ!''کیا حکیم صاحب میرے ابا سے مرید نہیں ہیں''۔

اسی طرح ایک خاص موقع پر مصلح الامتؒ کے ایک سوال پر حکیم صاحب نے عرض کیا''حضرت!اگر دل چاک کر کے دکھانے کی چیز ہوتی تو میں ضرور دکھا دیتا کہ آپ کی جگہ یہاں ہے'' مصلح الامتؒ نے تصویب فرمائی۔

اسی سلسلہ میں یہ ذکر بیجا نہ ہوگا کہ حکیم صاحب کو کبوتروں کا بچپن سے شوق رہا، مختلف نسلوں کے قیمتی کبوتر آپ کے کبوتر خانے میں تھے، جب حضرت مصلح الامتؒ تشریف لانے والے تھے تو حکیم صاحب نے یہ فرمایا کہ گھر میں اللہ کا ولی رہے گا یا کبوتر، اور چند گھنٹوں میں سارے کبوتر تقسیم کر ڈالے۔ حکیم صاحب ہمیشہ شیروانی زیب تن فرماتے ،لیکن حضرت مصلح الامتؒ کے سامنے شیروانی پہن کر کبھی نہ آئے،حکیم صاحب کی بڑی صاحبزادی کے نکاح کا واقعہ بھی مصلح الامت سے محبت اور ان کے اکرام کا مظہر ہے، ہوا یوں کہ علیم القدر صاحب (مقیم حال علی گڈھ) خانقاہ میں مقیم تھے اور ان کی اہلیہ کا انتقال ہو چکا تھا، حضرت مصلح الامتؒ نے بذریعہ ڈاک حکیم صاحب کی بچی کے لئے پیغام بھجوایا اور لکھا کہ مشورے کے بعد بچی سے اجازت لے کر الہ آباد آجاؤ، واضح رہے کہ بچی کی عمر اس وقت پندرہ سولہ سال تھی جب کہ لڑکے کی عمر

تقریباً تیس سال تھی اور دوسری شادی !، لیکن واہ رے وارفتگی! بچی سے اجازت لے کر الہ آباد اس ارادہ سے آگئے کہ اگر حضرت حکم دیں گے تو نکاح ہوجائے گا اور اگر مشورۃً بات ہوگی تو جواب نفی میں ہوگا، لیکن ملاقات کے وقت حضرت مصلح الامتؒ نے پوچھا کیا بچی سے اجازت لے کر آئے ہو؟ فرمایا جی! اور بعد نماز عصر نکاح منعقد فرمایا۔ یہ واقعات بطور نمونہ پیش ہوئے ورنہ حکیم صاحب سرتا پا مصلح الامتؒ اور اہل اللہ کے خادم زار تھے۔

خلافت واجازت: تعلق مع اللہ کے سبب کئی بزرگوں سے آپ کو اجازت وخلافت حاصل رہی، لیکن کبھی اس کا اظہار نہ فرمایا اور جب کوئی طالب آتا تو کسی دوسرے صاحب نسبت سے تعلق قائم کرنے کی نصیحت کرتے۔

اخلاق وعادات: آپ بارعب، ملن سار، خوش طبع وگوناگوں خوبیوں کے مالک تھے لیکن خدمت خلق اور مہمان نوازی ورثہ میں ملی تھی، حالت صحت میں ظہر اور عشاء کے بعد کھانے کا معمول تھا اس میں پوری کوشش کے ساتھ کسی نہ کسی کو شریک دسترخوان کرتے، اطعام طعام اتنا پسند تھا کہ خود کھانے میں وہ لطف نہ اٹھاتے جو دوسروں کو کھلانے میں لطف پاتے، خدمت خلق سے متعلق ہمیشہ اپنے بچوں کو نصیحت کرتے، طریقت بجز خدمت خلق نیست ورد زباں رہتا، آپ کا مطب خدمت خلق کا مرکز بن کر رہ گیا تھا، اکل حلال کا ازحد اہتمام فرماتے، مشکوک ومشتبہ اشیاء کو اپنی نگرانی میں غریبوں ومسکینوں میں تقسیم کرتے۔

آپ کی دینی وملی خدمات: ملی ودینی ہمدردی تو کجا انسانی ہمدردی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، اسی فطرت کے باعث ''مسلم فنڈ'' کو گورکھپور میں قائم

کر کے ضرورت مندوں کی حاجت برائی کا ذریعہ بنایا اور امت کو سود کی لعنت سے بچانے کی تدبیر فرمائی۔

مدرسہ اسلامیہ بھٹنی گورکھپور کا نظام سنبھالا اور اس کو بلندیوں تک پہنچایا۔

دارالعلوم گورکھپور کے قیام میں پیرانہ سالی کے باوجود انتھک کوشش کی۔

وفات: ۴؍دسمبر ۱۹۹۵ء مطابق ۱۲؍رجب ۱۴۱۶ھ بروز شب پیر قوم وملت کا یہ خادم اپنے مالک حقیقی سے جا ملا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ تدفین ۵؍دسمبر ۱۹۹۵ء صبح ۸؍بجے دسیوں ہزار شیدائیوں کے ہاتھوں عمل میں آئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب الہ آبادی متعنا اللہ بطول حیاتہ

از: مقصود احمد قاسمی

حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب الہ آبادیؒ اوران کے چند مخصوص تربیت یافتہ حضرات کا سلسلۃ الذہب تذکرہ اسی وقت اپنے موضوع پر جامع قرار دیا جاسکتا ہے۔ جب تک اس میں حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کے روحانی جذب وجلال وعلمی فضل وکمال اور حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتاپگڈھیؒ کے احسانی حسن وجمال کے فیضان وعرفان کے امین حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب حفظہ اللہ کا ذکر نہ آجائے، جن کی انتھک ۴۵ رسالہ کوششوں کا ثمرہ زیر نظر کتاب اقوال سلف ۱۱ رجلدوں میں ہے۔

حالانکہ یہ تذکرہ حضرت مرشدی حفظہ اللہ کے ذوق سلیم اور منکسر المزاجی کے بالکل خلاف ہے، چونکہ آپ کا وصف امتیازی غیر معمولی تواضع وانکساری، بے نظیر حلم وبردباری ہے۔ لیکن تذکرہ کا نہ آنا بہت ہی ناسپاسی ہوگی، اور درحقیقت حضرت مصلح الامتؒ کے مصلحانہ کارناموں میں سے ایک بیش بہا کارنامہ کو پس پشت ڈالنا ہوگا۔ اس لئے معذرت کے ساتھ قلم اٹھانا ناگزیر معلوم ہوا۔ حالانکہ مجھ بے بضاعت اور تہی دامن کیلئے قلم کو جنبش دینا کوہ کنی سے کم نہیں۔ حضرت مرشدی دامت برکاتہم سے معافی کی درخواست ہے۔ نیز قارئین کرام سے بھی معذرت کی درخواست ہے کہ حق ادا نہ ہوسکا۔

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ حضرت مصلح الامتؒ نے آپ کی تعلیم وتربیت کڑے ہاتھوں فرمائی۔ کسی بھی مجلس میں آپ کی غیر حاضری برداشت نہیں فرماتے تھے۔ اسلئے آپ بالالتزام ہر مجلس میں بڑی مستعدی کے ساتھ شرکت فرماتے تھے۔ جیسا کہ حضرت مرشدی حفظہ اللہ کو خود فرماتے ہوئے سنا کہ ایک دفعہ میں مجلس میں حاضر نہ ہوسکا تو حضرت مصلح الامتؒ نے وجہ دریافت فرمائی؟ تو میں نے عرض کیا کہ اہلیہ کی طبیعت کچھ خراب ہے، اسلئے حاضر نہ ہوسکا۔ تو معاً ارشاد فرمایا کہ وہ تو میری بیٹی ہی ہے، اگر اس کی خدمت کروگے تو مجھے خوشی ہی ہوگی، لیکن مجھے مجلس کی غیر حاضری گوارا نہیں ہے۔

ف: سبحان اللہ! کیسی شفقت تھی کہ مجلس کی غیر حاضری سے علمی ودینی نقصان ہوگا اسلئے گوارا نہیں۔ مگر افسوس کہ اسی بیماری میں وہ آخرت کی طرف رحلت کر گئیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس حقیر نے بارہا خانقاہ وصی اللہی کے فیض یافتہ حضرات سے سنا کہ حضرت مصلح الامتؒ دوران بیان جذب کی کیفیت میں بغیر کسی کتاب کا نام لئے فرماتے تھے کہ قمر الزمان! کتاب لاؤ؟ آپ فوراً اٹھتے اور الماری سے وہی کتاب لیکر مطلوبہ مضمون کھول کر پیش کردیتے۔ حاضرین مجلس کو تعجب ہوتا تھا کہ آپ کیسے سمجھ جاتے ہیں کہ کون سی کتاب درکار ہے۔ یہ درحقیقت آپ کی غایت درجہ علمی مناسبت کی علامت ہے اور حضرت مصلح الامتؒ کی توجہ کامل کی دلیل ہے۔

چنانچہ حضرت مصلح الامتؒ کو آپ کے علم ومعرفت، خلوص وللّٰہیت پر اس قدر اعتماد تھا کہ ایک مرتبہ فرمایا کہ مجلس کے بعد تم حاضرین مجلس کے سامنے مجلس

کے بیان کا خلاصہ بیان کیا کروتا کہ حاضرین مضمون سمجھ جایا کریں۔ الحمدللہ! یہ سلسلہ عرصہ تک قائم رہااور حضرت مصلح الامتؒ کے وصال کے بعد تو ماشاءاللہ آپ ہی کا بیان ہونے لگا۔ جس میں اکثر علماء وفضلاء رہا کرتے تھے، انہیں حضرات میں حضرت مولانا محمد میاں فاروقیؒ بھی شامل تھے۔ ایک مرتبہ خاص حال میں فرمایا کہ مجھے تعجب ہے کہ علماءِ الہ آباد ایسی مجلس میں کیوں نہیں شریک ہوتے ہیں جس میں ایسے علوم ومعارف بیان ہوتے ہیں۔ **فجزاھم اللہ تعالی۔**

ماشاءاللہ! آج بھی آپ کے بیان کا سلسلہ جاری وساری ہے۔ چنانچہ روزانہ اشراق کے کچھ دیر بعد آپ کے رہائشی مکان بیت الاذکار وصی آباد میں آپ کا روح پرور احسانی وعرفانی بیان ہوتا ہے، جس میں بکثرت اہل علم اور اہل دل شرکت کرتے ہیں اور مستفید ہوتے ہیں۔ دور دراز رہنے والے طالبین صادقین تک جدید آلات کے ذریعہ بیان پہونچائے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے قبول فرمائے اور عمل کی توفیق بخشے۔ اور مرشدی حضرت مولانا دامت برکاتہم کی عمر صحت وعافیت کے ساتھ دراز فرمائے۔ آمین۔

نیز اسی اعتماد کا نتیجہ تھا کہ حضرت مصلح الامتؒ نے آپ سے بار بار فرمایا کہ ہمارے مضمون کو اس طرح دیکھو کہ گویا دوسرے کا مضمون دیکھ رہے ہو اور جو بھی اس میں حذف واضافہ کی ضرورت سمجھو اس کے مطابق ترمیم کر دیا کرو۔ نیز حضرت مصلح الامتؒ نے فرمایا کہ دیکھو میرا کوئی مضمون بغیر تمہارے دیکھے نہ چھپنا چاہئے۔

نیز حضرت مصلح الامتؒ فرماتے تھے کہ جو باتیں میں اس کمرے میں بیان کررہا ہوں، تو میری آواز اس کمرہ سے باہر بھی نہیں جارہی ہے، مگر اللہ کو

قدرت ہے کہ سارے عالم میں اس کو پہونچا دے۔ کسی نے بالکل صحیح کہا ہے ؎

قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

ماشاء اللہ! جو حضرت مصلح الامتؒ کی خواہش تھی اللہ تعالیٰ نے پوری فرمائی کہ حضرت مرشدی حفظہ اللہ کو آپ کے علوم و معارف تقریراً وتحریراً دنیا کے متعدد ملکوں میں پہنچانے کی توفیق ارزانی فرمارہے ہیں، اور متعدد زبانوں میں لوگ اس سے مستفید ہورہے ہیں۔ اور ماشاء اللہ آپ کے قلم گہر بار سے ۳۳؍درجن کے قریب مختلف علوم وفنون کی جامع کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں، جنہیں اہل علم واہل قلم اور اہل دل نے ہاتھوں ہاتھ قبول فرمایا۔ فالحمد للہ علی ذالک۔

اب آپ کے مختصر حالات ملاحظہ فرمائیں، جو حضرت مولانا سید قاری محمد احسن صاحب فتحپوریؒ متوفی ۱۴۴۳ھ نے قلمبند فرمایا ہے۔

ولادت ووطن مالوف: آپ کی ولادت باسعادت شعبان المعظم ۱۳۵۱ھ مطابق دسمبر ۱۹۳۲ء ضلع مئو (سابق اعظم گڈھ) کے موضع کاری ساتھ میں ہوئی۔ والد محترم کا اسم گرامی جناب سلطان احمد خاںؒ ولد محمد نذیر خاںؒ ہے۔ والد محترم بھی ذکر وشغل اور تلاوت قرآن کریم سے غیر معمولی دلچسپی رکھتے تھے اور عام طور پر صلحاء میں ان کا شمار ہوتا تھا، اور کیوں نہ ہوتا جبکہ ان کو اپنے دور کے ولیٔ کامل مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب الہ آبادیؒ کی کیمیا اثر صحبت کا شرف حاصل تھا۔

تعلیم: دیندار گھرانوں کے رواج کے مطابق ابتداءً گاؤں کے ایک اسلامی مکتب میں زانوئے تلمذ تہہ کیا، اور یہی مکتب دور حاضر کے ایک عظیم عالم دین اور

شیخ وقت کا ابتدائی مدرسہ قرار پایا۔ پھر پرائمری اور مڈل تک کی تعلیم قصبہ گھوسی میں حاصل کی، اور ۱۹۴۷ء میں مئو جا کر کسی کالج میں امتحان دیکر الحمدللہ اچھے نمبرات سے کامیاب ہوئے۔

اس بنیادی اور انتہائی مفید اور ضروری عصری تعلیم کے بعد اصل تعلیمی منزل کی تلاش میں دارالعلوم مئو کی راہ پر گامزن ہوئے۔ وہاں اپنے مکرم ومحترم پھوپھا حضرت مولانا قاری امین اظہر صاحبؒ کی خاص تربیت میں رہے، اوران سے اخلاق محسنی پڑھی۔ یہاں کے تقریباً تین سالہ طالبعلمانہ دوران قیام میں فارسی کی ابتدائی کتاب آمدنامہ سے گلستاں، بوستاں، اخلاق محسنی وغیرہ اور عربی کی ابتدائی کتاب میزان منشعب سے علم الصیغہ، نورالایضاح، کفایۃ المتحفظ تک پڑھیں۔

نکاح مسنون: حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ نے اپنی صاحبزادی محترمہ عقیلہ خاتون (جو درحقیقت اسم بامسمیٰ تھیں) کے رشتہ کے متعلق مکرم حضرت مولانا قاری امین اظہر صاحبؒ سے مشورہ کے بعد مرشدی کے والد محترم سلطان احمد خانصاحبؒ کو اپنے ارادے کا قاری صاحب متوفی ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۹۴۹ء کی وساطت سے اس کا اظہار فرمایا، تو والد محترم اس رشتہ مبارکہ کو معلوم کرکے بیحد مسرور ہوئے اور اپنی غایت سعادت سمجھ کر راضی ہوگئے۔ چنانچہ رجب ۱۳۷۰ھ مطابق جون ۱۹۵۰ء میں فتحپور تال نرجا کی مسجد میں حضرت مصلح الامتؒ نے نکاح پڑھایا۔ **ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔**

تقدیر الٰہی کہ یہ نیک طینت خاتون ۳؍شوال ۱۳۷۹ھ میں اس دنیا سے رحلت فرماگئیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ اور محلہ اکبر پور، الہ آباد کے عام قبرستان

میں مغربی دیوار کے متصل مدفون ہوئیں۔ جہاں ان کی چھوٹی ہمشیرہ محترمہ نبیلہ خاتون ۱۶/۱۷/رمضان ۱۳۹۷ھ میں مدفون ہوچکی تھیں۔نور اللہ مرقدھما۔

اس کے بعد پھر حضرت مصلح الامتؒ کے مشورہ سے دوسرا نکاح خاص وطن موضع کاری ساتھ ضلع مئو میں مکرم ماسٹر نورالحسن صاحب مرحوم کی نیک صاحبزادی محترمہ تقریب النساء سے ۲۲/جمادی الثانی ۱۳۸۱ھ میں ہوا۔مگر بصد افسوس عرض ہے کہ وہ بھی ۹/رجب ۱۴۳۷ھ مطابق ۱۷/اپریل ۲۰۱۶ء کو داغ مفارقت دے گئیں۔رحمھا اللہ تعالیٰ۔

تکمیل علوم: بارگاہ مصلح الامتؒ اپنے دور کی منفرد خانقاہ اور تزکیہ نفوس کا مرکز ہونے کے ساتھ درس وتدریس کا ایک عظیم گہوارہ بھی تھا۔اس لئے حضرت مرشدی تکمیل علوم، اصلاح اخلاق، علم وعمل اور تزکیہ جیسے مقاصد عالیہ کیلئے شعبان المعظم ۱۳۷۰ھ کو بارگاہ مصلح الامتؒ میں حاضر ہوئے اور پھر یہیں کے ہورہے۔ یہاں کے طویل دورانِ قیام میں ہدایۃ النحو، نورالایضاح، مراقی الفلاح سے لیکر بخاری شریف تک تعلیم حاصل کی۔ بلکہ اس کے ساتھ تصوف کی کتابیں بھی حضرت مصلح الامتؒ سے پڑھیں۔مثلاً تفہیمات الٰہیہ، القول الجمیل، ارشاد الطالبین، قصد السبیل، ترصیع الجواہر المکیہ، مثنوی مولانا روم وغیرہ۔

درس وتدریس: یوں تو حضرت مصلح الامتؒ نے اثنائے تعلیم ہی میں دوران قیام گورکھپور باقاعدہ وظیفہ کے ساتھ تدریس کی خدمت سپرد فرمائی۔ ماشاءاللہ یہ سلسلہ پڑھنے پڑھانے کا مسلسل جاری رہا، یہاں تک کہ اپنے مدرسہ وصیۃ العلوم الہ آباد کی صدر مدرسی کے منصب سے نوازا۔توضیح وتلویح، مشکوٰۃ، جلالین، ہدایہ

وغیرہ جیسی اہم کتابوں کے اسباق آپ کے ذمہ تھے۔

اجازت حدیث: حضرت مصلح الامتؒ نے آپ پر کامل اعتماد کرکے اس وقت اجازت حدیث عنایت فرمائی کہ جب مصلح الامتؒ ۱۳۸۷ھ میں حج کیلئے مع صاحبزادیوں اور ان کے ازواج واولاد کے تشریف لے جانے لگے تو محب مکرم ڈاکٹر ظفر صاحب بنارسی نے عرض کیا کہ حضرت! آپ حج کیلئے تشریف لے جارہے ہیں اور ادھر میرے لڑکے محمد ارشد سلمہ کا آئندہ سال دورۂ حدیث ہے، اس کے لئے کیا حکم ہے؟ تو معاً حضرت مصلح الامتؒ نے ان ہی کے واسطے سے حضرت مرشدی حفظہ اللہ کو بلایا اور فرمایا کہ میں نے تم کو اسی دن کیلئے پڑھایا ہے، تم بخاری شریف پڑھاؤ، اور میں تم کو تمام مرویات کی اجازت دیتا ہوں۔ چنانچہ آپ نے شوال المکرم ۱۳۸۷ھ میں مدرسہ وصیۃ العلوم الہ آباد میں بخاری شریف پڑھائی۔ فللہ الحمد و المنہ۔

دیگر مشائخ سے بھی استفادہ: بفضلہٖ تعالیٰ حضرت مصلح الامتؒ کی خدمت میں سترہ سال اور حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتا پگڈھیؒ کی خدمت میں چوبیس سال کی طویل مدت تک شرف صحبت حاصل رہا۔ دریں اثناء ان دو مشائخ کی خدمت میں تشریف لانے والے ملک کے دیگر اکابر علمائے کرام ومشائخ عظام مثلاً محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ، مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ، محی السنۃ حضرت مولانا شاہ ابرالحق صاحبؒ وغیرہم کی زیارت ومصاحبت سے مستفیض ہونے کی سعادت بار بار نصیب ہوئی۔

(مشائخ نقشبندیہ مجددیہ ص: ۱۶۳ تا ۱۶۹)

اب اس کے بعد مکرم مولانا صوفی ظہیر الدین صاحبؒ کے مشاہدات وجذبات نقل کرنے کی سعادت حاصل کرنا ضروری سمجھتا ہوں جو ۱۹۶۰ء میں حضرت مصلح الامتؒ کی خدمت میں پڑھنے کے لئے حاضر ہوگئے تھے۔ چنانچہ وہ خود تحریر فرماتے ہیں کہ:

میں دارالعلوم مئو سے قدوری تک پڑھ کر آیا اس کے بعد یہاں وصیۃ العلوم الہ آباد میں اس درجہ کے موافق جو کتابیں تھیں یہاں اساتذہ سے پڑھنا شروع کیں، ان میں سے زیادہ تر کتابیں مولانا محمد قمر الزمان صاحب مدظلہ سے پڑھیں، اس طرح ہم نے حضرت مصلح الامتؒ کی خدمت میں رہ کر تمام کتابیں جو بخاری ومسلم تک ہوتی ہیں حضرت مولانا محمد قمر الزمان الہ آبادی سے اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی صاحب مچھلی شہریؒ اور حضرت مولانا مفتی حنیف صاحب جونپوریؒ سے پڑھیں۔

تعلیم کے دوران حضرت مصلح الامتؒ کی توجہ زیادہ تر ہم نے حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب کی طرف دیکھی وہ اس طرح سے کہ جب بھی کوئی علمی گفتگو ہوتی اور روحانیت کی باتیں ہوتیں تو انھیں بلاتے اور سناتے۔ بہرحال بخاری شریف بطور خاص حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب سے پڑھی۔ بخاری شریف کے ختم ہونے تک دیکھا کہ جو مضمون اٹھاتے تھے اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیتے تھے اس میں روحانیت زیادہ ہوتی تھی۔ اس وقت محسوس ہوتا تھا کہ یہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کے خاص ترجمان ہیں۔

اسباق میں ایسی ایسی باتیں فرماتے تھے کہ جو کوئی اہل اللہ ہی بول سکتا ہے،

شریعت وطریقت کے ہرفن سے واقف تھےکوئی بھی بات دین کی ہوتی تھی تواس کا ہرحصہ دین کی روشنی میں ڈھال دیتے تھےاور یہ بتاتے تھے کہ شریعت کا یہ درجہ ہےطریقت کا یہ درجہ ہےاورمعرفت کا یہ درجہ ہے۔ ہر مضمون کوواضح طریقہ سے سمجھا دیتے تھے، جوحدیث خاص ہوتی تھی اس پرکئی روز بحث کرتے اوراس کا ظاہروباطن واضح کردیتے تھے،حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کی باتوں اور ہمارے مولانا قمرالزمان صاحب کی باتوں میں ایسی مناسبت ہوتی تھی جوکہ دل پرلگ جاتی تھی۔ ۲۲/شعبان ۱۳۸۷ھ ۲۵/نومبر ۱۹۶۷ء میں حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کی سفرحج میں وفات ہوگئی جس کا اثر مولانا کے دل ودماغ پرتھاہی کہ بخاری شریف شروع ہوگئی۔اس کا اتنا گہرا اثر پڑا کہ حضرت مولانا قمرالزمان صاحب نے ہرسبق کو بہت ہی مخصوص انداز میں پڑھایا جس سے ایسامحسوس ہوتا تھا کہ جیسے حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔چنانچہ ایک تو حضرت مصلح الامت کے وصال کاغم اور دوسرے حضرت مولانا قمرالزمان صاحب کے پڑھانے کا انداز اورتیسرے حضورصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی کا احساس یہ تینوں چیزیں ایسی جمع ہوجاتی تھیں جس کی وجہ سے میں خودبھی پڑھتے وقت بے حال ہوجا تا تھا، کیونکہ عبارت میں ہی پڑھتا تھا۔ چنانچہ مشہور حدیث **انماالاعمال بالنیات** جوبخاری شریف کی پہلی حدیث ہے اس کی تشریح جو حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کی زبان سے پہلے سنی تھی پھراس کی توضیح مولانا قمرالزمان صاحب سے سنی تو دل میں اس کا بہت اثر ہوا جوآج تک یاد ہے۔

مزید بصیرت کیلئے حضرت مصلح الامتؒ کے خلیفہ محترم حافظ ڈاکٹر

صلاح الدین صاحب صدیقیؒ کا ایک بصیرت افروز واقعہ نقل کرتا ہوں۔

چنانچہ لکھتے ہیں کہ ایک اپنا ذاتی واقعہ تحریر کررہا ہوں۔ حضرت مصلح الامت عارف باللہ مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کی زندگی میں ایک بار احقر نے خدمت اقدس میں درخواست پیش کی کہ حضرت! میں چاہتا ہوں کہ اپنی دونوں لڑکیوں کو عالمہ بناؤں تو حصول علم کی کیا شکل ہوگی؟ برجستہ فرمایا کہ قمرالزمان پڑھائیں گے جب بڑی ہو جائیں گی تو پردہ سے پڑھائیں گے۔ اس کے علاوہ جب کوئی مسئلہ میں دریافت کرتا تو ایک ایک چیز پہلے خود بیان فرماتے اور سمجھاتے، تاہم جب گھر چلنے کے لئے اٹھتا تو فرماتے کہ ڈاکٹر صاحب! قمرالزمان سے بھی یہ مسئلہ دریافت کر لیجئے گا۔ اسی وقت سے میرے دل ودماغ پر عزیز محترم کے کمال علم وعمل کا سکہ بیٹھ گیا تھا۔

ایں سعادت بزور بازو نیست — تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

(معارف مصلح الامتؒ ج:۱،ص:۸)

اب اس دعا پر ختم کرتا ہوں ۔

یارب بقائے عمر تو باشد ہزار سال — لیکن بایں حساب بصد حشمت وجلال

سالے ہزار ماہ وماہے ہزار یوم — یومے ہزار ساعت وساعت ہزار سال

آمین یارب العالمین

حافظ غیاث الدین صاحب سارٹر گورکھپوری حفظہ اللہ

از: مقصود احمد قاسمی

تعارف: نام غیاث الدین، والد کا نام عبد الغفور بن عبد الغنی ہے۔ آپ کی ولادت ۲؍جنوری ۱۹۳۱ء مطابق ۱۴؍شعبان ۱۳۴۹ھ کو اپنے آبائی وطن موضع کوٹوا ضلع مہراجگنج (قدیم گورکھپور) میں ہوئی۔ آپ کے آباءواجداد کاشتکار تھے اور کاشتکاری ہی ان کا پیشہ تھا، مگر اپنے لڑکے کو تعلیم دلانے کا شوق رکھتے تھے۔ اسلئے آپ اولاً مکتب میں بٹھائے گئے، پھر پرائمری مکمل کر کے گورکھپور شہر میں ہائی اسکول پاس کیا۔ اس کے بعد گورنمنٹ انٹر کالج الہ آباد سے تعلیم مکمل کیا۔

ملازمت: ۱۹۵۲ء میں الہ آباد ہائی کورٹ میں سروس شروع کی لیکن بہت جلد ہائی کورٹ سے مستعفی ہو گئے، چونکہ وہ رشوت کی جگہ تھی۔ چنانچہ مستعفی ہونے کے بعد ریلوے میں ڈاک خانہ کی نوکری مل گئی اور اسی نوکری کو مکمل کر کے ریٹائرڈ ہوئے۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جب انسان حرام سے بھاگتا ہے اور اللہ پر توکل وبھروسہ رکھتا ہے، تو اللہ تعالیٰ رزق حلال کے دروازے کھول دیتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن پاک میں سورۂ طلاق میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا، وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔ ’’اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے خلاصی کی کوئی نہ کوئی صورت پیدا کر دیتا ہے، اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں سے اس کو خیال بھی

نہیں ہوتا۔'' یہ آیت ہر مومن کو ہر آن مستحضر رکھنا چاہئے، اور اللہ کے وعدہ پر یقین کامل رکھنا چاہئے۔

حفظ قرآن پاک: دوران ملازمت حفظ کرنا شروع کیا، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے تکمیل کرادی۔ الحمد للہ! تراویح میں قرآن سنانے کا اہتمام کرتے تھے۔

اصلاحی تعلق: دوران طالب علمی حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کی مجلس میں شرکت کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا، جب مستقل قیام گورکھپور ہوگیا، تو ڈیوٹی گورکھپور سے الہ آباد تک رہتی تھی، اور الہ آباد میں ۲/دن اور ۱/رات کا وقفہ رہتا تھا۔ اس وقت کو حضرت مصلح الامتؒ کی خدمت میں گذارتے تھے اور حضرت مصلح الامتؒ سے بیعت بھی ہوگئے تھے۔ مصلح الامتؒ کے وصال کے بعد بیعت کا شرف عارف باللہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپگڈھیؒ سے حاصل ہوا۔ اور اب بیعت کا شرف شیخ طریقت حضرت مولانا دامت برکاتہم سے حاصل ہے، اور آپ سے اجازت کا شرف بھی حاصل ہے۔

حضرت مصلح الامت کا حکم: آپ لکھتے ہیں کہ ایک دن الہ آباد میں حضرت سے عرض کیا کہ دعا فرمادیں حج کرآؤں۔ حضرت نے مجلس کے بعد مولانا جامی صاحبؒ کے ذریعہ مجھ کو بلوایا اور غصہ میں کہنے لگے کہ تم لوگ میرے پاس دین سیکھنے آتے ہو؟ کس نے کہا کہ تم پر حج فرض ہے؟ دیکھتے نہیں چڑیا بھی اپنے لئے گھونسلہ بناتی ہے۔ جاؤ تم کو حکم کرتا ہوں کہ پہلے اپنے لئے گورکھپور میں مکان بناؤ۔

یہ تھی حضرت مصلح الامتؒ کی ضروری وغیر ضروری میں اجتہادی شان۔

اوصاف: قرآن پاک کی تلاوت، صوم وصلاۃ پر مداومت، نماز باجماعت اور تہجد کے نہایت پابند ہیں۔ سنت کی پابندی کا اتنا اہتمام ہے کہ آپ کے لڑکے کے ولیمہ کے موقع پر سڑک ومکان پر لائٹ وغیرہ زیادہ لگادی گئی تھی، بار بار منع کرنے کے باوجود جب بچے باز نہ آئے تو سجاوٹ اور زرق برق منظر دیکھ کر ایسی حیا غالب ہوئی کہ عین موقع پر یہ کہہ کہ غائب ہوگئے کہ میں کون سا منھ لوگوں کو دکھاؤں گا، چنانچہ فجر کی نماز کے بعد گھر آئے۔ وہ رات مسرت کدہ کے بجائے ماتم کدہ بن گئی تھی۔

اپنی سعادت: فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: **من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ** کی روشنی میں یہ عرض ہے کہ میرے لئے باعث سعادت ہے کہ آپ نے مجھ ناچیز کو اپنی بیٹی کے رشتہ کیلئے منتخب کیا اور یہی ذریعہ بن گیا خانوادہ وصی اللہی سے منسلک ہونے کا، اور سیدی ومخدومی حضرت شیخ طریقت متعنا اللہ بفیوضہم العالیہ جیسے مشفق ومصلح مربی کے زیر سایہ کام کرنے کا۔ اور آپ کے حسن اخلاق وکردار اور علمی افادات ونکات سے خوشہ چینی کا۔ آپ کی تربیت ونصیحت اور تقریر وتحریر سے اپنے دل کی بھٹی گرمانے اور جذبات کو سلگانے کا، آپ کی سادگی، ظاہر وباطن میں یکسانیت، شیریں معاملگی اور ہر خورد وکلاں نوازی سے سبق اور تربیت حاصل کرنے کا۔ **فجزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔**

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل نسیم صبح تیری مہربانی

حضرت الاستاد مولانا عبدالغفار صاحبؒ

حضرت مولانا عبدالغفار صاحبؒ غالباً سنبھل کے رہنے والے تھے، ۱۹۴۹ء و ۱۹۵۰ء میں دارالعلوم مئو میں صدر مدرس ہوکر تشریف لائے۔ اس وقت یہ حقیر اور قاری ولی اللہ صاحب فتحپوری امام مسجد النور بمبئی وہاں ہی تعلیم حاصل کررہے تھے، آپ نے مجھے علم الصیغہ کے اسباق پڑھائے اور قاری ولی اللہ صاحب کو بڑی کتابوں کا درس دیا۔ علوم مستحضر تھے مگر دارالعلوم مئو میں زیادہ دن قیام نہ رہا اور جلد ہی وہاں سے رخصت ہوگئے۔

چنانچہ اسی اثناء میں حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ سے خاص عقیدت وارادت کا تعلق ہوگیا تھا اور برابر خانقاہ فتحپور تال نرجا مئو تشریف لے جاتے تھے۔ حضرت مصلح الامتؒ بھی ان کا اکرام فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ جب کہ آپ مجلس میں شریک تھے، حضرت نے فرمایا کہ آپ کچھ بیان فرمائیں تو مولانا عبدالغفار صاحب نے فرمایا کہ: آپ حضرات یہاں اخلاص کامل لے کر آیا کریں تبھی فائدہ ہوگا، کیونکہ جو اخلاص سے خالی ہوتا ہے وہ ایسا ہے جیسے کنویں سے پانی نکالنے والا چھلنی سے پانی نکالے۔ پانی تو اس میں ضرور آتا ہے لیکن جیسے ہی اس کو اوپر کھینچتا ہے تو پانی کا ایک قطرہ بھی اس میں نہیں رہ جاتا۔ ٹھیک ایسے ہی حضرت نے تو اپنا فیض پورا پہنچایا تو جس کے پاس اخلاص ہوگا اس کو فائدہ ہوگا، لیکن جس کے پاس یہ متاع اخلاص نہ ہوگا تو وہ حضرت کے فیض سے محروم کا محروم ہی رہ جائے گا۔

ف: حضرت مصلح الامتؒ اور جملہ حاضرین نے اس ملفوظ کو بہت پسند فرمایا اور متأثر ہوئے۔ (مرتب)

چونکہ حضرت مصلح الامتؒ سے ان کی حیات میں اصلاحی تعلق تو قائم ہی ہو چکا تھا اس لئے حضرتؒ کی وفات کے بعد اصلاح کی فکر ہوئی کہ کس سے تعلق پیدا کر کے نفس کی اصلاح کی جائے، اس لئے حضرت والا کے حقیقی برادر چچا اسلام اللہ صاحب سے اس سلسلہ میں مشورہ کیا کہ حضرت نے کس کو اپنا خلیفہ بنایا ہے تو انھوں نے جو باتیں کہی ہیں اس کو خود اپنے مکتوب میں درج فرمایا ہے وہ آگے نقل ہے۔

اب ہم حضرت الاستاد کے مکتوب گرامی کا عکس پیش کرتے ہیں۔

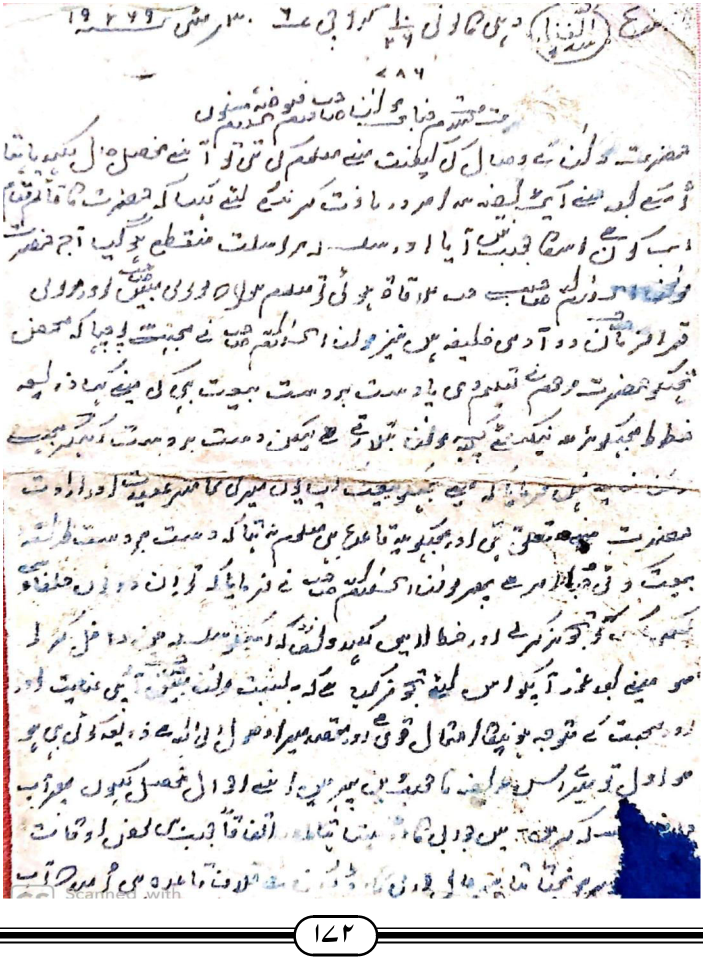

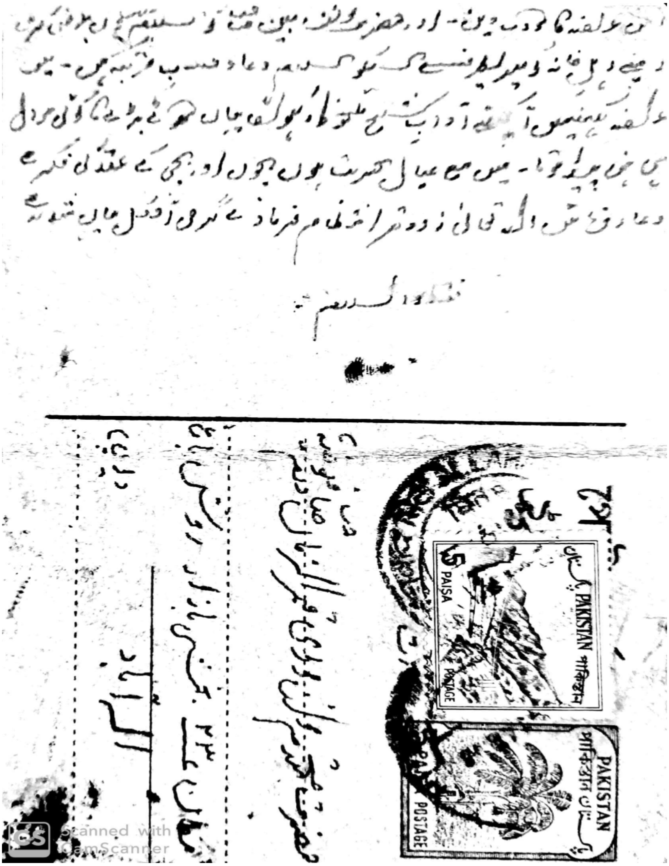

پڑھنے کی مزید سہولت کے لئے کمپیوٹر سے بھی درج کر رہے ہیں۔

بخدمت محترم جناب مولانا دامت فیوضہ سلام مسنون

حضرت مولاناؒ کے وصال کی کیفیت میں نے معلوم کی تھی تو آپ نے مفصل حال لکھ دیا تھا اس کے بعد میں نے عریضہ یہ امر دریافت کرنے کے لئے لکھا کہ حضرت کا قائم مقام اب کون ہے؟ اس کا جواب نہیں آیا اور سلسلۂ

مراسلت منقطع ہوگیا، آج حضرت مولانا اسلام اللہ صاحب (برادر خورد حقیقی مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ) سے جب ملاقات ہوئی تو معلوم ہوا کہ مولانا مبین صاحب اور مولوی قمر الزمان صاحب دو آدمی خلیفہ ہیں، نیز مولانا اسلام اللہ صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ محض تجھ کو حضرتؒ نے تعلیم دی یا دست بردست بیعت بھی کی۔ میں نے کہا بذریعہ خطوط مجھ کو پڑھنے کے لئے کچھ مولانا بتلاتے رہتے تھے، لیکن دست بردست رکھ کر مجھے مولانا نے یہ نہیں فرمایا کہ میں نے تجھ کو بیعت کیا۔

یوں میری تمام تر عقیدت اور ارادت حضرتؒ سے متعلق تھی اور مجھ کو یہ قاعدہ بھی معلوم نہ تھا کہ دست بردست طریقۂ بیعت جدا امر ہے۔ پھر مولانا اسلام اللہ صاحب نے فرمایا تو ان دونوں خلفاء میں سے کسی کو تجویز کرلے اور خط میں لکھ دوں گا کہ اس کو سلسلہ میں داخل کرلو۔

سو میں نے بعد غور آپ کو اس لئے تجویز کیا ہے کہ بنسبت مولانا مبین صاحب آپ کی عنایت اور محبت کے متوجہ ہونے کا احتمال قوی ہے اور مقصد میرا وصول الی اللہ ہے، ذریعہ کوئی بھی ہو۔ سو اول تو میرے اس عریضہ کا جواب دیں پھر میں اپنے احوال مفصل لکھوں، پھر آپ جواب لکھنے کا سلسلہ کریں۔۔۔۔۔

حضرت مولانا مبین صاحب کو سلام مسنون عرض کریں، اپنے اہل خانہ کو میری طرف سے ہر ایک کو سلام و دعا حسب مرتبہ کہیں۔

میں عریضہ لکھنے میں آداب شیخ ملحوظ رکھوں گا، یہاں چھوٹے بڑے کا سوال پیدا نہیں ہوتا، میں مع عیال بخیریت ہوں، بچوں اور بچی کے عقد کی فکر ہے۔ دعا

فرمائیں اللہ تعالیٰ زود تر انتظام فرمادیں۔گرمی آج کل یہاں شدید ہے۔

فقط والسلام

۳۰/مئی ۱۹۶۹ء

۱۳/ربیع الاول ۱۳۸۹ھ

انتباہ: الحمدللہ حضرت مصلح الامتؒ اوران کے خواص کا ذکر تمام ہوا، اب ہم حسب معمول دوسرے بزرگوں کے احوال کو درج کررہے ہیں جس کے ابتداء میں حضرت مصلح الامتؒ کے استاد مکرم علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ کا ذکر ہے۔(مرتب)

حضرت العلامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ[1] المتوفی ۱۳۸۷ھ

(صدر المدرسین دار العلوم دیوبند)

فضل وکمال: دار العلوم دیوبند نے بڑے بڑے علماء ومشائخ پیدا کئے، جنہوں نے اپنی پوری زندگی دین وشریعت کی تعلیم واشاعت میں گذار دی اور ملک وملت کی خدمت انجام دی، ان نمایاں علماء کی صف میں دار العلوم دیوبند کے فرزند جلیل حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ بھی تھے، آپ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ کے تلمیذ رشید اور اپنے استاذ محترم کے خدمت گزاروں میں سے تھے۔

نام ونسب وولادت: آپ کی ولادت ۱۳۰۴ھ میں ہوئی، تاریخی نام (غلام کبریا) رکھا گیا تھا، آپ کے والد بزرگوار مولانا حافظ عبد الرحیم تھے، محلہ قاضی پورہ شہر بلیا کے باشندہ تھے، اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔

تعلیم: آپ کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی اور فارسی تعلیم وابتدائی عربی آپ نے مولانا حکیم جمیل الدین نگینویؒ سے حاصل کی، جو کبھی دار العلوم دیوبند کی مجلس شوری کے رکن تھے اور مشہور طبیب تھے، معقولات کی ابتدائی اور متوسطات کی

---

[1] مولانا مفتی ظفیر الدین صاحبؒ نے حضرت علامہؒ کے متعلق نہایت جامع مضمون لکھ کر بتوسط مولوی محمد صغیر پرتاپگڑھی سلمہٗ ارسال فرمایا، اسی کو کسی قدر حذف واضافہ کے ساتھ درج کررہا ہوں۔ (مرتب)

کتابیں معقولات کے مشہور استاذ مولانا محمد فاروق چریا کوٹیؒ کی خدمت میں رہ کر پڑھیں، جو مولانا شبلی نعمانیؒ کے استاذ تھے، فقہ کی کتابیں حضرت مولانا عبدالغفار صاحب مئوی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں جو براہ راست عالم ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے شاگرد رشید تھے اور اُس دَور کے مشہور اساتذہ میں شمار ہوتے تھے، اور معقولات کی اونچی کتابیں حضرت مولانا ہدایت اللہ صاحب تلمیذ رشید مولانا فضل حق خیرآبادیؒ کے پاس رہ کر ختم کیں، مشکوٰۃ شریف کا ایک حصہ بھی مولانا نے آپ کو پڑھایا۔

داخلہ دارالعلوم دیوبند: فنون سے فراغت کے بعد علم حدیث کے لئے آپ نے دیوبند کا سفر کیا اور ۱۳۲۴ھ یا ۱۳۲۵ھ میں دارالعلوم دیوبند پہنچے، آپ کے داخلہ کا امتحان حضرت شیخ الہندؒ کے پاس گیا، اور آپ نے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوکر امتحان دیا اور کامیاب ہوئے، حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ ایک سال جو کتابیں نہیں ہوسکی ہیں ان کو پڑھ لو، پھر دوسرے سال دورۂ حدیث میں داخلہ لینا، یہ تمہارے لئے مفید ہوگا، چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا۔

علّامہ بلیاویؒ نہایت ذہین اور محنتی تھے، معقولات نے آپ کے ذہن وفکر کو جِلا بخش دی تھی، دیوبند میں دینیات میں کافی محنت کی اور آئندہ سال دورۂ حدیث میں آپ کا داخلہ ہوا۔

بخاری شریف، ترمذی اور شمائل ترمذی کے اسباق حضرت شیخ الہندؒ کے پاس تھے، اور اسی طرح بیضاوی سورہ بقرہ کا سبق بھی، یہ تمام کتابیں آپ نے شیخ الہندؒ سے پڑھیں، طحاوی، ابوداؤد، نسائی اور موطا حضرت مفتی عزیز الرحمن عثمانیؒ کے

یہاں ہوئی، اور مسلم وابن ماجہ شیخ الہندؒ کے بھائی مولانا حکیم احمد حسن کی خدمت میں ہوئی، دورۂ حدیث کے امتحان میں نمایاں نمبرات سے کامیاب ہوئے۔

خدمتِ استاذ کا بڑا شوق تھا چنانچہ روزانہ حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر سر میں تیل مالش کیا کرتے تھے، اور گھر سے درسگاہ تک شیخ الہندؒ کے ساتھ آیا کرتے تھے، حضرت الاستاذ آپ پر خصوصی نظر رکھتے تھے۔

تدریسی خدمات: دورۂ حدیث کے سال اخیر ماہ شعبان میں اپنے استاذ محترم حضرت شیخ الہندؒ کے ہاتھ پر بیعت بھی ہوگئے، اور تصوف میں محنت شروع کردی، شوال ۱۳۲۷ھ میں استاذ مکرم نے آپ کو مدرسہ فتحپوری دہلی کا مدرس دوم بنا کر دہلی روانہ کیا۔ پہلے ہی سال آپ نے دہلی میں رہ کر ہدایہ اخیرین، میر زاہد، ملا جلال اور حماسہ جیسی کتابیں پڑھائیں۔

جلسۂ دستار بندی ۱۳۲۸ھ میں دیوبند تشریف لائے تو اساتذہ کے حکم سے دارالعلوم دیوبند میں پڑھانے لگے، آپ کامیاب مدرس تھے، اور پڑھانے میں باکمال شمار ہوتے تھے۔

ایک زمانہ میں دارالعلوم مئو سے ایک استاذ کی طلبی آئی، تو اساتذہ نے آپ کو وہاں بھیجنا تجویز کیا، بحیثیت صدر مدرس آپ وہاں تشریف لے گئے، کچھ دنوں کے بعد آپ نے مدرسہ امدادیہ دربھنگہ (بہار) میں بھی تدریسی خدمت انجام دی، پھر دیوبند آگئے اور دارالعلوم میں پڑھانے لگے، زندگی کا بڑا حصہ دیوبند میں گذرا، درمیان میں مدرسہ ہاٹ ہزاری بھی کچھ دنوں کے لئے جانا ہوا، اور وہاں بھی حدیث کا درس دیا۔

اخیر میں شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کی وفات کے بعد ۱۳۷۷ھ میں دارالعلوم دیو بند میں عہدۂ صدارت پر فائز ہوئے اور تادم حیات اس عہدۂ جلیلہ پر فائز رہے۔

تلامذہ: تقریباً سارے مدرسین آپ کے شاگرد تھے، اس لئے سبھی آپ سے استفادہ کرتے تھے، سبھی حضرات سے آپ کے تعلقات استوار تھے، اس وقت کے مہتمم حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ بھی آپ کے شاگردوں میں سے تھے اور آپ کا بڑا اکرام فرماتے تھے، اسی طرح اراکین مجلس شوری میں مفتی عتیق الرحمن عثمانیؒ، مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ، امیر شریعت مولانا منّت اللہ رحمانیؒ، حضرت مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ وغیرہم حضرات کو آپ سے تلمذ کا شرف حاصل تھا، اور یہ سارے حضرات آپ کی بڑی قدرومنزلت کے قائل تھے۔

علامہ کی للّٰہیت وفنائیت: حضرت العلامہ کے کمال فنائیت کی یہ بات ہے کہ اپنے استاذ شفیق حضرت شیخ الہند سے بیعت ہونے کے باوجود اپنے شاگرد رشید حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ سے اصلاحی تعلق قائم فرمایا اور اس پیرانہ سالی میں جب سفر کرنا موقوف فرما دیا تھا دیوبند سے الہ آباد جیسے دور دراز شہر کا سفر فرمایا اور حضرت مصلح الامتؒ کی خدمت میں تشریف لائے۔

خلافت: حضرت مصلح الامتؒ نے بھی آپ کی للّٰہیت اور صدق ارادت کو ملاحظہ فرما کر خلافت اور چاروں سلسلہ میں بیعت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی بلکہ بصدادب اس کی درخواست فرمائی کہ بیعت کا سلسلہ شروع فرمائیں،

ان شاء اللہ تعالی اس سے لوگوں کو نفع ہوگا، چنانچہ الہ آباد سے واپسی کے بعد بیعت وتلقین کا سلسلہ شروع فرمادیا تھا، مگر بہت کم اور خاموشی کے ساتھ۔

علامہ کا مکتوب گرامی: الہ آباد سے واپسی کے بعد حضرت مصلح الامتؒ کو جو خط لکھا اس کا بعض حصہ نقل کرتا ہوں جس سے آپ کی عقیدت وعظمت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ وھوھذا۔

مخدومنا المحترم دامت برکاتہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

مزاج مبارک، مکرمت نامہ کئی ہفتہ ہوئے ملا تھا، طبیعت کی نادرستگی کی وجہ سے تفصیلی جواب نہ دے سکا البتہ مختصر رسید حاضر خدمت کر چکا ہوں جو غالبًا جناب کو مل گئی ہوگی۔

مخدوما! خانقاہ تھانہ بھون ورائے پور اور گنگوہ کی ویرانی کے بعد طبیعت بہت افسردہ رہتی تھی، البتہ آپ کے احوال وکوائف سن کر یہ مایوسی مبدل بہ توقّعات ومسرّت ہوجاتی تھی اور سمجھ میں آتا تھا کہ وقت کی عام مایوسیاں مُستثنیات سے خالی نہیں، ہاں! خدا کا شکر ہے کہ اس نے آپ سے ملاقات کے وسائل بہم پہونچائے اور میری دیرینہ آرزو پوری ہوئی، آپ سے ملاقات کے بعد مسرّت کی بے پایانی میں برابر اضافہ ہوتا گیا، ملاقات کی مدت اگرچہ مختصر تھی مگر اس ملاقات سے جو تاثرات مرتب ہوئے بہت دیرپا اور بے پایاں ثابت ہوئے، اب بھی اس ملاقات کی مسرّتیں اور سرشاریاں میرے دل میں بحالہ باقی ہیں، آں محترم کو میں نے کمال صلاح واصلاح سے متّصف پایا اور آپ کے طریق اصلاح کو اس آیت کا پورا نمونہ پایا وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ

اللّٰہِ فَیَسُبُّوا اللّٰہَ عَدْوًا ۢ بِغَیْرِ عِلْمٍ ۔(الانعام:۱۰۸)

تم ان کے معبودوں کو برا مت کہو مبادا وہ جہالت کی وجہ سے اللہ تعالی کو برا کہنے لگیں۔

اس نفاق اور سلب کمال کے زمانہ میں غیروں کو اپنانا اور اپنوں کو گلے لگانا وہ جنس گراں ہے جس کا کم از کم اس زمانہ میں ملنا دُشوار ہے۔ آپ کا انداز اصلاح مُدعیان تصوف کو بلا کسی جنگ وجدل وحیلہ وتدبیر کے شکست فاش دے چکا ہے اور یہ شعر آپ کی اصلاحی مساعی پر پوری طرح صادق آتا ہے۔ ؎

گر ایں مُدعی دوست بشناختے به پیکار دُشمن نہ پرداختے

یعنی اگر یہ مُدعیٔ محبت محبوب کو (صحیح معنوں میں) پہچانتا تو ہرگز دشمن سے جنگ وجدال میں مشغول نہ ہوتا۔

کیوں نہ ہو آپ نسبت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مظہر کامل ہیں، اس نسبت کے حاملین کی جو جو خصوصیات ہوتی ہیں وہ آپ میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔

محمد ابراہیم بلیاوی ۲۲ رذی الحجہ ۱۳۸۳ھ دیوبند

(تذکرہ مصلح الامت ج:۲رص:۴۷۳)

ف: سبحان اللہ! کیسی عقیدت ومعرفت کے کلمات ہیں جو ایک استاذ اپنے شاگرد کے متعلق لکھ رہا ہے، یقینا حضرتِ علامہؒ نے اس زمانۂ فساد اور دَورِ نفاق میں اخلاص وللّٰہیت کی ایک مثال قائم فرمادی جو ہم منتسبین کے لئے اسوۂ حسنہ ہے۔ وباللہ التوفیق۔(مرتب)

ارشادات

(۱) فرماتے تھے کہ اس زمانہ میں عام طلبہ نے اپنے اساتذہ سے کنکشن کاٹ رکھا ہے اس لئے علم وعمل میں نمایاں کمی ہوتی جارہی ہے، طلبہ میں صلاحیت اب بھی پائی جاتی ہے، بجلی کے بلب کی مثال دیا کرتے تھے، اور فرماتے: مولوی صاحب! بلب مختلف ہوتے ہیں، کوئی سو والٹ کا ہوتا ہے، کوئی دوسو کا اور کوئی چالیس اور ساٹھ کا، مگر یہ اس وقت تک روشنی نہیں دے سکتا ہے جب تک اس کا کنکشن پاور ہاؤس سے جُڑ نہ جائے، پاور ہاؤس اساتذہ ہوتے ہیں، جو طلبہ کنکشن نہیں جوڑتے وہ محروم رہتے ہیں۔

ف: ماشاء اللہ تعالیٰ، حضرت العلامہؒ نے شاگرد واستاذ کے تعلق کی اہمیت ونافعیت کو حسی مثال سے خوب ہی خوب واضح فرمادیا ہے، اب بھی طلبہ اس کی اہمیت کو نہ سمجھیں اور اپنی محرومی ہی پر راضی رہیں تو تعجب کی بات ہے، یہی حال پیرو مرید کا بھی ہے جتنا شیخ سے ربطِ قلب ہوگا اسی قدر فیض ہوگا۔ (مرتب)

(۲) اسی طرح نصابی کتابوں کے سلسلہ میں فرماتے کہ آج کے علماء سہولت پسند ہوچکے ہیں، ان میں عجلت بھی ہے اور سہولت پسندی بھی، اس لئے اب ان کے لئے کتابیں سہل رکھی جائیں اور مختصر بھی، تاکہ جلد مولوی ہوجائیں، مگر پڑھیں سارے فنون، ایسا مناسب نہیں ہے کہ فنون کی دلچسپی ہی ختم کردیں۔

فرماتے: یونانی دواؤں میں پہلے یہ ہوا کرتا تھا لاکر بھگوؤ، پکاؤ چھانو، شکر ملاؤ، پھر پیو، اب عجلت اور سہولت پسند طبیعتیں اسے ناگوار سمجھنے لگی ہیں تو ہمدرد

اور ہمدم دواخانوں نے بنی بنائی دوائیں ایجاد کردی ہیں، مگر ان میں بھی ان ہی دوائیوں کا جزء ہوتا ہے جو یونانی جڑی بوٹیوں سے تیار ہوتی ہیں۔

ف: علامہ کا یہ ارشاد آپ کی انتہائی فراست وبصیرت اور نفسیات سے واقفیت پر دال ہے، لہذا علماء کو چاہئے کہ استاذ العلماء کے اس ارشاد میں غور وفکر کریں تاکہ تعلیم وتعلم کا موجودہ سلسلہ مزید افادیت کے ساتھ جاری رہے۔

الحمدللہ آپ کی زیارت کا شرف حضرت مصلح الامتؒ کی خدمت میں جب آپ الہ آباد تشریف لائے تو نصیب ہوا، فللہ الحمد و المنّة۔ (مرتب)

وفات: حضرت مصلح الامتؒ کی وفات کے ایک ماہ چند یوم کے بعد یعنی ۲۴ ؍ رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ میں حضرت علامہ بھی دنیا سے رحلت فرما گئے۔ **اناللہ و انا الیہ راجعون۔**

اور مزار قاسمی دیوبند میں جگہ پائی اور ان کی دلی تمنا پوری ہوئی۔ **نور اللہ مرقدہ۔**

حضرت مولانا محمد صدیق صاحب الہ آبادیؒ المتوفی ۱۳۷۶ھ

از: مولانا عبیدالرحمٰن صاحبؒ بن مولانا محمد صدیق صاحب الہ آبادی

نام ونسب وولادت: والد بزرگوار کا تاریخی نام مختار احمد ہے، لیکن آپ محمد صدیق سے معروف ہوئے۔ آپ کی ولادت ۱۲۹۴ھ میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت: ابتدائی مروجہ تعلیم سیدسراواں میں ہوئی۔ بعدازاں جامع العلوم کانپور میں تکمیل درس نظامی کے بعد، حاضر آستانِ فیض رساں، شہرۂ آفاق، قطب العالم حضرت مولانا فضل رحمٰن صاحب گنج مرادآبادی قدس سرہ ہوئے، اوران کے جانشین شاگرد ومحبوب حضرت مولانا عبدالکریم قدس سرہ العزیز کے توسل سے سلسلہ نقشبندیہ قادریہ میں منسلک ہوئے۔ پھر وہیں دورۂ حدیث اورصحاح ستہ سے مکرر مشرف ہوئے۔ اور چند کتب تصوف پر بھی عبور حاصل کیا۔ حقائق ومعارف طریقت سے آشنا اور آگاہ ہوئے۔ اکثر مہینوں شیخ کامل کی صحبت کیمیا صفت میں رہ کر فیض یاب ہوتے رہے۔ کسب معاش کا کوئی ذریعہ اختیار نہیں کیا تھا۔ میراثی جائداد (زمین داری) کی آمدنی پر قانع رہے۔

اقتباس: آپ کے منظوم کلام بنام ''پندنامہ'' سے حمد باری تعالیٰ کے چند اشعار نقل کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں۔ (مرتب)

حمد باری تعالیٰ

بھلا کیا تاب اور طاقت ہماری ۔۔۔ کہ ہم کچھ لکھ سکیں اوصاف باری

ولیکن ترک کرنا بھی برا ہے — کہ واجب بندہ پر حمد خدا ہے
ثنا اس کی ہے آسائش دلوں کی — ہے زیبائش اسی سے محفلوں کی
یہی محبوب ہے ربانیوں کو — یہی مرغوب ہے روحانیوں کو
یہی دن رات وردِ اولیاء ہے — یہی جملہ فرشتوں کی غذا ہے
یہی حمد الٰہی سب کا جی ہے — اسی کی دوجہاں میں روشنی ہے
اگر بے حمد کوئی داستاں ہو — وہ ایسا جسم ہے جس میں نہ جاں ہو
نہایت پاک ہے وہ ذات عالی — صفات اس کی ہر ایک سے نرالی
مبرّا از زن وفرزند وخواہر — بلند ادراک ہے دانش سے باہر
وہ ہر جا ہے مگر آنکھوں سے محجوب — ہوا کرتا ہے ہر محجوب محبوب
وہ ہے نظروں سے دورا ور دل سے نزدیک — وہ تارِ جاں سے بھی زائد ہے باریک
جہاں محفل وہ شمع انجمن ہے — جمال اس کا بہار ہر چمن ہے
اسی کی لاگ ہے پیوند ہر جاں — اسی کی آگ ہے ہر دل میں پنہاں
اسی کا شور عالم میں مچا ہے — اسی کا رنگ ہر رگ میں رچا ہے

(پندنامہ اردو)

وفات: وقت آ گیا تو حضرت عزرائیلؑ کی صدائے "یَآاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ۔ارْجِعِیۤ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً" پر لبیک کہا اور ۲۷ سنہ ۱۳۱۱ھ میں واصل بحق ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ پیپل گاؤں الہ آباد کے قبرستان میں مدفون ہیں۔ نور اللہ مرقدہ۔

حضرت مولانا مفتی سعید احمد[۱] اجراڑویؒ المتوفی ۱۳۷۷ھ

(مفتی مظاہر علوم سہارنپور)

نام ونسب وولادت: حضرت مولانا مفتی سعید احمد اجراڑویؒ دس ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ کو ضلع میرٹھ کے قصبہ اجراڑہ میں پیدا ہوئے۔ حضرت مولانا محمد مظہر الحق چاند پوریؒ (خلیفہ حضرت اقدس مولانا گنگوہیؒ) نے آپ کا نام محمد سعید تجویز فرمایا تھا، لیکن بڑے ہو کر کسی مصلحت کی وجہ سے ذرا ترمیم فرماتے ہوئے آپ نے اپنا نام ''سعید احمد'' کرلیا، اور اسی نام سے شہرت پائی۔

ابتدائی تعلیم: آپ نے ابتدائی تعلیم کے بعد حفظ مکمل فرمایا اسکے بعد فارسی وعربی کی ابتدائی کتابیں بھی مدرسہ اسلامیہ اجراڑہ میں پڑھیں۔

مظاہر علوم میں داخلہ: ۱۳۳۶ھ میں مظاہر علوم سہارنپور میں بغرض تعلیم داخل ہوئے اور بڑی مستعدی کے ساتھ تعلیم میں منہمک ہو گئے چنانچہ حضرت مولانا اطہر حسین صاحبؒ لکھتے ہیں ''آپ نے عام طلبہ کی طرح زمانۂ طالب علمی نہیں گزارا بلکہ نہایت محنت اور شوق ورغبت کے ساتھ تعلیم حاصل کی، اپنی جماعت میں آپ اکثر اچھے نمبروں سے کامیابی حاصل کرتے رہے، اساتذہ کا ادب واحترام ہمیشہ پیش نظر رہتا، کبھی کسی استاذ کو آپ سے کوئی شکایت نہیں ہوئی۔

---

[۱] عزیزم مولانا ناصر الدین مظاہری سلمہ نے آپ کے حالات وکمالات کو تفصیل کے ساتھ تحریر کیا ہے اسی سے اخذ کر کے یہ مضمون شامل کتاب کیا جاتا ہے۔ (مرتب)

تجوید وقرأت مدرسہ کے مجوداعلیٰ جناب قاری عبد العزیز صاحب کاکوریؒ (جنہوں نے مدینہ طیبہ میں فن تجوید وقرأت حاصل کیا تھا) سے پڑھی، مظاہر العلوم کے اساتذہ سے علوم وفنون کی تکمیل کی۔ حدیث شریف کے لئے حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوریؒ اور حضرت مولانا ثابت علی نور اللہ مرقدہما کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔

مظاہر علوم میں تدریس کیلئے تقرر: ۱۳۴۳ھ درجہ تجوید میں مدرس درجۂ دوم مقرر کردئے گئے۔ ماشاء اللہ! تجوید سے آپ کو خاص مناسبت تھی، اِسی لئے ایک مرتبہ قاریٔ حرم جناب حسن شاعر صاحب سیوطیؒ نے آپ کی قرأت سننے کے بعد تصویب وتحسین فرمائی، تلفظ کی صحیح ادائیگی اور اُن کے مخرج سے نکالنے میں آپ کو مہارت تامہ حاصل تھی۔

فتویٰ نویسی میں آپکا مقام عالی: حق تعالیٰ نے آپ کو فتاویٰ نویسی میں بھی خصوصی مقام عطا فرمایا تھا، ہم عصر علماء کے ساتھ اکابر علماء بھی آپ کے تفقہ کے معترف تھے۔ فقہ آپ کی فطرتِ سلیمہ میں ایسا رچ بس گیا تھا کہ گویا آپ کی طبیعت ثانیہ بن گئی تھی اِس کمال کے باعث آپ ۱۳۵۱ھ میں ہی مظاہر علوم کے صدر مفتی کے عہدہ پر فائز کردئے گئے، اس کے علاوہ ۱۳۶۸ھ سے اخیر عمر تک مظاہر علوم کے صدر مدرس رہے، اور حسن انتظام وخوش اسلوبی سے اِس فریضہ کو انجام دیا۔

بعض عظیم المرتبت شخصیات کے اعترافات: اپنے دور کے اصحابِ بصیرت علماء کرام آپ کی صلاحیت محققانہ انداز، جزئیات پر خاص ملکہ،

تبحر فی العلم اور آپ کے فتاویٰ نویسی میں غایت احتیاط کے معترف تھے۔

جیسا کہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ نے اپنے فتاویٰ ترتیب دیکر آپ کی خدمت میں بغرض اصلاح وترمیم ارسال فرمائے۔ چنانچہ آپ نے ملاحظہ فرمایا اور مستقل امداد المفتین کے مقدمہ میں اس کا تذکرہ بھی فرمایا ہے قاضی شہر مختلف آراء سامنے آجانے کے بعد آپ کے ہی فیصلہ پر اعتماد فرماتے تھے، گویا آپ کا فیصلہ قطعی اور حتمی ہوتا تھا اِسی لئے پورے شہر سہارنپور اور اطراف میں آپ کا ہی فیصلہ نافذ ہوتا تھا۔

حضرت مولانا اسعد اللہؒ اپنے اہم امور میں حضرت مفتی صاحبؒ سے ہی مشورہ کرتے تھے، گویا آپ حضرت ناظم صاحبؒ کے مشیر خاص تھے۔

بیعت وارشاد: حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوریؒ سے زمانۂ طالب علمی سے ہی عقیدت ومحبت پیدا ہوگئی تھی، اسی لئے قبل البلوغ ہی حضرتؒ سے بیعت واصلاح کا تعلق قائم کرلیا تھا، آپ کے قلبِ مبارک میں حضرتِ محدثؒ کی بے پناہ اُلفت ومحبت رَچ بَس گئی تھی، بالغ ہونے کے بعد اپنی بیعت کی تجدید فرمائی، آپ حضرت کی اطاعت اور تعمیل ارشاد کو باعث سعادت سمجھتے تھے، آپ کے حکم کے منتظر اور حریص رہتے تھے۔ آپ کے قلب میں حضرت کے فرمان کی اِس قدر اہمیت تھی کہ ایک مرتبہ کا فرمادینا ہی کافی ہوتا تھا چنانچہ ایک مرتبہ حضرت قدس سرہٗ نے آپ کو مدرسہ قدیم کی مسجد کی امامت کے لئے فرمایا، آپ نے زندگی کے آخری لمحات تک تقریباً تیس سال اس کو اہم فریضہ سمجھا مزید خوبی یہ کہ پوری عمر اس پر کچھ معاوضہ نہیں لیا، کیسی ہی تاریکی،

طوفان اور بارش ہوتی لیکن آپ کے لئے مانع نہ بنتی، اِس قدر اہتمام فرماتے کہ بعض مرتبہ بہت سویرے مسجد تشریف لاتے اور مؤذن کو آپ ہی بیدار فرماتے۔

آپ کے درس کی خصوصیات: آپ کے درس کی بعض خصوصیات جُداگانہ اور ممتاز ہیں، آپ مزاح کے عادی نہ ہونے کے باوجود درس میں فرحت وانبساط سے رہتے، کبھی مزاح بھی فرماتے، تاکہ طالب علم مرعوب نہ ہو اور ہر شخص سوال کر سکے، اسی لئے ہر طالب کے سوال کا جواب ضرور دیتے خواہ وہ کیسا بھی بے حقیقت اور غیر موزوں ہو مگر اس کی دِلداری کی خاطر جواب دیتے۔ مطالعہ کے عادی تھے بلا مطالعہ نہ پڑھاتے تھے۔ (غم کے آنسو)

تالیفات وتصنیفات: درس وتدریس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تصنیف وتالیف کے خاص ذوق اور سلیقہ سے بھی نوازا تھا اپنے ذمہ قرآن کریم کا حق سمجھتے ہوئے اولاً آپ نے تجوید وقرأت پر قلم اٹھایا، چنانچہ فیض العزیز، القلائد الجوہریہ، شرح جزری، شرح خلاصۃ البیان (عربی) شرح شاطبیہ (عربی) اور فوائد مکیہ پر حاشیہ ارقام فرمایا۔

علم فقہ میں بھی آپ نے نمایاں خدمات انجام دیں، چنانچہ مناسک حج کے سلسلہ میں معلم الحجاج، آپ کی وہ مایۂ ناز کتاب ہے کہ جس کی تصنیف کے زمانہ میں بعض صالحین نے خواب میں دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدرسہ کے کتب خانہ میں تشریف فرما ہیں اور حضرت مفتی صاحبؒ کتابوں کا گرد وغبار صاف کر رہے ہیں، بعض معبرین نے اس خواب کو سنکر فرمایا کہ حضرت مفتی صاحبؒ کا تصنیفی کارنامہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی اس کام

کے مقبول و مبرور ہونے کی علامت ہے۔

مرض وفات: مرض الوفات میں کسی نے عرض کیا، حضرت! آپ کے بعد بچوں کا کیا ہوگا؟ فرمایا: میرے بچے اگر نیک رہے تو اللہ ان کی کفالت خود فرمائے گا وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ (اور وہ حمایت کرتا ہے نیک بندوں کی) جب اللہ کا وعدہ ہے تو مجھے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں اور اگر یہ نیک نہ رہے تو اللہ کو ان کی پرواہ نہیں، جب اللہ کو پرواہ نہیں تو میں کیوں ان کی پرواہ کروں۔

یہ سنانے کے بعد حضرت آبدیدہ ہوگئے اور کچھ دیر سکوت رہا، پھر دوسری بات شروع ہوگئی اور پہلی حالت عود کر آئی۔

علالت، وفات اور آخری وصیت: آپ ایک سال تک متواتر امراض میں مبتلا رہے، مختلف علاج اور دوائیں کی گئیں لیکن کچھ افاقہ نہ ہوا، بالآخر پیمانۂ عمر لبریز ہوا اور وہ آفتاب علم و ہدایت جو برسہا برس سے اپنے علمی و عرفانی انوار کی بارش کرتا رہا وہ پرہیزگار و متقی بزرگ جو اپنے اندر جذبۂ شاہین اور استقامت جبل لئے ہوئے تھا وہ خلوص وللّٰہیت کا پیکر جو فطرتاً شریف اور فہیم و حکیم تھا بالآخر ۲ر صفر المظفر ۱۳۷۷ھ مطابق ۲۹ر اگست ۱۹۵۷ء کو اپنے محبوب حقیقی سے جاملا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

سہارنپور میں حاجی شاہ کمال نامی قبرستان میں حضرت مولانا عبداللطیف صاحب قدس سرہٗ کے بائیں جانب تدفین ہوئی جہاں مولانا عنایت الٰہی، مولانا ثابت علیؒ، مولانا یحییٰؒ، حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ، مولانا اسعد اللہؒ وغیرہ اکابر علماء مظاہر علوم دفن ہیں۔ نور اللہ مراقدہم۔

حضرت مولانا مفتی شمس الدین بڑودوی ؒ المتوفی ۱۳۸۷ھ

اسم گرامی: آپ کا اسم گرامی شمس الدین ہے، والد کا نام بدرالدین اور دادا کا نام بہاء الدین ہے۔

ولادت: حضرت مولانا کی ولادت ۱۹۰۲ء میں شہر بڑودہ میں ہوئی۔

خاندان: آپ خاندان سادات سے تعلق رکھتے ہیں، آپ کا خاندان گیارہویں صدی ہجری میں بڑودہ گجرات آیا اور چھٹی پشت میں آپ کے جدامجد سید بہاء الدین سب سے پہلے بڑودہ آکر آباد ہوئے اس سے پہلے آپ کا خاندان احمد آباد میں تھا۔

ابتدائی حالات: آپ کے دادا سید بہاء الدین ؒ بڑے صاحب نسبت بزرگ گذرے ہیں جس کی وجہ سے گھر کے ماحول میں تدین وتقویٰ غالب تھا ایسے ماحول کا اثر آپ کی طبیعت میں بھی فطری طور پر تھا۔

ابتدائی تعلیم: آپ کی ابتدائی تعلیم بڑودہ شہر میں ہوئی، گجراتی تعلیم کے بعد آپ نے انگریزی تعلیم شروع کردی، مزاج میں بچپن ہی سے شرافت اور تدین غالب ہونے کی وجہ سے طبیعت کا میلان دینی تعلیم کی طرف تھا، اور انگریزی تعلیم کے ساتھ ہی مولانا نے از خود اپنے طور پر قرآن کریم حفظ کرنا شروع کردیا، اور تقریباً انیس پارے حفظ کر چکے تھے مگر جب حق تعالیٰ شانہ کسی بندے کو نوازنا چاہتے ہیں اور اس سے اپنے دین حنیف کی خدمت لینا چاہتے ہیں تو

غیب سے اسباب پیدا فرما دیتے ہیں۔

چنانچہ مولانا بچپن میں انگریزی تعلیم حاصل کرنے کے زمانہ میں کسی جگہ کا سفر کررہے تھے، دوران سفر ٹرین میں کسی نے مولانا سے ان کا نام دریافت کیا نیز والد اور دادا کا نام بھی دریافت کیا، مولانا نے اپنے والد اور دادا کا نام بتلایا، پھر اس شخص نے دریافت کیا کہ تم کیا پڑھتے ہو؟ مولانا نے جواب دیا کہ انگریزی تعلیم حاصل کررہا ہوں، یہ سن کر اس شخص نے مولانا سے ناگواری کے انداز میں کہا، اچھا ایسے بزرگوں کی اولاد ہوکر انگریزی تعلیم حاصل کرتے ہو؟ افسوس کی بات ہے، اس شخص کے اس جملہ سے مولانا کے قلب پر سخت چوٹ لگی، اور یہی جملہ ان کی زندگی میں انقلاب کا ذریعہ ثابت ہوا۔

چنانچہ انھوں نے اسی وقت انگریزی تعلیم چھوڑ کر کسی دینی مدرسہ میں داخل ہوکر دینی تعلیم حاصل کرنے اور مکمل کرنے کا قطعی فیصلہ کرلیا۔

گھر واپس آکر اپنے والد سے اظہار خیال کیا، والد صاحب نے درمیان سال میں تعلیم کو چھوڑنے کو ناپسند کرتے ہوئے فرمایا کہ اچھا سال پورا کرلو، پھر مدرسہ چلے جانا، مگر مولانا قطعی فیصلہ کرچکے تھے اس لئے عذرخواہی کی ۔ والد صاحب نے کچھ سختی بھی کی مگر مولانا نے فرمایا ’’اب یہ قدم کسی بھی اسکول کی طرف نہ چلیں گے، میں اب تو عربی پڑھنے ہی جاؤں گا۔

مولاناؒ کی طبیعت کا انداز اور تحصیل علم دین کا جذبہ اور داعیہ دیکھ کر بخوشی اجازت دیتے ہوئے والد ماجد نے دریافت کیا کہ کہاں جاؤ گے؟ مولانا کے کان میں کسی طرح مدرسہ اشرفیہ، راندیر سورت کا نام پڑچکا تھا، اس لئے انھوں

نے جواب دیا کہ میں مدرسہ اشرفیہ راندیر سورت پڑھنے کے لئے جاؤں گا۔ چنانچہ آپ تشریف لے گئے اور مدرسہ حسینیہ راندیر میں داخلہ لیا۔

اس وقت جامعہ حسینیہ میں درجۂ حفظ میں حضرت تنہا ایک طالب علم تھے، حفظ کی تکمیل کے بعد حضرت مولانا نے جامعہ حسینیہ ہی میں دیگر کتب درسیہ کی تعلیم جاری رکھی اور دوران طالب علمی اپنی ذہانت ، ذکاوت، محنت وجفاکشی، خوش اخلاقی، سلامتی طبع وغیرہ خوبیوں کی وجہ سے تمام اساتذہ کرام خصوصاً بانئ جامعہ حضرت مولانا محمد حسین راندیریؒ کی خصوصی عنایات وتوجہات کا مرکز بن گئے۔

فراغت: حفظ کی تکمیل کے بعد حضرت مولاناؒ نے بڑی محنت وجانفشانی کے ساتھ از اول تا آخر درس نظامی کی تکمیل کر کے ۱۳۶۱ھ میں جامعہ حسینیہ سے سند فراغت ودستار فضیلت حاصل کی۔

تدریس: حضرت مولاناؒ نے جامعہ حسینیہ راندیر سورت میں دو مرتبہ تدریسی خدمات انجام دی ہیں۔ مزید جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں ۱۳۶۵ھ سے ۱۳۶۷ھ تک حضرت مولانا اسماعیل صاحبؒ بسم اللہ صاحب کے زمانۂ اہتمام میں تدریسی خدمات انجام دیں۔

حضرت مولانا افریقہ بھی تشریف لے گئے، چنانچہ وہاں کے دوران قیام میں ترویج واشاعت سنت، رد بدعات، علمائے دیوبند کا تعارف اور ان کے مسلک حق کی صحیح ترجمانی اور دیگر فرق باطلہ کے رد کے سلسلہ میں بڑی مستعدی اور مجاہدہ کے ساتھ قابل قدر خدمات انجام دیں۔ یقینا عالم کی ایسی ہی شان ہونی چاہئے۔ کثر اللہ امثالھم۔

طلبہ پر شفقت: طلبہ کے متعلق آپکو ہمیشہ یہ جذبہ رہا کہ طلبہ کے اندر بھی علمی قابلیت پیدا ہو۔اس مقصد کے پیش نظر آپ طلبہ پر بڑی محنت فرماتے تھے اور ان پر کڑی نظر رکھتے تھے اور امتحان میں ہرگز مروت اور رعایت کا معاملہ نہ فرماتے تھے۔نیز بلاتفریق وامتیاز ہر طبقہ وگروہ کے نادار، غریب ویتیم بچوں کی تعلیم وتربیت سے ان کو بڑی دلچسپی تھی، اس لئے چاہتے تھے کہ ہر مکتبہ فکر اور ہر برادری کے بچے زیادہ سے زیادہ علم دین حاصل کریں اور علوم دینیہ کی تکمیل کر کے عالم دین بنیں۔

تصنیف وتالیف: ''گجراتی ترجمہ قرآن پاک'' گجراتی زبان میں آپ کا سب سے اہم تصنیفی کارنامہ قرآن مجید کا گجراتی ترجمہ ہے۔حضرت شیخ الہندؒ کا اردو ترجمہ قرآن جو ان کے اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کے فوائد وحواشی سے مزین ہے۔حضرت مولانا شمس الدین صاحبؒ نے اس کا گجراتی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔

وفات: ایک خالص دینی سفر میں وطن سے دور فی سبیل اللہ ۸/۷/ ۱۳۱۳ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ چنانچہ وفات کے بعد آپ کی نعش مغرب کے بعد آپ کے آبائی وطن شہر بڑودہ لائی گئی۔

نماز جنازہ: بڑودہ شہر میں اجوہ روڈ پر حضرت مولانا کا آبائی موروثی خاندانی قبرستان ہے۔اسی قبرستان کے وسیع احاطے میں نماز جنازہ حضرت مولانا الحاج احمد اللہ راندیریؒ سابق شیخ الحدیث جامعہ حسینیہ راندیر سورت نے پڑھائی اور پھر اسی قبرستان میں آپ کو سپرد خاک کر دیا گیا۔رحمہ اللہ ونور اللہ مرقدہ۔

فخر گجرات حضرت مولانا علی محمد سورتی المتوفی ۱۳۸۷ھ

نام ونسب مع ولادت: نام علی، والد کا نام محمد ہے آپ کی ولادت سورت ضلع کے ایک گاؤں تراج میں ۱۳۱۲ھ مطابق ۱۸۹۳ء میں ہوئی۔ عصری تعلیم کے بعد دینی وعلمی سفر کا آغاز ۱۴؍سال کی عمر میں مدرسہ تعلیم الدین سملک میں بانیٔ مدرسہ حضرت مولانا احمد حسن بھام سملکی رحمۃ اللہ علیہ کے متبرک تلمذ سے کیا۔ یہاں آپ نے ابتدائی فارسی پڑھی اور حفظ شروع کیا کچھ عصری کتابیں بھی پڑھیں۔ پھر کٹھور مدرسہ انجمن اسلام میں فارسی وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔

قرأت کیلئے الہ آباد کا سفر: الہ آباد حضرت قاری عبدالرحمٰن مکیؒ صاحب کی خدمت میں پہنچ گئے یہ زمانہ ۱۳۲۹ھ کا شوال یا ذی قعدہ کا مہینہ ہے۔ جودتِ طبع اور وفورِ شوق کے ساتھ محنت پھر اس پر حضرت قاری صاحب جیسے امام فن کی عنایت ہو بقول مولانا ''حضرت قاری صاحب میری طرف توجہِ خاص دیتے ہی تھے مولانا میر احمد علی حیدر آبادی فاضل دیوبند جو وہاں مقیم تھے وہ بھی نہایت عنایت فرماتے تھے'' تو ایسی صورت میں یہ مرحلہ مولانا نے کس سبک رفتاری سے طے کیا ہوگا اس کا اندازہ قارئین خود لگا سکتے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کا سفر: تحصیل قرأت کے بعد علمی تشنگی بجھانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے دارالعلوم دیوبند پہنچا دیا جسکی صورت یہ ہوئی کہ مولانا میر احمد علی صاحبؒ جب وطن واپس جانے لگے تو حضرت قاری صاحب سے اجازت لے

کر مولانا کو اپنے ہمراہ دیوبند لے گئے اور وہاں داخل کرادیا۔ یہ داخلہ ۱۳۳۰ھ میں غالباً ماہ ربیع الاول میں ہوا ہوگا۔

دارالعلوم میں تدریس اور فخرِ گجرات کا لقب: زمانۂ طالب علمی کی چھ یا سات سالہ طویل مدت میں اساتذہ علم کی کسوٹی پر جانچتے چلے آرہے تھے اور مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ عثمانی کی نظرِ انتخاب آپ پر پڑ چکی تھی چنانچہ شوال ۱۳۳۷ھ میں ۲۰/روپیہ ماہوار تنخواہ پر بحیثیت معین مدرس تقرر ہوا۔

دارالعلوم جیسے دینی وعلمی عظیم ادارہ میں سلاطینِ علم وعمل کی مصاحبت میں تدریسی خدمت انجام دینے کا شرف سب سے پہلے جس گجراتی عالم کو حاصل ہوا وہ مولانا علی محمد صاحب تراجوی سورتیؒ ہیں جس کے بعد سے آپ کو ''فخرِ گجرات'' کہا جانے لگا۔ کچھ دنوں تدریس کے بعد آپ رنگون کے دارالافتاء میں بحیثیت مفتی چلے گئے۔ اسی صحبت کا اثر تھا کہ اصول وضوابط کی پابندی، معاملات کی صفائی، رسم ورواج سے بالکلیہ احتراز اور سنت کا اہتمام آپ کی زندگی میں خوب پایا جاتا تھا، شاید اسی وجہ سے آپ کے ہم سبق دوست حافظ عبدالحق بسم اللہ استاذ حفظ جامعہ ڈابھیل کہا کرتے تھے کہ ''مولانا علی محمد گجرات کے تھانوی ہیں''۔

اخفاءِ احوال: اسی نسبت کا ایک اثر یہ تھا کہ کبھی کسی سے اپنی مصیبت وتکلیف کا اظہار نہیں کرتے تھے۔ تدریسی زمانہ میں بیس سال کا طویل عرصہ ایسا گذرا ہے کہ مصائب وآلام مسلسل پیش آتے رہے اور برابر ہر ایک کو جھیلتے رہے، کبھی کوئی شکوہ حرفِ غلط کے طور پر بھی نہیں کیا۔

حضرت مولاناؒ کے اہم مضمون کا اقتباس پیش ہے، ملاحظہ کریں۔

علمِ دین کی اہمیت وضرورت

نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فیھما کثیر من الناس الصحۃُ والفراغُ۔

اس حدیث پر مولاناؒ نے وعظ فرمایا اسکو نقل کرتا ہوں۔

حضرتؒ کی خاص توجہ تعلیم پر رہی اور اس کے متعلق قوم کو علمِ دین کی اہمیت وضرورت بتاتے رہے تعلیم پر ابھارتے اور مختلف پیرایوں سے ذہن سازی کرتے تھے چنانچہ ایک موقع پر اس طرح لوگوں کو متوجہ کیا۔

''یہ تو ہر شخص جانتا اور سمجھتا ہے کہ انسان کے لئے جسمانی تندرستی بے انتہا قیمتی چیز ہے اور اللہ کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت ہے۔ تندرست انسان خدائے پاک کی بے شمار نعمتوں سے فائدہ اور لذت حاصل کر سکتا ہے جب کہ بیمار شخص اس سے محروم رہتا ہے مشہور ہے کہ تندرستی ہزار نعمت ہے اس لئے جسمانی تندرستی انسان کیلئے بیحد ضروری ہے البتہ انسان اس سے بھی زیادہ ایک اور تندرستی کا سخت محتاج ہے جسے روحانی تندرستی کہتے ہیں۔ جسمانی تندرستی فقط دنیاوی زندگی تک ساتھ دیتی ہے اس کی خواہ کتنی ہی حفاظت کریں آخر کار ایک دن برباد ہو کر رہے گی لیکن روحانی تندرستی ہمیشہ ساتھ دینے والی ہے۔ یہ انسان کی دنیا و دین دونوں سنوارتی ہے۔ اسی سے انسان اپنی انسانیت کا شرف وبزرگی قائم رکھتا ہے۔ انسانیت کے اوصاف واخلاق اسی وقت پیدا ہونگے جب کہ روحانی تندرستی حاصل ہو۔ روحانی تندرستی سے ہماری مراد یہ ہے کہ انسان کی نجات کیلئے جو بنیادی عقائد ہیں وہ درست ہوں جیسے توحید کا اقرار، رسول کی رسالت اور آسمانی کتابوں پر ایمان، قیامت کے دن اور جزاء وسزا پر

اعتقاد وغیرہ اوران سب عقائد کے صحیح ہونے کا دارومدار صحیح علم دین پر ہے جب تک انسان علم دین سے واقف نہ ہوگا تب تک اس کے ضروری عقائد کما حقہ درست نہیں ہوسکتے۔''

دینی تعلیم میں بے برکتی کا سبب: علم دین کے حصول میں جہاں خود حاصل کرنے والے کی نیت کا صحیح ہونا نہایت ضروری ہے وہیں تعلیم دلانے والے ولی اورسرپرستوں کی نیت کا درست ہونا بھی ضروری ہے مولاناؒ فرماتے ہیں:

''جن بچوں کے والی اپنے بچوں کو دینی تعلیم دلانے کی خواہش رکھتے ہیں ان کی خدمت میں گذارش ہے کہ اپنی نیت درست کرلیں۔ یہ انتہائی ضروری بات ہے۔ نیت کی درستگی میں کسی طرح کی محنت ومشقت نہیں اٹھانی پڑتی اس میں کوئی مال خرچ نہیں کرنا پڑتا ہے۔ دل کی گہرائیوں سے ایسی نیت کرنی چاہئے کہ اولاد کواس لئے دینی تعلیم دلا رہا ہوں کہ وہ سچے اور پکے مسلمان بن جائیں اللہ تعالیٰ اوراس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقوق اور احکام کیا ہیں ان سے واقف ہوجائیں اللہ تعالیٰ نے کن کن کاموں کوفرض قرار دیا ہے اورکن کن کاموں سے روکا ہے خودبھی ان احکام پرعمل کریں اوردوسروں کی بھی رہنمائی کریں۔

الغرض نیت خوب درست کرلینی چاہئے۔ناچیز نے اس لئے اس بات پر بڑا زوردیا ہے کہ مجھے دکھ ہوتا ہے کہ ہمارے کئی بھائی جب مدارس میں اپنے یا اپنے رشتہ دار کے بچوں کو داخل کرانے آتے ہیں تو اس وقت اپنی نیت کا اظہار اس طرح کرتے ہیں (ہم غریب لوگ ہیں، گھر میں کھانے والے بہت ہیں، ہمارے پاس زمین زیادہ نہیں ہے کہ جس سے سب کا گذارا ہو سکے، ہماری

حالت ایسی نہیں ہے کہ بچوں کا خرچ برداشت کرسکیں، وغیرہ وغیرہ اس لئے بچوں کوداخل کرلوتو مہربانی ہوگی لڑکا پڑھا ہوا ہوگا تو خود محنت کر کے کھائے گا) علم دین حاصل کرانے کیلئے جب یہ الفاظ سننے میں آتے ہیں تو بڑا افسوس ہوتا ہے ان لوگوں کو سمجھایا جاتا ہے کہ ایسا نہ بولیں نیت درست کرلیں۔علم دین حاصل کرنا یا کرانا ایک عبادت ہے اس کے جو فضائل ہیں وہ خاص دینی حیثیت کی وجہ سے ہیں اس کا درجہ اتنا بلند ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے سوا دوسری کسی قسم کی نیت ہرگز نہ ہونی چاہئے۔۔۔ دراصل آج کل دینی تعلیم سے جو برکت اٹھ گئی ہے اس کا حقیقی سبب نیت کی خرابی ہے کہنے والے نے سچ کہا ہے ؎

تعلیم کا شور ایسا تہذیب کا غل اتنا　　برکت جو نہیں ہوتی نیت کی خرابی ہے

ف: حضرت مولانا کی نیت کی درستگی کے متعلق تعلیم وتربیت معلوم کر کے خوشی ہوئی۔اسی وجہ سے بعض علما نے حدیث انما الاعمال بالنیات الخ سے اپنی کتاب کی ابتدا کی ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق دے۔آمین۔(مرتب)

خصائل وخصائص: آپ کا مزاج خالص علمی اور تحقیقی تھا اور اخیر تک یہی مزاج رہا۔آپ کی اصلاحی کوششوں کا بڑا حصہ تعلیم اور تربیت پر مشتمل ہے اور یہ چیز گویا طبیعت ثانیہ بن گئی تھی۔

اساتذہ ہوں یا طلبہ یا عوام ان کی چھوٹی چھوٹی چیزوں پر نظر رکھتے تھے اور جہاں کہیں کوئی نامناسب چیز دیکھتے تو موقع پاتے ہی لوگوں کو اس سے متنبہ فرماتے تھے۔

اصول کے بہت پابند تھے بقول مولانا حکیم سلیمان کفلیتویؒ ’’مولانا علی

محمد صاحب حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ کے عاشق تھے اور انہیں کے اصول اختیار کئے ہوئے تھے“۔

نیز مدرسہ کے اوقات کے بیحد پابند تھے اسی لئے ہمیشہ وقت سے پہلے یا وقت پر درس گاہ پہنچ جاتے اگر کوئی مدرس وقت پر نہ پہنچے تو ان کی درسگاہ میں جا بیٹھتے اور سبق سننا شروع کردیتے مدرس آتے تو اٹھ جاتے کچھ نہ بولتے۔

تہجد کے پابند تھے اور رمضان میں تہجد کے اندر قرآن پڑھنے والے طلبہ سے قرآن سننے کا معمول تھا، نماز کے لئے ہمیشہ دس منٹ قبل مسجد پہنچ جاتے تھے۔

ف: ماشاءاللہ! خوب سے خوب خصائل تھے جنہیں ہم سب کو اپنانے اور ان پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ واللہ الموفق۔ (مرتب)

وفات: تعلیمی و اصلاحی جدوجہد کا تھکا ماندہ یہ مسافر ۶/ ذی قعدہ ۱۳۸۷ھ مطابق ۶/ فروری ۱۹۶۸ء کو شب ۲/ بجے عمر کی ۷۵/ منزلیں طے کر کے ایسا محو خواب ہوا کہ ساری تکالیف کافور ہوگئیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ ماشاء اللہ کان و مالم یشأ لم یکن للہ ما اخذ و لہ ما اعطی۔ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے شیخ الحدیث حضرت مولانا ایوب صاحب اعظمیؒ تلمیذ رشید علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے نماز جنازہ پڑھائی اور گاؤں کے قدیم قبرستان میں آغوش لحد کے سپرد کئے گئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ، نور اللہ مرقدہ۔

(تذکرہ فخر گجرات)

حضرت مولانا عبدالرشید صاحب[1] رانی ساگریؒ المتوفی ۱۳۸۹ھ

وطن ونسب: آپ موضع رانی ساگر ضلع آرہ بہار کے باشندہ تھے، آپ پٹھانوں کے قبیلہ یوسف زئی سے نسبت رکھتے تھے، آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی مولانا جسیم الدین صاحب تھا جو ماشاء اللہ عالم باعمل اور ماہر طبیب تھے اور کسی کے خلیفہ بھی تھے جس کی وجہ سے بیعت بھی کرتے تھے۔ اور آپ کا قیام مطب کے سلسلے میں مونگیر رہتا تھا۔

ولادت وتعلیم: آپ کی ولادت ۱۲/ ذی الحجہ ۱۳۰۱ھ بروز جمعرات ہوئی، پانچ سال کے ہوئے تو والد محترم نے مکتب بھیجنا شروع کردیا۔ چونکہ آپ ذکی وذہین تھے اس لئے بہت جلد ناظرہ ختم کرکے قرآن پاک کا حفظ شروع کردیا۔ مگر افسوس کہ ۱۳۱۰ھ میں والد محترم کا انتقال ہوگیا اور آپ سایۂ پدری سے محروم ہوگئے۔ اس لئے حفظ مکمل کرنے کے لئے مونگیر سے چھپرہ مدرسہ حسینیہ چلے آئے، اور یہاں تین سال قیام پذیر رہے مگر حفظ مکمل نہ ہوا تو ملول خاطر ہوئے اور فارسی، عربی پڑھنا شروع کردیا، الہ آباد کے مشہور مدرسہ سبحانیہ تشریف لائے اور وہاں رہ کر غالباً شرح وقایہ سے لے کر مشکوۃ شریف تک کی کتابیں پڑھیں،

---

[1] حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب مفتاحیؒ مرتب فتاوی دارالعلوم دیوبند نے آپ کی مفصل سوانح ارقام فرمائی ہے جس کا نام ''تذکرہ مولانا عبدالرشید رانی ساگری'' ہے۔ اسی سے اخذ کرکے کچھ باتیں لکھنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں۔ وباللہ التوفیق۔ (مرتب)

اس کے بعد لاہور مدرسہ نعمانیہ میں داخلہ لیا، وہاں کچھ دنوں تعلیم حاصل کر کے ٹونک تشریف لے گئے، وہاں معقولات کی کتابیں پڑھیں، اس کے بعد مینڈھو ضلع علی گڑھ آ کر حضرت مولانا ماجد علیؒ صاحب[1] جونپوری متوفی ۱۳۵۲ھ سے حدیث کی صحاح ستہ پڑھیں۔ غالبًا یہ زمانہ ۱۳۲۶ھ کا تھا۔

باطنی تربیت اور اجازت وخلافت: چونکہ ظاہری تعلیم کے ساتھ باطن کی اصلاح وتربیت اور نفس کا تزکیہ بھی لازمی ہے اس لئے اس کی طرف آپ متوجہ ہوئے اور چونکہ اس کے لئے کسی رہبر ومرشد کی ضرورت پڑتی ہے اس لئے آپ نے حضرت مولانا محمد علی صاحب مونگیریؒ سے اصلاحی تعلق پیدا کیا اور بیعت ہوئے اور شیخ کے فیوض وبرکات سے خوب ہی خوب مستفیض ہوئے اور مقامات عالیہ تک پہونچے، اس لئے شیخ ومرشد نے آپ کو بیعت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی اور خلافت سے نوازا، اس کے بعد آپ نے ظاہری وباطنی دونوں ہی سلسلے سے دین کی خدمت فرمائی اور خلق خدا کو فیض پہونچایا۔

ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

دعوت وتبلیغ: ۱۳۴۵ھ میں بعض نامساعد حالات کی بناء پر تدریسی ملازمت سے کنارہ کشی اختیار فرمائی اور تبلیغ دین کی خدمت میں لگ گئے، چونکہ عوام کے عقائد میں بڑی کمزوریاں پیدا ہوگئی تھیں، بدعات وخرافات میں عام طور سے مسلمانوں کے گھرانے مبتلا تھے، ماشاء اللہ آپ کے اخلاص ومساعی سے بہت اصلاح ہوئی اور دینی حالت درست ہوئی۔

---

[1] آپ کا تذکرہ اقوال سلف جلد ہشتم میں ملاحظہ کریں (مرتب)

اس دور میں موجودہ تبلیغی جماعت کا وجود نہ تھا، اس کے بعد حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی جدوجہد سے یہ جماعت بروئے کار آئی جس کے متعلق حضرت مولانا عبدالرشید صاحبؒ بڑے اونچے اونچے کلمات فرماتے تھے اور اپنے لوگوں کو تلقین کرتے تھے کہ جماعت میں نکلنا چاہئے اس لئے کہ بہت ہی کام کی جماعت ہے۔

مگر اس کے ساتھ یہ بھی فرماتے تھے کہ ہر شخص کو اپنے حالات کے مطابق حصہ لینا چاہئے، دوسرے فرائض سے چشم پوشی نہ ہونی چاہئے، نیز فرماتے کہ ڈاکٹر، طبیب، اور مدرسینِ مدرسہ کو اپنی جگہ سے زیادہ دنوں کے لئے غیر حاضر نہ ہونا چاہئے۔ (تذکرہ مولاناؒ، ص: ۱۰۲)

ف: سبحان اللہ! کس قدر حدودِ شرع کی رعایت ہے جو آپ کی معرفت وبصیرت پر دال ہے۔ اس لئے کہ توسط واعتدال تو دین اسلام بلکہ اس امتِ مسلمہ کی خصوصیات سے ہے لہذا ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہر معاملہ میں اعتدال کو ضروری سمجھیں اور حد سے تجاوز نہ کریں۔ (مرتب)

ارشادات

فرماتے تھے: کہ کشف وکرامات کوئی چیز نہیں، یہ تو بعض ملحدوں اور سادھوؤں کو بھی حاصل ہو جاتا ہے، یہ کوئی کمال کی چیز نہیں ہے اور نہ اس کی طرف توجہ دینی چاہئے، دیکھنا یہ چاہئے کہ مولیٰ کی رضا کس میں ہے اور کس کام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی حاصل ہوگی۔

فرماتے تھے: کہ سب سے بڑی کرامت اور مسلمان کا سب سے اہم کارنامہ اتباعِ سنت ہے۔ جس کو یہ چیز حاصل ہو سمجھ لو کہ کامیاب وہی ہے۔ ولی

کامل اس زمانہ میں وہ ہے جس کے حصہ میں اتباع سنت ہے۔

(تذکرۂ مولاناؒ ص:۱۳۸)

ف: ولی کامل کی کتنی واضح علامت بیان فرمائی کہ وہ اتباع سنت ہے اور یہ حقیقت ہے کہ اتباع سنت کی توفیق اللہ تعالیٰ اپنے مقرب بندوں اور ولیوں ہی کو عطا فرماتے ہیں۔غیروں کو نہیں پس اگر خرق عادات کے ساتھ اتباع سنت نہیں تو وہ قابل اعتناء نہیں بلکہ وہ کرامت ہی نہیں، وہ تو جوگ اور استدراج ہے جس کا ولایت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔خوب سمجھ لیں۔(مرتب)

نماز باجماعت: فرماتے تھے کہ نماز باجماعت کا کفار پر رعب پڑتا ہے۔

ف: یہ بالکل صحیح ہے،اگر مسلمان آج جماعت سے نماز پڑھنے لگیں تو کافر یقینا مرعوب ومتأثر ہوجائیں حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ بھی یہ فرماتے تھے۔(مرتب)

کلمہ طیبہ کا ورد: فرماتے تھے کہ میرے سلسلہ میں بیعت ہونے کے بعد سوالاکھ مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھنے کا حکم ہے۔مغفرت کے لئے یہ بڑی دولت ہے۔ پڑھنے کا طریقہ یہ ہو: لا الٰہ الا اللہ ہر دانہ پر پڑھو اور جب تسبیح میں ۳۳ دانے کے بعد بڑا دانہ آئے اس پر پورا کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہو، چالیس دن میں سوالاکھ کی تعداد پوری کرنے کی سعی ہونی چاہئے، چالیس دن میں نہ ہوتو پھر آسانی سے جتنے دن میں ہوسکے تعداد پوری کرو۔لیکن ناغہ نہیں ہونا چاہئے۔اگر درمیان میں کسی دن ناغہ ہوجائے تو پھر ازسرنو شروع کرنا چاہئے۔

ف: اگر ہوسکے تو ہم لوگوں کو بھی اسکو معمول بنانا چاہیے۔واللہ الموفق (مرتب)

عورتوں کو نمازی بنانا: ایک دن فرمانے لگے کہ اپنے لئے نماز وتسبیح تو اپنی جگہ ہے مگر اسی کے ساتھ اپنی عورتوں کو بھی نمازی بنانا چاہئے، سنئے: چار عورتوں کے متعلق سوال ہوگا: ماں، بیٹی، بیوی، اور بہن۔ جب دنیا میں ہم ان کی رسوائی گوارا نہیں کرسکتے تو آخر آخرت کی رسوائی کیسے گوارا کریں گے۔ اس کا بھی ہمیں احساس ہونا چاہئے۔

ف: بہت ہی عبرت ونصیحت کی بات ہے، اللہ تعالی عمل کی توفیق دے۔ آمین۔ (مرتب)

اللہ والوں کی پہچان: فرماتے تھے کہ اللہ والوں کی پہچان یہ ہے کہ ان کے دیکھنے سے اللہ یاد آئے۔ آخرت کا خوف اور اعمال صالحہ کی رغبت ہو، اور گناہوں سے نفرت کا جذبہ اُبھرے۔

ف: اب ہر شخص دیکھ لے کہ جس کی صحبت میں اٹھتا بیٹھتا ہے اس کی صحبت سے یہ باتیں پیدا ہورہی ہیں یا نہیں، اگر ہورہی ہیں تو بہت خوب، ورنہ ایسے شخص کی صحبت ترک کرنا چاہئے۔ (مرتب)

سورۂ لِاِیْلٰف کا ختم: جب کسی کو کسی مصیبت کا خطرہ ہوتا یا فساد کا اندیشہ ہوتا تو حضرت اس موقع پر سورۂ لِاِیْلٰف کا ختم کرنے کو فرماتے، اور اس کے بعد خشوع وخضوع سے دعا کرنے کی تاکید فرماتے۔

سورۂ لِاِیْلٰف کا عمل یہ ہے کہ پچیس مرتبہ درود شریف پڑھ کر سورہ لِاِیْلٰف (۱۱۱) مرتبہ پڑھا جائے، اس کے بعد پھر پچیس مرتبہ درود شریف پڑھ کر جس چیز کا خوف ہو اس کے رفع ہونے کے لئے اللہ تعالی سے دعا کی جائے۔

ف: آسان وظیفہ ہے ممکن ہو تو ہم لوگوں کو بھی اس وظیفہ پر عمل پیرا ہونا

چاہئے۔ واللہ الموفق۔ (مرتب)

ایصال ثواب: ایک دفعہ فرمایا کہ ہر روز سورۂ اخلاص (یعنی قل ھو اللہ احد) گیارہ بار پڑھ کر اس کا ثواب پورے عالم کے مسلمانوں کو بخش دیا کرو۔ اس سے ثواب منقسم نہیں ہوتا، ان شاء اللہ تعالیٰ پورا پورا سب کو ثواب ملے گا۔

اسی کے ساتھ روزانہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اپنے شیخ، والدین اور سلسلہ کے اکابر کی ارواح کو ایصال ثواب کیا کرو۔

ف: اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کی توفیق مرحمت فرمائے۔ (مرتب)

یقین کا اثر: حضرتؒ نے فرمایا: بزرگوں کی دعائیں کیوں قبول ہوتی ہیں، معلوم ہے؟ پھر خود ہی فرمایا: اس لئے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر پورا یقین ہوتا ہے۔

ف: حدیث سے ثابت ہے کہ دعا میں پوری امید ورجاء ہونی چاہئے، اس لئے کہ اس کا اجابت دعا میں خاص اثر ہے۔ (مرتب)

وفات: آپ کی وفات بہ مقام چترا ضلع گیا ۱۶؍ربیع الاول ۱۳۸۹ھ کی شب میں ہوئی اور وہیں مدفون ہوئے۔ نور اللہ مرقدہٗ۔

حضرت مولانا مفتی اسماعیل گورا گجراتیؒ متوفی ۱۳۸۹ھ

نام ونسب: نام اسماعیلؒ، والد کا نام محمد گوراؒ اور دادا کا نام اسماعیل گوراؒ ہے۔

ولادت: ۱۹۰۸ء مطابق ۱۳۲۶ھ میں راندیر ضلع سورت گجرات میں آپ کی ولادت ہوئی۔ محترم جناب الحاج عبد الرحمٰن ابن یعقوب باوا صاحب (مقیم لندن) نے ذکر کیا کہ مفتی صاحبؒ نے مجھ سے فرمایا کہ جس دن مرزا غلام احمد قادیانی کی موت ہوئی اسی دن میری پیدائش ہوئی یعنی ۲۶/مئی ۱۹۰۸ء میں یہ ایک نیک فال ہے، جاء الحق و زھق الباطل۔

آپ کے والد محترم مشہور اور مقبول شخص تھے، برما میں ان کی تجارت تھی بڑے دیندار سچے اور امانت دار تاجر تھے، کسی وقت تجارت اپنی اولاد کے حوالہ کر کے راندیر چلے آئے تھے اور راندیر ہی میں ۱۹۳۷ء یا ۱۹۳۸ء میں انتقال فرمایا، محترم الحاج اسماعیل اشرف صاحبؒ جو دار العلوم اشرفیہ راندیر کے بانی تھے ان کے داماد ہوتے ہیں اسی طرح حضرت مفتی صاحب بانی دار العلوم اشرفیہ کے نواسے تھے۔

حضرت مفتی صاحبؒ کی ابتدائی تعلیم: آپ نے ابتدائی دینی و دنیاوی تعلیم راندیر ہی میں حاصل کی اور ضروری انگریزی تعلیم بھی حاصل کی۔

جامعہ حسینیہ ''راندیر'' میں داخلہ: بچپن ہی سے آپ کا حافظہ اور ذہن بہت اچھا تھا آپ کی صلاحیت و قابلیت کو دیکھ کر جامعہ حسینیہ ''راندیر'' کے بانی

حضرت مولانا محمد حسین صاحبؒ نے دینی تعلیم کی طرف رغبت دلائی آپ کے والد صاحب نے آپ کو دینی تعلیم کے لئے وقف کردیا۔

آپ بصد شوق ۱۹۲۴ء میں جامعہ حسینیہ "راندیر" میں داخل ہوئے اور بڑی محنت ولگن کے ساتھ علم دین حاصل فرمایا۔

جامعہ حسینیہ راندیر سے فراغت: آپ نے ۱۳۵۳ھ مطابق ۱۹۳۴ء میں جامعہ حسینیہ راندیر سے اول درجہ پر عالمیت کی سند حاصل کی، حضرت مولانا علامہ سیّد انور شاہ کشمیریؒ کے دست مبارک سے دستار فضیلت اور سند حاصل کی۔

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ: دارالعلوم میں افتاء نیز شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے درس حدیث حاصل فرمایا۔

راندیر واپسی اور اعزازی جلسہ: دارالعلوم دیوبند سے راندیر واپسی پر راندیر محفل اسلام کتب خانہ کی طرف سے ایک شاندار اعزازی جلسہ میں تمغہ عنایت کیا گیا۔

جامعہ حسینیہ راندیر میں تدریس: جامعہ حسینیہ راندیر میں کچھ سال فی سبیل اللہ تدریس کا کام انجام دیا، اصول فقہ اور عربی ادب کی تعلیم دی۔

دوبارہ رنگون کا سفر: ۱۹۴۹ء میں دوبارہ رنگون تشریف لے گئے وہاں محمد یوسف کمپنی اور دور جدید پریس میں کام کیا۔ اس اثناء میں سورت اور راندیر کے حضرات نے دیکھا کہ یہ بڑے قابل اور متبحر عالم ہیں تو آپ کو سورتی جامع مسجد کے تحت دارالافتاء میں منصب افتاء پر مقرر کردیا، آپ بھی اپنے اسلاف کی طرح کامیاب مفتی ثابت ہوئے اور بلاخوف لومۃ لائم کے مصداق ہمیشہ حق

پسند اور حق گو رہے۔

برما کے کئی ایک علماء نے بیان کیا کہ حضرت مفتی صاحب نرم مزاج تھے مگر دین میں مداہنت ونرمی نہیں فرماتے تھے۔

حضرت مولانا قاری اسماعیل پٹیل صاحب (امیر تبلیغ وسابق خطیب جامع مسجد، مانڈلے برما) نے بیان فرمایا کہ حضرت مفتی صاحب فرشتہ صفت خوش مزاج نرم دل شخص تھے، برما میں اپنے زمانے کے یکتا مفتی تھے، پورے برما میں ان کا فتویٰ مقبول مانا جاتا تھا۔

وعظ وتفسیر: جمعہ کے دن خطبہ سے پہلے پندرہ بیس منٹ بیان فرماتے تھے، زبان بڑی شستہ اور آسان استعمال فرماتے تھے، بیان میں مسائل زیادہ بیان فرمایا کرتے تھے، عشاء کی نماز کے بعد کبھی قرآن پاک کی تفسیر فرماتے تھے۔

آپ اور مجلس ختم نبوت: ختم نبوت کے سلسلہ میں آپ کی قابل قدر خدمات رہیں، حضرت مفتی صاحبؒ نے برما میں جہاد اور دینی وملی خدمات انجام دی ہیں وہاں عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ اور قادیانیت کے استیصال اور بیخ کنی کے سلسلہ میں بہت نمایاں خدمات انجام دی ہیں، یوں تو قادیانیت ایک طویل عرصہ سے برما میں اپنا ارتدادی پروگرام پھیلانے میں کام کررہی تھی اور اس زمانہ میں علماء نے بھی ان کا رد کیا، لیکن حضرت مفتی صاحبؒ اس شعبہ کو منظّم طریقہ سے چلانے کے لئے میدان عمل میں آئے اور اس کام کے لئے اپنے ایک متحرک وفعال خادم خاص جناب الحاج عبدالرحمٰن باوا صاحب کو جب کہ ان کی عمر اٹھارہ سال کی تھی متعین کیا۔

رسالہ ختم نبوت: اسی ادارہ کے زیر اہتمام ماہنامہ رسالہ ''ختم نبوت'' کا اجراء کیا گیا، جس کے نگراں اعلیٰ حضرت مفتی اسماعیل گورا صاحبؒ اور مدیر مسئول الحاج عبدالرحمٰن باوا صاحب تھے۔

صلہ رحمی اور خدمت خلق: آپ ویسے بہت کم گو تھے مگر جو بھی آپ سے ملتا بڑی ہی خندہ پیشانی سے ملتے، غریبوں کے ساتھ اور بھی زیادہ مروت اور ہمدردی کا معاملہ فرماتے حتی الامکان ان کی ضرورتوں کو پوری فرماتے مہمان نواز تھے رشتہ داروں کے ساتھ بھی معاملہ ہمدردی کا فرماتے تھے۔

آپ کو صلہ رحمی کا بڑا خیال اور پاس ولحاظ تھا، قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں صلہ رحمی یعنی رشتہ داروں کے حقوق کو ادا کرنے، ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی بڑی تاکید فرمائی گئی ہے، اس پر بڑے فضائل بیان فرمائے گئے ہیں، بڑے اجر وثواب کا وعدہ فرمایا گیا ہے، مبارک ہیں وہ لوگ جو رشتہ داروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے ہیں۔

برما سے ہندوستان واپسی: ملک برما میں آپ کی خدمات جاری تھیں بہت سے باشندگان برما آپ کے علم وعمل، زہد وتقویٰ، وعظ وافتاء سے مستفیض ہورہے تھے، مگر تقدیر الٰہی کہ ۱۹۶۴ء میں ملک برما میں سیاسی حالات بدلے اور ہندوستانیوں کو ملک چھوڑنا پڑا، آپ کو بھی اپنے وطن واپس آنا پڑا۔

وفات: مگر ۱۲؍فروری ۱۹۷۰ء مطابق ۵؍ذی الحجہ ۱۳۸۹ھ آپ پر جمعرات کے دن شام کو دل کا دورہ پڑا، حملہ سخت تھا، اطلاع ملتے ہی آپ کے صاحبزادے مولانا محمد گورا صاحب اور ڈاکٹر بپوریا صاحب ڈابھیل پہنچ گئے، حالت نازک تھی

اس لئے ان کو ڈابھیل سے راندیر منتقل کرنے کا فیصلہ کیا اور سورت پہنچتے ہی اسپتال لے جانے کا ارادہ کیا مگر وقت موعود آچکا تھا، اللہ اللہ کرتے ہوئے آغوش رحمت میں پہنچ گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم کی نعش راندیر لائی گئی جمعہ کی نماز کے بعد نماز جنازہ ادا کی گئی اور راندیر کے قبرستان میں سپرد خاک کردئے گئے، نور اللہ مرقدہ وبرد مضجعہ۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

جنازہ میں سورت، راندیر، ڈابھیل، اور مضافات سے علماء اور عوام نے کثیر تعداد میں شرکت کی، گجرات اور بیرون ملک میں مرحوم کے لئے دعاء مغفرت ہوئی اور ایصال ثواب کیا گیا۔ رحمہ اللہ و نور اللہ مرقدہ۔

(چند روشن ستارے ملک برما میں صفحہ: ۱۴۰)

حضرت مجاہد عبدالعزیز بدری عراقیؒ متوفی ۱۳۸۹ھ

نام ونسب و ولادت: شیخ عبدالعزیز بن عبداللطیف بدریؒ ۱۳۴۷ھ بمطابق ۱۹۲۹ء میں عراق کے شہر ''سامراء'' میں پیدا ہوئے۔

آپ کے کارنامے: علمی ماحول میں پلے بڑھے۔ دینی تعلیم بزرگ علمائے بغداد کی ایک جماعت شیخ امجد زہادیؒ، شیخ محمد فواد آلوسیؒ اور شیخ عبدالقادر خطیبؒ وغیرہ سے حاصل کی۔ بغداد وغیرہ کی مسجدوں میں وعظ وارشاد اور خطابت وغیرہ کے ذمہ دار رہے۔ شعلہ بیان مقرر، کلمۂ حق کے سلسلے میں جری اور اسلام کی حمایت کے بارے میں جذباتی تھے۔ جدید افکار اور تباہ کن نظریات کے علم برداروں سے مقابلہ کرتے تھے، جہاں بھی وہ موجود ہوتے تھے ان کا پیچھا کرتے تھے۔ ان کے دعووں کی تردید کرتے اور انہیں باطل قرار دیتے، ان کے افکار کے کھوکھلے پن کو کھول کھول کر بیان کرتے اور ان کے اسالیب کو بے نقاب کردیتے۔ اسی لیے وہ لوگ آپ کا سامنا کرنے سے کتراتے تھے۔ وہ باحوصلہ نوجوان تھے، مشائخ کے پاس آتے جاتے رہتے تھے۔ ان کے علم سے استفادہ کرتے، جدید اسلامی کتابوں کا کثرت سے مطالعہ کرتے تھے۔ ان کتابوں میں شیخ تقی الدین نبہانیؒ کی کتابیں بھی شامل ہیں۔

وہ ظلم وزیادتی کو ناپسند کرتے تھے اور ہاتھ اور زبان سے مفسدوں کا مقابلہ کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے ان کو کئی بار جیل ہوئی اور گرفتار کیے

گئے۔جیلوں کے اندر آپ کو عظیم آزمائشوں اور اتنی سخت سزاؤں کا سامنا کرنا پڑا جس کے خوف سے بچے بوڑھے ہو جائیں۔لیکن اس کے باوجود وہ چٹان کی طرح سختی سے جمے رہے۔ان تمام لالچ دلانے اور لبھانے والی پیش کشوں کو ٹھکرا دیا، ان کے ساتھ ترغیب وترہیب کے تمام طریقے بے سود ثابت ہوئے جس کی وجہ سے ظالموں کے داروغہ،جیل کے جلاد اور اقتدار کے کارندے انہیں مسلسل تعذیب دیتے رہے حتی کہ انہوں نے آخری سانسیں لیں اور ۱۳۸۹؁ھ بمطابق ۱۹۶۹؁ء کو چالیس برس کی عمر میں اپنے رب سے جا ملے۔اس طرح آپ نے سرکشوں کے ظلم کے سامنے داعی علماء کے صبر کا بہترین نمونہ پیش کر دیا۔آپ نے عزیمت کی راہ اپنائی ، اس لئے کہ وہ اولوالعزم داعین میں سے تھے جو سلامتی اور عافیت کی چاہت میں رخصت نہیں چاہتے بلکہ اللہ کی راہ میں، دین کی سربلندی کے لیے اور دنیا کے کمزور انسان کے لیے آسانی سے اپنی جانوں کو پیش کر دیتے ہیں، آپ جرأت و بہادری،صبر و استقامت کی بہترین مثال اور عمدہ نمونہ تھے۔

ف: بیشک بہترین نمونہ تھے اللہ تعالی ہم کو ان کے اسوۂ حسنہ کو اختیار کرنے کی توفیق دے اور فائز المرام فرمائے۔آمین۔(مرتب)

اقتباس: اب ہم آپ کی کتابوں سے کچھ اہم باتیں عبرت ونصیحت کے لئے نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں چنانچہ شیخ بدریؒ اپنی کتاب ''الاسلام بین العلماء والحکام''میں نقل کرتے ہیں۔

''مخلوق میں اللہ تعالی کی یہ سنت جاری ہے کہ وہ انہیں جانچتا پرکھتا ہے تاکہ کھرے اور کھوٹے کو الگ کردے۔الٓمّٓ ۚ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ یُّتۡرَکُوۡۤا اَنۡ

يَّقُوْلُوْا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ۔ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ۔ (العنکبوت)

ترجمہ: کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ بس اتنا کہنے پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اوران کو آزمایا نہ جائے گا؟ حالانکہ ہم ان سب لوگوں کی آزمائش کر چکے ہیں جوان سے پہلے گزرے ہیں۔اللہ کوتو ضرور یہ دیکھنا ہے کہ سچے کون ہیں اور جھوٹے کون۔

ظالم حکام کی عادت ہوتی ہے کہ وہ ان کے ساتھ زیادتی کرتے ہیں جو ان کے غلط سلوک میں ان کی مخالفت کرتے ہیں، ان کے باطل افکار میں ان کی مخالفت کرتے ہیں اوران کی خواہشات میں ان کا ساتھ نہیں دیتے ہیں۔انہیں یہ لوگ طرح طرح کی آزمائشوں سے دو چار کرتے ہیں حالانکہ وہ ان قسم قسم کے انعامات کوٹھکرا چکے ہوتے ہیں جو ذلیل ہوکر حکام نے ان کے سامنے پیش کیے تھے۔لیکن معزز نفوس جو عمدہ فطرت کے مالک ہوتے ہیں وہ مال کی لالچ میں کہاں پھنستے ہیں۔دنیا کے ٹکڑوں پران کی رال نہیں ٹپکتی، زندگی کی فانی دولت پر انہیں رجھایا نہیں جاسکتا۔ جہاں تک آزمائشوں کا سوال ہے تو وہ ان کے لیے تیار رہتے ہیں، اس کی آگ کو صبر اور احتساب کے ساتھ برداشت کرتے ہیں۔اس لیے کہ وہ اللہ تعالی کے اس قول کو بخوبی سمجھتے ہیں۔قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّاً لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ۔ (التوبہ:۸۱)

ترجمہ: اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے کہو کہ جہنم کی آگ اس سے زیادہ گرم ہے، کاش انہیں اس کا شعور ہوتا۔اور عظیم خالق کے اس قول پر ایمان لا چکے

تھے: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَؤُفٌ بِالْعِبَادِ۔

(البقرہ:۲۰۷)

ترجمہ: اور دوسری طرف انسانوں ہی میں کوئی ایسا بھی ہے جو رضائے الٰہی کی طلب میں اپنی جان کھپا دیتا ہے اور ایسے بندوں پر اللہ بہت مہربان ہے۔

علماء اور ائمہ مسلمین وہ ہیں، جن کی طرف عزت و تعظیم اور محبت کے ساتھ گردنیں لپکتی ہیں، یہ ان لوگوں میں سرفہرست ہوتے ہیں جن پر مصیبت کے پہاڑ ٹوٹتے ہیں اور مشکل مصائب کا انہیں سامنا کرنا پڑتا ہے پھر وہ ان سے کامیاب اور فتحیاب ہو کر نکلتے ہیں۔"

شیخ بدریؒ کیلئے دعا: اللہ تعالی ہمارے شہید عبدالعزیز عبداللطیف بدری پر رحم کرے، اور ہماری اور ان کی مغفرت فرمائے اور انبیاء وصدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ جنت میں مقام عطا فرمائے۔آمین۔

کربلا اور نجف: شیخ بدریؒ کی سربراہی میں اہل سنت کا ایک وفد کربلا اور نجف گیا اور وہاں کے علماء سے سید قطبؒ کی پھانسی کے حکم کو روکنے کے لیے مداخلت کرنے کی گذارش کی۔ جب شیعہ فرقے کے ذمہ دار اعلی سید محسن حکیم سے رابطہ کیا تو سید حکیم نے انہیں بتایا کہ انہوں نے جمال عبدالناصر کے پاس تار بھیج دیا ہے کہ وہ علماء کو ہلاک کرنے کا اقدام نہ کرے اور سید قطب تو اس دور کے علماء و مفکرین میں سب سے بڑے بزرگ ہیں۔

وفات: ۱۹۶۸ء میں شیخ بدری کو اچک لیا گیا، اس وقت وہ اپنے گھر کی طرف جا رہے تھے۔ انہیں قصر النہایۃ کی جیل پہنچا دیا گیا جہاں انہیں شدید ترین

تعذیب کا نشانہ بنایا گیا۔سترہ روز گزرنے کے بعد جلاّ دان کے جسد خاکی کو اٹھا کرلائے اوران کے گھر کے سامنے چھوڑ دیا اور گھر والوں کو بتایا کہ حرکت قلب بند ہوجانے کی وجہ سے ان کا انتقال ہوگیا ہے نیز اعلان کے بغیر ان کو دفنا دینے کا انہیں حکم دیا۔خبر پھیل گئی ،شہید کی لاش کو نماز جنازہ کے لیے اعظمیہ میں مسجد امام ابوحنیفہ لے جایا گیا وہاں مرحوم کے بھائی نے شرکائے جنازہ کے سامنے ان کے جسم کو کھول دیا جہاں لوگوں نے ان کے پورے بدن پر مار پیٹ اور تعذیب کے نشانات کا مشاہدہ کیا مزید برآں ان کی داڑھی کے بال بھی اکھاڑ دیئے گئے تھے۔ ماہ ربیع الاول ۱۳۸۹ھ بمطابق ۱۹۶۹ء میں یہ دردناک حادثہ پیش آیا۔ ان کی زندگی مشقتوں ،پیہم جہاد،قربانی وجاں نثاری سے پر تھی ۔شیخ بدری نے اپنے ان پیشرووں کے ان نقوش کو اختیار کیا تھا ، جو بے مثال مومن تھے مثلاً حسین بن علیؓ ،عبداللہ بن زبیرؓ ،سعید بن جبیرؒ اور دور جدید میں عزالدین قسامؒ، حسن البناؒ، سید قطبؒ چل کر جا چکے تھے،اسی طرح آپ نے ان کو منتخب کیا ''وَلِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَ مِنْ بَعْدُ'' یعنی پہلے اور بعد میں معاملہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔رحمہ اللہ تعالی رحمةً واسعة۔

ف: بہت ہی دردناک اور کرب ناک تذکرہ ہے اللہ تعالیٰ صاحب تذکرہ کو اپنی رضا سے مشرف فرمائے ۔اور مقام رضا یعنی جنت الفردوس میں اعلی مقام سے نوازے اور ایسے صاحب عزیمت افراد کو پیدا فرماتا رہے تاکہ اسلام کی حفاظت کا کام ہوتا رہے۔**اللھم تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔(مرتب)**

(عالم اسلام کی عالمی شخصیت ص:۶۱۵)

حضرت شیخ محمد الحامد شامی متوفی ۱۳۸۹ھ

(ایک ممتاز مفکر و مصلح)

نام ونسب وولادت: عالم جلیل اور مجاھد عظیم شیخ محمد الحامد ابن شیخ محمود الحامد ملک شام کے حماۃ میں ۱۳۲۸ھ مطابق ۱۹۱۰ء کو پیدا ہوئے ان کے والد شیخ محمود الحامد نیک، صالح، سادہ مزاج اور صوفی صافی بزرگ تھے، عقیدہ ودین میں بے حد پختہ تھے ایک مکتب قائم کر کے چھوٹے بچوں کی تعلیم وتربیت کی خدمت انجام دیتے تھے، اتنی تنخواہ لیتے تھے جس سے گزارا ہو جائے۔

ف: بہت ہی خاص صفت ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے متصف فرمائے۔ آمین۔ (مرتب)

تعلیم وتربیت: شیخ محمد الحامد صرف چھ سال اپنے والدین کے سایہ میں رہ سکے۔ چھٹے سال دونوں کی شفقت ومحبت سے محروم ہو گئے، والد کی آمدنی اتنی کبھی نہیں رہی کہ جس سے اپنے بچوں کے لئے کچھ پس انداز کر سکتے، وفات کے وقت ان کی زبان سے بار بار یہ لفظ سنا گیا ''میں اپنی اولاد کو اللہ کی سرپرستی میں چھوڑتا ہوں'' اپنے بڑے صاحبزادے بدرالدین جن کی عمر اس وقت پندرہ سال کی تھی، اشارہ کیا کہ قریب آئیں'' کان میں کچھ کہا اور پھر اپنے دونوں چھوٹے بھائیوں محمد اور عبدالغنی کی دیکھ بھال اور تربیت کے لئے وصیت کی چنانچہ بڑے بھائی وصیت کے مطابق کوشش کرتے رہے۔ لیکن جب بڑے بھائی نے دیکھا کہ چھوٹے بھائی اسکول کی جانب توجہ نہیں دے رہے ہیں تو انہوں نے درزی کے کام سکھانے کے لئے ایک

سلائی کی دوکان پر بٹھا دیا، محمدؒ دن میں سلائی سیکھتے اور شام کو کافی رات تک علماء کے حلقوں میں دینی وشرعی علوم حاصل کرتے تھے، تھوڑا ہی وقت گزرا تھا کہ ۱۹۲۲ء میں حماۃ میں پہلی بار ''دارالعلوم الشرعیہ'' قائم ہوا، شیخ محمد الحامد کی خواہش پر ان کے ماموں شیخ سعید الجابی نے بڑے بھائی سے اجازت لے کر اس مدرسہ میں داخل کر دیا، محمد نے غیر معمولی صلاحیت، لیاقت اور ذہانت کا ثبوت دیا، اور جلد ہی اس مدرسہ اور پھر حلب کے جزوی شرعی مدرسہ سے فراغت حاصل کر لی، دونوں مدرسہ کے اساتذہ ان کی علمی لیاقت سے نہ صرف متاثر تھے بلکہ ان کے گہرے علم کی شہادت دیتے تھے ''محمد علم کے ایک ایسے سمندر ہیں کہ جس کا پانی کبھی خشک نہیں ہوسکتا ہے'' حلب سے تعلیم مکمل کر کے حماۃ آئے تو ان کی علمی برتری اور زہد وتقوی کو دیکھ کر شہر کے کئی ایک دینی عہدے پیش کئے گئے، مگر انہوں نے معذرت کر دی۔ لیکن لوگوں کے بے حد اصرار پر اعلی تعلیم کے لئے مصر کی روشن خیالی اور یورپ کی گرویدگی؟ سے دل برداشتہ رہے مگر تھوڑی مدت کے بعد وہاں کچھ صالح اور دیندار علماء و بزرگوں سے ملاقات اور امام حسن البنا کی صحبت وتربیت حاصل ہوگئی اور یہ جوہر بے بہا بڑا ہی قیمتی اور گرانمایہ بن کر ۱۹۲۲ء میں حماۃ واپس آیا اور اپنی دینی، علمی، دعوتی اور اصلاحی خدمات کا آغاز کیا۔

ف: اللہ تعالی کی کریم ذات پاک کسی کی محنت وریاضت کو رائیگاں نہیں کرتی بلکہ اس کو جزاء خیر دیتی ہے چونکہ اللہ ہی کا ارشاد پاک ہے: ھل جزاء الاحسان الا الاحسان۔ (مرتب)

امام حسن البنا شہیدؒ کے علاوہ ممتاز عالم وفقیہ شیخ زاہد کوثریؒ اور عارف

باللہ، ولی کامل شیخ مصطفی حمامیؒ سے بڑا فیض حاصل کیا اور وطن واپس آنے کے بعد ان کا برابر تذکرہ کرتے تھے۔

تدریس حدیث: شیخ محمد الحامد اپنے شہر حماۃ ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۹۴۴ء میں واپس ہوئے اور زندگی کے آخری لمحہ تک وہاں ہی قیام کیا، ان کی غیر معمولی صلاحیت کو دیکھ کر وزارت تعلیم اور وزارت اوقاف نیز وزارت قانون وانصاف نے ان کی خدمات حاصل کرنے کی کوشش کی، انہیں جج کا عہدہ پیش کیا گیا لیکن انہوں نے تعلیم کو ترجیح دی ایک مدرسہ میں اسلامیات کے استاذ مقرر ہوئے، اور حماۃ کی جامع مسجد ''جامع السلطان'' میں امام وخطیب کے طور پر منتخب کئے گئے آپ نے جمعہ کے خطبہ کے علاوہ اسی مسجد میں حلقۂ درس بھی قائم کرلیا، جس سے نہ صرف حماۃ بلکہ پورے شام میں دعوت واصلاح اور تربیت وتزکیہ کا دائرہ پھیل گیا۔

بیعت واجازت: شیخ محمد الحامدؒ جب حلب کے مدرسہ خسرویہ شرعیہ میں زیر تعلیم تھے تو انہیں حمص کے مشہور بزرگ، عارف باللہ اور سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے صاحب نسبت ولی کامل شیخ محمد ابوالنصر خلف الجندی الحمصی رحمہ اللہ علیہ کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ اکثر وبیشتر حمص سے حلب تشریف لاتے ہیں، ایک بار ان کے رفیق درس شیخ احمد الحصری انہیں باصرار شیخ ابوالنصر کی مجلس میں لے گئے، شیخ ان کی مجلس میں عارفانہ گفتگو، علم وفضل اور اخلاق عالیہ سے بے حد متاثر ہوئے اور کچھ ہی دنوں کے بعد ان سے بیعت ہوگئے، اور بہت جلد سلوک کے مراحل طے کر کے خلافت واجازت کا شرف حاصل کرلیا، اس سلسلہ میں خود ان کے الفاظ کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

''میرا حضرات صوفیۂ کرام سے تعلق ہے میں نے اپنے مرشد عارف باللہ اپنے آقا شیخ محمد ابوالنصر حمصی ممتاز عالم دین اور مشہور مرشد کے واسطہ سے نقشبندی طریقہ کے اصول وضوابط حاصل کئے، میرے شیخ ابوالنصر ہر اس شخص سے اپنی براءت کا اظہار کرتے تھے جو سنت شریفہ کے خلاف عمل کرتا یا اس کی مخالفت کرتا تھا میں بھی ہر اس شخص کو جو مجھ سے اس طریقہ وسلوک کو حاصل کرنا چاہتا ہے اس کی اسلامی شریعت کے مطابق تربیت کرتا ہوں، میں کسی بدعت کی اجازت نہیں دیتا ہوں، نہ تو عقیدہ میں اور نہ ہی عمل میں، سنجیدگی، جدوجہد اور صبر وثابت قدمی سے اسلام پر عمل کرنے کا ہی نام طریقت ہے۔''

ف: اگرچہ یہ حقیر نمایاں طریق وسلوک کی خدمت انجام نہیں دے رہا ہے مگر اسی طریقہ کو پسند کرتا ہے، اللہ تعالی اپنے فضل وکرم سے طریق سنت پر چلنے اور اسی کے مطابق تعلیم وتربیت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ (مرتب)

وفات: شیخ محمد الحامد کی شب وروز کی انتھک جدوجہد اور بے آرامی وبے خوابی نے انہیں مختلف امراض میں مبتلا کر دیا تھا علاج کی فرصت بھی نہ ملی یہاں تک کہ بڑھاپے کے ساتھ بیماری نے لاغر وناتواں بنا دیا، جگر نے کام کرنا چھوڑ دیا، لبنان کے ایک مسلم اسپتال میں آپریشن ہوا لیکن وہ کارگر ثابت نہ ہوا، حماۃ واپس لائے گئے اور تیسرے روز دوشنبہ کی صبح ۱۸/صفر ۱۳۸۹ھ مطابق ۵/مئی ۱۹۶۹ء کو یہ مرد مجاہد اور داعی دین اپنے خالق حقیقی سے جا ملا، پورا ملک اور پورا عالم اسلام ایک مخلص عالم اور متقی وصالح بزرگ سے محروم ہوگیا۔ **انا للہ و انا الیہ راجعون۔** (تاریخ فکر اسلامی صفحہ ۳۱۱)

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب بھوپالیؒ المتوفی ۱۳۹۰ھ

ولادت: آپ کی ولادت ۲۱/شوال ۱۳۰۳ھ مطابق ۱۶/جولائی ۱۸۸۵ء میں ہوئی، والد ماجد کا اسم گرامی شیخ پیر ابواحمد صاحبؒ ہے جن کا ذکر خیر اقوالِ سلف حصہ ہشتم میں آچکا ہے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے حضرت شاہ صاحب کے ملفوظات ''صحبتے بااہل دل'' کے نام سے جمع فرمائے ہیں، اس کے شروع میں شاہ صاحب کی تعلیم وغیرہ کے حالات تحریر فرمائے ہیں جس کو طلب ہو وہاں مطالعہ کرے۔ ہم اسی سے کچھ باتیں نقل کررہے ہیں۔

خلافت از والد محترم: حضرت شاہ پیر ابواحمدؒ نے آپ کو خلافت مرحمت کرکے یہ نصیحت فرمائی: بیٹے! ذرا بھی دنیا کی عزت نہ کرنا۔ اور فرمایا کہ میں نے اور تمہاری والدہ نے کدّو اُبال اُبال کر کھائے، لیکن دنیاداروں کی کبھی پرواہ نہ کی، اسی پر استقامت کرنا، اللہ تم کو برکات سے مالا مال فرمائے گا۔ اس کے بعد وفات کا واقعہ پیش آیا۔

چنانچہ آپ نے اس خانقاہ کی بے لوثی اور بے تعلقی، توکل واستغناء اور اتباع سنت وشریعت کی روایات کو نہ صرف قائم رکھا بلکہ ان میں کچھ اضافہ بھی کیا۔

ف: یقیناً کسی بزرگ کے خلیفہ وجانشین ہونے کی یہی شان ہونی چاہئے کہ اس کے کام میں چار چاند لگادے نہ یہ کہ اس کو ضائع کردے۔ اور اس سے بڑھ کر

خرابی تو اس میں ہے کہ وہاں کے مقصد و موضوع کے خلاف کام کرنے لگے، ظاہر ہے کہ ایسی جگہوں کا یہی فساد ہے۔ **العیاذ باللہ تعالی**۔ **اللہ تعالی** ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین۔ (مرتب)

ارشادات

سالکین کی حالتِ قبض بھی بڑی نعمت ہے: فرمایا: ایک دوست اپنے افغانی دوست کو میرے پاس لائے اور کہا کہ یہ میرے دوست ہیں، ذاکر شاغل ہیں، اپنے ملک میں کسی شیخ سے بیعت تھے، ذکر و شغل کرتے تھے ان کا انتقال ہو گیا، اب ان پر عرصہ سے شدید قبض طاری ہے۔ اس سے یہ بہت دلگیر اور ملول رہتے ہیں، میں نے کہا کہ ان کی تو یہ حالت بہت بڑی نعمت ہے، اس وقت تو ان کی دعا خاص طور پر مقبول ہوگی ان کو اس کی قدر کرنا چاہئے۔

میں نے کہا کسی کو کسی امیر کے یہاں سے تنخواہ اور کھانا کپڑا ملتا تھا اور اس کی بہت عنایات تھیں، اس وقت اگر وہ اس کی تعریف کرتا ہے اور حقِ نمک ادا کرتا ہے تو کیا بڑی بات ہے۔ سبھی اپنے محسن کا دم بھرتے ہیں لیکن اگر اس امیر کے یہاں سے تنخواہ بند ہو جائے اور اس کی طرف سے وہ عنایات نہ ہوں اور وہ شخص اب بھی اس کے گن گائے اور اس کے دل میں شکایت نہ آئے تو یہ بڑی شرافت اور مردانگی کی بات ہوگی۔ اور اس امیر کے دل میں بڑی قدر پیدا ہوگی، یہ سن کر وہ پھوٹ پھوٹ کر روئے اور ان کو بڑی تسلی ہوئی۔

(صحبتے با اہل دل: ص/۸۵)

ف: سبحان اللہ! مثال سے کتنی آسانی اور خوبی سے اس قبض کے مسئلہ کو سمجھا دیا جو اہل اللہ ہی کی شان ہوتی ہے۔(مرتب)

مشائخ کی نقل میں غلو: لوگوں نے مشائخ کی اتباع میں بہت غلو کر رکھا ہے، ان کی نقل وتقلید کو مقصود اور ان کی اطاعت کو اطاعت مطلق سمجھتے ہیں، حالانکہ اصل اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور ان کا اتباع ہے۔مشائخ اس کا ذریعہ ہیں۔

ف: یہ بات حضرت مرشدی مولانا وصی اللہ صاحبؒ اکثر وبیشتر بیان فرماتے رہتے تھے کہ مشائخ مقصود نہیں محض وسیلہ ہیں، مطاعِ مطلق صرف اللہ تعالی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، مشائخ آپ کے مقلد اور پس رو ہیں۔

اصلاح نفس کی اہمیت: فرمایا: پہلی ضرورت اخلاق ومعاملات کو درست کرنے اور نفس کی اصلاح اور اس کو مغلوب کرنے کی ہے۔جب تک نفس کا تسلط دور نہ ہوگا نہ اطاعت کا جذبہ پیدا ہوگا اور نہ ایثار وقربانی کا مادہ۔

جب ہم اپنے نفس پر اللہ کی حکومت اور اس کے حدود جاری نہیں کر سکتے تو دوسروں پر کیا جاری کرسکیں گے؟

فرمایا: لوگ شجرہ مانگتے ہیں، ہمارا شجرہ تو یہ ہے کہ عقائد کو ٹھیک کیجئے، اور اعمال واخلاق کی اصلاح کیجئے۔

ف: سبحان اللہ! شجرہ کے متعلق کیا خوب بات ارشاد فرمائی۔حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ بھی یہ فرماتے تھے کہ ہمارا شجرہ اتباع سنت ہے۔(مرتب)

فرمایا: شادیوں میں سب بلائے جاتے ہیں، صرف اللہ اور رسول کو رخصت کردیا جاتا ہے، صرف شادی کے اوقات میں وہ باہر رہتے ہیں پھر ان

سے راہ ورسم پیدا کر لی جاتی ہے۔

ف: ظاہر ہے کہ جہاں اللہ تعالی اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کی صریح نافرمانی ہوگی وہاں سے اللہ تعالی کی رحمت تو دور ہو ہی جائے گی، اس لئے کہ **اِنَّ رَحۡمَتَ اللّٰهِ قَرِيۡبٌ مِّنَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ** اللہ تعالی کی رحمت تو نیکوکاروں کے قریب ہوتی ہے۔ پس جب کسی جگہ پر اللہ تعالی کی رحمت نہ ہوگی تو بھلا بتلایئے وہاں کیسے خیر وبرکت ہوگی، چنانچہ دیکھ لیجئے، شادی ہوتے دیر نہیں لگتی کہ خرافات وبدعات کی نحوست سے علیحدگی کی نوبت آجاتی ہے اور اولاد عموماً والدین کی نافرمان ثابت ہوتی ہے، پھر ان کی اصلاح کی فکر ہوتی ہے اور بزرگوں کی خدمت میں دعا کے لئے آمدورفت شروع ہو جاتی ہے مگر خود کردہ را علاجے نیست العیاذ باللہ تعالی۔ (مرتب)

فرمایا: آپ (یعنی مولانا علی میاںؒ) نے ایک مرتبہ میری تحریک پر مسجد میں تقریر کی تھی، اس میں کہا تھا کہ بھوپال میں بے پردگی برابر بڑھتی نظر آتی ہے اور جس قوم میں بے پردگی عام ہوئی اور بے حیائی بڑھی؛ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں تیزی کے ساتھ زوال آیا اور بالآخر وہ تباہ ہوگئی۔

قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کے عمل اور بے عنوانیوں سے غضب الٰہی اتنا حرکت میں نہیں آتا جتنا مسلمانوں کی نافرمانیوں اور بے عنوانیوں سے، اس لئے کہ کفار کے متعلق تو کہہ دیا گیا ہے۔

فَذَرۡهُمۡ يَخُوۡضُوۡا وَيَلۡعَبُوۡا حَتّٰى يُلٰقُوۡا يَوۡمَهُمُ الَّذِىۡ يُوۡعَدُوۡنَ۔ (المعارج:۴۲)

تو آپ ان کو اسی شغل اور تفریح میں رہنے دیجئے یہاں تک کہ ان کو اپنے اس دن سے سابقہ واقع ہو جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔

لیکن مسلمانوں کو ایسی مہلت نہیں ملتی۔لہٰذا نافرمانیاں دور کر کے عبادت کرنی چاہئے۔(ص/۲۲۴)

فرمایا: اللہ کے خوف اور تقوے کی زندگی اختیار کرنے سے اللہ وہ زندگی عطا فرماتا ہے جس میں امن وسکون وقرار ہوگا، اور دائمی ہوگا، قرآن کریم میں تقوی اختیار کرنے والوں کے متعلق ہے **اُدْخُلُوْهَا بِسَلَامٍ اٰمِنِيْنَ** یعنی داخل ہو جاؤ جنت میں سلامتی کے ساتھ بالکل بے خوف ہو کر۔

اور یہ زندگی جو دنیا کی ہے، اس کی راحت، اس کا آرام سب عارضی ہے۔لیکن دنیا والے اسی پر ریجھے ہوئے ہیں اور ان کو یہ دھوکا ہے کہ یہاں اور وہاں (آخرت) دونوں جگہ ان کو یہ نعمت ملے گی۔

مگر خود دنیا کا حال یہ ہے کہ قدم قدم پر تکلیف واذیت ہے۔دولت ہے مگر قرار نہیں، عزت ہے مگر جھوٹی، صحت ہے مگر بیماری کے ساتھ، جوانی بڑھاپا لانے والی۔ (ص/۳۶۲)

ف: دنیا کی کیسی حقیقت بیان فرمائی جو پیش نظر رکھے جانے کے لائق ہے۔(مرتب)

وفات: آپ کی وفات ۱۳/ربیع الاول ۱۳۹۰ھ مطابق ۲۰/مئی ۱۹۷۰ء میں ہوئی اور بھوپال ہی میں مدفون ہوئے۔نور اللہ مرقدہٗ۔

وفات سے ذرا پہلے کا واقعہ ہے کہ صاحبزادگان وصاحبزادیاں اور اہلیہ محترمہ قریب تھیں، فرمایا تم سب خاموش کیوں ہو، کلمہ پڑھو، کلمہ شہادت پڑھو۔ یٰسین شریف پڑھو۔ بڑے صاحب زادے مولانا حافظ سعید صاحب نے یٰسین شریف شروع کر دی، دوسرے حضرات کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت پڑھنے لگے، فرمایا:

اب میں رخصت ہورہا ہوں، گھٹنوں تک جان نکل چکی ہے، پھر کچھ پڑھنے میں مشغول ہوگئے جو سنا نہیں جاسکا، تھوڑی دیر بعد فرمایا: اب ہاتھوں کی جان نکل چکی ہے، پھر موجودین کو مخاطب کر کے فرمایا: تم سب گواہ رہنا اور پھر بلند آواز سے ایک دفعہ کلمۂ شہادت پڑھا، پھر تقریبا ایک منٹ کے بعد بلند آواز سے فرمایا: السلام علیکم اور روح واصل بحق ہوگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابن یمین نے یہ شعر اسی موقعہ کے لئے کہے تھے۔ ؎

منگر کہ دل ابن یمین پُرخوں شد　　بنگر کہ ازسرائے فانی چوں شد
مصحف بہ کف و پا بہ رہ دیدہ بہ دوست　　با پیک اجل خندہ زناں بیروں شد

(صحبتے با اہل دل: ص ر ۳۷)

ترجمہ: یہ نہ دیکھو کہ ابن یمین کا دل خون آلودہ ہوگیا بلکہ یہ دیکھو کہ اس سرائے فانی سے وہ کیسے رخصت ہوا یعنی قرآن ہاتھ میں، پیر راستہ میں اور نگاہ محبوب کی طرف لگی ہوئی ہے اور موت کی پکار کو خنداں و فرحاں قبول کرتے ہوئے رخصت ہوا۔

ف: سبحان اللہ! کیسی مبارک موت ہے جو یقینا آپ کے ایمان وعمل صالح کا ثمرہ ہے۔ اللہ تعالی ہم سب کو نصیب فرمائے۔ آمین۔ (مرتب)

حضرت حاجی عبدالغفور جودھپوری[1] متوفی ۱۳۹۰ھ

نام وولادت: نام حاجی عبدالغفور ٹھیکیدار آپ کی ولادت ۱۲۷۹ھ میں ہوئی۔

تعلیم: بچپن میں مجھے سیپارہ پڑھنے کے لئے ایک مکتب میں بٹھایا گیا، پڑھانے والے صاحب نے اتنا مارا کہ میرا پاجامہ خراب ہوگیا۔ گھر آیا دادی نے نہلایا، دھلایا اور بس اسی پر پڑھائی ختم ہوگئی۔

جب میرے والد صاحب کا انتقال ہوا تو انہوں نے گھر میں دو پیسے بھی نہیں چھوڑے تھے بلکہ کچھ قرض ہی چھوڑا جو اللہ تعالیٰ نے مجھ سے ہی ادا کرایا۔ چونکہ گھریلو کام کی آمدنی میں خرچہ پورا ہو نہیں پاتا تھا بڑی تنگی سے گذارہ ہوتا تھا اس لئے جب میں باہر نکل کے مزدوری کرنے کے لائق ہوا تو مکانوں کی تعمیر میں مزدوری کرنے لگا، مجھے یاد ہے کہ پانچ پیسے یومیہ ملا کرتے تھے۔ اسی سے گھر کا کام چلتا رہا۔

دین سے لگاؤ کا آغاز: شہر میں کچھ اہل حدیث حضرات تھے ان میں بعض بڑے نیک اور صالح تھے ان کے ہاں مزدوری کرنے کا اتفاق ہوا۔ ان کی دینی باتیں سن سن کے دین سے لگاؤ پیدا ہوا اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے وہ برابر بڑھتا رہا۔ شہر میں ایک دو صاحب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے تعلق رکھنے

---

[1] یہ آپ کی خودنوشت سوانح ہے جس کو پروفیسر احمد سعید صاحب نے اپنی کتاب ''بزم اشرف کے چراغ'' میں نقل کیا ہے اسی سے یہ مضمون ماخوذ ہے۔ (مرتب)

والے بھی تھے اور تھانہ بھون کے کچھ باشندے بھی ریاست میں ملازم تھے دینی رجحان پیدا ہونے کے بعد ان حضرات سے بھی رابطہ قائم ہو گیا۔

میں ان دنوں میں اپنی مزدوری سے پیسے بچا بچا کر ان حضرات کے مشورے سے دینی کتابیں منگواتا تھا اور پڑھوا کر سنا کرتا تھا۔ اسی اثناء میں میں نے خود بھی اردو کی کچھ شد بد حاصل کر لی اور مناسبت کی وجہ سے چند ہی روز میں دینی کتابیں پڑھنے اور سمجھنے لگا۔

اللہ تعالیٰ نے چونکہ دیانت دی تھی اور ذہانت بھی اس لئے مزدوری کی لائن میں بھی برابر ترقی کرتا رہا اور گھریلو کاموں کی نگرانی بھی کرتا رہا۔ اس وجہ سے میری آمدنی بھی بڑھ گئی اس کے علاوہ گھر پر گھانی کا کام بھی کچھ چالو رہا۔ (یعنی کولھو سے تیل نکالنے کا کام جاری تھا)۔

حضرت مولانا تھانویؒ کی زیارت اور بیعت: حضرتؒ کی کتابوں کے ذریعہ عقیدت ہو چکی تھی۔ ایک دفعہ سنا کہ فلاں دن حضرتؒ قصبہ ''پی پاڑ'' تشریف لا رہے ہیں وہاں وعظ بھی ہوگا۔ میں زیارت اور وعظ سننے کے شوق میں پیدل چل کے پی پاڑ پہنچ گیا۔ حضرتؒ کی زیارت پہلی بار وہیں ہوئی وعظ بھی سنا اور الحمد للہ دل پر بہت اثر ہوا، موقع پا کر میں نے حضرت کے قریب جا کر عرض کیا۔ میں جودھپور کا رہنے والا ہوں، محنت مزدوری کرتا ہوں حضرت سے بیعت ہونا چاہتا ہوں حضرت نے میری طرف دیکھا اور فرمایا کہ اچھا فلاں وقت میرے پاس آجانا، ؛ میں اس وقت حاضر ہوا حضرت نے میرے کچھ حالات دریافت فرمائے اور بیعت فرما لیا اور اس کے بعد سے حضرت سے تعلق قائم ہو

گیا مجھے سب سے زیادہ مناسبت ''مناجات مقبول'' کی دعاؤں سے تھی اس کے اردو اشعار کا کافی حصہ حفظ ہو گیا تھا گھانی کرتے ہوئے بھی خوب مزے سے پڑھا کرتا تھا۔ مجھے تو جو کچھ ملا ہے اسی سے ملا ہے۔

بیٹی کی شادی میں رسوم سے انکار اور برادری سے اخراج: میری بڑی بیٹی زینب کا رشتہ ایک جگہ طے ہو گیا تھا میں نے اس کے نکاح کا ارادہ کیا اور یہ بھی فیصلہ کر لیا کہ برادری کی رسموں کی پابندی بالکل نہیں کروں گا بس شریعت وسنت کے مطابق سیدھا سادہ نکاح کروں گا اور بچی کو رخصت کر دوں گا۔ جو لوگ برادری میں بڑے تھے پہلے ان سے بات چیت کی تاکہ کوئی ہنگامہ اور ناگواری پیش نہ آئے، انہوں نے کہا کہ ناچ باجے کیلئے تو میں تجھے مجبور نہیں کروں گا لیکن برادری کی فلاں فلاں رسمیں تو تجھے ضرور کرنی پڑیں گی۔ میں نے ماننے سے انکار کر دیا۔

برادری والوں نے پنچایت بلائی اور خود میرے بھائی کی زبان سے میرے مقاطعہ کا اور برادری سے خارج کئے جانے کا اعلان کرایا۔

مقررہ دن آجانے پر میں نے اپنی والدہ سے کہا کہ آج بعد نماز مغرب زینب کا نکاح اور رخصتی ہے جو کچھ ضرورت ہو بتا دو اور ضروری سامان کر دو، والدہ کو میری اس بات سے تعجب بھی ہوا اور اس وقت رنج بھی ہوا، لیکن پھر میرے کہنے سننے سے وہ راضی اور آمادہ ہو گئیں۔ بعد مغرب لڑکے والے آئے اور میں نے نکاح کر کے اسی وقت بچی کو رخصت کر دیا۔

پھر کچھ دنوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے برادری والوں کا وہ سارا مقاطعہ بھی ختم کرا دیا اور سب سیدھے ہو گئے۔

حضرت حکیم الامتؒ کی طرف سے اجازت: بالکل اچانک حضرتؒ کا والا نامہ آیا جس میں مجھے تلقین بلا بیعت کی اجازت دی گئی تھی مجھ پر اس کا ایسا اثر پڑا کہ خلافِ عادت چیخ نکل گئی پھر میں نے حضرت کو لکھا کہ میں پڑھا لکھا نہیں ہوں میں نے ذکر و شغل بھی نہیں کیا ہے پھر میں ایک چھوٹی ذات کا آدمی ہوں یعنی تیلی۔ البتہ ظاہر صوم وصلوٰۃ کی پابندی اللہ تعالیٰ نے نصیب فرمائی ہے۔ ریاء، عجب، کبر، حسد وغیرہ کے بارے میں کچھ موٹی موٹی معلومات ہیں۔ ایسی حالت میں بھی اگر یہی مناسب خیال ہے تو خدمت کے لئے حاضر ہوں۔

حضرتؒ نے حسب معمول اسی پر جواب دیا، پڑھا لکھا نہ ہونے کے بارہ میں اور ذکر و شغل نہ کرنے کے بارے میں، میں نے جو لکھا تھا اس کے متعلق حضرت نے کچھ تحریر نہیں فرمایا۔ اور اپنے تیلی ہونے کا جو میں نے ذکر کیا تھا اس پر تحریر فرمایا کہ ''کیا حرج ہے بعضے تیل گھی سے بھی زیادہ قیمتی ہوتے ہیں''۔

ظاہر صوم وصلوٰۃ کی پابندی نصیب ہونے کا میں نے جو ذکر کیا تھا اس پر حضرت نے تحریر فرمایا کہ ''کیا یہ تھوڑی نعمت ہے'' ریاء اور عجب وغیرہ کے بارے میں جو میں نے لکھا تھا کہ اس کے متعلق بھی موٹی موٹی معلومات ہیں، اس پر تحریر فرمایا ''پھر تو نور علی نور'' اور آخر میں جو میں نے لکھا تھا کہ ایسی حالت میں بھی اگر یہی مناسب خیال فرمادیں تو خدمت کے لئے حاضر ہوں، اس پر تحریر فرمایا کہ ہاں ضرور انشاء اللہ برکت ہوگی۔

وفات: آپ کی وفات ۱۷؍جولائی ۱۹۷۰ء مطابق ۱۳۹۰ھ بروز جمعہ جودھپور میں ہوئی اور وہیں مدفون ہوئے، نور اللہ مرقدہ۔ (بزم اشرف کے چراغ، ص: ۴۱۴)

حضرت مولانا محمد مسلم صاحب جون پوریؒ المتوفی ۱۳۹۱ھ

ولادت وتعلیم: حضرت مولانا محمد مسلم صاحب جون پوری کی ولادت ۱۳۰۱ھ میں ضلع جون پور کی ایک بستی ''پوڑیا'' میں ہوئی، مکتب کی تعلیم مکمل کر کے جون پور تشریف لے گئے، جہاں مولانا محمد صدیق جون پوری اور مولانا ہدایت خاں رام پوریؒ سے مدرسہ حنفیہ میں عربی نحو وصرف اور فقہ ومنطق کی تعلیم حاصل کی اس کے بعد کان پور گئے اور مولانا فضل کریمؒ سے استفادہ کیا، پھر مدرسہ عالیہ رام پور پہونچے اور مولانا فضلِ حق رام پوریؒ ومولانا طیب عربؒ سے ادب ومعقول کی تحصیل کی، جملہ فنون میں مہارتِ تامہ حاصل ہوجانے کے بعد حدیث کی جانب متوجہ ہوئے اور حضرت مولانا ماجد علی جونپوریؒ کے حلقۂ درس میں شامل ہوکر پانچ برس مسلسل مولانا سے استفادہ کرتے رہے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد تدریسی سلسلہ شروع کیا، اولاً مدرسہ حنفیہ آرہ میں ۳۸/ برس تک صدارت تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ اس کے بعد مدرسہ مطلع العلوم بنارس میں صدر کی حیثیت سے تشریف لائے، لیکن ارباب مدرسہ حنفیہ آرہ کے شدید اصرار پر ۲/ سال کے بعد پھر آرہ چلے گئے، آرہ ہی سے حضرت مولانا عبدالغنی پھولپوریؒ کی طلب پر مدرسہ بیت العلوم سرائے میر اعظم گڑھ تشریف لائے جس دور میں حضرت مولانا محمد مسلم صاحبؒ بیت العلوم میں تھے، وہی دور مدرسہ کا دور زریں ہے، اسی دور میں دورۂ حدیث کا سلسلہ

شروع ہوا اور بڑے اچھے اچھے صاحبِ استعداد طلبہ عالم و فاضل بن کر مدرسہ سے نکلے۔ آخر میں بعض وجوہ سے بیت العلوم سے علاحدہ ہوکر دار العلوم مئو میں شیخ الحدیث ہوکر چلے آئے۔ مولانا چودہویں صدی کے منتخب علماء میں تھے، اس دیار میں معقول و منقول میں آپ جیسا کوئی دوسرا عالم نہیں تھا۔

وفات: حضرت مولانا کی وفات ۲۱/رجب ۱۳۹۱ھ میں ہوئی اور مئو ہی میں مدفون ہوئے۔ نور اللہ مرقدہ۔

(تذکرہ علماء اعظم گڑھ صفحہ: ۲۳۳)

حضرت وجیہ عالم شیخ محمد نصیف سعودی متوفی ۱۳۹۱ھ

نام ونسب وولادت: محمد بن حسین بن عمر بن عبداللہ بن بکر بن محمد نصیف۔ ۱۸/رمضان المبارک ۱۳۰۲ھ بمطابق ۱۸۸۴ء کو شہر جدہ میں پیدا ہوئے۔ان کا گھرانہ علم وادب کا مرکز تھا۔وہ جدہ کے علماء اور ممتاز شخصیات میں سے تھے۔ شیخ علی طنطاویؒ کے بقول وہ ایک بارسوخ آدمی تھے۔ان کا تعلق قبیلہ حرب سے تھا۔ان کے والد دولت عثمانیہ کے زمانہ میں جدہ کے بڑے سرکردہ آدمی تھے۔ ان کا مکان جدہ اور مکہ مکرمہ کے بڑے بڑے زائرین کا ٹھکانہ تھا۔ان کا محل ہی وہ واحد محل تھا، جہاں بڑے بڑے ذمے دار اور حکومت کے مہمان قیام پذیر ہوتے تھے۔

تعلیم وتعلم: جن اساتذہ سے انہوں نے علم حاصل کیا،ان میں قابل ذکر شیخ عبدالقادر تلمسانیؒ ہیں۔ان سے عقیدہ،فقہ اور تفسیر کا درس لیا،ان کے علاوہ شیخ احمد بن ابراہیم بن عیسیٰؒ اور شیخ احمد نجارؒ جو طائف کے علماء میں سے تھے،ان سے بھی فیض حاصل کیا۔اور شیخ محمد حامدؒ سے جو جدہ کے رہنے والے تھے۔ان کے علاوہ دیگر لوگوں سے بھی استفادہ کیا۔

استاذ نصیف مطالعے کے شوقین تھے،مراجع اور مخطوطات کی بنیادی کتابوں کو جمع کرنے پر بھی توجہ دیتے تھے، یہاں تک کہ ان کا مکتبہ عالم اسلام کی مشہور ترین نجی لائبریریوں میں سے تھا۔اس لیے کہ اس میں دین ودنیا کے مختلف علوم کی

چھ ہزار سے زائد کتابیں تھیں۔ یہ عوام کے لیے کھلا رہتا تھا۔ وہ لوگ اس میں موجود مراجع اور دوسری کتابوں کے خزانوں سے اپنی پیاس بجھاتے تھے۔ انہوں نے بہت سی سلفی کتابوں کی اشاعت کا بھی اہتمام کیا جو مفت تقسیم کی جاتی تھیں۔

فضل وکمال: شیخ محمد نصیف ؒ محققین، طالبان علم اور ہر اس سائل کا مرجع تھے جو اہل حجاز کا نسب دریافت کرتا تھا۔ اخلاق فاضلہ اور عمدہ صفات سے آراستہ ہونے کی وجہ سے تمام لوگ ان سے محبت کرتے تھے۔

شیخ محمد نصیف ؒ حجاز، اہل حجاز اور حکام حجاز کے عالم تھے۔ گویا کہ آپ قدموں پر چلتی پھرتی تاریخ تھے۔ حکومتوں اور لوگوں کو اس طرح جانتے تھے جس طرح کتابوں کو جانتے تھے۔

آپ انسائیکلو پیڈیا تھے: امین ریحانیؒ اپنی کتاب 'ملوک العرب' میں ان کے متعلق کہتے ہیں ''بلا شبہ شیخ محمد نصیف ؒ بولنے والا انسائیکلو پیڈیا تھے۔ جو سوالات ان سے کیے جاتے تھے ان کا وہ جواب دیتے اور ادب، تاریخ، اور فقہ کے علوم کے مصادر کی جانب بھی رہنمائی کرتے تھے۔''

آپ کے متعلق شہادت: شیخ محمد بن مانعؒ ان کے متعلق کہتے ہیں ''پورے حجاز میں، میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جو فیاضی اور حسن اخلاق میں ان کے ہم پلہ ہو۔''

مکارم اخلاق: شیخ محمد نصیف ؒ تشفی بخش گفتگو، اسلوب، مہارت، سکون، پختہ فکر، بہادری، عمدہ ذوق، علم کی وسعت، رہنمائی کی صلاحیت، علمی مجالس کی صدارت، فائدہ پہنچانے اور فائدہ حاصل کرنے کے میدان میں علمی مباحثوں کا تجزیہ کرنے، بے کار کے جھگڑے اور بحث یا مذموم تکرار سے دور رہنے اور

تعصب سے بچنے میں ممتاز تھے۔انہوں نے اپنے اوقات کو منظم کر رکھا تھا۔دن کا آغاز قرآن کریم کی تلاوت، ذکر اور دعا سے کرتے تھے پھر ضرورت مندوں کی خاطر بیٹھتے اس کے بعد اپنا کچھ وقت مہمانوں اور ہم نشینوں کے لیے فارغ کرتے اور خود ان کی خدمت کرتے پھر علم کے شوقین اپنے طلبہ کی جانب توجہ فرماتے ،اس کے بعد غور و فکر، بحث و مراجعت اور بعض علمی مسائل پر نظر ڈالنے کے لیے تنہا گوشہ گیر ہو جاتے۔اسی طرح وہ اپنے شب و روز تعلیم و تعلم ،تلاوت، ذکر، خدمت خلق ، محتاجوں کی مدد، مہمانوں کی مہمان نوازی اور ملاقاتیوں کی تکریم ،اللہ کی عبادت اور خاندان کے معاملات پر توجہ میں صرف کرتے تھے۔

ف: سبحان اللہ! شیخ محمد نصیفؒ کو اخلاق نبوی اور آداب اسلامی کی جامعیت میسر تھی۔ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی ایسی نعمت سے نوازے۔آمین۔(مرتب)

موت کے لمحات: جب آپ کے پوتے ڈاکٹر عبداللہ عمر محمد نصیفؒ سے ان کے دادا کی زندگی کے آخری لمحات کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا ”ان کی موت سے ایک ماہ سے بھی کم عرصہ پہلے میں ان کے گھٹنے کے علاج کی خاطر ان کے ساتھ برطانیہ میں رہا۔جب وہ برطانیہ سے لوٹے تو بڑے صحت مند تھے پھر اچانک انہوں نے کچھ پریشانی محسوس کی تو ہم طائف گئے، تب ڈاکٹروں نے ہم سے کہا کہ یہ بڑھاپے کی تکلیف ہے اور بڑھاپے کا کوئی علاج نہیں ہے۔کچھ ہی گھنٹے گزرنے کے بعد اچانک میرے دادا ہم سے اس طرح مخاطب ہوئے ”تم لوگ خود کو ہلاکان مت کرو۔“ پھر چھوٹے بچوں کو

بلایا تو مجھے احساس ہو چلا کہ انہیں موت کے قریب ہونے کا احساس ہو گیا ہے۔ جب موت کی غشی طاری ہوئی، اس وقت میری والدہ ان کے پاس تھیں تو انہوں نے ہم سے کہا مجھے چار پائی پر لے چلو، شاید موت کی گھڑی آ چکی ہے، چنانچہ چار پائی پر لٹایا گیا اور ان کی روح اسی لمحہ پرواز کر گئی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اللہ انہیں غریق رحمت کرے۔ آمین۔

وفات: ٦ ؍ جمادی الاخری ۱۳۹۱ھ بمطابق ۱۹۷۱ء بروز جمعرات طائف میں وفات ہوئی۔ پھر ان کے جسد خاکی کو زبردست قافلہ کے ساتھ جدہ لایا گیا۔ ان کے جنازہ میں شرکت کے لیے پورا جدہ امڈ آیا۔ مسجد معمار میں نماز عصر کے بعد ان کی نماز جنازہ پڑھائی گئی اور شہر جدہ کے قبرستان الاسد میں تدفین ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر نوے برس سے متجاوز تھی۔ اللہ تعالی ہمارے شیخ محمد نصیفؒ پر رحم فرمائے۔ انہیں اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے وہ انعام عطا کرے جو اپنے صالح بندوں کو دیا کرتا ہے۔ اللہ تعالی ہماری اور ان کی مغفرت فرمائے، ہمیں اور ہمارے مسلم بھائیوں کو انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ جنت میں رکھے۔ آمین یارب العالمین

(عالم اسلام کی عالمی شخصیات صفحہ ٦٧٣)

استاذ مکرم حضرت مولانا قاری ریاست[1] علی غازی پوری متوفی ۱۳۹۱ھ

(شیخ الحدیث دارالعلوم مئو)

نام ونسب: نام ریاست علی ، والد کا نام شیخ عبدالرؤف جونہایت نیک اور جفاکش شخص تھے اپنی عسرت وتنگی کے باوجود اپنی اولاد کو عالم وفاضل بنانے کا جذبہ رکھتے تھے۔

ولادت: آپ کی ولادت ۱۳۱۸ھ مطابق ۱۷ فروری ۱۹۰۰ء بحریہ آباد ضلع غازی پور یوپی میں ہوئی۔

تعلیم وتعلم: جب مکتب کی تعلیم ختم ہوگئی تو آپ کے والد نے اپنی نیک اور دیرینہ خواہش کا اظہار جیداور ممتاز عالم مولانا جان محمد بحریہ آبادیؒ سے کیا جواس وقت مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ میں مدرس تھے موصوف نے اپنی سرپرستی میں مولانا قاری ریاست علی صاحبؒ کو مدرسہ فرقانیہ میں داخل کرایا وہاں آپ نے نہایت ذوق وشوق اور محنت سے صرف دوسال میں حفظ قرآن مجید مکمل کرلیا اور روایت حفص کی تکمیل قاری محمد صدیق صاحب میمن سنگھی سے کی اور ابتدائی عربی کتابیں اپنے وقت کے مشہور اساتذہ مولانا جان محمد بحریہ آبادیؒ مولانا سید علی زینبیؒ اور قاری نصیرالدین اعظم گڑھیؒ سے پڑھیں، آپ کی ذہانت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ مدرسہ فرقانیہ میں

---

[1] آپ کے حالات آپ کے بڑے صاحبزادے عزیزم ڈاکٹر انیس ادیب صاحب نے مرتب کیا ہے اسی سے یہ ماخوذ ہے۔ (مرتب)

یہ شرط لازمی قرار دی گئی تھی کہ حدر میں اسی طالب علم کو سند دی جائے گی جو کافیہ میں امتحان دیکر کامیاب ہوگا چنانچہ چالیس شرکائے حدر میں سے یہ سعادت صرف حضرت قاری صاحبؒ کے حصے میں آئی اور استاذ الکل حضرت قاری عبدالرحمن صاحب مکیؒ نے اجازت دی۔

مدرسہ سبحانیہ الہ آباد میں: پھر قرأت سبعہ کی تکمیل کے لئے آپ مدرسہ سبحانیہ الہ آباد تشریف لے گئے وہاں آپ نے استاذ الکل حضرت مولانا قاری ضیاء الدین صاحب الہ آبادیؒ سے قراءت سبعہ کی تکمیل کی اور عربی کتب حضرت مولانا عبدالرحمنؒ صاحب سے پڑھیں یہاں بھی شرکائے سبعہ میں صرف آپ کامیاب ہوئے۔

مدرسہ اشاعت العلوم بریلی میں: آپ کو گھر کی زبوں حالی اور بوڑھے والد صاحب کی محنت ومشقت بے قرار رکھتی تھی، اسی لئے آپ نے اپنے والد محترم کا بار ہلکا کرنے کے لئے ملازمت کی سوچی اور اسی غرض سے مدرسہ اشاعت العلوم بریلی میں تجوید وقراءت کے مدرس ہو گئے لیکن یہاں ان کا دل نہیں لگا کیونکہ صرف حصول تنخواہ ان کا مقصد ہرگز نہیں تھا وہ دراصل قرآن مجید کی خدمت کرنا چاہتے تھے اور یہاں کے منتظمین اور طلباء میں اس کا ذوق وشوق نہ پاکر بددل ہو گئے اور استعفاء دے کر وہاں سے چلے آئے۔

دار العلوم مئو میں آمد: قصبہ مئو ناتھ بھنجن کے لوگوں کی دینداری اور بھائی چارگی اور دار العلوم مئو کا شہرہ سنکر آپ یکم صفر ۱۳۴۰ھ میں مئو آئے دار العلوم کے رکن اور قصبہ کے دیندار اور مخیر تاجر حاجی عصمت اللہ صاحب سیٹھؒ نے اس جوہر قابل کو پہچان کر اپنے یہاں تجوید وقرأت کا مدرس رکھ لیا، آپ نے اس شرط پر یہ

مدرسی قبول کی، کہ میں نصف وقت معلمی کرونگا اور نصف وقت متعلمی کر کے درس نظامی کی باقی ماندہ کتابیں پڑھوں گا چنانچہ آپ نے یہ دونوں کام اس شان سے کیا کہ لوگ متحیر رہ گئے۔ ایک طرف تو آپ نے قصبہ اور قرب وجوار کی تاریخ میں پہلی بار تجوید وقرأت کے علم سے لوگوں کو روشناس کر کے قرآنی علم کی طرف مائل کیا اور دوسری طرف ۱۳۴۰ھ سے ۱۳۵۲ھ تک علوم عقلیہ ونقلیہ کی تمام مروجہ کتابیں امتیازی حیثیت سے پڑھ ڈالیں اور اسی دوران قراء کی ایک بڑی جماعت تیار کر کے ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں قرآن کریم کی عظیم خدمت پر مامور کر دیا۔

سند فراغت و دستار بندی: ۱۳۵۲ھ میں دارالعلوم مئو کے ایک عظیم الشان جلسہ میں حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ کے دست مبارک سے دستار بندی ہوئی اور سند فراغت سے سرفراز کئے گئے۔

مسند صدارت: ماشاء اللہ اراکین مدرسہ نے غالباً ۱۹۴۸ء میں مسند صدارت سے نوازا اور چند سال کا دور نہایت عزم واحتیاط سے پایہ تکمیل تک پہونچا یا اس کے بعد حضرت مولانا عبدالغفار صاحب سنبھلیؒ صدر مدرس ہو کر تشریف لائے۔ اس وقت یہ حقیر دارالعلوم میں زیر تعلیم تھا اس کے بعد حضرت مولانا مسلم صاحب جون پوری منصب صدارت پر فائز ہوئے مگر ۱۹۶۲ء میں حضرت مولانا مسلم صاحب کے انتقال سے مسند صدارت خالی ہوگئی تو اراکین نے مولانا ریاست علی صاحب سے قبول کرنے کی درخواست کی، آپ نے نہایت خندہ پیشانی سے یہ کہتے ہوئے پھر یہ بار گراں سنبھال لیا کہ اگر مجھے اپنی مادر علمی دارالعلوم مئو کی خاکروبی بھی کرنی پڑے گی تو میں اسے اپنی سعادت سمجھوں گا۔ صدارت کا دور

دوم تا حیات رہا، آپ دارالعلوم کے شیخ الحدیث اور صدرالمدرسین بھی رہے خرابیٔ صحت ،اضمحلال طبع اور ناتوانی کے باوجود حدیث وتفسیر کے ساتھ صرف اور نحو کی ابتدائی کتابیں بھی پڑھاتے رہے، اور تجوید وقرأت کے استاذ مولوی قاری محمد مصطفٰی صاحبؒ کے انتقال کے بعد تجوید وقرأت کی ذمہ داری بھی سنبھالی۔اس کبر سنی میں خدمت دین اور اعلائے کلمۃ الحق کی یہ فکر اور لگن ایک ایسی بیش بہا توفیق خداوندی ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو عطا فرماتا ہے۔

تصنیف وتالیف: حضرت قاری صاحب کی ساری زندگی درس وتدریس کی مصروفیات میں اس قدر گھری ہوئی تھی کہ تمام تر عالمانہ صلاحیت کے باوجود انہیں تصنیف کا موقع نہ ملا پھر بھی آپ نے قرأت وتجوید کے فن میں ایک نہایت مفید کتاب ''خلاصۃ التجوید'' لکھی جو پہلی بار ۱۹۱۹ء مطابق ۱۳۴۳ھ میں مدرسہ کی جانب سے شائع ہوئی اس کتاب کی اہمیت اور مقبولیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ کتاب بلاامتیاز مسلک تمام دینی مدارس میں داخل نصاب ہے۔

سلسلۂ سلوک: اصلاح باطن اور تزکیۂ نفس کے لئے آپ مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتح پوریؒ سے بیعت تھے اور اپنے علم وفضل زہد وتقوٰی اور معرفت وتصوف کے سبب حضرت کے مقربین خاص میں شامل تھے۔ برابر مکاتبت کا سلسلہ بھی رکھتے تھے۔

وفات: ۹؍دسمبر ۱۹۷۱ء کو آپ کے بائیں جبڑے میں ہلکا سا درد اور سوجن ہوئی مقامی دانت کے ڈاکٹر سے رجوع کیا گیا تو انہوں نے بنارس لے جانے کا مشورہ دیا چنانچہ آپ کو بنارس کے سندرلال اسپتال میں داخل کیا گیا مگر علاج سے نفع نہ

ہوا۔ بالآخر وقت موعود آ گیا نماز مغرب کا وقت ہو گیا تھا مؤذن کے اللہ اکبر کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ علم وفضل، زہد وورع اور قرآن وحدیث کے علوم کا یہ روشن آفتاب ۲۱ / جنوری ۱۹۷۲ء مطابق ۴ / ذی الحجہ ۱۳۹۱ھ کے آفتاب کے ساتھ غروب ہو گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ بعد نماز ظہر جنازہ کی نماز محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب الاعظمیؒ نے پڑھائی اور دس ہزار سے زیادہ مسلمانوں نے جن میں بڑی تعداد علماء کی تھی ان کی اقتدا کی اور فخر الدین پورہ قبرستان میں مدفون ہوئے۔

اپنی سعادت: اس حقیر نے ۱۹۴۷ء میں مڈل پاس کر کے دار العلوم مئوناتھ بھنجن میں عربی فارسی پڑھنے کیلئے داخلہ لیا اور تقریباً تین سال وہاں زیر درس رہا ہمارے سرپرست جناب قاری امین اظہر صاحبؒ تھے جو ہمارے پھوپھا تھے ان سے اور مکرم منشی ممتاز احمد صاحب بہاری سے اخلاق محسنی وغیرہ پڑھا، نیز تجوید کی کتابیں بھی ان سے پڑھا اور مشق کیا۔ بوستاں سعدی حضرت مفتی نظام الدین صاحبؒ سے پڑھا اور ادب کی کتاب ''کفایۃ المتحفظ'' حضرت قاری ریاست علی صاحبؒ سے پڑھ رہا تھا کہ اسی درمیان مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب کی صاحبزادی سے نکاح ہو گیا پھر مستقل قیام خانقاہ فتحپور تال نرجا ہو گیا مگر حضرت مصلح الامتؒ نے کفایۃ المتحفظ کے درس کا سلسلہ جاری رکھا اور مشکل لغات کے حل کرنے کی لئے القاموس اور السراح مطالعہ کا حکم فرماتے۔

بہر حال حضرت قاری صاحبؒ بہت ہی محبت وشفقت فرماتے تھے۔

فجزاهم الله تعالى احسن الجزاء۔ (مرتب)

حضرت محدث حرم شیخ علوی بن عباس المالکیؒ المتوفی ۱۳۹۱؁ھ

نام وولادت: جن عظیم شخصیات نے دنیائے فانی کوالوداع کہاان میں ایک ناقابل فراموش شخصیت اور عالم عرب کی بلند مقام علمی ودینی ہستی شیخ علوی بن عباس المالکیؒ کی بھی ہے۔جن کی تاریخ ولادت ۱۳۲۸؁ھ مطابق ۱۹۱۰؁ء ہے۔

علمی خدمات: شیخ علوی مالکیؒ نے تقریباً چالیس سال حرم شریف میں درس دیا، عام طور سے وہ مؤطا امام مالک اور بخاری شریف کا درس دیتے تھے، پڑھانے کا انداز علمائے سلف کا تھا،اورحرم شریف کی روایت کے پابند تھے، ہر درس خطبہ سے شروع اور دعا پر ختم ہوتا،مناسک پرانہیں کافی عبور حاصل تھا، ہر سائل کواس کے مذہب کے مطابق مدلل مسئلے بتاتے تھے،ان کے والدسید عباس مالکی بھی حرم شریف کے مدرس تھے، اورانہوں نے اپنی زندگی میں ان کومسند درس پر بٹھادیا تھا،اورخودوہ اپنے صاحبزادے،سید علوی کے درس میں شریک ہوئے اوراطمینان کااظہارکیا تھا۔

سید علویؒ مدرسۃ الفلاح کے باقاعدہ مدرس تھے،مدرسہ کے خارج اوقات میں عصراورمغرب کے بعدحرم شریف میں درس دیتے رہے،بیس سال سے سعودی ریڈیوسے جمعہ کے دن بعدنمازفجر کے بعدان کادینی وعظ نشرہوتا تھا، رمضان المبارک میں عصر کے بعدسے افطارتک ان کادرس ہوتا،جس میں آخری ایک گھنٹہ دعاؤں میں صرف ہوتا،ہزاروں کا مجمع ہوتا تھا، لوگ ہاتھ اٹھاتے

اٹھاتے تھک جاتے تھے، مگر وہاں ایک سیل رواں تھا جو خشک نہیں ہوتا، عربی خطبہ کی قدرت کلام اور تسلسل بیان کی صلاحیت کا اظہار کرتے تھے، کبھی زبان یا حلق خشک نہیں ہوتی تھی۔ ان کے والد کے انتقال کے تین روز بعد شیخ حسن مشاطؒ، شیخ نور سیف حسن کتبیؒ وغیرہ نے آکر ان کے صاحبزادے محمد المالکیؒ کو ان کی جگہ پر بٹھایا، پہلے ان علماء نے مختصر وعظ کے بعد دعائیں کیں، اس کے بعد ان کے والد کی مسند پر بٹھایا، شیخ محمد بن علوی مالکی نے "**بسم اللہ الرحمٰن الرحیم للہ ما اخذ ولہ ما اعطی ولا حول ولا قوۃ الا باللہ**" کہہ کر سبق اسی جگہ سے شروع کرایا جہاں سے ان کے والد نے چھوڑا تھا۔ اس موقع پر کئی ہزار اہل حرم کا مجمع تھا اور تمام شاگرد اسی طرح بیٹھے تھے جیسے ان کے والد کے حلقہ میں بیٹھا کرتے تھے"۔

وفات: شیخ کی وفات ۱۳۹۱ھ مطابق ۱۹۷۱ء میں ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(یادوں کے چراغ ج:۲/ص:۳۶ مؤلفہ: حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب ندوی)

فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین احمدؒ المتوفی ۱۳۹۲ھ

(شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند)

فضل وکمال: آپ ہندوستان کے مایۂ ناز محدث، دار العلوم دیوبند کے شیخ الحدیث، جمعیۃ علماء ہند کے صدر، حضرت شیخ الہندؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ سے بھی کسی قدر استفادہ فرمایا تھا۔

نام ونسب مع ولادت: آپ کی ولادت ۱۳۰۷ھ مطابق ۱۸۸۹ء میں اجمیر میں ہوئی، جہاں آپ کے دادا سید عبدالکریم صاحب محکمۂ پولیس میں تھانیدار تھے، آپ کے والد ماجد کا نام حکیم سید عالم صاحب تھا، آپ کے والد محترم بہترین حافظ اور حاذق طبیب تھے، آپ کا وطن مالوف "ہاپوڑ" ہے، آپ کا سلسلہ نسب بتّیس واسطوں سے حضرت حسینؓ سے جاملتا ہے۔

تعلیم وتربیت: چارسال کی عمر میں تعلیم شروع ہوئی، قاعدہ اور قرآن کریم والدہ ماجدہ سے پڑھا، فارسی کی تعلیم اپنے خاندان کے بزرگوں سے حاصل کی، عربی صرف ونحو اپنے خاندانی بزرگ اور عالم مولانا خالد صاحبؒ سے پڑھی، اس کے بعد آپ نے گلاؤٹھی کے مدرسہ منبع العلوم میں مولانا ماجد علی صاحب جونپوریؒ سے مختلف کتابیں پڑھیں، معقولات کی کتابیں دہلی جاکر پڑھیں۔ ۱۳۲۶ھ میں دار العلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور دوسال رہ کر ۱۳۲۸ھ مطابق ۱۹۱۰ء میں فارغ ہوئے۔

درس وتدریس: ۱۳۲۸ھ میں تعلیم سے فراغت کے بعد دارالعلوم دیوبند میں مدرس مقرر ہوگئے، مگر اکابر دارالعلوم نے شوال ۱۳۲۹ھ میں آپ کو مدرسہ قاسمیہ شاہی مرادآباد میں بھیج دیا جہاں اڑتالیس (۴۸) سال قیام رہا۔ وہاں آپ مختلف علوم وفنون خصوصاً درس حدیث سے نصف صدی تک طلبہ کو فیض پہنچاتے رہے۔ ۱۳۷۷ھ میں حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی وفات کے بعد پھر دارالعلوم دیوبند تشریف لائے اور ایک عرصہ تک شیخ الحدیث کے عہدہ پر فائز رہے۔

آپ کا سیاسی کارنامہ: آپ نے تحریک آزادی اور تحریک خلافت میں حصہ لیکر قوم وملت کی عظیم خدمات انجام دیں۔ اس کے نتیجہ میں قید وبند کی صعوبتیں بھی جھیلنی پڑیں، حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ کے دورصدارت میں دوبار جمعیۃ علماء ہند کے نائب صدر منتخب ہوئے، بعدازاں مسند صدارت پرتاحیات فائز رہے۔

آپ کا علمی کارنامہ: اسی طرح آپ نے علمی کارنامہ بھی انجام دیا، چنانچہ آپ کے علمی کارناموں میں ایضاح البخاری شرح بخاری، القول النصیح فیما یتعلق بتراجم ابواب الصحیح، مفتاح العوامل شرح اردوشرح مائۃ عامل وغیرہ بہت ہی مشہور ومعروف ہیں، آپ غیر معمولی حافظہ کے مالک تھے، آپنے پورا قرآن کریم صرف پچیس دن میں حفظ کرلیا تھا، اور وہ آپ کو بالکل صحیح یاد تھا، آپ کا درس تین تین چار چار گھنٹہ جاری رہتا تھا، اس کے باوجود نہایت تسلسل کے ساتھ مفصل کلام فرماتے تھے، کبھی بھولنے کا نام نہ تھا۔

ارشادات

مرقومہ حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوریؒ، استاذ دارالعلوم دیوبند۔

(۱) اِخبار اور حکایت اخبار میں فرق ہے، اخبار کی ذمہ داری مخبر پر ہوتی ہے، حکایت اِخبار کی ذمہ داری اس وقت تک مخبر پر نہیں ہوتی جبتک کہ وہ اس کی تصدیق بھی نہ کردے۔

(۲) وجد افعال قلوب میں سے ہے۔ اس لئے قرآن کریم میں جوذوالقرنین کے بارے میں وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ آیا ہے، اس میں واقعہ کا بیان نہیں ہے کہ آفتاب چشمہ میں غروب ہوتا ہے بلکہ ذوالقرنین کے وجدان کا بیان ہے کہ اس کو ایسا محسوس ہوا۔

(۳) فرمایا کہ چونکہ تمام اسباب کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے اس لئے جو چیزیں اسباب کے تحت ظہور میں آتی ہیں ان کے خلق کی نسبت باری تعالیٰ کی طرف بھی کی جاسکتی ہے اور بظاہر ان کی نسبت اسباب کی طرف بھی درست ہے۔

(۴) فرمایا کہ امام بخاریؒ کی عادت ہے کہ وہ کسی مسئلہ میں کوئی رائے اختیار کرلیتے ہیں تو دوسری جانب سے بالکل صرف نظر کرلیتے ہیں اور اس کا پتہ ہی نہیں دیتے، جبکہ دیگر محدثین کا یہ طریقہ نہیں ہے۔

ف: سبحان اللہ! اہل علم کیلئے کتنے مفید وبصیرت افروز ارشادات ہیں۔ مزید ملفوظ ''ایضاح البخاری'' سے پیش خدمت ہیں: (مرتب)

(۱) یہ اسلام کا امتیازی وصف ہے کہ وہ کسی بھی شے کا مدار ظاہر پر نہیں رکھتا، بلکہ وہ ہر جگہ باطن کے تزکیہ پر زور دیتا ہے، اسلام کی نظر میں وہ اچھا نہیں

جو اچھا نظر آئے، بلکہ اچھا وہ ہے جو اللہ کی نظر میں اچھا ہو۔

(۲) اعمال کسی بھی شعبۂ زندگی سے متعلق ہوں، وہ جانی ہوں یا مالی، منصبی ہوں یا اخلاقی، ان کی تاثیر نیت کے صدق واخلاص پر منحصر ہے۔

(ایضاح البخاری: ج ۱ ص ۵۹)

ف: ان ارشادات سے باطن کے تزکیہ اور صدق وخلوص کی کس قدر فضیلت واہمیت معلوم ہوئی، اللہ تعالی ہم سب کو اس کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین۔ (مرتب)

وفات: ۲۱ صفر ۱۳۹۲ھ مطابق ۱۶ اپریل ۱۹۷۲ء پنجشنبہ کی شب میں تقریبا گیارہ بجے محبوب حقیقی سے جا ملے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ نماز جنازہ حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند نے پڑھائی۔ محلہ لال باغ مرادآباد کے قبرستان میں سپرد خاک کئے گئے۔ نوراللہ مرقدہ۔

(تذکرۂ اکابر)

حضرت مولانا حافظ محمد منیر صاحب اعظمیؒ متوفی ۱۳۹۲ھ

نام ونسب مع ولادت: ابراہیم پور ضلع اعظم گڑھ کی ایک مشہور بستی ہے جو قصبہ مبارک پور سے جانب مشرق تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے، اسی بستی کو مولانا الحاج الحافظ محمد منیرؒ کے مولد ومسکن ہونے کا فخر حاصل ہے، ۱۸۹۴ء مطابق ۱۳۱۲ھ میں موضع ابراہیم پور ضلع اعظم گڑھ کے ایک معزز خاندان میں مولانا کی ولادت ہوئی والد ماجد کا اسم گرامی حافظ علیم اللہ تھا۔

تعلیم: مکتبی تعلیم قصبہ محمد آباد ضلع اعظم گڑھ میں منشی محمد اکرام محمد آبادیؒ کی مسجد میں پائی اور مدرسہ قرآنیہ بڑی مسجد جونپور میں حفظ کیا، فارسی اور ابتدائی عربی کی تعلیم مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور میں پائی پھر اعلی تعلیم کے حصول کی غرض سے دار العلوم مئو میں داخل ہوئے، اور فنون کی تکمیل کر کے دورۂ حدیث پڑھنے کے لئے دار العلوم دیو بند چلے گئے لیکن یہاں زیادہ دنوں تک ٹک نہ سکے اور بیمار ہو کر گھر واپس چلے آئے، صحت یابی کے بعد دار العلوم مئو ہی میں داخل ہو کر دورۂ حدیث کی تکمیل کی اور سند فراغت حاصل کی۔

تدریسی خدمات: تعلیم سے فارغ ہو جانے کے بعد اپنے وطن ہی میں بچوں کی تعلیم کا سلسلہ شروع کیا، پھر چند ماہ کے بعد یہاں سے لار روڈ ضلع بلیا کے کسی مدرسہ میں مدرس ہو کر چلے گئے، یہاں دو برس تعلیمی خدمت انجام دے کر ۱۹۲۴ء مطابق ۱۳۴۳ھ میں کلکتہ کا سفر کیا اور وہیں کارپوریشن کے ایک اسکول میں مدرس ہو گئے، مسلسل چالیس برس تک اسکول میں تعلیمی وتدریسی خدمات انجام دے کر

۱۶؍جولائی ۱۹۶۲ء مطابق ۱۳۸۲ھ میں اس ملازمت سے ریٹائر ہوئے۔

بیعت: کلکتہ ہی کے زمانۂ قیام میں تھانہ بھون حاضر ہوکر حضرت مولانا تھانویؒ سے بیعت کی اور اپنے شیخ ومرشد کی اجازت سے اصلاحی تعلق حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتحپوری ثم الہ آبادیؒ سے قائم کیا، آپ کو حضرت مولانا فتح پوریؒ سے عشق کے درجہ میں محبت تھی، کلکتہ میں تدریسی خدمت کے ساتھ بڑی مسجد میں امامت کے فرائض انجام دیتے تھے، مولانا کی ذات سے لوگوں کی بڑی اصلاح ہوئی، وہاں کے لوگوں نے آپ کے ساتھ شیخ ومرشد جیسا برتاؤ کیا، بہت سے افراد بیعت ہوکر آپ کے سلسلے میں بھی داخل ہو گئے تھے جن میں سے بعض حضرات خلافت واجازت سے بھی مشرف ہوئے،، کلکتہ ہی کے قیام میں ۱۹۲۸ء مطابق ۱۳۴۸ھ میں مولانا نے حرمین شریفین کا سفر کیا اور حج وزیارت سے مشرف ہوئے۔

اسکول کی ملازمت سے سبکدوش ہوجانے کے بعد کلکتہ سے گھر چلے آئے اخیر عمر تک یہیں رہے، یہاں کے قیام میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر شدت سے عمل رہا، ساتھ ہی دیگر دینی امور میں نہایت سرگرمی سے حصہ لیتے تھے، انتقال سے پندرہ یوم پیشتر ۲۹؍ربیع الثانی ۱۳۹۲ھ مطابق ۱۹۷۲ء کو دروازہ پر ایک دینی جلسہ منعقد کیا جس میں مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور کے جملہ اساتذہ کو مدعو کیا اور علالت وضعف پیری کے باوجود علماء کرام کے مواعظ نہایت ذوق وشوق سے سنا۔

فضل وکمال: مولانا مرحوم عبادت وریاضت وحسن اخلاق میں اسلاف کے نمونہ تھے۔ ہمہ وقت تسبیح ہاتھ میں رہتی اور زبان سے اللہ کا ذکر جاری رہتا، تکبیر اولیٰ کبھی فوت نہ ہوئی۔ نماز تہجد بھی کبھی قضا نہ ہوئی، روزانہ دس پارہ تلاوت کے ساتھ ڈھائی سو رکعات

نفل پڑھنے کا معمول تھا، مزید براں پینتالیس ہزار بار ذکر اسم ذات اور تین ہزار مرتبہ درود شریف بھی پڑھتے تھے، رمضان شریف میں ان معمولات میں بہت زیادہ اضافہ ہو جاتا تھا، بالخصوص عشرۂ اخیرہ میں ایک ختم اور عشرہ کے آخری ایام میں چالیس پارے تلاوت کرتے۔ اعتکاف پر بھی پابندی سے عمل تھا، علالت کے زمانہ میں بستر پر پڑے رہتے تھے، لیکن نماز کے وقت کسی کے سہارے مسجد میں جا کر باجماعت نماز پڑھتے۔

ف: الحمدللہ حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کی خدمت میں تشریف لاتے تھے اور حضرت مصلح الامتؒ سے آپ کو اجازت وخلافت بھی حاصل تھی، بلکہ اولین خلفاء میں سے تھے۔ اسوقت اس حقیر سے بھی ملاقات ہوتی تھی خوب محبت فرماتے تھے اللہ تعالیٰ ان کو اس محبت کا بہترین بدلہ عطا فرمائے اور ان کی قبر کو نور سے بھر دے، آمین یارب العالمین۔ مولاناؒ حضرت مصلح الامتؒ کی خدمت میں جب کہ حضرت مصلح الامتؒ اپنی صاحبزادی اور اس حقیر کی زوجہ عقیلہ خاتون کی وفات کے بعد وہاں قیام فرما تھے، جب وہاں سے اس حقیر سے ملنے الہ آباد تشریف لائے تو فرمایا کہ حضرت مصلح الامتؒ آپ کے متعلق فرمارہے تھے کہ قمر الزمان اس کے بعد مزید ترقی کریں گے، یہ میرے لئے بشارت کی بات تھی، اللہ تعالیٰ ایسا ہی فرمادے۔ (مرتب)

وفات: تقریباً اٹھتر (۷۸) سال کی عمر میں دوشنبہ کے دن ۱۴/ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۲ھ مطابق ۲۶/ جون ۱۹۷۲ء کو علم وفضل، زہد واتقاء کا یہ نیر تاباں ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا، انا للہ و انا الیہ راجعون۔ مولانا محمد یٰسین مفتی مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور نے نماز جنازہ پڑھائی اور بعد نماز عصر مقبرہ ابراہیم پور میں لب سڑک تدفین عمل میں آئی۔ نوراللہ مرقدہ۔ (تذکرہ علماء اعظم گڑھ)

حضرت الحاج محمد حبیب الحسن[۱] خاں شروانی ؒ المتوفی ۱۳۹۳ھ

ولادت: آپ کی ولادت ۴؍فروری ۱۹۱۴ء مطابق ۱۳۳۲ھ میں بروز دوشنبہ ہوئی۔

تعلیم: تعلیم کے لئے گھر ہی پر ایک معلم مقرر کئے گئے، جنہوں نے کلام اللہ کے علاوہ اردو، فارسی اور انگریزی کی ابتدائی تعلیم دی۔ اس کے بعد علی گڑھ کے اسکول میں داخلہ لیا مگر مسلسل بیماری کی وجہ سے صرف انٹرنس تک پڑھ سکے۔

بچپن: بچپن سے نماز کے تو پابند تھے مگر کسی قدر آزادی بھی تھی مگر حضرت مولانا عبدالجلیل صاحب ؒ خلیفہ حضرت حکیم الامت ؒ کی صحبت نصیب ہوگئی جس کی برکت سے اصلاح کی فکر دامنگیر ہوگئی، اور لکھنؤ میں حاجی حقدار خاں صاحب ؒ خلیفہ حضرت حکیم الامت ؒ سے بیعت ہوگئے، اس وقت حالت بالکل بدل گئی، اور سادہ لباس، کرتا پائجامہ پہننا شروع کردیا۔

ضیافت: آپ کے یہاں بکثرت مہمان آتے تھے جس سے بیحد خوش ہوتے اور مہمان نوازی کا خوب اہتمام فرماتے تھے۔

نصرت وخدمت: آپ علاوہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے نفلی صدقات سے غریبوں، بیواؤں اور یتیموں کی خوب ہی خوب نصرت وخدمت فرماتے تھے۔

---

(۱) حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب ؒ نے شروانی صاحب کی مختصر سوانح لکھی ہے، نیز مولانا مزمل حسن صاحب نے بھی کچھ حالات لکھے ہیں جو ساتھ ہی طبع ہوئے ہیں، اس لئے ان کو سامنے رکھ کر حضرت شروانی صاحب ؒ کے حالات کسی قدر پیش خدمت ہیں، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین۔ (مرتب)

تلاوت کلام اللہ: آپ بکثرت کلام اللہ کی تلاوت کرتے، ماشاء اللہ آپ باقاعدہ قاری تھے، رمضان کے اخیر عشرہ کا اعتکاف فرماتے اور غالباً ڈیڑھ دن میں پورا قرآن پاک ختم فرماتے تھے۔

خشیت ورقّت: خلوت میں اور اعتکاف کے زمانہ میں بہت گریہ وزاری اور آہ وبکا فرماتے تھے، اس طرح دعا میں روتے تھے کہ بچہ بھی اپنی ماں کے سامنے نہیں روسکتا۔

ف: چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا: وَابْکِ عَلٰی خَطِیْئَتِکَ یعنی اپنی خطاؤں پر روؤ۔ اس سے رونا محمود ہی نہیں بلکہ اس کا مطلوب شرعی ہونا معلوم ہوا۔ اللہ تعالی ہم سب کو توفیق دے۔ (مرتب)

اجازت وخلافت: حضرت حاجی حقدار صاحبؒ کی وفات کے بعد حافظ عبدالولی صاحبؒ سے اصلاحی تعلق قائم فرمایا اور حافظ صاحبؒ کے ساتھ حضرت مولانا عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ اعظم گڈھی کی خدمت میں بھی جانے لگے، بالآخر حافظ عبدالولی صاحبؒ نے ایک دن حضرت مولانا عبدالغنی صاحبؒ کے سامنے یہ تمنا ظاہر کی کہ شروانی صاحبؒ کے حالات بظاہر ایسے ہیں کہ ان کو اجازت دیدی جائے، حضرت مولانا پھولپوریؒ نے فرمایا کہ دل تو ہمارا بھی چاہتا ہے، پھر فرمایا: جی! ہم نے ان کو اجازت دے دی، اس دن سے آپ مجاز بیعت ہوگئے۔ ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ۔

بزرگوں سے تعلق: اس کے باوجود حضرت مولانا ابرارالحق صاحبؒ کی خدمت میں نیازمندانہ انداز سے برابر آمدورفت رکھتے تھے اور جب بھی الہ آباد اپنے عزیز

خاص مکرم جناب مصطفےٰ رشید شروانی کے پاس آتے تو حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ کی خدمت میں ضرور بغرضِ زیارت تشریف لاتے ،تو ہم لوگوں سے بھی ملاقات ہوتی اور دیر دیر تک دینی واصلاحی باتیں فرماتے رہتے۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔

خاص وصیت: فرمایا: مولوی مزمل صاحب! اگر میں باہر جاؤں تو جہاں بھی میرا انتقال ہو جائے وہیں دفن کر دیا جائے ، میرا جنازہ ڈھولنہ ہرگز مت لانا، کوئی کام خلافِ شرع نہ ہونے دینا ،سنت کے موافق کفن دینا ، اور موٹے کپڑے میں دینا، کیونکہ لوگ موٹے کپڑے کے کفن کو حقیر سمجھتے ہیں۔

ف: آپ اگر چہ اصطلاحی عالم نہ تھے مگر بزرگوں کی صحبت کی برکت سے آپ کے مبارک قلب کو خوف وخشیت کی کیفیت حاصل تھی اور اتباع سنت کا جذبہ رگ وریشہ میں اس طرح سرایت کر گیا تھا کہ کسی وقت جدا نہ ہوتا تھا، اس لئے کہ یہ ممکن نہیں کہ کوئی صادقین کی مصاحبت خلوص سے اختیار کرے،اور ان کے صدق وصفاء سے اس کو کوئی حصہ نصیب نہ ہو، لہذا اہل صدق کی صحبت ومعیت کا خاص اہتمام کرنا چاہئے جس کا اللہ تعالی نے ایمان والوں کو اپنے ارشاد کونوا مع الصادقین میں حکم دیا ہے۔ (یعنی سچوں کے ساتھ رہو)۔ (مرتب)

مرض وفات: ۲۱؍فروری ۱۹۷۳ء مطابق ۱۳۹۳ھ ہی سے علالت ونقاہت کا سلسلہ جاری تھا اس لئے دہلی ''انسٹی ٹیوٹ ہاسپٹل'' میں خون کی جانچ ہوئی تو خون میں بہت ہی شدید قسم کا کینسر نکلا جس کی کوئی دوا نہ تھی ،شروانی صاحب کو اس کا اندازہ ہو گیا، اس لئے اپنے ایک مخلص دوست احمد رشید صاحب سے فرمایا کہ تم

میرے لئے قطب صاحبؒ کے احاطہ میں جگہ خرید لو اور نظام الدین میں تبلیغی جماعت کے امیر حضرت مولانا انعام الحسن صاحب سے عرض کرنا کہ میرے جنازے کی نماز پڑھا دیں گے، ۲۶؍مارچ ۱۹۷۳ء کو پھر وصیت کی کہ میرا جنازہ ہرگز ڈھولنہ نہ لے جائیں، آخر وقت تک کوئی نماز ترک نہیں کی حتی کہ نماز تہجد بھی ادا کرتے رہے برادرم جناب غلام رافع شروانی سے سنا ہے کہ بالکل آخر وقت میں ہمارے بڑے بھائی مکرم نظام صاحب شروانی سے پانی طلب فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ سنت کے مطابق تین سانس میں پلاؤ چنانچہ بھائی صاحب نے ایسا ہی کیا۔

ف: سبحان اللہ! زندگی کے ان اخیر لمحات میں سنت کا اس درجہ خیال یقیناً قابل مبارک باد ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق مرحمت فرمائے۔ (مرتب)

اس کے بعد ہی ذکر فرماتے ہوئے خاموشی اختیار فرمائی، جناب احمد اللہ صاحب گھبرا گئے، زور زور سے اللہ اللہ کہنا شروع کیا، آنکھیں کھول کر فرمایا: یہ ہمارے خاموش رہنے کا وقت ہے، اس کے بعد ٹھیک دس بجے دن میں ہمیشہ کے لئے رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

وصیت کے مطابق تجہیز وتکفین کے بعد ''نظام الدین'' لائے تو حضرت مولانا انعام الحسن صاحب فوراً کھڑے ہوگئے، صفیں سیدھی کرائیں اور طلبہ کو بھی بلایا اور نماز جنازہ پڑھا کر جنازہ کو کندھا بھی دیا اور پھر حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے پائنتی مدفون ہوئے۔ نور اللہ مرقدہ۔

استاذ مکرم حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب کوپا گنجیؒ متوفی ۱۳۹۳ھ

نام ونسب مع ولادت: حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب بن عبدالشکور اپنے آبائی وطن محلہ چندن پورہ قصبہ کوپا گنج ضلع مئو میں ۱۹۱۳ء مطابق ۱۳۳۳ھ کے حدود میں پیدا ہوئے۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم مقامی درسگاہ مدرسہ مصباح العلوم میں حضرت مولانا عبدالصمد صاحب کوپا گنجیؒ اور حضرت مولانا عظیم اللہ کوپا گنجیؒ سے حاصل کی، آگے کی تعلیم کے لئے مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور میں دو سال رہے اور متوسطات تک یہاں پڑھ کر دارالعلوم دیوبند کا علمی سفر کیا اور پورے ایک سال یہاں زیر تعلیم رہ کر رمضان کی تعطیل میں گھر آئے اور تعطیل کے ایام گذار کر دارالعلوم جانا چاہتے تھے، مگر بعض مجبوریوں کی وجہ سے وہاں نہ جاسکے اور جامعہ قاسمیہ شاہی مسجد مرادآباد میں دورۂ حدیث پڑھ کر ۱۳۵۸ھ میں سند فراغت حاصل کی، اساتذۂ حدیث میں حضرت مولانا سید فخر الدین احمدؒ متوفی ۱۳۹۲ھ اور حضرت مولانا سید محمد میاں متوفی ۱۳۹۵ھ خاص طور سے قابل ذکر ہیں، مولانا قاضی اطہر صاحب مبارک پوریؒ مرادآباد میں بعض کتابوں میں آپ کے ساتھی تھے، قاضی صاحب ان سے ایک سال بعد ۱۳۵۹ھ میں فارغ ہوئے۔

حضرت مصلح الامتؒ کی خدمت میں: قاضی اطہر مبارکپوریؒ کا بیان ہے کہ دور طالب علمی میں مولانا عبدالرؤف صاحب بہت زندہ دل اور رنگین

طبیعت تھے، لیکن فراغت کے بعد جب حضرت مولانا مصلح الامت شاہ وصی اللہ صاحب فتحپوریؒ متوفی ۱۳۸۷ھ کے دست حق پرست پر بیعت کی تو طبیعت کی ساری رنگینیاں کافور ہوگئیں۔

درس وتدریس: تعلیم سے فراغت کے بعد کچھ دنوں تک جمعیۃ العلماء اور کانگریس کے پلیٹ فارم سے سیاسی کاموں میں حصہ لیا، لیکن تھوڑے عرصہ میں اس سے الگ ہوکر مدرسہ مصباح العلوم کو پا گنج میں اعزازی طور سے تدریسی سلسلہ شروع کردیا۔ تقریباً تین برس تک یہاں تعلیمی خدمت انجام دے کر ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۹۴۴ء میں مدرسہ اشاعت العلوم پورہ معروف میں تدریسی خدمت پر مامور ہوئے اور درمیان میں تین سال کے علاوہ آخر دم تک یہیں مدرس رہے، درمیان کے تین سالوں میں اشاعت العلوم سے علیحدہ ہوکر اپنے شیخ ومرشد حضرت فتحپوریؒ کی خدمت میں بغرض اصلاح فتحپور گئے تھے جہاں عبادت وریاضت کے ساتھ تعلیمی مشغلہ بھی جاری رہا۔

ف: الحمدللہ! اسی اثناء میں اس حقیر کو چند رفقاء کے ساتھ حضرت مولانا سے کئی کتابوں خاص طور سے اصول فقہ کی ’’توضیح وتلویح‘‘ کے درس میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی تدریس میں تفہیم کا خاص ملکہ تھا۔ آپ کے تدین کا یہ حقیر بہت معتقد تھا۔ ایک مرتبہ اس حقیر کو اپنے مدرسہ اشاعت العلوم میں دعوت دی اور اس حقیر کے بیان کا اہتمام فرمایا اور خود بنفس نفیس شریک وعظ رہے اور اپنی شفقت سے پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ فجزاھم اللہ تعالیٰ۔ (مرتب)

اسی زمانہ میں ایک سال کے قریب مدرسہ وصیۃ العلوم کو پا گنج میں بھی

اعزازی طور پر درس دیا، بالآخر ارباب پورہ معروف کے شدید اصرار پر تین سال کے بعد پھر اشاعت العلوم میں آگئے اور زندگی کی آخری سانس تک صدارت تدریس پر فائز رہے، مولانا نے یہیں نئ بستی موضع پارہ میں زمین خرید کر مکان بنوالیا تھا اور کوپا گنج کے بجائے پورہ معروف ہی میں سکونت اختیار کر لی تھی، اپنے مکان کے متصل اہل قصبہ کے تعاون سے ایک مسجد بھی تعمیر کرائی۔

مکارم اخلاق: مولانا عبدالرؤف صاحبؒ زہد وتقویٰ اور سادگی و بے تکلفی میں بے مثال تھے، طلبہ اور اساتذہ آپ کا بیحد احترام کرتے تھے، جب مدرسہ میں آجاتے تھے سناٹا چھا جاتا تھا، خلاف شرع امور پر نہایت سخت گرفت فرماتے تھے، زبان میں قدرے لکنت تھی اس لیے تقریر نہیں کر پاتے تھے، بایں ہمہ آپ کے اخلاص وایثار نے وہ کام انجام دیا جو اچھے اچھے مقرر نہیں کر سکے۔

کم وبیش ۲۷؍ برس اشاعت العلوم میں تدریسی خدمت انجام دی، آپ کے شاگردوں میں اچھے اچھے اہل علم پیدا ہوئے جو مختلف اداروں میں تعلیمی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

وفات: مولانا آخر عمر میں ایک موذی مرض میں مبتلا ہو گئے تھے جس کی وجہ سے یکشنبہ ۲۰؍ جمادی الاخریٰ ۱۳۹۳ھ مطابق ۲۲؍ جولائی ۱۹۷۳ء کو داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ دوسرے دن بعد نماز ظہر انسانوں کے زبردست ازدحام میں مدرسہ اشاعت العلوم پورہ معروف کے جانب مغرب مقبرۂ پارہ میں سپرد خاک ہوئے۔ رحمہ اللہ تعالی۔ ونور اللہ مرقدہ۔

(تذکرہ علماء اعظم گڈھ)

استاذ المحدثین حضرت مولانا ظفر احمد[۱] عثمانیؒ المتوفی ۱۳۹۴ھ

ولادت ووطن: مولاناؒ کا اصلی وطن قصبہ دیوبند ضلع سہارنپور تھا، آپ کی ولادت ۱۳/ربیع الاول ۱۳۱۰ھ کو اپنے جدی مکان دیوبند محلہ دیوان میں ہوئی، آپ کا نام ددھیال کی طرف سے ''ظفر احمد'' رکھا گیا اور ننہال کی طرف سے (ظریف احمد) رکھا گیا مگر مشہور ''ظفر احمد'' ہوا۔ آپ ڈھائی سال کے تھے کہ والدہ ماجدہ کا انتقال ہو گیا، آپ کے ایک بڑے بھائی مولانا سعید احمد صاحب تھے جو جوان عمری ہی میں انتقال کر گئے، مگر ان کی صلبی یادگار ایک صاحبزادی بقید حیات ہیں جو حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور کے نکاح میں ہیں، ماشاء اللہ ان کی اولاد سب کے سب صاحب علم ہیں اور دینی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ فللہ الحمد والمنة۔

حضرت مولانا سعید احمد صاحبؒ ہی کی اہلیہ کو حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی زوجیت میں آنے کا شرف حاصل ہوا جن کی وفات ہو چکی ہے۔ نور اللہ مرقدھا۔

نسب عالی: آپ دیوبند کے معروف خاندانِ عثمانی کے نورِ چشم تھے، والد محترم

---

[۱] مولاناؒ کی مفصل سوانح ''تذکرۃ الظفر'' کے نام سے مولانا عبد الشکور صاحب ترمذیؒ نے لکھا ہے جو نہایت جامع وبصیرت افروز ہے جس کو دستیاب ہو اس کا مکمل مطالعہ کرے۔ ہم اسی سے اقتباس کر کے مختصراً کچھ باتیں درج کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین۔ (مرتب)

کا نام شیخ لطیف احمد عثمانیؒ تھا جو صوم وصلوۃ کے پابند تھے اور مشہور پیر طریقت حضرت عابد حسین صاحب دیوبندیؒ سے بیعت تھے۔ آپ کا عقد تھانہ بھون کے فاروقی خاندان کے معزز فرد شیخ عبدالحقؒ صاحب کی صاحبزادی سے ہوا، جو حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی حقیقی ہمشیرہ تھیں۔ انہیں کے بطن سے مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کی ولادت ہوئی۔

تعلیم: سات سال کی عمر میں مکتب میں بٹھلائے گئے اور ۹ سال کی عمر میں دارالعلوم دیوبند میں داخل کئے گئے، فارسی کی کتابیں یہاں پڑھیں مگر کسی خاص وجہ سے حضرت مولانا تھانویؒ کے مدرسہ امدادالعلوم تھانہ بھون میں داخلہ لیا۔ اس کے بعد حضرت مولانا تھانویؒ نے خود کانپور لے جا کر آپ کو مدرسہ جامع العلوم میں داخل فرمایا اور حسب منشا مشکوۃ شریف، جلالین شریف اور ہدایہ اخیرین کی جماعت میں داخل ہو گئے، جلالین شریف کا درس مولانا محمد اسحاق صاحبؒ اور مشکوۃ شریف اور ہدایہ اخیرین حضرت مولانا محمد رشید صاحبؒ پڑھاتے تھے اور یہ دونوں حضرات حضرت حکیم الامتؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔

دورۂ حدیث: ۱۳۲۶ھ میں مدرسہ جامع العلوم میں دورۂ حدیث کی تکمیل فرمائی، اس کے بعد محرم ۱۳۲۷ھ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے ارشاد پر مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ لیا، وہاں منطق، فلسفہ، ریاضی، ہیئت کی کتابیں پڑھنی شروع فرمائیں اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کے درس بخاری میں بھی شریک ہونے لگے، اس طرح دو سال مدرسہ مظاہر علوم میں قیام رہا اور ۱۳۲۸ھ میں سالانہ امتحان میں شریک ہو کر اعلیٰ کامیابی حاصل کی۔

تدریس: ماشاء اللہ تعالیٰ ۱۳۲۹ھ میں جب کہ آپ کی عمر صرف انیس سال کی تھی مدرسہ مظاہر علوم میں مدرس ہو گئے، اور ۱۳۳۶ھ تک تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے، اس کے بعد دو سال ۱۳۳۸ھ تک مدرسہ ارشاد العلوم گڈھی پختہ میں درس دیا۔ اس کے بعد ۱۳۳۹ھ میں مولاناؒ کا قیام مدرسہ امداد العلوم، خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں ہو گیا، یہاں درس وتدریس، تصنیف وتالیف کے علاوہ شعبہ افتاء بھی آپ کے ذمہ کیا گیا، چنانچہ حضرت حکیم الامتؒ کے زیر نگرانی یہ تمام علمی خدمات انجام دیتے رہے۔ (تذکرۃ الظفر: ص/۱۴۱)

ف: اسی بناء پر تو اتنے بڑے عالم، محدث اور صاحب نسبت بزرگ ہوئے کیونکہ یہ مسلم ہے کہ کسی عالم باعمل کی خدمت میں رہ کر اس کی زیر نگرانی دینی خدمت کو انجام دینے کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے، یقیناً اس کی وجہ سے علم میں جلاء اور عمل میں اعتدال پیدا ہوتا ہے اور ایسا شخص بہت سی بے اعتدالیوں بلکہ گمراہیوں سے محفوظ رہتا ہے، کاش کہ آج کل کے طلبہ اس بات کو سمجھتے۔ (مرتب)

بیعت وتربیت باطن: آپ نے اولاً بیعت حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوریؒ سے فرمائی اور ان کی تربیت میں رہ کر مقامات سلوک طے فرمائے، اس کے بعد ۱۳۳۳ھ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے سفر حج کا ارادہ فرمایا اور بظاہر ہجرت کا خیال معلوم ہو رہا تھا، تو مولاناؒ نے اپنے ماموں حضرت حکیم الامتؒ کی طرف تربیت باطنی کے لئے رجوع فرمایا اور بہت سے حالات رفیعہ سے نوازے گئے، پھر دونوں ہی کی طرف سے خرقۂ اجازت وخلافت سے مشرف ہوئے۔ ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

سیاسی مسلک: آپ کا سیاسی مسلک وہی تھا جو حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا تھا یعنی مسلم لیگ کی موافقت، اس سلسلہ میں آپ نے ملک میں بہت سے اسفار کئے، چنانچہ ہمارے اطراف میں قصبہ مئوناتھ بھنجن بھی تشریف لے گئے تھے اور تقریر فرمائی تھی، جس کا بہت اثر ہوا تھا۔

اسی بناء پر جب ۲۷ / رمضان المبارک، ۱۴ / اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان وجود میں آیا تو ڈھاکہ میں پرچم کشائی کی رسم کے لئے قائداعظم مسٹر جناح کی ہدایت کے مطابق خواجہ ناظم الدینؒ نے حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کو دعوت دی۔

مولانا نے سورہ اِنَّا فَتَحْنَا کی ابتدائی آیات کی تلاوت فرمائی، تمام وزراء اور عمائدین مسلم لیگ خاموش باادب سنتے رہے پھر بسم اللہ کر کے مولانا نے پاکستانی پرچم لہرایا، پاکستان کے وجود میں آنے کے پہلے جمعہ میں لال باغ کی جامع مسجد میں نماز جمعہ سے پہلے کی تقریر میں مولانا نے حصول پاکستان پر شکر الٰہی بجالانے کی ترغیب دی اور اس کا طریقہ یہ بتلایا کہ پاکستان جس غرض کے لئے حاصل کیا گیا ہے اس کو پورا کریں۔

مولانا عثمانیؒ نے فرمایا: پاکستان میں ارباب حکومت آئین و دستورِ اسلام نافذ کریں اور عوام نماز وغیرہ شعائر اسلام کی پابندی کریں، پاکستان کو شراب خانوں اور قحبہ خانوں، سود اور سٹے وغیرہ کی لعنت سے پاک کریں، اتفاق واتحاد کے ساتھ پاکیزہ اسلامی معاشرہ قائم کریں، فوج و پولیس کو نماز روزے کا پابند بنائیں اور انہیں خدمت قوم اور حفاظت دارالاسلام کے لئے جان توڑ کوشش کرنے کی ہدایت کریں، خفیہ پولیس مستحکم ہو کیونکہ جس حکومت کے پاس خفیہ

نظام نہ ہو وہ حکومت کمزور حکومت ہوگی ،خواجہ ناظم الدین صاحب وزیر اعلی مشرقی پاکستان اس تقریر کو بڑے غور سے سنتے رہے اور بہت متاثر ہوئے۔

(تذکرۃ الظفر ،ص:۳۸۹)

ف: مگر افسوس صد افسوس! کہ اس وعظ پر نہ اربابِ حکومت نے عمل کیا اور نہ عوام مملکت نے ، بلکہ اس کے برعکس طور وطریقہ اختیار کیا گیا۔جس کے نتائج بد سے سب کو دوچار ہونا پڑا جو سب پر عیاں ہے۔العیاذ باللہ تعالی۔(مرتب)

ارشادات

حقیقت سلوک اور ضرورت تصوف: بعض علماء ظاہر تصوف وسلوک کی حقیقت سے ناواقفیت کی وجہ سے اس میں کلام کیا کرتے ہیں بلکہ بعض تو اس کو بدعت بتلاتے ہیں ،حضرت مولاناؒ نے ایسے علمائے ظاہر کو سمجھانے کے لئے سلوک وتصوف کی حقیقت کو ظاہر فرما کر اس کے ضروری ہونے پر جو تقریر فرمائی ہے اس جگہ نقل کی جاتی ہے:

حقیقت یہ ہے: تصوف نام ہے تعمیر الظاہر والباطن کا یعنی ظاہر وباطن کو آراستہ اور معمور کرنا، ظاہر کو اعمال جوارح ضروریہ سے مثل نماز روزہ وغیرہ اور باطن کو عقائد واعمال باطنہ سے مثل اخلاص وشکر وزہد وتواضع وغیرہ ،جن کے ضروری ہونے میں کسی کو کلام نہیں ہوسکتا، آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے ان کی ضرورت ثابت ہے، ان کا حاصل کرنا تو ہر مسلمان کے لئے فرض عین ہے۔

آج کل بڑی غلطی یہ ہو رہی ہے کہ لوگوں نے شریعت کو صرف اعمال ظاہرہ کا مجموعہ سمجھ لیا ہے، اخلاق باطنی کا حاصل کرنا ضروری نہیں جانتے ،حالانکہ

قرآن مجید میں اخلاص، صبر وشکر اور رضا وغیرہ اخلاق حمیدہ کے حاصل کرنے کا امر اور حسد وتکبر اور عجب وغیرہ اخلاق رذیلہ کی ممانعت بکثرت وارد ہے۔

پس جب قرآن مجید میں ان چیزوں کے احکام مذکور ہیں تو یہ چیز شریعت سے باہر کیوں کر ہوسکتی ہے، ان ہی چیزوں کے حاصل کرنے کا طریقہ تصوف کہلاتا ہے اور اس قدر تصوف تو ہر شخص کے ذمہ فرض ہے۔

نیز ارشاد فرمایا: تصوف کا ایک درجہ یعنی بُرے اخلاق کی اصلاح اور اچھے اخلاق کی تحصیل یہ تو ضروری ہے، اس کے بعد دوسرا درجہ ہے وہ مستحب ہے، وہ یہ کہ ظاہری اعضاء کو علاوہ ضروری طاعات کے غیر ضروری طاعات نوافل وغیرہ میں مشغول کرنا اور باطن کو دوام ذکر اللہ میں منہمک کردینا، یہ مرتبہ درحقیقت مستحب ہے مگر بعض وجوہ سے یہ بھی ضروری ہوتا ہے۔ (تذکرۃ الظفر: ص/۲۸۰)

ف: ماشاءاللہ! تصوف کی حقیقت اور ضرورت پر نفیس کلام ہے جو پیش نظر رکھنے کے لائق ہے۔ اب آپ کے سامنے مولانا عثمانیؒ کی ایک اور تحریر پیش کرتا ہوں جو نہایت مفید وبصیرت افروز ہے۔ وہ یہ ہے:

طالبین کی خدمت میں مولاناؒ کی گذارش: عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ جن لوگوں نے بڑوں کو دیکھ لیا ہوتا ہے اور ان کو بزرگوں کی صحبت میسر آجاتی ہے تو ان کی نظروں میں ان کے جانشینوں اور بعد والوں کی کچھ زیادہ قدر ووقعت نہیں ہوتی، مگر طالبین ومقتدین اور اس راستہ میں کام کرنے والوں کے لئے یہ بات ہر وقت پیش نظر رکھنے کی ہے کہ اصل مربی اور ہادی حق سبحانہ تعالی کی ذات حق ہے، شیوخ تربیت اور مرشدین اسم ذاتی کے صرف مظاہر اور محض وسائط

تربیت ووسائل ہدایت ہوتے ہیں، جب کوئی اللہ تعالی کا طالب اپنے مولا کی طلب وتلاش میں اس راہ پر گامزن ہوتا ہے اور طریق سلوک میں قدم رکھتا ہے تو اللہ جل شانہ، حسب وعدہ وَيَهْدِىٓ إِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ خود اس کی دستگیری ورہنمائی کرتے اور اس کی ہدایت کا سامان پیدا فرماتے ہیں، اور جس طرح وہ ہادئ مطلق، شیوخ کاملین کو قطع راہ سلوک اور منزل مقصود تک پہونچانے میں ذریعہ اور واسطہ بناتے ہیں اسی طرح اگر حضرت حق سبحانہ، کو منظور ہوتا ہے تو ان سے کم درجہ اور فرو مرتبہ بعد والوں کو بھی واسطہ بنا کر اپنا فیض ہدایت طالبین تک پہونچا کر ان کو بامراد بنا دیتے ہیں اور جس طرح بڑے کنوئیں سے پیاسوں کو سیرابی حاصل ہوتی ہے چھوٹا کنواں بھی پیاسے کی پیاس کے بجھانے کے لئے کافی ہوجاتا ہے، اس لئے طالبانِ حق اور تشنگان معرفت الٰہیہ کے لئے چھوٹے بڑے کسی بھی چشمۂ معرفت سے استغناء اور بے پرواہی کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ اس کی پیاس بجھانے اور سیرابی کے لئے ہر قسم کے چھوٹے بڑے چشمہ ہدایت اور ہر زمانہ کے شیوخ اور مربی ان شاء اللہ تعالی کافی ہیں۔

اللہ تعالی کا فضل واحسان ہے کہ یہ ارشاد وہدایت اور فیض رسانی کا یہ سلسلہ زمانہ خیر القرون سے ہمارے زمانہ تک اسی طرح چلا آرہا ہے، ایک کے بعد دوسرا اس کی جگہ سنبھالتا رہا ہے لیکن ہر جانے والے کے بعد اس درجے اور مرتبے کا شخص اس کے قائم مقام ہو یہ بہت کم دیکھنے میں آتا ہے پھر بھی استفاضہ اور افاضہ باطنی کا یہ سلسلہ برابر اور مسلسل قائم ہے اور فیاض حقیقی کی فیض رسانی کا تسلسل بغیر انقطاع کے ہمیشہ سے دائم ہے۔ اس لئے طالبان سلوک کو یہ سمجھ کر کہ

ہماری تعلیم وتربیت کے لئے ان شاء اللہ تعالی موجودہ حضرات ہی کافی ہیں۔جس صاحبِ اجازت سے بھی طبعی انس ومناسبت پائیں ان کی طرف رجوع کرنے میں دریغ نہ کرنا چاہیئے،ان شاء اللہ محروم نہ رہیں گے۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ زمانہ انحطاط اور قحط الرجال کا ہے،جن حضرات کو آج کمتر اور کم مرتبہ سمجھ کر ان کے ساتھ بے اعتنائی اور بے توجہی کی جارہی ہے شاید پھر آگے چل کر ایسے حضرات بھی نصیب نہ ہوں اور سوائے کف افسوس ملنے کے کچھ نہ ہاتھ آئے،اس لئے وقت اور موجودہ حضرات کو غنیمت سمجھ کر اپنی اصلاح کے کام میں لگ جانے کی ضرورت ہے۔(تذکرۃ الظفر:۲۸۵تا۲۸۷)

معیار اجازت وخلافت: اس کا معیار حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے نزدیک سالک میں چند اوصاف کا پایا جانا ہے۔وہ یہ ہیں:

(۱)وصف اول یہ ہے کہ متقی ہو(۲)وصف دوم یہ ہے کہ وہ خود اپنی اصلاح کئے ہوئے ہو۔(۳)وصف سوم یہ ہے کہ اس کو طریق سے محض علمی نہیں بلکہ حالی مناسبت پیدا ہو چکی ہو(۴)وصف چہارم یہ ہے کہ اس میں دوسروں کی اصلاح کرنے کی اہلیت پیدا ہوگئی ہو(۵)وصف پنجم یہ ہے کہ اوصاف مذکورہ میں اس کو بقدر ضرورت رسوخ حاصل ہو گیا ہو۔(۶) وصف ششم یہ ہے کہ اس سے یہ توقع بھی ہو کہ گو فی الحال اس کو اوصاف مذکورہ میں رسوخ کا صرف درجۂ ضروریہ حاصل ہوا ہے،لیکن وہ آئندہ ترقی کرکے اس رسوخ کا درجہ کاملہ بھی حاصل کرے گا۔

اس معیار اجازت وخلافت کی بڑی عجیب وغریب تحقیق حضرت مولاناؒ نے اپنے رسالہ انکشاف الحقیقۃ عن استخلاف الطریقۃ میں بڑی تفصیل

اور پورے بسط کے ساتھ فرمائی ہے چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

اجازت واستخلاف کی یہ حقیقت زمانۂ سابق کے موافق ہے، آجکل مشائخ نے بوجہ کوتاہی عمر وقلت فراغ وغیرہ کے کسی قدر توسیع کرلیا ہے یعنی پہلے زمانے میں تو اجازت وخلافت اس وقت دی جاتی تھی جبکہ طالب شیخ کے وجدان یا کشف میں فانی اور واصل ہو چکا ہو اور متاخرین نے یہ دیکھ کر کہ فنائے کامل اور وصول کامل حاصل ہونے کے لئے عرصہ دراز کی ضرورت ہے۔ اگر اس درجہ کا انتظار کرکے اجازت دی جایا کرے تو تعلیم وتلقین اذکار کا کام بند ہوجائے گا اس لئے وہ اس وقت اجازت دے دیتے ہیں جبکہ طالب کو تلون ابتدائی کے مقابل ایک درجہ تمکین کا عطا ہوجاوے اور ذکر اللہ کا غلبہ ایسا ہوجاوے کہ اکثر اوقات ذہول نہ ہوتا ہو اور مقام فنا اور دیگر مقامات سلوک سے کچھ کچھ مناسبت حاصل ہوجائے گو ابھی رسوخ حاصل نہ ہوا ہو اس درجہ میں پہونچ کر طالب فانی واصل تو نہیں ہوتا مگر وصول کی قابلیت قریبہ ایسی حاصل ہوجاتی ہے کہ اگر طالب اپنے نفس کی نگہداشت رذائل، کبر وعجب وغیرہ تمام معاصی سے اسی طرح کرتا رہے جیسے ابتداء سلوک ومجاہدہ کے وقت کرتا تھا اور ذکر ومعمولات پر دوام رکھے اور شیخ سے مثل سابق تعلق قائم رکھے تو ایک وقت میں ضرور واصل وفانی ہوجائے گا اور اس درجہ میں طالب سے ان امور کی امید غالب ہوتی ہے کہ وہ ایسا ضرور کرتا رہے گا اور چونکہ اس وقت طالب کو طریق سے مناسبت معتد بہا حاصل ہوچکتی ہے تو وہ اس قابل ہوجاتا ہے کہ دوسروں کو وصول کا راستہ بتلا سکے اجازت دے دی جاتی ہے۔

تصنیفات: ماشاء اللہ تعالیٰ مولاناؒ نے بہت سے خلفاء اور تصنیفات چھوڑیں جس میں ”اعلاء السنن“ خاص مقام رکھتی ہے، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے حکم سے اس کی تالیف فرمائی اور حضرت اقدس تھانویؒ کی خدمت میں پیش فرماتے رہے اور مولانا ان کی اس اہم خدمتِ دین پر مدح وتحسین فرماتے رہے، چنانچہ اس کے حصہ رابعہ کے ملاحظہ فرمانے کے بعد حضرت حکیم الامتؒ نے مولانا عثمانیؒ کے حق میں دعا کی اور مدح کے ساتھ اظہار مسرت کے طور پر مولانا کو ایک چادر بھی عنایت فرمائی تھی جس کا اظہار حضرت حکیم الامتؒ نے اپنی تقریظ میں ان الفاظ کے ساتھ فرمایا ہے:

لما نظرت فی هذه الحصة الرابعة من الكتاب بعد انتهاء تاليفها علانی سرور اضطرنی الی اظهاره قولا بدعائی للمؤلف ومدحی للمؤلف وفعلا باعطاء ردائی له لادخال السرور عليه رجاء ان يدخلنی الله فی من يخدم الدين ولو بشیء من المسرة حقق الله رجاءی ورجاء كل من يخدم الدين بفضله وبركة سيد الخلق اجمعين۔

مولانا مرحومؒ کے ڈھاکہ چلے جانے کی وجہ سے کچھ عرصہ تک ”احکام القرآن“ کی تالیف کا کام بند رہا۔ حضرت مولانا تھانویؒ نے اس پر افسوس کا اظہار فرمایا، تو مولانا مرحوم نے اس سلسلہ کو پھر شروع کردیا چنانچہ ۲۰؍ربیع الاول ۱۳۶۱ھ بروز جمعہ احکام القرآن عربی کی دوسری دفعہ تالیف کا کام جب حضرت مولانا مرحوم نے شروع کیا تو اس خوشی میں حضرت مولانا حکیم الامت تھانویؒ کے عربی خطبہ کے

ذیل کے چند فقرے حضرت مولانا مرحوم کے تبحر علمی کے ساتھ موصوف کے مقتدا اور پیشوا ہونے پر بھی حضرت مولانا حکیم الامت تھانویؒ کی طرف سے بہت بڑی وزنی شہادت ہے۔حضرت مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں:

الحمدلله الذی وفق بعد اشارتی ابن اختی الذی هو باذن الله تعالی لعلوم الدین ینبوع ولوداد الخیر متبوع المشتهر بمولوی ظفر احمد لتالیف هذه المجموع۔۔الخ۔۔ (تذکرۃ الظفر :ص ر ۴۵۷)

ترجمہ:''اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے میرے اشارہ پر میرے بھانجہ کو جو بحمد اللہ تعالیٰ علوم دین کا سرچشمہ ہیں اور طالبانِ خیر کے پیشوا جو مولوی ظفر احمد کے نام سے مشہور ہیں اس تالیف کی توفیق دی۔''

حضرت مولانا حکیم الامت تھانویؒ کی بارگاہ میں مولانا مرحومؒ کا جو مقام تھا وہ تو ان الفاظ مذکورہ سے ظاہر ہے ہی مگر اس کے علاوہ رسالہ''القول المنصور'' پر حضرت مولانا حکیم الامتؒ نے جو تقریظ تحریر فرمائی ہے اس میں تو مولانا مرحوم کی مدح اور توصیف میں ایسے کلمات ارقام فرمائے ہیں کہ اس سے بڑھ کر متصوّر نہیں۔فرماتے ہیں''مختصراً یہ کہ میں خود ایسے طرز سے لکھنے پر قادر نہ تھا کہ بروئے حدیث''اِبْنُ اُخت الْقَوْمِ مِنْهُم''(قوم کا بھانجا انہی میں سے ہے) وہ ہاتھ بھی حکماً میرے ہی ہاتھ ہیں مگر تمایز کے درجہ میں ان مؤلف کا نام مولوی ظفر احمد سلمہ ہے،جن کا ذکر میں ایک شعر مدحی اور ایک شعر دعائی پر ختم کرتا ہوں۔اور وہ یہ ہے:

مدح توحیف است بازندانیاں گویم اندر مجمع روحانیاں

ترجمہ:اہل ظاہر کے سامنے تمہاری تعریف کرنا باعث افسوس ہے، میں

روحانیوں کے مجمع میں تمہاری تعریف کرتا ہوں۔(مرتب)

ساعدِ شہ مسکن ایں باز باد   تا ابد برخلق ایں در باز باد

(تذکرۃ الظفر :ص ۴۵۸۔بحوالہ النور جمادی الاولی ۱۳۶۰ھ)

ترجمہ: بادشاہ کی کلائی اس باز کا مسکن رہے، ہمیشہ ہمیش یہ دروازہ مخلوق کیلئے کھلا رہے۔(مرتب)

وفات: آپ کی وفات ۱۳۹۴ھ مطابق ۱۹۷۴ء میں ہوئی اور کراچی کے پاپوش نگر ناظم آباد کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔نوراللہ مرقدہ، رحمہ اللہ تعالیٰ۔

(تذکرۃ الظفر :ص ۴۴۸)

حضرت مولانا محمد ادریس[1] صاحب کاندھلویؒ المتوفی ۱۳۹۴ھ

ولادت: آپ کی ولادت ۱۲/ربیع الثانی ۱۳۱۷ھ شہر بھوپال میں ہوئی جب کہ آپ کے والد محترم مولانا حافظ محمد اسماعیل صاحب کاندھلویؒ محکمہ جنگلات کے مہتمم تھے، ماشاء اللہ تعالیٰ آپ کے والد محترم بھی جید عالم اور متقی و پرہیزگار تھے، حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے بیعت تھے۔

تعلیم و تربیت: آپ نے پہلے حفظ قرآن پاک کیا اس کے بعد آپ کے والد صاحب نے تھانہ بھون لے جا کر حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے سپرد فرمایا، چنانچہ صرف ونحو کی پہلی کتاب حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانویؒ نے خود شروع کرائی، اس کے بعد آپ نے خانقاہ امدادیہ کے مدرسہ میں باقاعدہ تعلیم کا آغاز فرمادیا، چنانچہ آپ نے مولانا عبداللہ صاحبؒ مصنف ''تیسیر المنطق'' سے بھی علمی استفادہ فرمایا۔

مظاہر العلوم سہارنپور میں: خانقاہ امدادیہ کے مدرسہ میں چونکہ صرف ابتدائی عربی تعلیم کا انتظام تھا اس لئے کچھ عرصہ وہاں گذارنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کیلئے آپ کو مدرسہ عربیہ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخل کیا گیا۔ خود حضرت مولانا

---

[1] حضرت مولانا محمد میاں دیوبندیؒ نے آپ کی سوانح ''تذکرہ مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ'' کے نام سے لکھی ہے، اسی کے اقتباسات نقل کررہا ہوں ۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء۔ (مرتب)

اشرف علی تھانویؒ آپ کو لے کر سہارنپور گئے اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کے سپرد فرمادیا۔ حدیث، تفسیر، فقہ اور دیگر مروج علوم کی تکمیل مدرسہ مظاہر علوم سے کی، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ، حضرت مولانا حافظ عبداللطیف صاحبؒ اور حضرت مولانا ثابت علی صاحبؒ جیسے جلیل القدر علماء واساتذہ سے علمی استفادہ کیا اور ۱۹؍ برس کی عمر میں سند فراغ حاصل کی۔

آپ نے کس ذوق اور لگن سے تعلیم حاصل کی اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے جسے آپ ہمارے اور اپنے اکثر احباب اور تلامذہ کے روبرو بار بار بیان کیا کرتے تھے! ’’جس زمانے میں ہم مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور میں پڑھتے تھے اس وقت وہاں مطبخ نہ تھا، طلبہ خود اپنے کھانے کا بندوبست کرتے تھے، ہماری کوشش یہ ہوتی تھی کہ کھانا پکانے یا کھانے کی وجہ سے کوئی سبق ناغہ نہ ہو، اس لئے ہم اکثر یہ کرتے کہ اگر کوئی گھنٹہ خالی ہوتا یا کوئی سبق گھنٹہ ختم ہونے سے کچھ وقت پہلے ختم ہوجاتا تو جلدی سے کمرے میں آکر انگیٹھی پر کھچڑی چڑھا جاتے اور دوسرے سبق میں چلے جاتے، جب سبق ختم ہوجاتا تو پھر کمرے میں آتے، کھچڑی انگیٹھی پر سے اتارتے اور جیسی بھی ہوتی کھالیتے، کبھی کچی ہوتی، کبھی جل جاتی، اور کبھی بہت زیادہ پچ پچی ہوجاتی، بہر حال جیسی ہوتی کھالیتے مگر سبق ضائع نہ کرتے‘‘۔

دارالعلوم دیوبند میں: اگرچہ آپ نے مظاہر العلوم سے سند فراغ حاصل کرلی تھی تاہم مدرسہ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور وہاں دوبارہ دورۂ حدیث پڑھا اور حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ،

حضرت شاہ میاں اصغر حسین دیوبندی اور حضرت مفتی عزیز الرحمن رحمہم اللہ تعالی جیسے مایۂ ناز اساتذہ کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا اور خوب ہی خوب استفادہ فرمایا۔ ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

تدریسی زندگی: ۱۳۳۸ھ/۱۹۲۱ء سے تدریسی زندگی کا آغاز ہوا، سب سے پہلے مدرسہ امینیہ دلی سے تعلق قائم ہوا، مدرسہ امینیہ کا یہ وہ دور تھا جب مفتی محمد کفایت اللہ مرحوم مدرسہ کے روح رواں تھے لیکن مدرسہ سے آپ کا تعلق صرف ایک سال قائم رہا، آئندہ سال دارالعلوم دیوبند کی کشش آپ کو دارالعلوم کھینچ لائی، چنانچہ دارالعلوم میں پہلے ہی سال جو اسباق دیئے گئے ان میں ہدایہ، اور مقامات حریری جیسی مشکل کتابیں تھیں، آپ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے کبھی ابتدائی کتابیں نہیں دی گئیں۔

دارالعلوم دیوبند سے یہ تعلق کم وبیش ۹ برس قائم رہا، اس زمانہ میں حضرتؒ بعد نماز فجر قرآن حکیم کا درس نو درہ میں بھی دیتے جس میں متوسط اور اعلی درجات کے طلباء شریک ہوتے۔ آپ کا یہ درس امتیازی حیثیت رکھتا تھا جس میں تفسیر وحدیث، علم کلام اور فقہ کے اہم مسائل پر روشنی ڈالی جاتی۔

طلبہ اس کثرت سے شامل ہوتے کہ نو درہ بھر جاتا اور بہت سے طلبہ باہر بھی کھڑے ہو جاتے، کئی طلبہ تفسیری نکات کو قلم بند کرتے، اس درس قرآن کا دارالعلوم کے طلبہ اور اساتذہ پر خاص اثر ہوا، غالباً اسی اثر کی وجہ سے آپ کا تقرر دارالعلوم میں شیخ التفسیر کی حیثیت سے ہوا۔ چنانچہ یہ خدمت بخوبی انجام دیا۔ پھر آپ ۱۹۲۹ء میں حیدر آباد دکن تشریف لے گئے اور وہاں کم وبیش ۹ سال قیام رہا۔

بیعت: آپ نے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ سے بیعت کی تھی لیکن فیوض و برکات حضرت حکیم الامتؒ مولانا اشرف علی تھانویؒ سے بھی حاصل کئے تھے، تاہم آپ نے کبھی کسی کو بیعت نہ فرمایا: اگر کوئی بیعت کے لئے کہتا تو حضرت مولانا محمد حسن صاحب امرتسریؒ یا حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب عثمانیؒ کی طرف رجوع فرمادیتے، جو یقیناً آپ کی انتہائی تواضع وفنائیت کی بات تھی۔

ارشادات وملفوظات

کلمہ اسلام: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی مختصر تشریح:

اسلام کے معنی عربی زبان میں کسی کے سامنے گردن جھکا دینے کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں اسلام کے معنی یہ ہیں کہ نبی آخر الزماں کی ہدایت کے مطابق اپنے خداوند کریم کے سامنے گردن جھکا دے اور اس کے احکام کے سامنے سرِ تسلیم خم کردے۔

اسلام کا کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہے جس کے دو رکن ہیں:

پہلا رکن: توحید ہے۔ **دوسرا رکن:** رسالت ہے۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ میں توحید کا بیان ہے اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ میں رسالت کا بیان ہے۔ بغیر توحید و رسالت کے اقرار کے آدمی مسلمان نہیں ہوسکتا۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ میں لفظ اِلٰه باعتبار اپنے ماخذ اور مصدر کے دو معنیٰ کا احتمال رکھتا ہے، ایک یہ کہ وہ ذات جو اپنے جلالی و جمالی کمالات کے باعث قابل عبادت اور لائق پرستش ہو اور دوم یہ کہ وہ ذات جو اپنی بے انتہا خوبیوں کے سبب سے اس کی طرف متوجہ ہونے والوں کو حیرت میں ڈال دے۔ پس اگر کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ میں معنی اول کے

اعتبار سے الٰہ کی نفی مراد ہوتو اس تقدیر پر کلمہ شریف کا مطلب اس طرح بیان کیا جائے گا کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی ذات ایسی نہیں کہ جو اس قدر جلال و جمال اور کمال بے مثال کے ساتھ موصوف ہو جس کی بنا پر وہ معبود ہونے کے لائق ہو سکے، اس کے جلال و جمال کی کوئی حد اور نہایت نہیں، اور اس کے جود ونوال (بخشش) کی کوئی غایت نہیں۔ لہذا اس کے سوا کوئی قابل عبادت اور لائق پرستش نہیں۔ اور اگر لفظ الٰہ سے معنیٔ ثانی مراد لئے ہیں تو اس لحاظ سے کلمۂ توحید کا مطلب یہ ہوگا کہ تمام دائرہ وجود میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود ایسا نہیں کہ جو اپنے بے شمار محامد ومحاسن کی وجہ سے نظارہ کرنے والوں کو ایسی حیرت میں ڈال دے کہ وہ اس حیرت میں پڑ کر از خود رفتہ ہو جائیں، اور اس بے خودی کے عالم میں اپنی ہستی کو بھول جائیں اور وہ اس حسن و جمال اور کمال بے مثال کے سامنے سر بسجود ہو جائیں اور تہہ دل سے پروانہ کی طرح نور الانوار پر قربان ہونے کے لئے تیار ہو جائیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ الٰہ سے خواہ قابل عبادت اور لائق پرستش کے معنی مراد ہوں اور خواہ متحیّر اور بے خود کرنے والے کے معنی مراد ہوں بہر صورت اس معنی کا مصداق حقیقی سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں، پس نہ مادہ اور طبیعت میں یہ صلاحیت ہے اور نہ نیچر اور ایتھر میں یہ لیاقت ہے کہ وہ خدا بن سکے۔ سب کا خالق اور مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے اور نیچر سب اس کے مخلوق اور مملوک ہیں اور وہی اللہ ان دونوں کا خالق اور مالک ہے، سیبویہ جو صرف ونحو کا امام عالی مقام ہے، اس نے کہا کہ لفظ اللہ وَلِهَ سے مشتق ہے جس کے معنی حیرانی وسرگردانی کے ہیں اور لفظ اللہ

کے یہ معنی بتائے ہیں کہ لوگ سرگرداں اور حیران ہوکر اپنی حاجتوں میں بصد عجز وزاری اس کی طرف رجوع کرتے ہیں اوراس سے التجا کرتے ہیں۔

اورکلمہ شہادت کوکلمہ توحیداورکلمہ اخلاص بھی کہتے ہیں اور لَااِلٰهَ اِلَّا اللهُ کوکلمہ نفی واثبات بھی کہتے ہیں، لا الٰہ میں ان تمام معبودوں کی نفی ہے جوخدا کے سوا ہیں یعنی کوئی اس کا شریک اور سہیم نہیں، اورکوئی اس کے مثل اور مانند نہیں اورکوئی اس کے سوا صانع اور مدبّر نہیں اورکوئی اس کا شبیہ اورنظیرنہیں، اور الا اللہ اثبات ہے، یعنی وہ موجود برحق اور معبود برحق اللہ ہے اورتمام صفات کمال میں یکتا اور یگانہ ہے، اورتمام چیزوں کا مُدبّر اورمتصرف ہے۔ لفظ اللہ ان تمام معنی کا جامع ہے۔ جوشخص کلمہ لَااِلٰهَ اِلَّا اللهُ ان معانی کے لحاظ سے پڑھے وہ تمام انواعِ کفروشرک سے پاک ہوجائے اور اہل توحید میں داخل اور شامل ہو جائے ،اورتوحید کا دارومدار پانچ چیزوں پر ہے:

(ا) اول یہ ہے کہ اللہ تعالی کوتمام اسمائے حسنیٰ وصفاتِ اعلیٰ کے ساتھ حقیقۃً موصوف جانے اوران میں ایسی تاویل نہ کرے جوحقیقت سے نکل کرمجاز کی حدمیں داخل ہوجائے کیونکہ یہ ایک قسم کی تعطیل ہے۔

(۲) دوم یہ کہ بندہ کواپنے افعال کا خالق نہ کہے، کفراورمعصیت سے اللہ کے ارادہ اورمشیت کی نفی نہ کرے اس لئے کہ یہ ایک طرح کی تشریک ہے۔

(۳) سوم یہ کہ خدا کی صفات کومخلوقات کی صفات پر قیاس نہ کرے جس سے خدااورمخلوق میں مماثلت اورمشابہت شامل ہوجائے، اس لئے کہ یہ ایک قسم کی تشبیہ اورتمثیل ہے۔

(۴) چہارم یہ کہ مادّہ اور روح کو قدیم نہ کہے اور یقین رکھے کہ اللہ کے سوا سب چیزیں اللہ کی مخلوق اور حادث ہیں، مادّہ اور روح کو قدیم ماننے میں تعلیل کا شائبہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس عالم کا خالق نہیں بلکہ علتِ موجبہ ہے جیسا کہ فلاسفہ کہتے ہیں۔

(۵) پنجم یہ کہ نظام کائنات اور تنوعاتِ عالم کو طبائع اور کواکب ونجوم کے تاثّر کا نتیجہ نہ سمجھے، اس سے تدبیر الٰہی میں تشریک مفہوم ہوتی ہے۔ امید ہے کہ جو شخص ان معانی کا لحاظ کر کے کلمۂ توحید پڑھے گا وہی توحید کا حق ادا کرے گا۔

دوسرا رکن: محمد رسول اللہ یہ کلمہ اسلام کا دوسرا رکن ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ تمام عالم کے باشندوں کو یہ حکم ہے کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے خالق و مالک کا رسول یعنی فرستادہ اور پیغامبر مانیں اور جو اس نے پیغامات سنائے اور جو احکام پہونچائے ان کو حق اور صدق جان کر بے چون و چرا دل وجان سے تسلیم کریں اور سرِ مو ان میں شک نہ کریں اور تمام احکام کو واجب التعمیل جانیں، اور اخلاص و نیازمندی کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام پر سرِ تسلیم جھکا دیں اور اس کی اطاعت کو خدا تعالیٰ کی اطاعت جانیں۔

(تذکرہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی، ص: ۷۳ رتا ۷۶)

ف: سبحان اللہ تعالیٰ! کلمہ توحید کی کیسی عمدہ تشریح فرمائی جو ہر مسلمان کو پیش نظر رکھنے کے لائق ہے۔ (مرتب)

نماز کی حکمتیں: ایک مرتبہ نماز کی حکمتیں بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ قرآن حکیم میں ہے ''اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ'' اس آیت

سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف انسان ہی نہیں، کائنات کی ہر چیز اللہ کی عبادت میں مصروف ہے، کس کی عبادت کس نوعیت کی ہے۔ یہ خود اسی کو معلوم ہے۔ چنانچہ اس سے آگے ہے "کُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ" یعنی ہر ایک اپنی صلوٰۃ وتسبیح کو جانتے ہیں پس اللہ تعالی خود تمام مخلوق کی عبادت کی خبر دے رہے ہیں، اب دیکھنا یہ ہے کہ کون سی مخلوق کیسی عبادت میں مشغول ہے؟ تو غور وفکر سے معلوم ہوتا ہے کہ اشجار کی عبادت بحالت قیام ہے، بہائم وچوپائے رکوع کی حالت میں ہیں، تمام حشرات الارض سربسجود ہیں، پہاڑوں کی عبادت قعود کے ذریعے ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ساری مخلوق کی عبادت ان چار طریقوں میں منحصر ہے۔ انسان چونکہ اشرف المخلوقات ہے، اس لئے اس کے لئے جو عبادت یعنی نماز مقرر کی وہ بھی تمام عبادتوں کا خلاصہ اور نچوڑ ہے۔

اور یہ بھی فرمایا کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب معراج کے لئے تشریف لے گئے تو ملکوتِ سمٰوات میں آپ نے ملائکہ کو دیکھا کہ بعض صرف حالتِ قیام میں اللہ تعالی کا حق عبودیت ادا کر رہے ہیں، اور بعضے رکوع میں ہیں، اور بعض سربسجود ہیں، اور کچھ حالتِ التحیات میں بیٹھے اللہ کی حمد وتسبیح کر رہے ہیں تو حق تعالی نے آپ کے لئے نماز جیسی عبادت میں ملائکہ کی تمام انواع واقسام کی عبادات جمع فرما دیں۔ گویا بندہ جب نماز پڑھتا ہے تو وہ فرشتوں کا قیام وقعود اور رکوع وسجود، تسبیح وتحمید اور تحیہ سب کچھ بجا لاتا ہے۔

اس کے علاوہ ایک اور حکمت یہ بیان فرمائی: جب آدمی کسی کی تعظیم کرتا ہے تو اس کے تین رُتبے ہوتے ہیں سب سے ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ آدمی کھڑا

ہو جائے، اوسط رُتبہ یہ ہے کہ جُھک جائے اور سب سے اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ سر بسجود ہو جائے، نماز میں اللہ تعالیٰ نے یہ تینوں طریقے جمع کر دیئے ہیں۔ آخر میں قعدہ ہے۔ التحیات کے لئے بیٹھتے ہیں تو یہ تعظیم کی تینوں حالتوں کا تتمہ اور تکملہ ہے اور التحیات میں تین حقوق جمع ہیں۔ اللہ کا، اللہ کے رسول کا اور عام مسلمانوں کا اور آخر میں دعاء ہے۔ (تذکرہ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ: ص ۱۵۷)

اتفاق سے مراد: ایک مجلس میں قرآنی ارشاد ''وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا'' کے بارے میں وضاحت کر رہے تھے کہ اتفاق سے کیا مراد ہے اور تفرقہ کا کیا مفہوم ہے؟ اور قرآن کس اتحاد کا طلبگار ہے۔

فرمایا: نہ ہر اتفاق محبوب ہے، اور نہ ہر اختلاف مذموم، چوروں، اچکّوں اور غلط جماعتوں کا اتفاق ہرگز محبوب اور پسندیدہ نہیں، قرآن کا منشا یہ ہے کہ حق پر متفق ہو کر رہے۔ اور وَلَا تَفَرَّقُوْا کا مطلب یہ ہے کہ حق سے جدائی اختیار مت کرو، حق سے جدا ہونا ناپسندیدہ بھی ہے اور تباہی کا باعث بھی، لیکن باطل سے جدا ہونا ہی بہتر (بلکہ ضروری) ہے۔

ارباب حکومت اعلان کرتے ہیں کہ اتفاق سے رہو۔ فرقہ واریت مت پھیلاؤ، اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ قانون حکومت کی پیروی کرو اور اس پر اتحاد رکھو جو قانون حکومت کے خلاف چلے گا وہ تفرقہ انداز کہلائے گا، اسی طرح قانون خداوندی کو سمجھو جو اس کے مطابق چلے گا وہ اتفاق کرنے والا اور متّحد ہونے والا کہلائے گا اور جو اس کے خلاف چلے گا اسے تفرقہ انداز اور اختلاف پیدا کرنے والا کہیں گے۔ (تذکرہ مولانا محمد ادریس صاحب: ص/ ۱۵۹)

روحانی ترقی کے اسباب: آپ فرمایا کرتے تھے کہ روحانی ترقی کے لئے (۱) اکل حلال، یعنی حلال روزی۔(۲) صدق مقال یعنی بات اور وعدہ کا سچا ہونا۔(۳) فرائض کا بروقت ادا کرنا۔(۴) بندوں کے حقوق ادا کرنا۔ (۵) ضرورت کے مطابق علم دین حاصل کرنا ضروری ہے۔

ولایت کے درجات: جو شخص ان امور کا پابند ہے وہ صحیح معنوں میں مسلمان اور مومن ہے، ہر مومن بنص قرآنی اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ولی اللہ ہے۔ اگرچہ ولایت کے درجے متفاوت ہیں، احکام شریعت کے خلاف عمل یا اعتقاد رکھنے والا متقی اور اللہ کا ولی نہیں ہوسکتا۔ اگر ایسے شخص سے کوئی خرق عادت بات ظاہر ہو تو وہ کرامت نہیں استدراج (یعنی اللہ کی طرف سے ڈھیل) ہے۔

استقامت کرامت سے برتر ہے: فرمایا: تم چاہتے ہو کہ نمازیں پڑھنے، روزے رکھنے اور عبادت کرنے سے باطنی اسرار اور کشف وکرامات کا اظہار ہو۔ اور حق تعالی کا ارشاد ہے کہ وَاسۡتَقِمۡ عَلَیۡھَا دین پر استقامت حاصل کرو۔ اگر تم کو دین پر استقامت حاصل ہو جائے تو یہ مطلوب حق تعالی ہے، اور کشف وکرامت تیرا مطلوب ہے، اور تیرے مقصود سے حق تعالی کا مطلوب افضل ہے، پس یہی مقصود اصلی بنانے کے لائق ہے۔

ما برائے استقامت آمدیم نے پئے کشف وکرامت آمدیم

ترجمہ: یعنی ہم دین پر استقامت کے لئے آئے ہیں نہ کہ کشف وکرامت کے لئے۔

اتباع سنت کا درجہ: فرمایا: اتباع سنت کا راستہ تمام راستوں سے قریب

اور آسان ہے۔ صبح کی نماز باجماعت ادا کرنے سے پوری رات کی عبادت کا ثواب ملتا ہے اور عشاء کی نماز باجماعت ادا کرنے سے نصف شب کی عبادت کا ثواب ملتا ہے۔ اور جو تہجّد کی نماز ادا کرے تو وہ نہایت خوش قسمت ہے کہ اللہ نے اس کو خاص مناجات کا موقع عطا فرمایا۔ اس طرح ایک رات گذرنے پر ڈیڑھ رات سے زیادہ عبادت کا ثواب اور اس پر مزید انعام واکرام یہ سب اتباعِ سنت کی بدولت ہے۔

آپ فرماتے تھے کہ کتاب وسنت میں احسان کا ذکر موجود ہے پس یہی تصوف اور طریقت ہے۔

نیز فرماتے تھے کہ دل آئینہ کی طرح ہے اس کو پانی سے صاف کرلو یا پیشاب سے صاف کرو، روحانی (شرعی) اعمال کے علاوہ سفلی یعنی ناپاک اور گندے اعمال سے انسان قوت استدراج یا خرق عادت حاصل کرلیتا ہے لیکن یہ مردود ہے۔

ف: ظاہر ہے کہ جب قلب کو پیشاب یعنی غیر شرعی اعمال سے صاف کرے گا تو صاف تو ہوجائیگا مگر پاک نہ ہوگا، اور ضرورت صفائی کے ساتھ پاکی کی بھی ہے۔ بخلاف شرعی اعمال کے کہ اس کی بجاآوری سے قلب کی صفائی اور پاکی دونوں حاصل ہوتی ہے۔ (مرتب)

بیعت مسنونہ: نیز فرمایا کہ بیعت مسنون اور مندوب ہے، واجب نہیں ہے، البتہ بیعت کا مقصود اصلاح وتزکیۂ نفس واجب اور فرض ہے، اور نفس کا تزکیہ اور اصلاح بزرگوں کی صحبت سے حاصل ہوتا ہے، سلف صالحین انصار ومہاجرین

اورتابعین میں اصل چیز صحبت تھی،صحابی کی فضلیت آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کی بناء پر ہے۔خیر القرون اوراس کے بعد، بیعت وخرقہ کا اہتمام نہ تھا بلکہ صحبت کا التزام اوراہتمام تھا۔

تصانیف: ماشاءاللہ! آپ کی بہت سی نہایت اہم تصانیف ہیں جن میں مشہور معارف القرآن ،التعلیق الصبیح شرح مشکوۃ المصابیح ،سیرۃ المصطفیٰ وغیرہ ہیں۔ ماشاء اللہ معارف القرآن بہت ہی جامع تفسیر ہے، اس وقت اپنے مدرسہ بیت المعارف کی مسجد میں اس کے سنانے کا معمول ہے جبکہ اس سے پہلے دومرتبہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی ''معارف القرآن'' سناچکا ہوں۔فللہ الحمد والمنۃ ۔(مرتب)

وفات: ۸؍رجب ۱۳۹۴ھ مطابق ۲۸؍جولائی ۱۹۷۴ء کولاہور میں نمازفجر کے بعد آپ کی وفات ہوئی۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مجمع کثیر نے شادماں کالونی (اچھرہ) کے قبرستان میں دفن کیا۔رحمہ اللہ تعالی،نور اللہ مرقدہ۔

(تذکرہ مولانا محمد ادریس:ص ۹۴)

حضرت فقیہ علامہ محمد ابوزہرہ مصری متوفی ۱۳۹۴ھ

نام ونسب مع ولادت: علامہ شیخ محمد بن مصطفی ابوزہرہ ۱۳۱۶ھ مطابق ۱۸۹۸ء میں شہرِ مصر کے ''المحلة الكبرى''میں پیدا ہوئے۔

تعلیم وتربیت: طنطا کی الجامع الاحمدی میں تربیت پائی،قرآن مجید حفظ کیا، بنیادی علوم حاصل کیے پھر مدرسۃ القضاء الشرعی میں داخل ہوئے۔یہاں قضاءشرعی میں استاذ کے درجہ کے ساتھ عالمیت کی سند ۱۳۴۳ھ بمطابق ۱۹۲۴ء میں حاصل کی اور دارالعلوم سے معادلہ بھی حاصل کیا۔دارالعلوم جامعہ ازہر کے کلیہ اصول الدین اور قاہرہ یونیورسٹی کے کلیۃ الحقوق میں شرعی وعربی علوم کی تدریس کے فرائض انجام دیئے۔پھر ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۹۳۵ء میں جامعہ میں اعلیٰ تعلیم کے لکچرر کے عہدے پر فائز ہوئے۔ وہ المجلس الاعلى للبحوث العلمية (مجلس اعلی برائے علمی تحقیقات) کے رکن بھی تھے، شعبہ شریعت کے صدر، كلية الحقوق اور معهد الدراسات الاسلامية کے وکیل رہے، علم، درس اور تالیف کے شوقین تھے،لکچر اور مذاکروں میں برابر شریک ہوتے حتی کہ امتیازی خصوصیات کی بدولت آپ کا شمار مصر اور عالم اسلام میں کانفرنسوں اور سیمیناروں کی سب سے نمایاں شخصیات میں ہونے لگا۔ (عالم اسلام کی عالمی شخصیات صفحہ:۵۷۰)

تصانیف: بلاشبہ اسلامی لائبریری پر شیخ علامہ ابوزہرہؒ کی ان اسلامی کتابوں کا احسان ہے،جنہیں انہوں نے اپنے قلم سے تحریر کیا تھا،ان کے دونوں ہاتھوں نے انھیں آراستہ کیا تھا۔ یہ کتابیں عظیم دولت اور بڑا علمی سرمایہ ہیں۔ ان کی

تعداد تقریباً اسی ہے۔ ان میں سے بیشتر مرجع کی حیثیت رکھتی ہیں مثلاً محاضرات فی تاریخ المذاهب الاسلامیة (مذاہب اسلامیہ کی تاریخ پر لکچرز)، محاضرات فی النصرانیة (نصرانیت پر لکچرز)، اصول الفقہ، بحوث فی الربا (سود پر تحقیقات) خاتم النبیین، ابوحنیفة اور الاحوال الشخصیة وغیرہ۔

شریعت کی خاطر کشمکش: شیخ محمد ابوزہرہؒ اس باغی حکومت کے تعلق سے سخت موقف کے حامل تھے جو شریعت اسلام کو ختم کرنا چاہتی ہے یا انھیں حکام کی خواہشات کے مطابق ڈھالنا چاہتی ہے۔ اس سلسلہ میں سنگین معرکوں کا آپ نے سامنا کیا اور ان سبھی معرکوں میں کامیاب ہوئے۔ انہوں نے حکومت کی خاندانی منصوبہ بندی پر اعتراض کیا، خودساختہ ذاتی قانون سے لڑائی لڑی، اشتراکیت کو اسلام میں داخل کرنے کی مخالفت کی، بعض لوگوں کے ان فتاوی کو باطل قرار دیا جن کی رو سے سود کی بعض قسمیں جائز ہوگئی تھیں۔ الحاد اور اباحیت کے مدعی قلم کاروں، مصنفین اور صحافیوں سے بھی مقابلہ کیا، کئی مرتبہ حکومت نے بھی آپ کو کبھی نرمی سے اور بسا اوقات طاقت کے زور سے خاموش کرنے کی کوشش کی لیکن اس کی یہ کوششیں لاحاصل رہیں۔ اس لیے کہ وہ اپنے دین کی سودے بازی نہیں کر سکتے تھے نہ ہی دنیا کے کسی عارضی فائدہ کے عوض اس کو فروخت کر سکتے تھے۔

ف: سبحان اللہ! کیا ہی خوب جرأت ایمانی ہے۔ اللہ تعالی ہم سب کو اس کو اسوۂ حسنہ بنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین (مرتب)

ڈاکٹر محمد رجب بیومیؒ اپنی کتاب 'النهضة الاسلامية فی سير اعلامها المعاصرين (معاصر شخصیات کی سیرتوں میں اسلامی بیداری) میں لکھتے ہیں:

’’شیخ ابوزہرہ تمام درپیش مسائل میں اہل علم کا مرجع تھے۔آپ ثابت قدم،موثر بصیرت والے، بلیغ البیان اورقوی الحجت تھے،جس کی وجہ سے ان کے شدید مخالفین بھی تھے۔لوگ ان کی فقہی بصیرت کواہمیت دیتے،اوران کی بات کی قدر کرتے تھے۔ظالموں کا سامنا کرنے میں ان کی بیباکی نمایاں تھی۔اس کی وجہ سے ان سے جنگ کی گئی مگرانہوں نے کمزوری نہ دکھائی۔‘‘

ف: عالم کوایسا ہی جری ہونا چاہئے،یہی اس کی شان ہے۔واللہ الموفق۔(مرتب)

آپ کی جرأت کا واقعہ: آپ کی جرأت وبہادری کا واقعہ جولوگ بیان کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ ان کو عالم اسلام کے بڑے بڑے علماء کی جماعت کے ساتھ کانفرنس میں مدعو کیا گیا۔داعی ایسا صدرحکومت تھا جوظلم وزیادتی میں مشہور تھا،جس کا نام جمال عبد الناصر تھا۔اس نے کانفرنس کا افتتاح ’اشتراکیۃ الاسلام (اسلام کی اشتراکیت)‘ کی اصطلاح کے ساتھ کیا۔شریک علماء کواپنے اس نظریے کی تائید کیلئے بلایا تھا جس کو وہ سمجھ رہا تھا کہ یہی بات حق ہے،اس کا کوئی ثانی نہیں۔علماء حیرت وپریشانی سے اسکو دیکھنے لگے۔لیکن استاذ شیخ ابوزہرہؒ گفتگو کی اجازت اعتماد کے ساتھ چاہتے ہیں اورمنبر پر بہادری کے ساتھ یہ کہنے کے لیے چڑھتے ہیں:’’یقیناً ہم اسلام کے علماء ہیں جوحکومت کے معاملات اورلوگوں کے مسائل میں اللہ کے فیصلہ کو جانتے ہیں۔ہم یہاں آئے ہیں تاکہ جوکچھ ہم جانتے ہیں اسی کوعلی الاعلان کہہ دیں۔ملکوں کے سربراہوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی حدود میں رہیں۔علم کواہل علم کے لیے چھوڑ دیں تاکہ وہ بہ آواز بلند حق بات کہہ سکیں۔آپ نے علماء کرام کومدعو کرکے بڑا کام کیا ہے تاکہ آپ ان کی باتوں کوسنیں نہ کہ اس لیے مدعو کیا ہے کہ آپ

ایسی رائے پیش کریں جسکو وہ درست نہیں سمجھتے خواہ اس کا نعرہ کوئی بھی سربراہ مملکت لگائے۔اس لیے ہمیں اللہ کی شریعت کے سلسلے میں اس سے ڈرتے رہنا چاہیے۔‘‘

ف: یہی موقع ہوتا ہے احقاق حق اور ابطال باطل کا جو مومن کی شان ہوتی ہے۔ ماشاءاللہ! آپ نے حق ادا کیا۔ **فھنیئاً لھم**۔ (مرتب)

صدر حکومت گھبرا گیا چنانچہ اس نے کسی ایسے عالم کو بلایا جو شیخؒ کے نظریہ کی مخالفت کر سکے مگر کوئی بھی موافق نہ مل سکا۔ مدعو علماء نے عزت وافتخار محسوس کیا۔ انھوں نے تائید کرتے ہوئے شیخ ابوزہرہؒ کا استقبال کیا۔ پہلی ہی نشست کے بعد کانفرنس برخواست ہوگئی۔اس لیے کہ صدر مملکت پر مصیبت ٹوٹ پڑی تھی اور وہ غصہ میں لمبی لمبی سانس لیتا ہوا چلا گیا تھا۔‘‘

وفات: آپ کی وفات ۱۳۹۴ھ مطابق ۱۹۷۴ء میں ہوئی، رحمہ اللہ تعالیٰ۔

(عالم اسلام کی عالمی شخصیات)

محترم جناب شاہ فیصلؒ سعودیہ عربیہ المتوفی ۱۳۹۵ھ

(خادم الحرمین الشریفین)

نام ونسب وولادت: نام شاہ فیصل والد کا نام شاہ عبدالعزیز بن سعودؒ ہے۔ شاہ فیصل کی ولادت ۱۴/اپریل ۱۹۰۶ء مطابق ۱۳۲۴ھ میں ریاض میں ہوئی۔

ابتدائی زندگی: آپ شروع ہی سے سمجھدار اور باصلاحیت انسان تھے، اسی لئے آپ کے والد دوسرے بیٹوں پر آپ کو ترجیح دیتے تھے، شاہ فیصل نے انتہائی تدبر اور فراست اور جرأت واستقلال کے ساتھ یہود اوران کے سامراجی پشت پناہوں کا مقابلہ کیا تھا۔ فراخدلی کے ساتھ مصر، شام، اردن اور دیگر ممالک کا مالی تعاون کر کے ایک اہم کردار ادا کیا اور تیل کے ہتھیار کو بڑی کامیابی کے ساتھ دنیائے اسلام اور عرب عوام کے مقاصد کیلئے استعمال کیا تھا ان عظیم خدمات کی وجہ سے ہر مسلمان کے دل میں شاہ فیصل مرحوم کی محبت وعقیدت گھر کر گئی تھی۔

حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی نے اپنی کتاب ''نقوش رفتگاں'' میں آپ کے کارنامے یوں نقل فرمائے ہیں۔

کارنامے: محبت وعظمت اور عقیدت ومقبولیت دنیا کے ہر حکمران کو نصیب ہوتی ہے۔ بات صرف اتنی بھی نہیں ہے کہ وہ ایک ایسے خطہ زمین کے فرماں روا تھے جس سے دنیا بھر کے مسلمانوں کے جذباتِ عقیدت وابستہ ہیں، کیونکہ اسی خطے کی تاریخ میں شریفِ مکہ جیسے حکمران موجود ہیں ۔ بلکہ بات للّٰہیت، اس

سوز وگداز، اس مجاہدانہ جذبے اور اس تدبر کی ہے جو اللہ نے شاہ فیصل میں اس طرح ودیعت فرمایا تھا کہ ماضی قریب کے حکمرانوں میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے اور جس کی بدولت ان کی حکومت ایک محدود رقبہ زمین پر نہیں، بلکہ مسلمانوں کے قلب وروح کی وسعتوں پر تھی۔

انہوں نے ۱۹۶۴ء میں سعودی عرب کا اقتدار سنبھالا تھا، اور ایک ایسے وقت میں اتحاد عالم اسلامی کا نعرہ بلند کیا تھا، جب دنیا بھر کی طاقتیں اس نعرے کی مخالف تھیں اور پرائے تو پرائے اپنے بھی اس کا مذاق اڑاتے تھے۔ لیکن وہ انتہائی خاموشی اور تدبر ووقار کے ساتھ اس راہ کی جدوجہد میں مصروف رہے اور دھمکیوں، طعنوں اور تمسخر واستہزاء کے اوچھے ہتھیار ان کے پائے استقامت میں جنبش پیدا نہ کرسکے۔ ان کے دل میں وحدت اسلامی کی مچلتی ہوئی آرزو نے پہلے رابطہ عالم اسلامی، پھر اسلامی سیکریٹیٹ اور بالآخر مسلم سربراہ کانفرنسوں کی شکل اختیار کرلی۔ اور جہاں چند عرب سربراہوں کا سر جوڑ کر بیٹھنا ناممکن نظر آرہا تھا وہاں چشم فلک نے یہ ایمان افروز نظارہ بھی دیکھا کہ شاہی مسجد لاہور کے فرش پر انڈونیشیا سے مراکش تک کے سربراہ ایک ساتھ بارگاہ الٰہی میں سجدہ ریز تھے۔ اس نظارہ میں شاہ فیصل کی شخصیت سب سے الگ سب سے ممتاز اور سب سے زیادہ دل آویز تھی۔ مسجد کی ہیبت وجلال سے ان کی جھکی ہوئی نگاہیں، ان کا متواضع انداز، ان کا منفرد طرز بندگی اور دعا کے وقت ان کی آنکھوں میں چھلکتے ہوئے آنسو اس بات کی گواہی دے رہے تھے کہ وہ محض کسی سیاسی ضرورت سے نہیں بلکہ اپنے دل کے جذبۂ بیتاب کی تسکین کیلئے یہاں تک پہنچے ہیں۔

حرمین شریفین کی خدمت اور حجاج وزائرین کو سہولت بہم پہنچانے کیلئے انہوں نے جو کارنامے انجام دئے وہ بلاشبہ تاریخی یادگار اور صدقات جاریہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ان کے عہد میں سعودی عرب نے مادّی اعتبار سے بڑی ترقی کی اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس ترقی کے ساتھ اس خطے میں بعض ایسے منکرات بھی داخل ہوگئے جنہیں دیکھ کر دل کڑھتا ہے لیکن یہ شاہ فیصل کی شخصیت ہی تھی جس نے مغربی طرز زندگی کے اس سیلاب پر اپنی حکمت ودوراندیشی اور تدین اور خودداری سے بڑی حد تک بند باندھے، جو آج کل مادّی ترقیات کے ساتھ لازم ہوکر رہ گیا ہے۔انہوں نے اسلام اور اسلامی شعائر کو ڈرڈر کر چھپ چھپ کر اختیار نہیں کیا بلکہ پوری خوداعتمادی اور عزت ووقار کے ساتھ اختیار کیا اور آخردم تک اپنی آن برقرار رکھی۔یہی وجہ ہے کہ زمانے کی عام رفتار کے تحت مادی ترقیات کے ساتھ مغربیت کا جتنا زہر معمولاً ہر اسلامی ملک میں پھیلا ہوا ہے سعودی عرب اس سے سب سے کم متاثر ہوا۔**فالحمد للہ رب العالمین۔**

ف: مگر افسوس یہ تاثر بد اب ۱۴۴۳ھ میں مزید برمزید ہورہا ہے۔ **العیاذ باللہ تعالی۔فاللہ خیر حافظہ**

شاہ فیصل کی زندگی عالم اسلام کے حکمرانوں کیلئے ایک سبق کی حیثیت رکھتی ہے۔دنیا کا کوئی بھی فرماں رواخواہ اس نے اپنے سطوت وجلال کے کتنے ہی پرچم لہرائے ہوں بالآخر اس کا انجام وہی خاک ہے جس میں آج شاہ فیصل محوآرام ہیں۔دنیا میں اقتدار واختیار کبھی کسی کا قائم نہیں رہا لیکن جو شخص اس اختیار واقتدار کو اللہ کی رضا اور ملت کی فلاح وبہبود میں استعمال کرے، اس پر دنیا میں تعریف

وتحسین اور آخرت میں اللہ کی رحمتیں برستی ہیں۔اور جو شخص اس اقتدار کو محض اپنی ذاتی ہوس کی تسکین کا ذریعہ بناتا ہے قبر کے انجام تک پہنچنے کے بعد نہ دنیا میں اس کی یاد باقی رہتی ہے اور نہ آخرت میں اس کا کوئی نصیب۔شاہ فیصل کوئی قرون اولیٰ کے حکمران نہیں تھے اور نہ انہیں اسلام کا پورا آئیڈیل کہا جاسکتا ہے، لیکن ماضی قریب کے حکمرانوں میں وہ اسلام سے شاید سب سے زیادہ قریب تھے۔ اسی قرب نے انہیں حیات جاوید بخش دی ہے۔ (نقوش رفتگاں ص:۵۶)

نصیحت پذیری کا حال: مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی شاہ فیصل سے ملاقات اور عجیب وغریب نصیحت ملاحظہ کریں:

’’مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ جب شاہ فیصل سے ملاقات کیلئے ان کے محل میں تشریف لے گئے، تو محل کی خوبصورتی، اس کی سجاوٹ اور اس کی آرائش وزیبائش دیکھ کر شاہ فیصلؒ سے یوں گویا ہوئے: میں سوچ رہا ہوں اور مجھے یاد آرہا ہے کہ ہمارے ہندوستان میں بھی ایک بادشاہ گذرا ہے۔ اس کی سلطنت آج کے پورے ہندوستان اور پاکستان پر ہی نہیں بلکہ نیپال، سری لنکا اور افغانستان تک پھیلی ہوئی تھی، اس نے ۵۲ رسال اتنی بڑی سلطنت پر حکومت کی، مگر اقتدار کے ۵۲ رسالوں میں سے ۲۰ رسال گھوڑے کی پیٹھ پر گذارے، اس کے دور میں مسلمان آزاد تھے، خوشحال تھے، ان کیلئے ہر قسم کی آسانیاں تھیں۔لیکن بادشاہ کا حال یہ تھا کہ وہ پیوند لگے کپڑے پہنتا تھا، قرآن مجید کی کتابت کر کے اور ٹوپیاں سی کر اپنا خرچ چلاتا تھا، خزانے کو اللہ کی اور اس کی مخلوق کی امانت سمجھتا تھا، وہ خود روکھی سوکھی کھاتا تھا، مگر دوسروں کیلئے لنگر چلاتا تھا،

وہ خود تنگ دست تھا مگر دوسروں کیلئے موتی لٹاتا تھا۔ وہ فقیر تھا مگر دل کھول کر غریبوں کی مدد کرتا تھا۔ عیاشی کے تمام سامان اس کے ایک اشارے پر فراہم ہو سکتے تھے، مگر وہ آخرت کو یاد کر کے روتا تھا۔ راتوں کو پروردگار کے حضور میں کھڑا رہتا تھا، اور اپنی کوتاہیوں پر رو رو کر معافی مانگتا تھا، اپنے دربار میں وہ بادشاہ تھا لیکن اللہ کے دربار میں فقیر ہی بن کر کھڑا رہتا تھا، اور آنسوؤں کا نذرانہ پیش کرتا تھا۔ اس وقت مسلم حکمراں غریب اور سادہ تھے، مگر عوام خوشحال اور آسودہ تھے، آج آپ کا یہ محل دیکھا تو خیال آیا کہ سب کچھ کتنا بدل گیا ہے۔ آج ہمارے بادشاہ خوشحال ہیں اور عوام غریب محتاج۔ بادشاہ شاندار محلوں میں رہتے ہیں مگر رعایا کو جھونپڑی بھی میسر نہیں۔ پہلے کے بادشاہ پوری قوم کیلئے دردمند تھے مگر اب بادشاہوں کو کسی کا کوئی خیال ہی نہیں۔ اپنی عیاشی میں مست ہیں۔ فلسطین کے عربوں کو دیکھئے کہ کیا حال کر دیا ہے ان کا یہودیوں اور نصرانیوں نے۔ فلسطین میں مسلمان بے گھر ہیں، کشمیر میں ان کا لہو ارزاں ہے، وسط ایشاء میں وہ اسلام کی شناخت سے محروم ہیں۔ آج میں نے آپ کے محل میں قدم رکھا تو اسلام کی پوری تاریخ میری نظر میں گھوم گئی اور پہلے کے اور اب کے بادشاہوں کے تقابل میں کھو گیا۔ جب مولانا خاموش ہوئے تو شاہ فیصلؒ کا چہرہ آنسوؤں سے تر ہو گیا تھا۔ شاہ فیصلؒ نے حضرت مولانا کا بہت بہت شکریہ ادا کیا اور کہا کہ آپ نے میری آنکھ کی پٹی کھول دی۔

یہ تو تھے شاہ فیصل مرحوم کے کمالات وامتیازات اب پڑھئے خادم الحرمین ملک فہد اور ملک عبداللہ کے ایمانی کلمات۔

خادم الحرمین ملک فہد و ملک عبداللہ وغیرہم کے ایمانی کلمات

ایک بار جب سعودیہ عربیہ کی مقتدر شخصیت شیخ عبداللہ بن عبدالعزیز بن عبد اللہ بن بازؒ کے پاؤں میں چوٹ لگی تو خادم الحرمین الشریفین ملک فہدؒ عیادت کے لئے تشریف لائے، آپ نے موقع غنیمت جانا اور سلام و کلام کے بعد ارکان اسلام کی پابندی، رعیت کے ساتھ احسان، عدل و انصاف، ظلم کی بیخ کنی، فواحش و منکرات کے سد باب اور ہر امر میں اعتصام بالکتاب والسنۃ کی تلقین کی اور اس کے مناسب آیات پڑھیں۔ اور اس سلسلہ کی احادیث کے متون پڑھ کر سنائے، آنجناب نے بڑی خاموشی اور عقیدت سے ان جواہر پاروں کی سماعت کی، جب شیخ محترم اپنی بات عرض کر چکے تو تحدیث نعمت کے طور پر ملک فہد نے بڑے ادب سے عرض کیا کہ یہ تمسک بالکتاب والسنۃ ہی کی برکت اور حکومت کی ان سے وابستگی کا ہی نتیجہ ہے کہ ہمارا ملک ساری دنیا کے لئے نمونہ ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے سونے کی نہریں جاری کر رکھی ہیں، ایک زمانہ تھا، شاہ فیصل جب ریاض کے گورنر تھے، ان کی تنخواہ پچاس ریال سے بھی کم تھی۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ دین سے لگاؤ کا ہی نتیجہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی مہربانی کہ نہ ہمارے یہاں سیلاب آتے ہیں، نہ زلزلے، نہ طوفان نہ جھٹکے، یہاں کے امن و امان اور خوشحالی کو دیکھ کر دنیا کے بڑے بڑے لیڈر بھی عش عش کرتے اور اسلام کی برکت کا برملا اعتراف کرتے اور عزت کرتے ہیں۔

اسی طرح ایک مرتبہ ولی عہد امیر عبداللہ عید کی مبارکباد کے لئے تشریف لائے، اس وقت چند روز قبل ہی ٹی وی کے ڈش انٹینا پر حکومت کی طرف سے

پابندی کا اعلان ہوا تھا، ایک شخص نے اس قرارداد کے صادر کرنے پر امیر موصوف کی تعریف کی اور مبارکباد دی۔ شیخ محترم فوراً گویا ہوئے کہ اس کی تنفیذ پر سختی کی جائے نیز دیگر فواحش ومنکرات کو روکنے کی بھی اشد ضرورت ہے۔ امیر محترم نے مسکراتے ہوئے آپ کی نصیحتیں اور ہدایات سنیں اور حتی الامکان اصلاح احوال کا یقین دلایا۔ موصوف نے حق کی سربلندی، اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے کبھی کسی کے سامنے مداہنت سے کام نہیں لیا، حرب خلیج میں یاسر عرفات کی غلط پالیسی پر شیخ نے گورنر ریاض سے کہا کہ پوری قوم اور عوام کو اس کی سزا نہ دی جائے، امداد جاری رہنی چاہئے۔ امیر سلمان نے جواب دیا: اتفاق سے آج ہی میں نے چیک روانہ کیا ہے، یہ دیکھئے اس کی رسید بھی موجود ہے۔

ف: سبحان اللہ! ابھی حال میں ایسے حق گو اور اللہ سے ڈرنے والے عالم موجود تھے جو برملا بادشاہ وقت کے روبرو حق بات کہنے کی جرأت رکھتے تھے۔ ویسے ہی مبارک ملک وملِک زادے بھی تھے جو کہ ان علماء کی نصائح کو بصدق وخلوص کشادہ دلی سے قبول کرتے تھے۔ کثر اللہ امثالھم۔ آمین۔ (مرتب)

اسلامی قانون کے نفاذ اور عدل وانصاف کی تازہ مثال

سعودی عرب کے دارالحکومت ریاض میں ۱۸/ستمبر ۲۰۰۲ء کو ایک عجیب وغریب واقعہ پیش آیا کہ خادم الحرمین شاہ فہد کے بھائی کے پوتے شہزادہ فہد بن نائف بن سعود بن عبدالعزیز نے ایک اعلیٰ خاندان کے منذر بن سلیمان قاضی تیمی پر آپسی لڑائی میں فائرنگ کردی اور وہ وہیں جان بحق ہوگیا، اور شہزادہ نے بھی اپنے جرم کا اعتراف کرلیا، چنانچہ اس کو فوری گرفتار کرکے عام قیدیوں کی

طرح عام جیل میں ڈال دیا گیا، اس کے ساتھ کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا گیا۔

انصاف پرور ججوں نے شرعی قوانین کے مطابق بغیر کسی دباؤ کے یہ فیصلہ سنا دیا کہ اگر مقتول کے ورثاء قاتل سے خوں بہا لے کر یا اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے معاف کردیں تو ٹھیک ہے، ورنہ قاتل بہرحال گردن زدنی کا مستحق ہے، اس مقدمہ میں شاہی خاندان کے کسی فرد نے بھی نہ عدالت پر اثر انداز ہونے کی کوشش کی اور نہ جج صاحبان نے عدل وانصاف کا دامن ہاتھ سے چھوڑا، جیسا کہ دنیا کے دیگر ممالک میں روزانہ سننے میں آتا رہتا ہے۔

مقدمہ کے دوران بہت سے بااثر لوگوں نے کوشش کی کہ مقتول کے ورثاء خون بہا لے کر معاف کردیں، ایک اخباری رپورٹ کے مطابق شاہی خاندان نے ستر (۷۰) ملین ریال تک کی موٹی رقم خوں بہا میں دینے کی پیش کش کی، مگر مقتول کے والد سلیمان قاضی نے پیشکش کو ٹھکرا دیا اور کہا کہ میں اپنے بیٹے کے خون کا سودا نہیں کرسکتا۔

اسی وجہ سے عدالت عظمیٰ نے یکم مئی ۲۰۰۴ء کو قاتل کو قصاص میں قتل کئے جانے کا فیصلہ سنا دیا۔ چنانچہ مقررہ تاریخ پر میدان قصاص میں رؤساء عرب، اساطین حکومت اور مقتول کے ورثاء سب جمع ہوگئے۔ شہزادہ فہد کو قیدیوں کے مخصوص لباس میں لایا گیا۔ جلاد نے تلوار میان سے نکال لی، شہزادے نے پکارا: اے سلیمان! مجھے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے معاف کردیں، سلیمان قاضی اس وقت تک اپنے فیصلے پر قائم تھے، اس وقت ان کے چچازاد بھائی عبدالرحمٰن نے کہا کہ پانچ منٹ تک غور کرلو۔ سلیمان کہتے ہیں کہ میں سوچتا رہا۔ پانچ منٹ کے بعد

پولیس کے چیف نے مجھ سے پوچھا کہ تم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ قصاص لیا جائے۔ چنانچہ اس نے جلاد کو اشارہ کر دیا۔ اسی دوران قبیلہ کے بعض افراد نے مجھے مشورہ دیا کہ ایک بار پھر استخارہ کرلوں، جبکہ اس سے قبل میں دومرتبہ استخارہ کر چکا تھا اور نتیجہ قصاص لینے کا ہی تھا۔ آخری لمحات میں پھر میں نے نماز استخارہ شروع کر دی اور آدھ گھنٹہ نماز ادا کرتا رہا، اور اپنے رب سے مشورہ کرتا رہا، نماز سے فارغ ہو کر میں نے بیوی، بچوں اور بھائی عبدالرحمٰن سے کہا کہ نماز استخارہ کے بعد میرا ذہن معاف کرنے پر آمادہ ہے، ان لوگوں نے کہا کہ آخری فیصلہ تو تمہارا ہی ہے، مگر اللہ تعالیٰ کے لئے معاف کر دینا ہی بہتر ہے۔

اب چند لمحات کی بات تھی، شہزادہ سر جھکائے کھڑا تھا، جلاد تلوار لئے ہوئے اشارہ کا منتظر تھا کہ اچانک سلیمان قاضی نے کہا کہ جاؤ! اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے تمہیں معاف کر دیا، مجھے کسی نے مجبور نہیں کیا، اور نہ مجھے کوئی مالی لالچ ہے، ہاں تمہیں قرآن حفظ کرنا چاہئے اور بقیہ زندگی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت میں گزارنی چاہئے۔

معافی کا اعلان ہوتے ہی لوگوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور میدان اللہ اکبر کے نعروں سے گونج اٹھا، سلیمان نے شہزادہ کو گلے لگا لیا اور شہزادے نے بھی اپنے فعل پر ندامت کا اظہار کیا اور ان کا شکریہ ادا کیا۔ اور سب لوگوں نے سلیمان کی خدمت میں ہدیۂ تشکر پیش کیا۔

ادھر شہزادہ کی ماں بیٹے کی زندگی سے مایوس ہو کر سخت اضطراب و بے چینی میں مبتلا تھی، جس کی وجہ سے ان کو اسپتال میں داخل کر دیا گیا تھا، معافی کے

بعد فوراً شہزادہ بیڑیاں پہنے ہی سیکورٹی کے ہمراہ اسپتال پہنچ گیا۔ جب ان کو معافی کی اطلاع ملی تو بے اختیار بیٹے سے چمٹ گئیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر اور قاضی خاندان کا شکریہ ادا کرنے لگیں۔

قانون کے مطابق مقتول کے ورثاء نے عدالت میں حلفیہ بیان دیا کہ انہوں نے بغیر کسی جبر واکراہ کے قاتل کو معاف کیا ہے، اس کے بعد عدالتی کارروائی مکمل ہوئی۔ انتہیٰ۔ (ملخصاً از محدث عصر بابت مارچ ۲۰۰۷ء جامعۃ الامام انور، دیوبند)

ف: مگر افسوس کہ اب یہ حال نہیں ہے، العیاذ باللہ۔ ہمارا فریضہ ہے کہ اس سلطنت کے لئے دعا کریں کہ اللہ جو احکم الحاکمین ہے اس سلطنت کیلئے ایسے خدا ترس حکام میسر فرمائیں جو بگڑے میخانہ کی اصلاح فرماتے رہیں۔ جیسا کہ ان کے سابق آباء واجداد نے عدل وانصاف کی مثال قائم کردی **وماذلک علی اللہ بعزیز** (مرتب)

وفات: شاہ فیصل مرحوم کو آپ کے بھتیجے نے ۲۵/ مارچ ۱۹۷۵ء مطابق ۱۳۹۵ھ میں گولی مار کر شہید کردیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور ریاض کے اندر ''مقبرۃ السعود'' میں دفن کئے گئے۔ نور اللہ مرقدہ۔

(نقوش رفتگاں ص:۵٦)

حضرت مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ المتوفی ۱۳۹۵ھ

آپ ایک وسیع النظر عالم دین، مؤرخ اسلام، ممتاز اہل قلم، اور جمعیۃ علماء ہند کے ناظم اعلی تھے۔

نام ونسب مع ولادت: آپ کی ولادت ۱۳۲۱ھ مطابق ۱۹۰۳ء میں ضلع بلندشہر یو۔پی۔میں ہوئی، جہاں آپ کے والد صاحب ملازمت کے سلسلے میں قیام پذیر تھے، آپ کا تاریخی نام مظفر میاں تھا، آپ دیوبند کے مشہور خاندان سادات رضویہ سے تعلق رکھتے تھے، (ماہنامہ دارالعلوم دیوبند مئی ۱۹۷۶ء میں آپ کی جائے پیدائش محلہ پیرزادگان دیوبند ضلع سہارنپور، تحریر ہے۔) آپ کے والد محترم کا نام سید منظور محمد تھا اور والدہ ماجدہ کا نام اکرام النساء تھا۔

تعلیم وتربیت: آپ نے تعلیم کا آغاز گھر سے کیا، قرآن شریف ضلع مظفر نگر کے ایک میاں جی سے پڑھا ۱۳۳۱ھ میں دارالعلوم دیوبند میں درجۂ فارسی میں داخل ہوئے اور ۱۳۴۳ھ میں سند فراغت حاصل کی۔آپ کے اساتذہ میں محدث العصر علامہ کشمیریؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ مفتی اعظم مفتی عزیز الرحمن عثمانیؒ، شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی امروہویؒ، عارف باللہ حضرت مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ جیسے مشاہیر علماء شامل ہیں۔

درس وتدریس: فراغت کے بعد اولاً صوبۂ بہار کے مدرسہ حنفیہ آرہ شاہ آباد میں مدرس رہے پھر مدرسہ شاہی مراد آباد میں سولہ سال تک مدرّس اور مفتی کے عہدہ

پر فائز رہے، زندگی کے آخری دور میں مدرسہ امینیہ دہلی کے شیخ الحدیث رہے۔

سلسلۂ سلوک: آپ کا اصلاحی تعلق قطب العالم شیخ الاسلام حضرت مولانا مدنیؒ سے تھا، مولانا نے تازیست اپنے شیخ ومرشد کی ہدایات اور منشاء پر نہایت پامردی سے عمل کیا اوران کے متعلقین و منتسبین اوراولاد کا مثالی ادب واحترام فرمایا، سحبان الہند مولانا احمد سعید صاحبؒ آپ کے تقوی وطہارت اور احتیاط وپرہیزگاری سے متاثر ہوکر آپ کو جمعیت کے ''بایزید بسطامی'' کہا کرتے تھے، وہ اپنے لئے راحت وآرام کو زیادہ پسند نہ فرماتے، جس گدّے پر بیٹھ کر کتب بینی وتصنیف وتالیف کرتے اکثر نیند کے غلبہ کے وقت اسی پر تھوڑی دیر سوجاتے۔ پھر اٹھ کر اپنے کام میں مصروف ہوجاتے، آپ کی زندگی مجاہدانہ بھی تھی اور طالبعلمانہ بھی، لیکن یہ علمی انہماک اور دیگر گوناگوں مصروفیات آپ کے معمولات ووظائف وتہجد وغیرہ میں مانع اور رکاوٹ نہ بنیں، آپ بڑے استقلال کے ساتھ سفر وحضر ہرحال میں اپنے تمام معمولات کے سختی سے پابند تھے۔

(مقدمہ مرأۃ الانوار شرح اردو مشکوۃ الآثار: ص/ ۱۸، ج/ ۱)

آپ کا علمی وسیاسی کارنامہ: آپ کے علمی کارناموں میں یہ کتابیں ہیں جو آپ نے تصنیف کیں، علماء ہند کا شاندار ماضی، علمائے حق کے مجاہدانہ کارنامے، عہد زریں، سیرتِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، تاریخ اسلام، تحریک شیخ الہند، حدیث میں مشکوۃ الآثار جو دارالعلوم دیوبند میں داخل نصاب ہے۔ اسی طرح جمعیۃ علماء ہند کا تعلیمی نصاب جو ''دینی تعلیم کا رسالہ'' کے نام سے موسوم ہے، آپ ہی کی تصنیف ہے۔ یہ رسالے اسلامی مدارس ومکاتب کے نصاب میں داخل ہیں، اسی

طرح آپ نے سیاست میں بھی حصہ لے کر زبردست کارنامہ انجام دیا ہے۔ برطانوی دورِحکومت میں کئی مرتبہ قید وبند کی صعوبتوں کو برداشت کیا، تحریک آزادی میں بھی مردانہ وار حصہ لیا، درس وتدریس کے بعد جمعیۃ علمائے ہند کے ناظم بنائے گئے اور ایک سال تک ناظمِ اعلیٰ کے عہدہ پر فائز رہے۔

ف: آپ کے صاحبزادے مولانا سید ساجد میاں صاحب سے ملاقات بلکہ آپ سے خاص محبت وتعلق ہے، اور آپ کی کتاب علماء ہند کا شاندار ماضی سے اقوال سلف کی تالیف کے سلسلہ میں کافی منتفع ہوا ہوں۔ **فجزاھم اللہ تعالیٰ**۔ (مرتب)

آپ کی تصنیف ''عہدِ زرّیں'' سے اقتباسات: حضرت مولانا کی تصانیف میں ایک اہم تصنیف ''عہدِ زریں'' بھی ہے۔ جس میں جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم کی مکمل تاریخ آیات قرآنیہ کی روشنی میں پیش فرمائی ہے، جو دراصل حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی معرکۃ الآراء کتاب ''ازالۃ الخفاء'' جو فارسی زبان میں تھی اس کو مولانا نے اردو کا جامہ پہنایا۔ اندازِ تحریر ایسا اختیار کیا کہ عام فہم بھی ہو اور دلچسپ بھی، اس کا پورا لحاظ رکھتے ہوئے کہ کوئی مضمون چھوٹنے نہ پائے اور مفہوم پورا ادا ہوجائے، ترتیب ابواب میں ایسی تبدیلی کردی کہ پوری کتاب دورِ حاضر کے علمی نفسیات اور فکری تقاضوں کے بموجب ایک نئی کتاب بن گئی۔ موضوع سے تعلق رکھنے والے مضامین جن کو حضرت شاہ صاحبؒ نے ''قرۃ العینین'' وغیرہ میں زیادہ وضاحت کے ساتھ تحریر فرمایا ہے یا شاہ صاحبؒ کے پوتے حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے ''منصب امامت'' میں ان کو واضح کیا ہے ان کا اضافہ کردیا، ابتداء میں ایک

مقدمہ کا اضافہ کیا ہے پھر جگہ جگہ حاشیہ میں قابل قدر تشریحات بڑھادی ہیں، جن کی وجہ سے موجودہ دور کے علمی مذاق کے بموجب بھی کتاب کی جامعیت مکمل ہوگئی ہے، لہذا پوری کتاب کا مطالعہ خصوصاً اہل علم کے لئے نہایت مفید اور بصیرت افروز ہے تاکہ کلام الٰہی سے صحابہ کرامؓ کے فضائل ومناقب اور ان کے کارناموں کو معلوم کیا جاسکے۔

ہم کتاب کے اختصار کوملحوظ رکھتے ہوئے چند اقتباسات نقل کرنے کی سعادت حاصل کررہے ہیں، امید ہے کہ ناظرین کرام پسند فرمائیں گے۔

چنانچہ عنوان ''تعمیر کعبہ کے وقت دعا'' کے تحت یوں رقمطراز ہیں:

(۱) ''کلام اللہ نے خبر دی ہے کہ تعمیر کعبہ کے وقت ان دونوں کے دلوں کی گہرائیوں سے جوکلمات زبان پر آرہے تھے یہ تھے: رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔

ترجمہ: اے پروردگار! ہمارا یہ عمل قبول فرما، بیشک تو ہی ہے دعاؤں کا سننے والا (کائنات عالم کی مصلحتوں کو) جاننے والا۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَکَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۔

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار! ہمیں توفیق عطا فرما کہ سچے مسلم (اور تیرے احکام کے فرمانبردار) ہوجائیں۔ اور ہماری نسل میں سے ایسی امت پیدا کر جو ''مسلمہ'' (یعنی تیرے حکموں کی فرماں بردار) ہو۔ اور اے خدا! ہمیں ہماری عبادت گذاری کے سچے طور وطریق بتادے اور ہماری کوتاہیوں

سے درگزر فرما۔ بلاشبہ تیری ہی ذات ہے جو اپنی رحمت سے گناہوں کو معاف کرتی ہے اور جس کی رحیمانہ درگزر کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡ عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَيُزَكِّيۡهِمۡ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ۔ (بقرۃ:۱۲۹)

ترجمہ: اور خدایا! اپنے فضل وکرم سے ایسا کرنا کہ اس بستی کے بسنے والوں میں تیرا ایک رسول پیدا ہو جو انہیں میں سے ہو، وہ تیری آیتیں لوگوں کو پڑھ کر سنائے ، کتاب اور (دینی بصیرت) وحکمت کی تعلیم دے، اور اپنی (پیغمبرانہ تربیت سے) ان کے دلوں کو مانجھ دے۔ اے پروردگار! بلاشبہ تیری ہی ذات ہے جو حکمت والی اور سب پر غالب ہے۔

دعا کے الفاظ دہرایئے اور ان سے اس عجز وانکسار کا سبق لیجئے، جو دعا کے وقت ہونا چاہئے، حضرت ابراہیمؑ جیسا اولوالعزم رسول جس کا خطاب خلیل اللہ ہے اس کی یہ عاجزی کس قدر سبق آموز ہے۔

ایک طرف یہ یقین رکھنا کہ وہ اللہ کے رسول اور نبی ہیں، یعنی ایک ایسی شخصیت ہے جس کو خدا نے خود منتخب فرمایا ہے کہ ارشاد وہدایت اور روحانی ترقی کے سلسلہ میں منشاء خداوندی پورا کرے، دوسری طرف اپنے ہیچ در ہیچ ہونے کا یہ احساس کہ اس کی نظیر کسی بے کس ولاچار کے قلب مضطر میں بھی نہیں مل سکتی۔ کیا یہ سراسر معجزہ نہیں؟

(۲) عنوان ''صحابہ کرام اور خلفاء راشدین کے لئے توریت وانجیل کی شہادت'' کے تحت یہ آیت درج فرمائی ہے: سِيۡمَاهُمۡ فِيۡ وُجُوۡهِهِمۡ مِّنۡ

اَثَرِ السُّجُوْدِ ط ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْأَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ط وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۔ (الفتح: ع ۴)

ترجمہ: یہ ہے ان کی شان (اور بقول حضرت شاہ عبدالقادر صاحب انکی کہاوت) توریت میں ۔ اور انکی ممتاز خصوصیت (کہاوت) جو انجیل میں ضرب المثل ہے یہ ہے جیسے کھیتی، نکالا اس نے اپنا پٹھا (یعنی کیلیں نمودار ہوئیں) پھر ان کو قوی کیا (بقول حضرت شاہ صاحبؒ ان کی کمر مضبوط کی) یعنی وہ کیلیں بڑھیں اور مضبوط ہوئیں، پھر موٹی ہوئیں، پھر کھڑی ہوگئیں اپنی نال پر، یعنی تنہ دار پودا بن گئیں، جن کو دیکھ کر کاشتکار خوش ہونے لگے، دوسری جانب یہ کافروں کے غیظ وغضب کا باعث بن گئیں (بقول حضرت شاہ صاحب ان کا جی جلنے لگا) اور اللہ تعالیٰ نے ایمان اور عمل صالح والوں سے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے۔

حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب دیوبندیؒ اس آیت کی بہترین تشریح فرمانے کے بعد یوں رقمطراز ہیں:

دعاؤں اور بشارتوں کے باب کو ہم مندرجہ ذیل دو روایتوں پر ختم کرتے ہیں:۔

پہلی روایت میں ہے کہ: حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی امت کے متعلق توریت میں کیا لکھا ہے؟ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: سطر اول میں ہے (یعنی پہلا فقرہ یہ

ہے) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ کے برگزیدہ اور پسندیدہ بندے ہیں، نہ سخت گو، نہ سخت مزاج ، نہ بازاروں میں شور مچانے والے، برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے، بلکہ معاف کر دیتے ہیں اور بخش دیتے ہیں، جائے پیدائش مکہ ہوگی ، دار ہجرت طیبہ (مدینہ) ہوگا، ان کا ملک شام میں ہوگا۔ (شام پر ان کی حکومت ہوگی)۔''

دوسری سطر میں ہے (یعنی دوسرا فقرہ یہ ہے): ''محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کی امت بہت حمد کرنیوالی ہوگی مسرت اور مصیبت، نرمی اور سختی ،غرض ہر حالت میں خدا کی حمد کیا کرے گی، ہر ایک منزل ہر ایک مرتبہ اور درجہ میں اللہ کی شکر گزار رہے گی، ہر بلندی کے موقع پر خدا کی بڑائی اور اس کی عظمت کا اعتراف واظہار کرے گی۔ آپ کے امتی دھوپ کا ہر وقت لحاظ رکھا کریں گے (تا کہ نمازوں کو وقت پر ادا کر سکیں)۔ جب نماز کا وقت آیا کرے گا خواہ وہ کسی حالت میں ہوں نماز ادا کریں گے، حتی کہ اگر کوڑے کرکٹ کی میلی جگہ پر ہوں جب بھی نماز وقت پر ادا کریں گے، کمر پر تہبند (ازار) باندھا کریں گے، اپنے اعضاء (وضو کے ذریعہ) ہاتھ، پاؤں اور چہروں کو پاک صاف اور روشن رکھا کریں گے۔ اوقات شب میں انکی آوازیں شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح گونجا کریں گی۔

دوسری روایت میں ہے کہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت کعب احبارؒ سے دریافت کیا کہ توریت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کیا اوصاف تم نے پڑھے ہیں؟ حضرت کعبؒ نے وہی اوصاف بیان فرمائے جو پہلی روایت میں

گزر چکے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ ''نمازوں میں ایسی ہی صف بندی کیا کریں گے جیسے میدان جنگ میں نیز یہ کہ ان کی گونج ان کی سجدہ گاہوں میں ایسی ہوگی جیسے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ''۔

تنبیہ: (ا) نماز میں چلا کر رونا جائز نہیں۔ اس سے بعض صورتوں میں نماز فاسد ہوجاتی ہے۔ اب ایک طرف نماز کا یہ احترام ہو اور دوسری جانب قلب پر رقت طاری ہو تو اس صورت میں تنفس کی آواز عجیب طرح کی ہوجاتی ہے۔ اس آواز کو ان روایتوں میں شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ سے تعبیر کیا گیا ہے، اور بظاہر زیادہ صحیح تعبیر وہ ہے جو صحابہ کرامؓ کے متعلق صحیح احادیث میں وارد ہے کہ شب کو تہجد پڑھتے ہوئے ان کے سینوں سے ایسی آواز نکلتی تھی جیسے جوش کے وقت ہنڈیا سے آواز نکلتی ہے، جس کو ہماری اصطلاح میں کھدکھداہٹ کہا جاتا ہے۔

تنبیہ: (۲) یہاں حضرات ارباب طریقت یہ بھی خیال فرمائیں کہ یہ کیفیت آسانی سے پیدا نہیں ہوتی، بہت سے مجاہدوں اور ریاضتوں کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ تمام مجاہدوں، ریاضتوں اور سلوک وطریقت کے تمام اعمال کا منشاء اور انتہائی مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ خشوع وخضوع اس طرح طبیعت ثانیہ بن جائے کہ جیسے ہی اللہ کا ذکر شروع ہو قلب پر رقت طاری ہوجائے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا۔ (انفال:ع۱)

ترجمہ: مؤمن تو وہی ہیں کہ جب اللہ کا نام لیا جائے تو ان کے دل

لرز جائیں، ان پر رقت اور خشیت طاری ہو جائے اور جب ان کے سامنے اللہ کی آیتیں پڑھی جائیں تو ان کا ایمان بڑھ جائے، حسن قبول کیلئے ان کے سینے کھل جائیں۔

تنبیہ: (۳) ہمارا ایمان ہے کہ تزکیۂ باطن تقرب الی اللہ، خشوع خضوع، عشق خدا اور محبت مولی کا جو درجہ حضرات صحابہؓ کو حاصل تھا وہ پوری امت میں کسی کو نصیب نہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت وہ تریاق اور وہ کیمیا تھی جو چشم زدن میں سنگریزہ کو پارس کی پتھری اور لعل بدخشاں بنا دیتی تھی، یہ آیت اور مذکورہ بالا روایتیں ہمارے اس عقیدہ کی تصدیق کرتی ہیں۔

تنبیہ: (۴) کچھ وہ لوگ ہیں جو سلسلۂ ارشاد و طریقت کا انکار کرتے ہیں اگر ان منکرین کے دلوں میں رقت و تضرع کی یہ کیفیت پیدا ہوگئی ہے تو بیشک ان کا انکار کر دینا صحیح ہوسکتا ہے، لیکن اگر یہ کیفیت پیدا نہیں ہوئی تو ان کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ سلسلۂ ارشاد و طریقت اور اہل تصوف کے ان مشاغل کا انکار کریں جن کا مقصد یہی ہے کہ خشوع و خضوع اور حضور و شہود کی وہ کیفیت پیدا ہو کہ ایک عبادت گذار اس طرح عبادت کر سکے جیسے وہ خدا کو دیکھ رہا ہے۔ جس کی نماز صحیح معنی میں مناجات رب ہو۔ اور جس کی مناجات سوز جگر کا ساز ہو۔ (عہد زریں: ج ۱/ص ۸۲)

فتح مکہ مکرمہ کے دن عام معافی، سب کچھ فراموش: فتح مکہ کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجمع پر نظر ڈالی، یہ مجمع ان ہی مجرمین کا تھا جو تقریبا بیس سال سے اسلام کی بیخ کنی میں برابر سرگرم رہے تھے، جنہوں نے اسلام کا نام لینے والوں اور خود ذات اقدس رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر طرح کے ظلم و ستم کا تختۂ

مشق بنایا تھا، اب یہ محصور تھے، ایک لشکر جرار کے شکنجہ میں کسے ہوئے تھے۔ یہ منتظر تھے کہ ان کے متعلق کیا فیصلہ ہوگا، لب کشائی کی کسی کو جرأت نہیں ہوئی تو دریائے رحمت خود جوش میں آیا۔ ارشاد ہوا:۔

یا معشر قریش! ماترون انی فاعل بکم!!

ترجمہ: اہل قریش! تم کیا سمجھتے ہو، میرا فیصلہ تمہارے متعلق کیا ہوگا؟

یہ سب ظالم تھے، جفا کار تھے، مشرک و کافر تھے، مگر مزاج شناس بھی تھے اور سخن شناس بھی۔ جواب دیا:

خیرا، اخ کریم ابن اخ کریم!!

ہم بھلائی کی توقع رکھتے ہیں۔ آپ خود شریف، شریف بھائی کے چشم و چراغ۔

جواب میں ارشاد ہوا: لاتثریب علیکم الیوم، اذھبوا فانتم طلقاء!!

ترجمہ: (جو کچھ ہونا تھا ہو چکا) آج تم پر کوئی الزام نہیں، غلام بنانے کا قاعدۂ جنگ جاری نہیں کیا جائے گا، لہذا تم سب آزاد ہو۔

(عہد زریں: ج/۲، ص/۱۸۸)

ف: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اپنے شدید ترین دشمنوں کے ساتھ جب وہ مغلوب و مقہور ہو گئے تھے اس قدر رحمت و رأفت کا معاملہ فرمانا یقینا آپ کا روحانی کمال اور اخلاقی معجزہ تھا، اور اللہ تعالی کے ارشاد: **اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ** پر کھلی شہادت اور حدیث پاک **بُعثت لاتمم مکارم الاخلاق** کی عملی تفسیر تھی۔ یقینا آپ کا یہ حسن سلوک شکست خوردہ دشمنوں کے ساتھ ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہے۔ اس لئے کہ اللہ کا ارشاد: **لَقَدۡ کَانَ لَکُمۡ فِیۡ رَسُوۡلِ اللّٰہِ اُسۡوَۃٌ حَسَنَۃٌ** عام

ہے جملہ شعبۂ حیات کیلئے، خواہ دوست کے ساتھ معاملہ ہو یا دشمن کے ساتھ۔

اقبال سہیل نے اس کا کیا ہی خوب نقشہ کھینچا ہے ؎

راہ میں کانٹے جس نے بچھائے گالی دی پتھر برسائے
اس پر چھڑکی پیار کی شبنم صلی اللہ علیہ وسلم
سم کے عوض داروئے شفا دی طعن سنے اور نیک دعا دی
زخم سہے اور بخشا مرہم صلی اللہ علیہ وسلم

کسی نے خوب کہا ہے ؎

تر ہوئی باران سے سوکھی زمیں یعنی آئے رحمۃ للعالمیں

مگر افسوس کہ آج ہم مسلمانوں کا بھی یہ حال ہے کہ اپنے زیردست مخالفوں کے ساتھ عموما انتقامی جذبہ کے تحت ظلم و جور ہی کا معاملہ کرتے ہیں نہ کہ عفوودرگزرکا۔انعام واکرام کا تو تصور بھی نہیں۔واللہ الموفق۔(مرتب)

غزوۂ حنین کے اسباب شکست: اس سلسلہ میں یوں رقمطراز ہیں:

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا۔ (توبہ:۲۵)

ترجمہ: بیشک اللہ مدد کر چکا ہے تمہاری بہت سے میدانوں میں اور جنگ حنین کے موقع پر، جب تم میں ناز پیدا کر دیا تھا تمہاری کثرت نے (تم اترا گئے تھے اپنی کثرت پر) پس تمہارے کچھ کام نہ آئی یہ کثرت۔

حقیقت یہ ہے کہ جب ان مجاہدین حق نے جن کی تعداد جنگ بدر میں صرف تین سو تیرہ تھی اپنی تعداد کو بارہ ہزار سے بھی متجاوز دیکھا تو کسی کی زبان پر

آ گیا: **لن نغلب اليوم من قلة:** آج ہم تعداد کی کمی کے باعث ہرگز مغلوب نہیں ہوسکتے۔

یہ ایک قیاس تھا، اس کا مقصد حوصلہ افزائی بھی ہوسکتا ہے، اس طرح کا قیاس نہ کفر ہے، نہ شرک وفسق، اس قیاس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ ہمیں اللہ تعالی کی مدد کی ضرورت نہیں ہے (معاذ اللہ) البتہ اس قیاس میں ایک طرح کی بواستغناء اور بے نیازی کی آتی ہے۔ اگر چہ اس کا احساس انہی پاک اور لطیف نفوس کو ہوسکتا ہے جو عبدیت اور فنا فی اللہ کے مدارج طے کر چکے ہوں۔

یعنی اپنی ذات اور اپنے اسباب پر نظر ڈالنا ان خدا شناس پاکبازوں کی نظر میں گناہ اور جرم ہے جو اپنی انانیت ختم کر چکے ہوں، جن کے دل ودماغ پر یہ حقیقت چھا چکی ہو اور اس کا یقین ہی نہیں بلکہ اس کا ان کو عین الیقین حاصل ہو چکا ہو کہ وہ ''ہیچ در ہیچ'' ہیں۔ ان کی ہستی حباب سے بھی کم ہے۔ ان کی حقیقت حضرت حق کے مقابلہ میں ذرہ سے بھی حقیر ہے۔ ذرہ میں اگر چمک ہے تو وہ اس کی اپنی ہرگز نہیں۔ جو چمک بھی ہے وہ حضرت آفتاب کا پرتو ہے۔ اور یہ پرتو بھی اس وقت تک جلوہ گر ہے جبتک ذرہ آفتاب رُو ہے۔ آفتاب سے کچھ بھی رُخ ہٹا تو ذرہ ایسا بے حقیقت ہے کہ اس کو شمار میں لانا بھی عبث ہے۔ یہ بہت ہی باریک اور لطیف نکتہ ہے، اور یہی لطیف اور نہایت باریک نکتہ اس تنبیہ اور عتاب کا محرک ہے، اور اسی بناء پر یہاں بدر کا ذکر فرمایا جارہا ہے کہ جس طرح بدر والی یاس انگیز قلت میں تمہیں نصرتِ خداوندی کی ضرورت تھی اور اسی کی بناء پر کامیابی ہوئی، آج اگر چہ اس قلت کے مقابلہ میں کثرت ہے، مگر یہ کثرت بھی

اسی طرح محتاج نصرت ہے جس طرح بدر والی قلت محتاج نصرت تھی۔

(عہد زریں: ج/۲،ص/۱۹۲)

ف: یقینا حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ نے غزوۂ حنین وطائف میں شکست کی نہایت عارفانہ وصوفیانہ توجیہ فرمائی ہے جو نقش قلب کئے جانے کے لائق ہے۔ **فجزاهم الله تعالى احسن الجزاء۔**

اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی معلوم ہوا کہ قیامت تک کے تمام مسلمانوں کیلئے اس میں زبردست نصیحت ہے کہ کثرت خواہ مال کی ہو یا اولاد کی، عبادت کی ہو یا افراد کی، اس پر ناز وغرور نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ یہ اللہ کو ناپسند ہے۔ بلکہ قلت وکثرت ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی رحمت ونصرت ہی پر نظر رکھنی چاہئے اور اسی کو فوز وکامرانی کی اصل کلید سمجھنا چاہئے، نہ کہ اپنے علم وہنر کو۔ ع

راہرو گر صد ہنر دارد توکل بایدش

یعنی سالک کو سینکڑوں علم وہنر ہونے کے باوجود ہر معاملہ میں اللہ پر توکل کرنا چاہئے۔ واللہ الموفق۔ (مرتب)

وفات: ۶/شوال ۱۳۹۵ھ مطابق ۲۴/اکتوبر ۱۹۷۵ء بروز چہارشنبہ داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ دہلی کے ''گورِ غریباں'' میں مدفون ہیں۔ نور اللہ مرقدہ۔

حضرت مولانا عبدالحی چشتی اعظمیؒ متوفی ۱۳۹۵ھ

نام ونسب: حضرت مولانا عبدالحیٔ چشتی بن مولوی محمد رفیع خاں بن اسعد علیؒ اس دیار کے زمرۂ علماء میں گل سرسبد تھے، مولانا اپنے علم وفضل، زہد وورع اور اخلاق وفضائل کے اعتبار سے اپنے معاصرین میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔

ولادت: آپ کی ولادت ۱۳۴۵ھ مطابق اپریل ۱۹۲۶ء میں انجان شہید میں ہوئی جو شہر اعظم گڈھ سے تقریباً چھ میل کے فاصلے پر جانب شمال مشرق واقع ہے۔

تعلیم: مولانا چشتیؒ کی ابتدائی تعلیم موضع خالص پور ضلع اعظم گڈھ کے اسلامیہ اسکول میں ہوئی جہاں آپ کے والد مولوی محمد رفیع صاحب ہیڈ مدرس کی حیثیت سے تعلیمی خدمات انجام دے رہے تھے، چار سال یہاں زیر تعلیم رہ کر جب آپ کے والد کا تبادلہ انجان شہید ہوگیا تو یہ بھی ان کے ہمراہ انجان شہید کے اسکول میں آگئے۔ اور یہیں تعلیم مکمل کر کے مڈل کا امتحان پاس کیا۔

حضرت مولانا ابوالوفاء شاہجہاں پوریؒ کی ترغیب وتشویق پر مدرسہ قاسمیہ شاہی مرادآباد میں داخل ہوگئے، مدرسہ شاہی کا یہ عہد، عہد زریں تھا، مولانا نے ۱۳۶۷ھ مطابق اگست ۱۹۴۷ء میں دیوبند کا قصد کرلیا۔ اور حضرت شیخ الاسلام کے درِ دولت پر پہنچ گئے اور مدرسہ میں داخلہ لے کر تعلیم شروع کردی، اس وقت دارالعلوم کے اساتذہ جو اپنے علم وفضل اور تدین وتقویٰ کے اعتبار سے اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے مولانا چشتیؒ نے انہی اساتذہ کی خدمت میں جملہ علوم مروجہ

کی تحصیل و تکمیل کی اور حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ سے ترمذی و بخاری پڑھ کر ۱۳۷۰ھ مطابق ۱۹۵۰ء میں فراغت حاصل کی۔ اسکے بعد کچھ دنوں شیخ کی خدمت میں رہے۔اور خلافت سے مشرف ہوئے۔

حضرت شیخ الاسلامؒ کی طرح جماعت مودودی کے غلط افکار و نظریات پر بڑی سخت تنقید کرتے تھے اور اپنی تقریروں میں اس کے غلط نظریوں کی نہایت مدلل تردید کرتے تھے جس سے اس دیار کے عوام کو بڑا نفع ہوا اور اکثر لوگ اس کے بڑھتے ہوئے فتنہ سے محفوظ ہو گئے۔

تدریسی مشغلہ: علوم ظاہر و باطن میں تکمیل کے بعد مولانا نے تدریسی کام شروع کیا، چنانچہ متعدد مدارس میں تدریسی خدمت انجام دیا۔ جب مدرسہ حسینیہ جون پور قائم ہوا تو آپ کو وہاں کا مہتمم بنایا گیا اور تا دم آخر مہتمم رہے۔

تصوف سے لگاؤ: مولانا چشتی مرحوم اس دور کے علماء میں علم تصوف میں اپنی مثال آپ تھے۔تصوف کے اہم سے اہم تر مسائل کو باتوں باتوں میں سمجھا دینا مولانا کا معمولی کام تھا، ادھر چند سالوں میں مجاہدہ و ریاضت میں بہت زیادہ اضافہ کر دیا تھا، اکثر قلندری مسجد میں تنہا مراقب رہا کرتے تھے، کتابوں کا مطالعہ بھی اسی وجہ سے بہت کم ہو گیا تھا، البتہ مثنوی مولانا روم، فصوص الحکم، الیواقیت والجواہر اور حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ کی تصنیفات کا مطالعہ جاری تھا، مولانا کے مطالعہ کا ایک خاص انداز تھا، تھوڑی دیر کتاب دیکھتے پھر غور و خوض میں ڈوب جاتے، کچھ دیر کے بعد کتاب کھول کر دیکھ لیتے اور پھر سوچنے لگتے عصر کی نماز کے بعد مغرب تک مسجد کے حجرہ میں نہ جانے کون سی

ریاضت کرتے تھے کہ جب باہر نکلتے تو کڑاکے کی سردی میں بھی پسینے سے شرابور ہوتے، اس وقت عجیب جلال کا عالم ہوتا تھا کہ نگاہ ملانا دشوار ہوتا تھا، عموماً خلوت میں استغراقی کیفیت طاری رہتی اور تھوڑے تھوڑے وقفہ سے ایسی پُردرد آواز میں الاّ اللہ کی ضرب لگاتے کہ سنتے ہی رونگٹے کھڑے ہوجاتے تھے۔

مکارم اخلاق: مولانا کے اندر تواضع اور اخفاء کی صفت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، اپنے چھوٹوں اور شاگردوں سے بھی اس طرح ملتے تھے کہ دیکھنے والے کو گمان ہوجاتا تھا کہ یہ بھی مولانا ہی کے درجہ کا کوئی شخص ہے، خلافت حاصل ہونے کے بعد کافی عرصہ تک خود بیعت کرنے سے کتراتے رہے، جب کوئی اس کی خواہش ظاہر کرتا تو دوسرے بزرگوں کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیتے تھے، آخر میں جب معتقدین کا اصرار بہت بڑھ گیا تو بیعت کا سلسلہ شروع کیا، مگر وہ بھی بڑے محدود پیمانے پر، ارادت مندوں کو اولاً اپنے معتمد خاص مولانا بشیر احمد صاحب کے سپرد کردیتے وہ جب ہر طرح سے اطمینان کرلیتے اور اس کی طلب صادق کو پرکھ لیتے تو بیعت کی سفارش کرتے، اس کے بعد مولانا بیعت کرتے، انھیں سختیوں کی وجہ سے مریدین کی تعداد سو، سوا سو سے آگے نہ بڑھی۔

وفات: آپ کی وفات یکم ذی الحجہ ۱۳۹۵ھ مطابق ۵؍ستمبر ۱۹۷۵ء کو ہوئی اور تدفین انجان شہید ضلع اعظم گڈھ میں قلندری مسجد کے متصل ہوئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

(تذکرہ علماء اعظم گڈھ صفحہ ۱۷۷)

حضرت شیخ ابوالوفاء افغانیؒ متوفی ۱۳۹۵ھ

نام ونسب وولادت: نام ابوالوفاء سید محمود شاہ قادری حنفی ہے آپ کے والد ماجد کا نام سید مبارک شاہ قادری حنفی ہے آپ کی ولادت ۱۳۱۰ھ میں قندھار میں ہوئی۔

فضل وکمال: خوب صورت، پرُنور چہرہ، متواضع سیرت، سادگی پسند خاندان کے چشم و چراغ، استاذ العلماء، ماہر علوم نقلیہ وعقلیہ، سرزمین ہند میں کتب احناف کی اشاعت کرنے والے، عابد، متقی، زاہد دنیا، راغبِ آخرت، شادی پر علم کو ترجیح دینے والے اور قائم اللیل تھے۔

سفر ہند: حالت صغرسنی میں حصول علم کے لئے ہندوستان کا سفر کیا اور شہر رام پور میں علماء کبار سے علم حاصل کیا پھر گجرات کے علاقے میں جا کر وہاں کے مشہور علماء سے علم معقول ومنقول حاصل کیا۔

۱۳۳۰ھ میں حیدرآباد دکن پہنچے مدرسہ نظامیہ میں داخلہ لیا، حفظ قرآن کے بعد حدیث، تفسیر، فقہ، قرأت جیسے علوم حاصل کئے اور اجازت حاصل کی، وہاں آپ نے مندرجہ ذیل شیوخ سے علم حاصل کیا۔

امام الکبیر شیخ انوار اللہ مؤسس مدرسہ نظامیہ اور دائرۃ المعارف العثمانیہ، شیخ الکبیر عبدالصمدؒ، شیخ عبدالکریمؒ، شیخ محمد یعقوبؒ، شیخ قاری محمد ایوبؒ، شیخ فقیہ رکن الدینؒ وغیرہم۔

تدریس: فراغت کے بعد آپ کو مدرسہ نظامیہ میں ہی تدریس کی خدمات انجام دینے کے لئے منتخب کرلیا گیا۔آپ نے اپنے مشائخ کی پیروی کرتے ہوئے کئی سال تک تدریس کی خدمات انجام دیں،طلبہ اور بہت سے استفادہ کرنے والوں نے آپ کے علوم سے استفادہ کیا نیز آپ نے ادب عربی،فقہ، حدیث جیسے اہم علوم سے طلبہ کو فائدہ پہونچایا۔

عظیم ادارے کی بنیاد: آپ کو سرزمینِ ہند میں ''محسن احناف'' کہا جاتا ہے۔آپ نے ایک عظیم ادارے کی بنیاد رکھی ''ادارہ احیاء المعارف النعمانیہ'' دوسرے احباب سے مل کر آپ نے اس ادارے کے تحت بہت سی نفیس کتب کی اشاعت کا اہتمام کیا بہت سے صالحین فقہاء متقدمین اور دوسری تیسری صدی کے ائمہ کی کتابوں کی بھی اشاعت کا انتظام کیا آپ ہی ادارہ کے رئیس تھے بلکہ خود ہی ادارہ تھے،اپنا وقت، مال،علم،سب کچھ اس ادارہ کی ترقی اور فلاح میں اللہ کی رضا کیلئے خرچ فرماتے تھے۔

ادارہ کی چند چیدہ اشاعت شدہ کتابیں: آپ نے ادارے سے بہت سی کتب کی اشاعت فرمائی جن میں سے چند چیدہ کتب یہ ہیں۔

امام قاضی ابو یوسفؒ کی ''کتاب الآثار'' بڑی نادر اور قیمتی تحقیقات کے ساتھ،امام ابو یوسفؒ ہی کی ''کتاب الرد علی سیر الاوزاعیؒ''امام ابو یوسف کی ایک اور کتاب ''اختلاف ابی حنیفہؒ وابن ابی لیلیؒ'' امام محمدؒ بن حسن شیبانیؒ کی ''کتاب الاصل''(کئی جلدوں میں)امام محمدؒ ہی کی کتاب ''الجامع الکبیر''امام محمدؒ کی کتاب الآثار کی شرح،امام خصافؒ کی ''شرح النفقات''وغیرہ وغیرہ۔

علمی کارنامے: درس وتدریس، تاسیس ادارہ کے ساتھ ساتھ بہت سی کتب پر تحقیقی کام بھی آپ کے علمی کارناموں میں داخل ہے چنانچہ فقہ حنفی کی کتاب ''مختصر الطحاوی'' امام بخاریؒ کی ''تاریخ الکبیر'' کی جلد ثالث، امام جصاصؒ کی کتاب النفقات، امام سرخسیؒ کی ''شرح الزیادات'' حافظ ذہبیؒ کی ''مناقب ابی حنیفۃ وصاحبیہ ابی یوسفؒ ومحمدؒ'' پر آپ کی تحقیقات، آپ کی علمی قابلیت کی واضح دلیلیں ہیں۔

سفرِ حجاز: اللہ تعالیٰ نے آپ پر انعام فرمایا اور حج کے اِرادہ سے حجاز کا سفر کیا وہاں پہنچ کر بیت اللہ شریف کی زیارت کی توفیق ہوئی اور بڑے بڑے افاضل علماء اسلام سے ملاقاتیں ہوئیں آپ نے ان سے سیکھا اورانہوں نے آپ سے سیکھا علمی مناسبت سے اہل علم میں آپ کی کافی شہرت ہوئی آپ مخطوطات وآثار کو جمع فرماتے ۔نادر ونایاب باتوں کو محفوظ فرماتے فقہ حنفی، حدیث، رجال اور تاریخ جیسے موضوعات پر آپ کے پاس گویا مکتبہ کی شکل میں مواد جمع ہو چکا تھا باقی علوم اسلامیہ کے بارے میں مختلف نکات بھی آپ کی معلومات میں شامل ہو چکے تھے جو بعد میں کتب کی تحقیق وتعلیق میں مفید اور کارآمد ثابت ہوئے یوں سفر حجاز آپ کیلئے علمی سفر بھی ثابت ہوا۔

عام حالات: علوم کے ذوق، کتب کے مطالعے کی شیرینی اور نادر الوقوع علمی خدمات نے آپ کو بیوی، بچوں سے بے فکر کر دیا تھا۔آپ کا محبوب ترین مشغلہ تحقیق علم تھا اور تاریخ کے اوراق میں امام نوویؒ جیسے جلیل القدر علماء کی طرح آپ بھی ان علماء کی صف میں ہیں جنہوں نے علم کو نکاح پر ترجیح دی ہے۔ شیخ

عبدالفتاح ابوغدہؒ اپنی کتاب میں آپ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

عاش عزبا ، فريداً ، متبتلا ،متعبداً، زاهداً، ورعاً ،قائم الليل، محافظاً على السنن النبوية كل الحفاظ يكره ترك المستحبات ويعمر اوقاته بالمطالعة والافادة والتحقيق والتعليق وتلقين العلم لشباب العلماء والمستفيدين يقول كلمة الحق ولا يخاف فى الله تعالىٰ لومة لائم۔

ترجمہ: آپ نے مجردانہ زندگی گذاری، عورت سے دور رہتے ہوئے اللہ تعالی کی عبادت میں لگے رہتے ہوئے، زہدوتقویٰ اپناتے ہوئے، رات کو اللہ کی یاد میں جاگتے ہوئے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کی حفاظت تامہ کرتے ہوئے زندگی گذاری آپ ترک مستحباب کو بھی نا پسند فرماتے تھے اور اپنے اوقات کو مطالعہ، افادہ، تحقیق وتعلیق، نوجوان باصلاحیت علماء اور مستفیدین کو علم کے بارے میں تلقین کرتے ہوئے گزارتے تھے۔ آپ حق بات فرماتے اور اللہ تعالی کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوف نہ کھاتے۔

تواضع وانکساری: اتنے بڑے محقق ہونے کے باوجود آپکی زندگی نہایت سادہ، متواضعانہ تھی۔ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ آپ کی اس انکساری کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''میں آپ کے گھر حیدرآباد دکن میں گیا تو آپ کا نہایت سادہ گھر تھا دنیاوی چیزوں سے خالی مگر کتابوں سے بھرا ہوا تھا، لوگوں کیلئے عسل مصفی کے طور پر علم کے ثمرات آگے رکھتے تھے خوبصورت شکل والے، پرنور چہرہ والے سونے والی چارپائی بھی نہایت عاجزانہ تھی۔

چند لقمے آپ کی خوراک تھی رات کا اکثر حصہ اللہ تعالی سے مناجات میں گذرتا تھا، قناعت اور رضا نے آپ کی اس حالت کو پوشیدہ کر رکھا تھا کسی کا مطالبہ یا کسی کی ندا آپ کو اپنے مشغلہ سے غافل نہ کرسکتی تھی، آپ کا اہم ذوق ازدیاد علم اور اس کی نشر و اشاعت تھا اور اسی میں آپ کی عمر گذری۔

خدمات: مؤلف انوار الباری آپ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ آپ ''ادارہ احیاء المعارف النعمانیہ'' کے بانی و سر پرست تھے، بلند پایہ محقق محدث جامع معقول و منقول تھے آپ نے اپنے ادارے سے اپنی قیمتی تعلیقات و تصحیحات کے ساتھ بہت سے نوادر شائع فرما کر علمی دنیا پر احسان عظیم فرمایا ہے۔

وفات: رجب المرجب ۱۳۹۵ھ کو آپ کا انتقال ہوگیا۔ انالله و انا اليه راجعون، رحمہ اللہ تعالیٰ۔

(شخصیات افغانستان کی روح پرور یادیں صفحہ ۵۷۵)

حضرت مولانا عبدالباری صاحب[1] ندویؒ المتوفی ۱۳۹۶ھ

نام ونسب وولادت: حضرت مولانا عبدالباری ندویؒ کا وطن ضلع بارہ بنکی کا قصبہ ''گدیا'' تھا اور آپ کی ولادت ۱۳۰۷ھ میں ہوئی، آپ کے والد ماجد حضرت حکیم عبدالخالق علیہ الرحمۃ اپنے زمانہ کے ایک شیخ کامل حضرت مولانا محمد نعیم فرنگی محلیؒ نبیرہ حضرت مُلّا نظام الدین سہالویؒ بانی درس نظامی کے دست گرفتہ مُریداور خلیفہ ومجاز تھے نیز والدہ ماجدہ ایک خداترس اور خدارسیدہ بی بی تھیں۔

تعلیم: مولاناؒ نے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تعلیم پائی اور علامہ شبلیؒ کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا اور انہی کی سرپرستی میں علم وادب میں کمال حاصل کیا، اللہ تعالی نے آپ کو ذہانت، ہمت اور عزیمت جیسی صفات سے نوازا تھا جس سے ترقی وکامیابی کے درجات عالیہ تک پہونچے جیسا کہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ رقم طراز ہیں:

---

[1] حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندویؒ کے کمالات وصفات کے سلسلہ میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے ''پرانے چراغ'' حصہ دوم میں کسی قدر تحریر فرمایا ہے نیز مولانا عبداللہ عباس ندوی (معتمد تعلیمات ندوۃ العلماء لکھنؤ) نے مولاناؒ کی تصنیف لطیف ''نظام صلاح واصلاح'' کے شروع میں ''نقوش سوانح مولانا عبدالباریؒ'' کے عنوان سے مولانا کے حالات لکھے ہیں، انہی دونوں مضامین کو سامنے رکھ کر چند سطور پیش خدمت ہیں، امید ہے کہ ناظرین کرام کے لئے اس کا مطالعہ مفید وبصیرت افروز ثابت ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالی۔ (مرتب)

کامیابی کے لئے ذاتی قابلیت ضروری ہے: مولانا عبدالباری ندویؒ اس حقیقت کا ایک زندہ ثبوت تھے کہ کامیابی اور ترقی کے لئے اصل شئے ذاتی قابلیت، خدا داد ذہانت، اور اپنی محنت ہے۔ ان کے پاس ندوہ کی سند کے سوا کوئی سند نہ تھی، انگریزی بھی انہوں نے بطور خود اور بقدر ضرورت سیکھی تھی لیکن ذہانت اور قابلیت کے زور پر دکن کالج پونا میں جو اس وقت نہ صرف جنوبی ہند میں بلکہ ہندوستان میں بڑا نام اور مقام رکھتا تھا، ان کا فارسی کے لکچرار کی حیثیت سے تقرر ہوا اور انہوں نے بجائے فارسی یا اردو کے کلاس میں انگریزی میں لکچر دینا شروع کیا۔ وہ دیوان حافظ جیسی بلند اور پُر از تلمیحات ورموز کتاب کو انگریزی میں حل کر کے طلبہ کے سامنے پیش کرتے، ان کا یہ تجربہ بی۔ اے۔ میں بھی کامیاب رہا اور طلبہ ہر طرح مطمئن رہے۔ (ج ۲، ص ۱۱۷، پرانے چراغ)

فکر اصلاح وتربیت: اپنے تدریسی مشاغل اور مطالعہ وتصنیف کے علاوہ دکن کے ایک مشہور عارف مولانا محمد حسین صاحب کی خدمت میں بڑے اہتمام کے ساتھ جاتے اور اپنے یار غار مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کے ساتھ ان کی صحبتوں اور مجلسوں سے مستفید ہوتے۔ (ص ۱۲۰)

بیعت وخلافت: مولانا عبدالباری ندویؒ کو بیعت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے حاصل تھی مگر تربیت حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمائی اور خلعت خلافت سے نوازا۔ **ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔**

تصنیفات وتالیفات: (۱) مولانا کا سب سے بڑا کارنامہ جس نے ان کو علمی ودینی دنیا میں متعارف کرایا وہ ان کا رسالہ ''مذہب اور عقلیات'' ہے، اس رسالہ کو

دیکھ کر حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا تھا: اسلام کا آہنی قلعہ ہے اور جس کو مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اپنی محسن کتابوں میں شمار کیا ہے، یہی وہ کتاب ہے جس کو نواب مولانا حبیب الرحمن صاحب شروانی علیہ الرحمہ نے حضور نظام کے سامنے یہ کہہ کر پیش کیا تھا کہ فلسفہ نے ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا ہے۔

(۲) ''مبادی علوم انسانی'' یہ کتاب برکلے کی کتاب Principles of Human krowledge کا کامیاب ترجمہ ہے

(۳) ''برکلے کی سوانح اور اس کا فلسفہ'' مولاناؒ نے ڈی کارٹ سے لے کر ڈیوڈ ہیوم تک کی تمام کتابوں کو خصوصیت سے پڑھا اور ان سب کا نچوڑ جو انگریزی کے ماخذ میں ملا، سب پر ناقدانہ نظر ڈالی ہے، یہ دونوں کتابیں دارالمصنفین سے شائع ہوئی ہیں، حضرت مولانا کا تعلق حکیم الامت مولانا تھانویؒ سے تقریباً پندرہ سال رہا، اس تعلق وارادت مندی نے ان پر ایسا اثر ڈالا کہ وہ تمام معاشی ومعادی مسائل کو حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کے ملفوظات وارشادات، مواعظ اور اصلاحی کتابوں کے ذریعہ حل کرنے کے داعی ومنادی بن گئے، ان کی وفات کے بعد چار کتابیں اس سلسلہ کی لکھیں جو حسب ترتیب یہ ہیں:

(۱) جامع المجددین (تجدید دین کامل) حضرت مولانا سید سلیمان ندوی قدس سرہ نے اس پر ایک جامع عالمانہ ومحققانہ مقدمہ لکھا، جس میں مجددین اسلام کی مختصر تاریخ بیان فرمادی اور دکھایا کہ تاریخ اسلام میں کس کس کو مجدد کہا گیا ہے اور کب کب کہا گیا ہے، حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندویؒ نے اس کتاب میں حضرت تھانویؒ کے تجدیدی کارناموں کا خلاصہ پیش کیا ہے، یہ کتاب ایک

طرح سے تعلیمات اور ارشادات تھانویؒ کا انسائکلو پیڈیا ہے البتہ اس کے نام جامع المجد دین پر اہل علم کو اعتراض رہا ہے، ان کا کہنا یہ ہے کہ جامع المجد دین تو اللہ کی صفت ہوسکتی ہے کہ قیامت کے روز تمام مجددوں کو یکجا کردے گا، اور مجددین پر کیا موقوف ہے، انبیاء، صلحاء اور عام بندے سب کا جامع وہی ہے۔ **وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ** مولانا نے غالباً اس طرح کے اعتراضات کی بناء پر اس کا نام بدل کر ''تجدید دین کامل'' کردیا تھا، لیکن سچ پوچھئے تو اعتراض بیجا تھا، یہ اردو کی عربی نما ترکیب ہے جس کا مطلب واضح ہے کہ تمام مجددین میں جو صفات وخصوصیات تھیں آپ ان کے جامع تھے، جیسے نعت کا مشہور شعر ہے۔ ؎

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضاداری	آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اس طرح مجددین سلف میں کسی نے تزکیہ قلب کے اندر مقام امتیاز پایا، کسی نے اصلاحِ نفس میں کارہائے نمایاں انجام دیا، کسی نے تعلیم وتربیت میں اختصاص حاصل کیا لیکن حضرت تھانویؒ نے تنہا ان تمام گوشوں کو اجاگر کیا، مولانا نے کتاب کا نام بدل کر یہ واضح کردیا کہ ان کے اندر صرف اصلاح کا جذبہ تھا، وہ لفظی موشگافیوں سے بچنا چاہتے تھے، ورنہ اپنی بات پر اَڑ سکتے تھے اور اصرار کرسکتے تھے کہ ان کا تجویز کردہ نام غلط نہ تھا۔

ف: ماشاء اللہ! مکرم مولانا عبداللہ عباس صاحب نے کتاب کا جامع المجد دین نام رکھنے کی نہایت عمدہ تاویل وتوجیہ فرمائی۔ فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔ (مرتب)

(۲) اس سلسلہ کی دوسری کتاب ہے ''تجدید تصوف وسلوک''۔

(۳) تیسری کتاب ''تجدید تعلیم وتربیت'' ہے۔

(۴) اس سلسلہ کی چوتھی کتاب ''تجدید معاشیات'' ہے۔

ف: مولانا ندویؒ کی یہ چار کتابیں دو ہزار صفحوں میں پھیلی ہوئی ہیں جو دراصل کئی ہزار صفحوں کا نچوڑ ہیں، اگر ان کتابوں کا بغور مطالعہ کیا جائے تو ان شاء اللہ تعالی حضرت مولانا تھانویؒ کے مجدد دین ہونے میں شک نہ رہ جائے گا۔ (مرتب)

مولاناؒ کی یوں تو تمام تصنیفات ہیرے جواہرات میں تولنے کے لائق ہیں، کیونکہ وہ سب ان کے گہرے مطالعہ، مشاہدہ، احساسات کا نتیجہ اور اخلاص وتقویٰ اور امت کی اصلاح کے جذبہ سے لکھی گئی ہیں، انہیں کتابوں میں ''نظام صلاح واصلاح'' بھی ہے، جو دراصل سورۂ والعصر کی تفسیر ہے، تفسیر سے زیادہ تفہیم ہے اور تفہیم سے زیادہ تبلیغ مدِّ نظر ہے، یہ تین سو ستّاسی صفحات پر مشتمل کتاب جو معقولات ومنقولات کی جامع ہے اور تذکیری پہلو اور اصلاح حال کی دعوت جس کی روح ہے، پہلی مرتبہ مجلس علمی کراچی سے ۱۹۶۲ء میں شائع ہوئی تھی، ان کتابوں کی آخری کڑی ''مذہب وسائنس'' ہے جو مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی درخواست پر انہوں نے مرتب فرمائی۔ (نظام صلاح واصلاح: ص/۲۱)

''نظام صلاح واصلاح'' سے چند اقتباسات:

(۱) مدارس میں قال سے بڑھ کر حال کی تربیت ضروری ہے:

ہمارے دینی مدارس اور اداروں میں بھی جب تک قال کی تعلیم کے ساتھ اس سے بڑھ کر حال کی اس تربیت کا پورا اہتمام نہ ہوگا اس وقت تک وہاں کا علم نہ میراث انبیاء ہوگا نہ وہاں سے وراثتِ انبیاء کا حق ادا کرنے والے علماء پیدا ہوں گے، نبوت کا وارث تو وہی عالم ہے جو کتابوں سے کہیں زیادہ خود خدا کو جانتا

اوراس کی ذات وصفات کا خالی کتابی نہیں، حالی علم رکھتا ہو، جس کی پہچان یہ ہے کہ اس کے قلب پر اللہ تعالی کی عظمت وخشیت اتنی غالب ہو کہ غیر اللہ سے امید وبیم اگر مفقود نہیں تو مغلوب یقینا ہو، سرورِ انبیاء (فداہ ابی وامی) کا ارشاد ہے کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ کو جاننے والا اور تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں۔ **انا اعلمکم باللہ و اخشاکم للہ۔**

اسی حقیقت حال کا اظہار بلکہ خود اللہ ہی کے اس ارشاد کی ترجمانی ہے کہ اللہ سے ڈرنے کا حق تو بس اس کے جاننے والے بندے ہی ادا کرتے ہیں: **اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا۔** یعنی علم دین جس کی روح خدا کو جاننا پہچاننا ہی ہے وہ مرادف ہے خدا سے ایسے تعلق کے جو زندگی کے سارے اعمال، معاملات میں خالق کی خشیت کو مخلوق ودنیا کے ہر اجر وصلہ، خوف وطمع پر غالب کردے۔ اسی حدیث کی تفہیم میں حکیم الامت علیہ الرحمۃ نے ہماری نام نہاد دینی تعلیم وتعلّم اور اس کے علماء کا کیسا حسرت ناک حال بیان فرمایا ہے کہ ''علم کو میراث انبیاء کہا جاتا ہے، تو اب دیکھ لو انبیاء کی میراث کون سا علم ہے۔ کیا انبیاء کا علم نعوذ باللہ ایسا ہی علم تھا جس میں محض مسائل واصطلاحات کا تلفظ ہو اور خشیت کا نام نہ ہو۔ اب ہماری حالت یہ ہے کہ علم حاصل کرتے ہیں، پڑھنے پڑھانے میں مشغول ہوجاتے ہیں اور اسی کو مقصود سمجھتے ہیں اس طرح تعلیم وتعلم کو مقصود سمجھ لینا حد سے تجاوز ہے'' غرض مطلوب شرعی (یا دینی) علم وہی ہے جو اپنے اثر کے ساتھ ہو جیسے تلوار وہی مطلوب ہے جس میں کاٹ ہو، ورنہ برائے نام تلوار ہوگی اسی کو کہتے ہیں۔ ؎

علم چہ بود آں کہ رہ بنمایدت　　　زنگ گمراہی زدل بزدایدت

ترجمہ:علم دراصل وہ ہے جو تمہارے لئے رہنما ثابت ہو اور گمراہی کا زنگ تمہارے دل سے دور کردے۔

ایں ہوسہا از سرت بیروں کُنَد
خوف وخشیت دردلت افزوں کند

ترجمہ: حرص وہوس کو تمہارے دل سے نکال دے اور خوف وخشیت اس میں زیادہ کردے۔

تو نہ دانی جُز یجوز ولا یجوز
خود نہ دانی توکہ جوزی یا عجوز

ترجمہ: ''مگر تم توسوائے اس کے کہ یہ جائز ہے یہ ناجائز کچھ جانتے ہی نہیں بلکہ تم خود اپنے متعلق نہیں جانتے کہ جوان ہو یا بوڑھے، یعنی اپنی معرفت بھی نہیں تو پھر کیا علم ہے''۔

راقم عاجز ہمیشہ کہا کرتا ہے کہ کتاب اسلام صرف کتاب ہدایت نہیں، نظام ہدایت بھی ہے، یہ نظام کیا ہے اور اس کو وقت کے زمانی ومکانی احوال وظروف خصوصا ہندوستان وپاکستان میں کیونکر بہ روئے کار لایا جاسکتا ہے، اس کا ایک پورا خاکہ تو ایک مستقل کتاب ،تجدید تعلیم وتبلیغ میں پیش کیا جاچکا ہے، یہاں اس نظام کے ایک بڑے اور اہم جزو پر خصوصیت سے توجہ دلانی ہے، اصلاح وہدایت کا سب سے مؤثر کارگر جُزو وہی ہے اور اسی سے سب سے زیادہ غفلت ہے۔

علماء ومشائخ کی ذمہ داری: غرض اتنا تو ہر معمولی سے معمولی عالم دین کا عالمانہ ودینی فرض منصبی ہے ہی کہ اس نے دین کے اوامر ونواہی کا جو علم حاصل کیا

ہے اس کے امر ونہی کو صرف عملاً ہی لوگوں تک نہ پہونچاتا رہے بلکہ جہاں تک ہاتھ زبان کی یاری یا کم ازکم دل کی ناراضی وبیزاری کے اظہار کے ذریعہ ان پر عمل کراسکتا ہے، کرائے ، باقی بہت سے علماء ومشائخ اس گئے گذرے زمانے میں بھی ایسے ہیں جو سیکڑوں ہزاروں کی تعداد میں اچھے خاصے اپنے عقیدت مندوں اور ارادت مندوں کے چھوٹے بڑے حلقے رکھتے ہیں جن پر وہ اسی نوعیت کا اثر رکھتے ہیں جو حضرات انبیاء کا خاص اصحاب یا حواریوں پر ہوتا تھا، لہذا ان کی تو خاص طور پر چھوٹے بڑے امر ونہی کے باب میں پوری اور کڑی نگرانی اسی طرح پر واجب ہے جس طرح خود اپنے اہل وعیال کی ؛ بلکہ حضرت حکیم الامت مجدد تھانویؒ نے تو مشائخ کی ذمہ داری ومسئولیت کو والدین واولیاء کی ذمہ داری سے بڑھ کر قرار دیا ہے، کیوں کہ بچوں پر گو شرعاً ہماری اطاعت واجب ہے مگر انہوں نے صراحۃً اس کا کوئی التزام ومعاہدہ نہیں کیا کہ تم ہم کو تعلیم وتبلیغ کرو اور ہم تمہاری تعلیم پر عمل کریں گے، بخلاف شیخ وسالک یا پیر ومرید کے تعلق کے کہ وہ نام ہی ہے مرید کی جانب سے معاہدۂ اطاعت کا اور پیر یا شیخ کی جانب سے معاہدۂ تعلیم واصلاح کا۔ اس لئے مریدوں کو ان کے چھوٹے بڑے تمام منکرات پر روک ٹوک نہ کرنا صریح خیانت ومعصیت ہے جس میں ترک تبلیغ کے (عام گناہ کے) ساتھ وعدہ خلافی کا (خاص) گناہ بھی شامل ہے اور اس عام وخاص خیانت وگناہ کے مرض میں صرف عام دوکاندار یا درگاہی پیر ہی گرفتار نہیں بلکہ اچھے خاصے صاحب علم وصلاح مشائخ تک کو دیکھا کہ مریدوں کے افعال پر خاموش ہیں، کچھ روک ٹوک نہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شیوخ یا تو پیری

ومریدی کی حقیقت ہی کو نہیں سمجھتے یا جان بوجھ کر پہلو تہی کرتے ہیں۔

(نظام صلاح واصلاح: ص ۱۴۳)

اہم کام معروف ومنکر کے امرونہی کے شعور کی بیداری ہے:

غرض دینی، اصلاحی، دعوتی وتبلیغی جس پہلو سے بھی دیکھئے اہم واقدم کام معروف ومنکر کے امرونہی کے انفرادی واجتماعی شعور واحساس کو زندہ وبرپا کر کے مسلمانوں کی انفرادی واجتماعی زندگی کو از سرنو اسلامی زندگی اور مسلمان معاشرہ یا خیرامت بنانا ہے۔ اس کے بغیر خالی زبان کی درازی یا کاغذ کی ناؤ سے مسلمانوں اور غیر مسلمانوں کسی کے بھی دین ودنیا کا بیڑا کسی طرح بھی پار نہیں لگ سکتا۔ زیادہ مقدم ومؤثر امرونہی کا انفرادی شعور واحساس ہے یعنی وہی۔ اَلْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ہر مرد وعورت اپنی نفس ایمانی، ولایت وہمدردی یا نگرانی وذمہ داری کا یہ فرض محسوس کرنے لگے کہ راہ چلتے بھی کسی کو دینی واخلاقی خامی وکوتاہی میں مبتلا پائے اس سے روکنے اور بچانے میں ہاتھ، زبان یا دل سے جو جتنی سعی وتدبیر کرسکتا یا اپنے محل ومقام کے لحاظ سے جس قسم کا کوئی مادی واخلاقی اثر یا دباؤ ڈال سکتا ہو، اس سے کام لینے میں کوئی کمی نہ کرے، یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اندھے کی لاٹھی چلانے لگے، الحمد للہ کہ علمائے امت اور حضرات فقہاء رحمہم اللہ نے دین کے دوسرے اوامر ونواہی کی طرح خود امرونہی کے احکام، کلیات وجزئیات، اصول وفروع، کتاب وسنت ہی کی روشنی میں مرتب فرمادیئے ہیں ان ہی کو ہر بُرے بھلے ماحول کے چوکھٹے میں بے تکلف فٹ کیا اور وقت وموقع کے مناسب کام لیا جاسکتا ہے، بس کلّی اصول اس باب میں وقت کے حکیم ومجدد حکیم الامت

تھانویؒ کا سامنے رکھنا چاہئے کہ جسمی بیماروں کے ساتھ تو ہمدردی وشفقت لیکن بیماریوں سے تکلیف ونفرت ہوتی ہے اور حسب تعلق وطاقت ہم ان کو دور کرنے کی دوادوش میں کوئی کسر لگی نہیں رکھتے، نہ بیمار کو اس کے حال پر چھوڑ دینا گوارا کرتے ہیں، بعینہٖ یہی معاملہ معاصی ومنکرات کے بیماروں کے ساتھ نقلاً ہی نہیں عقلاً بھی کرنا چاہئے کہ جیسا اور جتنا ان سے تعلق ہو اور جتنی ان کے فلاح و پرہیز کی ہم فکر وتدبیر کی طاقت رکھتے ہوں، اس میں کمی نہ ہو بلکہ جس طرح معمولی انسانیت کا تقاضا ہے کہ راستہ چلتے ہم کسی غیر سے غیر کو بھی کسی تکلیف ومرض میں پائیں تو جو کچھ برمحل اس کی مدد کر سکتے ہوں کریں، یہی تو مطلب ومطالبہ رحمت عالم ﷺ کی طرف سے معروف ومنکر کے امرونہی کو راستہ تک کے حقوق میں داخل فرمادینے کا ہے، کتنی بڑی رحمت وشفقت ہے اور اس شفقت وخیرخواہی کے تقاضے ہی سے حسب ضرورت بیمار کو کڑوی سے کڑوی دوائیں بھی پلانا پڑتی ہیں، بدپرہیزیوں سے زبردستی روکنا پڑتا ہے، گھر میں علاج وپرہیز دیکھ بھال کا حق اپنے سے نہ ادا ہو سکتا ہو تو اسپتال بھیجنا پڑتا ہے، ڈاکٹروں کا مشورہ ہو تو سخت سے سخت آپریشن کرانا پڑتا ہے۔ اپنی وسعت بھر بلکہ قرض ودام کرکے دواوعلاج کے مصارف پورے کئے جاتے ہیں۔ یہ سب کچھ اس وقت تک ہوتا رہتا ہے جب تک مریض کے جانبر ہونے کی کچھ بھی آس رہتی ہے بلکہ معالجوں کے جواب دینے کے بعد بھی ہماری محبت وشفقت جواب نہیں دیتی اور جب تک بیمار کی سانس چلتی ہے کچھ نہ کچھ دوا ودعا برابر چلتی رہتی ہے، یہ سب کسی زندگی یا اس کے آرام وراحت کو بچانے کے لئے جس کی نسبت یقین کامل ہے کہ سو دو سو برس بھی چلتی رہے تب بھی ایک نہ ایک

دن چل ہی بسے گی تو پھر ایمان والوں کو ایمان ہی سے سوچنا اور بتلانا چاہئے کہ کبھی نہ ختم ہونے والی زندگی کے بناؤ بگاڑ یا سود وزیاں، فلاح وخسران کی خاطر ہم کو خود اپنے اور اپنے اہل وعیال، اعزّہ واحباب کے لئے کیا کچھ نہ کرنا چاہئے اور جان ومال کی کونسی فکر وتدبیر اٹھا رکھنا چاہئے۔ (نظام صلاح واصلاح: ص/۱۸۹)

ف: ان اصلاحی مضامین کے پڑھنے سے یہ بات بین طور سے واضح ہوجاتی ہے کہ حضرت مولانا ندویؒ کو امت کی صلاح واصلاح کی بیحد فکر تھی، اس لئے عوام وخواص ہر طبقے کی جو کوتاہیاں ظاہر تھیں ان کی طرف نشاندہی فرمائی جن کی طرف ہر جماعت بلکہ ہر فرد کو توجہ کر کے اصلاح کی ضرورت ہے۔

مولاناؒ نے صرف یہ نہیں کہ دوسروں کو ہی اصلاح کی طرف توجہ دلایا بلکہ خود اپنی اصلاح اور اہل وعیال کی تربیت کا پورا پورا اہتمام فرمایا اور اللہ تعالی کے حکم **یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَهْلِیْکُمْ نَارًا** کا عملاً امتثال فرمایا چنانچہ خود کمال علم وعمل کے باوجود حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانویؒ جو تزکیہ نفوس کے باب میں مہارت رکھتے تھے اور ساتھ ہی **اشدھم فی امر اللہ** کی فاروقی شان رکھتے تھے، ان سے اصلاحی تعلق قائم فرمایا اور مدّتوں ان کی نگرانی وسرپرستی میں اصلاح باطن وتزکیۂ نفس کا فریضہ انجام دیا اور مقامات سلوک طے فرمائے جس کی تصدیق وشہادت حضرت حکیم الامتؒ نے خلافت دے کر فرمائی۔

اسی طرح بچوں کی اصلاح کے سلسلہ میں باوجود مالی فراخی کے انگریزی اسکول وکالج میں داخل فرمانے کے بجائے ان کو کمسنی ہی میں حضرت مولانا ابرار الحق صاحب مدظلہ جیسے مربی کی خدمت میں رکھا پھر مزید تعلیم وتربیت کے لئے

برادرم جناب فیض الباری اور عزیزم حافظ احمد الباری سلمہما کو حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کی خانقاہ میں پہونچادیا، چنانچہ حضرت مصلح الامت نے ان دونوں صاحبزادگان کی طرف خاص لطف وکرم کا معاملہ فرمایا جس سے دونوں ہی متأثر ہوئے اور اصلاح کی طرف متوجہ ہوئے۔ **فللہ الحمد و المنۃ۔**

اور غایت صدق وخلوص کی تو یہ بات ہے کہ حضرت مولانا ندویؒ غالبا ۱۳۷۳ھ کے پورے ماہ رمضان المبارک میں باوجود مرض ونقاہت کے اپنے پیر بھائی حضرت مصلح الامتؒ کی خانقاہ میں بغرض استفادہ تشریف لائے اور مجلسوں میں اہتمام سے شرکت فرمائی اور متاثر ہوئے، جس کا اظہار اپنے اہم مضمون ''چار ہفتہ ایک کہف میں'' فرمایا جو مولانا عبدالماجد صاحب کے اخبار ''صدق جدید'' میں شائع ہوچکا ہے۔ جس کے اقتباسات ہم نے تذکرہ مصلح الامت حصہ دوم میں درج کئے ہیں، اگر جی چاہے تو ان کا مطالعہ کریں اس لئے کہ مفید وبصیرت افروز ہیں۔

میری یہ سعادت ہے کہ مولاناؒ کی خدمت کی سعادت خانقاہ فتح پور تال نرجا میں حاصل ہوئی اور یہاں خانقاہ الہ آباد میں بھی، اللہ تعالی اس کو قبول فرمائے اور مولانا کے علمی وروحانی فیض سے مستفیض فرمائے۔ آمین۔ **وما ذٰلک علی اللہ بعزیز۔** (مرتب)

وفات: مولاناؒ نے طویل علالت کے بعد ۳۰؍جنوری ۱۹۷۶ء مطابق ۱۳۹۶ھ بروز جمعہ جہان فانی سے عالم جاودانی کی طرف کوچ کیا، ان کی وصیت کے مطابق مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی نے نماز جنازہ پڑھائی اور اپنے محلہ کے قبرستان ڈالی گنج شہر لکھنؤ میں آسودۂ خاک ہوئے۔ نوراللہ مرقدہ۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ[۱] صاحبؒ المتوفی ۱۳۹۶ھ

(مفتی اعظم پاکستان)

نام ونسب وولادت باسعادت: آپ کی ولادت ماہ شعبان ۱۳۱۴ھ مطابق جنوری ۱۸۹۷ء میں قصبہ دیوبند ضلع سہارنپور میں ہوئی، والد بزرگوار مولانا محمد یٰسین صاحبؒ نے ولادت کی اطلاع کا خط اپنے شیخ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو لکھا تو حضرت مولانا نے جواب میں نام محمد شفیع تجویز فرمایا، خط کے الفاظ یہ ہیں ''تولدِ فرزند سے مسرت ہوئی نام اس کا ''محمد شفیع'' رکھنا۔

خاندان: حضرت مفتی صاحبؒ قصبہ دیوبند کے مشہور عثمانی خاندان سے تعلق

۱؎ حضرت مفتی اعظم صاحبؒ کے مفصل حالات رسالہ ''البلاغ'' کی اشاعت خصوصی جمادی الثانیہ تا شعبان ۱۳۹۱ھ میں ذکر کیے گئے ہیں۔ ''حیات مفتی اعظم'' کے عنوان سے ان کے صاحب زادے مولانا محمد رفیع صاحب عثمانی نے ان کی سوانح لکھی ہے اور مفتی صاحبؒ کے نورچشم مولانا تقی عثمانی صاحب نے علمی خصوصیات، تفسیری نکات، علمی وعملی مذاق، ذوق عبادات وغیرہ پر کافی روشنی ڈالی ہے جو نہایت مفید وبصیرت افروز ہے، نیز مولانا عاشق الٰہی صاحب بلندشہری نے حضرت مفتی صاحب کے چند مفید ملفوظات بھی نقل فرمائے ہیں، نیز دیگر علماء نے بھی اپنے تاثرات اچھے انداز میں لکھے ہیں، غرض ہم نے البلاغ کے اسی خصوصی نمبر سے کچھ باتیں بالاختصار نقل کی ہیں، اب اگر کسی کو تفصیلی حالات معلوم کرنے کی خواہش ہو تو اصل مجموعۂ گرانمایہ کا مطالعہ کرے، ان شاء اللہ تعالیٰ انتہائی مفید پائے گا۔ (مرتب)

رکھتے تھے، آپ کی والدہ ماجدہ سادات میں سے تھیں، آباء واجداد دیوبند کے ممتاز اہل علم میں سے تھے جو ہمیشہ علمی مشاغل میں مصروف اور اہل قصبہ ان کے معتقد رہے۔ (البلاغ ص/۸۵)

بچپن: کھیل کود کی نوبت کم ہی آتی تھی، آپ کی عادت تھی کہ جب بھی موقع ملتا اپنے والد بزرگوار کے ساتھ اکابر علماء وصلحاء کی بابرکت مجلسوں میں جا بیٹھتے، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ کی مجلس میں حاضری اکثر ہوا کرتی تھی۔

تعلیم: آپ نے دارالعلوم دیوبند میں قرآن پاک ناظرہ کی تعلیم کے بعد حافظہ بھی شروع کیا مگر حفظِ قرآن کی محنت برداشت نہ ہوسکی لیکن چند پارے جو اس وقت حفظ کر لئے تھے عمر بھر اس کو یاد رکھنے کا اہتمام فرماتے تھے، آپ یہ پارے اکثر نفلوں اور تہجد میں پڑھا کرتے تھے، فارسی کی تمام مروجہ کتابوں کی تعلیم اپنے والد محترم سے حاصل کی، اس کے ساتھ عربی کی نحو وصرف اور فقہ کی ابتدائی کتابیں بھی والد ماجد سے پڑھ لی تھیں، اس کے بعد کی کتابیں ۱۳۳۰ھ میں دارالعلوم میں باقاعدہ داخل ہوکر پڑھیں اور ۱۳۳۵ھ میں دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی کچھ فنون کی کتابیں باقی تھیں جن کی تکمیل ۱۳۳۶ھ میں فرمائی۔ اسی سال حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب عثمانیؒ مہتمم مدرسہ دارالعلوم نے کچھ کتابیں پڑھانے کے لئے دیدیں۔

اصلاحِ باطن کی فکر: تمام بزرگانِ سلف کی طرح یہ حقیقت آپ کے سامنے بھی تھی کہ کسی بزرگ کی خدمت وصحبت میں رہ کر تزکیۂ باطن اور ذکر اللہ کے بغیر کتابی علوم بے روح رہتے ہیں، یہی وہ احساس تھا جس نے آپ کو حضرت

شیخ الہندؒ کا شیدائی بنا دیا تھا، چنانچہ جب حضرت شیخ الہندؒ ۲۰؍رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ (مارچ ۱۹۲۰ء) میں مالٹا کی قید سے پانچ سال کے بعد رہا ہو کر دیوبند تشریف لائے تو آپ نے اور آپ کے رفیق درس حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم مدرسہ دارالعلوم دیوبند اور چند حضرات نے حضرت شیخ الہندؒ کے ہاتھ پر بیعت طریقت کی، چند تسبیحات کی تلقین حضرت شیخ الہندؒ نے فرمائی، اس سے زائد اس طریق میں استفادہ کا موقع نہ ملا کیونکہ ۱۸؍ربیع الاول ۱۳۳۹ھ کو حضرت شیخ الہند کی دہلی میں وفات ہوگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بالآخر ۱۳۴۳ھ یا ۱۳۴۴ھ میں پھر وہی تشنگی آپ کو خانقاہ تھانہ بھون لے گئی۔ آپ نے ایک دو روز وہاں قیام فرمایا، حضرت حکیم الامتؒ نے بڑی شفقت و محبت کا معاملہ فرمایا۔ اس طرز تعلیم اور معاملۂ شفقت نے حضرت مفتی صاحب کے قلب کے گوشہ گوشہ کو حضرت کی محبت سے بھر دیا۔ اس کے بعد مسلسل خط و کتابت اور آمد و رفت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

اجازت بیعت اور خلافت: ۱۳۴۹ھ چل رہا تھا کہ حضرت حکیم الامتؒ مجد دالملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ جیسا رہبر و رہنما ہر طرح امتحان کرنے کے بعد مطمئن تھا کہ جس مسافر طریقت نے ان کی انگلی پکڑ کر اپنے سفر کا آغاز کیا تھا اب وہ راستہ کے تمام نشیب و فراز اور پیچ و خم سے نہ صرف باخبر ہے بلکہ ناواقفوں کی رہبری کے لئے بھی اس پر پورا اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

چنانچہ ربیع الثانی ۱۳۴۹ھ میں اچانک حضرت حکیم الامتؒ کا مکتوب گرامی دیوبند پہونچا، جس میں حضرت مفتی صاحب کو تلقین و بیعت کی اجازت

تحریر تھی۔ وہ مکتوب گرامی یہاں بعینہٖ نقل کیا جاتا ہے:

''مشفقی مولوی محمد شفیع صاحب مدرس دار العلوم دیو بند سلمہٗ

السلام علیکم۔ بے ساختہ قلب پر وارد ہوا کہ آپ کو مع دوسرے احباب کے بیعت و تلقین کی اجازت ہو، پس توکلاً علی اللہ اس وارد پر عمل کرنے کے لئے آپ کو اطلاع دیتا ہوں کہ اگر کوئی طالبِ حق آپ سے اس کی درخواست کرے تو قبول کرلیں، اس سے متعلم کے ساتھ معلم کو بھی نفع ہوتا ہے، میں بھی دعا کرتا ہوں اور اپنے خاص محبین پر اس کو ظاہر بھی کر دیجئے، بنظر احتیاط بیرنگ لفافہ بھیجتا ہوں۔ والسلام''

بندہ اشرف علی از تھانہ بھون ربیع الثانی ۱۳۴۹ھ

اس کے جواب میں حضرت مفتی صاحبؒ نے حضرت حکیم الامت کو یوں تحریر فرمایا:

''والا نامہ صادر ہوا۔ دیکھ کر حیرت میں رہ گیا کہ ناکارہ و آوارہ شفیع اور بیعت و تلقین کی اجازت، صلاحِ کار کجا و من خراب کجا۔ اس کے جواب میں حضرت حکیم الامتؒ نے کیا ہی خوب تحریر فرمایا:

''یہی تو بنا ہے اس اجازت کی کہ آپ اپنے کو ایسا سمجھتے ہیں''۔

(ص/۱۴۵)

ہجرت پاکستان: ۱۹۴۷ء میں ہندوستان آزاد ہوا اور پاکستان معرض وجود میں آگیا، اُدھر شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے پاکستان میں اسلامی دستور کی جدوجہد کا آغاز فرمادیا تھا لیکن پہلے ہی قدم پر ضرورت محسوس ہوئی کہ اسلامی دستور کا ایک اجمالی خاکہ مرتب کیا جائے تاکہ حکومت کے سامنے مطالبہ قدرے

وضاحت کے ساتھ پیش کیا جاسکے، یہ خاکہ مرتب کرنے کے لئے آپ نے مندرجہ ذیل اکابر علمائے کرام کو پاکستان آنے کی دعوت دی: (۱) حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ (۲) حضرت مولانا محمد شفیع صاحبؒ (۳) حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی صاحبؒ (۴) جناب ڈاکٹر حمید اللہ صاحبؒ (دکن) بالآخر حضرت شیخ الاسلام کی دعوت اور مقصد کی اہمیت کے پیش نظر آپ نے وطن مالوف سے ہجرت کا قطعی فیصلہ فرمالیا اور ۲۰؍ جمادی الثانیہ ۱۳۶۷ھ یکم مئی ۱۹۴۸ء کو اپنے قدیم وطن دیوبند کو خیر باد کہہ کر کراچی کے لئے روانہ ہوگئے۔ (ص؍۲۱۵)

عظیم کارنامہ، تاسیس دارالعلوم کراچی: ہجرت پاکستان کے بعد حضرت والد صاحبؒ نے دو کاموں کو اپنا مقصد زندگی بنالیا تھا، ایک پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے جدوجہد، دوسرے کراچی میں یہاں کے شایانِ شان دارالعلوم کا قیام۔

ابتدائی دوسال تو قراردادِ مقاصد اور اسلامی دستور کی جدوجہد جو انتہائی بے سروسامانی میں ہورہی تھی، اسی کی مشغولیت اتنی رہی کہ دارالعلوم کے قیام میں کامیابی نہ ہوسکی، فتاوی کا مشغلہ دارالعلوم دیوبند سے مستعفی ہونے کے بعد بھی آپ کا جزو زندگی بنا رہا۔ آخر آپ نے محلہ نانک واڑہ میں مدرسہ قائم فرمایا، ملک کے اطراف واکناف سے طلبہ آنے شروع ہوگئے اور چند مہینہ کے اندر ہی مدرسہ ''دارالعلوم کراچی'' بن گیا۔

دارالعلوم کے ہر شعبہ میں کام جس تیز رفتاری سے بڑھ رہا تھا اس کے سامنے موجودہ عمارت بہت تنگ محسوس ہونے لگی تو اللہ تعالی نے ''کورنگی'' میں

والد صاحب کو چھپن ایکڑ زمین دار العلوم کے لئے عطا فرمادی تو جدید تعمیرات بقدرِ ضرورت مکمل ہو جانے کے بعد دار العلوم یہاں منتقل فرمادیا اور نانک واڑہ کی عمارت میں دار العلوم کے چند شعبے رہ گئے۔

حضرت والد صاحب کی خلوص وللّٰہیت کا یہ ثمرہ ہے کہ اللہ تعالی نے اس دار العلوم کو دنیا کے عظیم دینی مدارس کی صف میں لاکھڑا کردیا اور پاکستان کے عظیم ترین دینی اداروں میں اسے ممتاز مقام عطا فرمایا جو یقیناً والد صاحب کا ایسا صدقہ جاریہ ہے جو ان شاء اللہ صدیوں باقی رہے گا۔ (البلاغ خصوصی: ۲۲۵)

آخری وصیت: فرمایا کہ "لمبی چوڑی باتیں کرنے کی نہ طاقت ہے اور نہ وقت، مختصر سی ایک دو باتیں غور سے سن لو، اس کے بعد فرمایا کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک پر وفات کے وقت جو الفاظ جاری تھے اور جس کے بعد آپ خالق حقیقی سے جا ملے وہ یہ تھے۔

"الصلوٰۃ الصلوٰۃ اتقو اللہ و ماملکت ایمانکم"

ترجمہ: نماز کا خیال رکھو، نماز کا خیال رکھو، اپنے زیر دستوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرو۔

اس کے بعد نہایت مختصر الفاظ میں نماز کی اہمیت اور دوسروں کے حقوق کے بارے میں نہایت موثر نصیحتیں فرمائیں، فرمایا کہ آدمی اس وقت تک نمازی نہیں ہوسکتا جب تک جماعت کا پابند نہ ہو جائے، اور جو جماعت کا پابند نہ ہو وہ اپنے آپ کو دھوکا دیتا ہے کہ نمازی ہے، نمازی تو جماعت کی پابندی سے بنتا ہے، اس کے بعد فرمایا کہ اپنی نمازوں اور عبادتوں پر نظر رکھنی چاہئے، یاد رکھو جو آدمی

نماز اور روزہ کر کے خود کو نیک و صالح سمجھنے لگے، اس سے زیادہ کوئی خسارے میں نہیں ہے، ساری نمازیں منہ پر ماردی جائیں گی۔

تیسری بات پردے کی شرعی پابندی کی بابت فرمائی کہ پردے کا اپنے خاندان میں پورا اہتمام کرو، اور نئی تہذیب کی لعنت کو اپنے گھر میں نہ گھسنے دو۔ فرمایا کہ بس میری یہی وصیت ہے، اسکو پلے باندھ لو، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس وصیت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

خصوصیات: یوں تو مولانا مفتی تقی عثمانی نے حضرت مفتی اعظم صاحبؒ کی بہت سی خصوصیات وکمالات کا ذکر فرمایا ہے، جن کو بغرض اختصار ہم نقل نہیں کرر ہے ہیں تاہم عنوان ''نماز سے شغف'' کے تحت جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کو بعینہ نقل کرر ہے ہیں، اس لئے کہ اس کے ضمن میں ایسے مضامین مذکور ہیں، جو ہم سب کے لئے انتہائی مفید ہیں، بغور ملاحظہ فرمائیں۔

نماز سے شغف: نماز سے والد صاحب قدس سرہٗ کو خاص شغف تھا، اور جن لوگوں نے آپ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے انہیں یاد ہوگا کہ نماز کے دوران آپ پر عجز و نیاز، خضوع وخشوع اور خشیت وانابت کی ایسی عجیب کیفیت طاری رہتی تھی جو شاذ و نادر ہی کہیں دیکھنے میں آتی ہے۔ ہم جیسے کور ذوق اور حواس باختہ لوگوں کو تو اس کیفیت کا ادنیٰ ادراک بھی مشکل ہے۔ آپ نے خود اپنے شیخ کو ایک مکتوب میں تحریر فرمایا:

''آخر شب کے نوافل میں بحمد اللہ اکثر شوق ورغبت اور سکون وطمانیت نصیب ہوتا ہے اور بعض اوقات کیفیتِ گریہ حالتِ

اضطرار کو پہنچ جاتی تھی لیکن چونکہ یہ حالت مستمر نہ رہتی تھی، اس لئے میں اس کو خمود ہی سے تعبیر کرتا تھا، آج دفعۃً خیال ہوا کہ مبادا یہ ناشکری میں داخل ہو، اسی لئے اصل حقیقت عرض کردی۔

آخر شب میں طولِ قیام اور طولِ سجود میں ایک خاص لذت پاتا ہوں اور جس رکن کو شروع کرتا ہوں جب تک تھک نہ جاؤں اس سے منتقل ہونے کو جی نہیں چاہتا''۔ (مکتوب: ۶۳)

نماز سے اس خصوصی تعلق کا اندازہ حضرتؒ کے ایک لطیف ارشاد سے کیجئے، ہم لوگوں کی عادت ہے کہ اکثر جب کوئی اہم کام سامنے ہوتا تو یہ جملہ کہہ دیتے تھے کہ ''ذرا نماز سے فارغ ہوجائیں تو پھر وہ کام کریں گے'' ایک روز حضرت والد صاحبؒ نے یہ جملہ سنا تو فرمایا:

''ارے بھائی نماز فارغ ہونے کی چیز نہیں ہے، اس سے فراغت حاصل کرنے کی فکر نہیں چاہئے بلکہ دوسرے کاموں سے فارغ ہوکر نماز کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔''

اس کے بعد آپ نے قرآن کریم کی اس آیت کی طرف متوجہ فرمایا جو ہم شب و روز پڑھتے رہتے ہیں لیکن اس کی حقیقت کی طرف کبھی دھیان نہیں ہوتا، فرمایا کہ قرآن کریم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَاِلٰی رَبِّکَ فَارْغَبْ ۔ پس جب تم فارغ ہوجاؤ تو (اللہ کی عبادت میں) تھکو، اور اپنے پروردگار کی طرف رغبت کا اظہار کرو۔

فرمایا کہ اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب ہورہا ہے کہ آپ

دوسرے کاموں سے فارغ ہوکر عبادتِ الٰہی میں اپنے آپ کو تھکائیں، اس سے معلوم ہوا کہ مقصودِ اصلی یہ عبادت ہے اور اس سے جلد از جلد فارغ ہوکر دوسرے کاموں میں لگنے کی نیت ٹھیک نہیں، اس کے بجائے نیت یہ ہونی چاہئے کہ دوسرے کاموں سے جلد از جلد فارغ ہوکر نماز اور عبادت کی طرف متوجہ ہوں۔

ساتھ ہی حضرت والد صاحبؒ نے فرمایا کہ یہاں خاص طور پر اہل علم اور دینی خدمات انجام دینے والوں کو اس بات پر غور کرنا چاہئے کہ یہ خطاب حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ہو رہا ہے کہ فارغ ہونے پر آپ عبادتِ الٰہی میں اپنے آپ کو تھکائیں۔ سوال یہ ہے کہ کس چیز سے فارغ ہونے پر؟ ظاہر ہے کہ عبادات کے علاوہ آپ کی جتنی مصروفیات تھیں وہ تمام تر دینی خدمات ہی سے متعلق تھیں، کبھی جہاد ہے، کبھی تعلیم و تبلیغ ہے، کبھی انتظام حکومت ہے، کبھی اصلاحِ خلق ہے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی گھریلو زندگی بھی تعلیم ہونے کی بنا پر دینی خدمات ہی میں داخل تھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زندگی کا کوئی لمحہ ایسا نہیں تھا جو کسی نہ کسی ثواب کے کام میں خرچ نہ ہوتا رہا ہو، اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ حکم ہو رہا ہے کہ جب آپ اپنی دوسری دینی مصروفیات سے فارغ ہوں تو خالص عبادتوں کی طرف متوجہ ہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ دینی، تبلیغی یا اجتماعی خدمات میں مصروف ہوں انہیں یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ ہم چونکہ شب و روز اللہ تعالیٰ کے دین ہی کے کام میں لگے ہوئے ہیں، اس لئے ہمیں (معاذ اللہ) نفلی عبادتوں اور مستحبات و مندوبات کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے زیادہ

کون دینی خدمات انجام دے گا؟ جب اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نفلی عبادات کا حکم دیا جارہا ہے، اور اس کی تعمیل میں رات کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاؤں پر ورم آجاتا ہے تو ہم کس شمار قطار میں ہیں؟

دین کا مقصود اصلی: دوسرے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جہاد، تعلیم وتبلیغ، اجتماعی خدمات اور دین کے لئے سیاست کی مصروفیات اگر صحیح نیت سے ہوں تو اگرچہ وہ سب کارِ ثواب ہیں اور بعض اوقات ان کا ثواب نفلی عبادات سے بھی بڑھ جاتا ہے، لیکن ان کو دین کا مقصود اصلی سمجھنا درست نہیں، اس کے بجائے مقصودِ اصلی وہی ٹھیٹھ عبادتیں ہیں جن میں بندہ براہ راست اپنے معبود سے رابطہ قائم کرکے اس کی طرف رجوع وانابت کی دولت حاصل کرتا ہے۔ اسی لئے یوں نہیں کہا گیا کہ نماز سے فارغ ہوکر جہاد یا تعلیم وتبلیغ کے کام میں لگو، بلکہ فرمایا یوں گیا کہ جب جہاد اور تعلیم وتبلیغ وغیرہ کے کام سے فارغ ہو تو اپنے اصل مقصدِ تخلیق یعنی عبادتِ رب کی طرف آجاؤ۔

یہی وہ بنیادی نکتہ ہے جسے فراموش کرکے ہمارے بہت سے معاصر اہل قلم نے نظریاتی طور پر اور بہت سے رہنماؤں نے عملی طور پر دین کی تعبیر کو الٹ دیا ہے اور جو چیز مقصودِ اصلی تھی، اسے ذریعہ اور جو ذریعہ تھا اسے مقصودِ اصلی قرار دے دیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ دین کا اصل مقصد جہاد ودعوت کے ذریعے اسلامی حکومت کا قیام ہے اور نماز روزے سمیت تمام عبادتیں اسی مقصد کی ٹریننگ دینے کے لئے وضع کی گئی ہیں، حالانکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ دین کا اصل مقصد بندوں کا تعلق اپنے خالق ومالک سے جوڑ کر ان میں عجز ونیاز، انابت

وخشیت اور عبدیت کی صفات پیدا کرنا ہے اور جہاد اور تعلیم وتبلیغ وغیرہ اس مقصد کے حصول کے ذرائع ہیں ،لہذا ان دینی خدمات میں مشغولیت اگرچہ بڑی فضیلت کی بات ہے ،یہ خدمات فرض کفایہ ہیں ۔بعض مواقع پر فرض عین بھی ہوجاتی ہیں ،لیکن یہ فراموش نہ کرنا چاہئے کہ وہ نفلی عبادتیں جن میں براہِ راست بندہ اللہ تعالی سے تعلق قائم کرکے اس کے سامنے اپنی بندگی اور عجز ونیاز کی پونجی نچھاور کرتا ہے،ان کی اہمیت اور مقصودیت میں فرق نہ واقع ہونے پائے اور جب کبھی انسان کو مہلت ملے وہ ان عبادتوں کے ذریعے اللہ تعالی کی بارگاہ میں حاضری کو غنیمت کبریٰ اور اپنا منتہائے مقصود قرار دے۔حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اسی فکر کو اپنے ایک شعر میں بیان فرمایا ہے۔ ؎

خوش درسِ علم وشغلِ فتاویٰ بہ دیوبند   لیکن شبے بہ خانقہ تھانہ خوشتر است

اور حقیقت یہ ہے کہ اس اہم اور بنیادی نکتے کو فراموش کرکے ہم دین کے صحیح مزاج ومذاق اور اس کے حقیقی فوائد وثمرات سے دور ہوتے جارہے ہیں۔اللہ تعالی ہم سب کو اس حقیقت کی صحیح فہم اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

(البلاغ مفتی اعظم نمبر ۴۵۵)

ملفوظات

اکثر فرماتے تھے کہ میں مدرسین میں محققین تلاش نہیں کرتا، (بلکہ) جو شخص کتاب اچھی طرح سمجھادے اسی سے کام چلالیتا ہوں ،آدمی مدرس ہو مُفَہِّم ہو(سمجھانے والا) صالح ہو مفسد نہ ہو،بس یہ کافی ہے،اگر محقق ہو اور مفسد ہو تو مدرسہ اور طلبہ کا علم وعمل سب تباہ ہوجائے گا۔

ف: سبحان اللہ! کتنی حکمت اور تجربہ کی بات ہے جو بالکل درست ہے اور قابل عمل ہے۔ (مرتب)

فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنی عمر کا اکثر حصہ علم دین کے طلبہ میں گذارا ہے اور اب آخر عمر میں مدرسہ کھولا ہے اور اس کے باوجود کہ علماء وطلبہ بہت کچھ بدل گئے ہیں (اس موقع پر ان کی بے عملی کا تذکرہ فرماتے تھے) پھر بھی کوئی دوسری جماعت ایسی نہیں پاتا جس کو ان پر ترجیح دوں اور ان کو چھوڑ کر ان کے ساتھ رہوں۔

مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کے متعلق: بارہا ارشاد فرمایا کہ ایک بار حضرت تھانوی قدس سرہٗ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ مولوی وصی اللہ کو جانتے ہو (حضرت تھانویؒ کے مشہور خلیفہ جن سے ہندوستان میں بہت فیض پہونچا اور سفر حج میں بحری جہاز میں وفات ہوئی) اس سوال کے جواب میں میری زبان سے یہ شعر نکل گیا ؎

ماومجنوں ہم سبق بودیم در دیوان عشق　　　او بصحرا رفت و ما در کوچہا رسوا شدیم

ترجمہ: ہم اور وہ دیوان عشق میں ہم سبق تھے، مگر وہ تو صحرا کو چلے گئے اور ہم گلیوں میں رسوا ہو گئے۔

فرمایا کرتے تھے کہ حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے سامنے شعر پڑھنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی مگر اس موقع پر یہ شعر بے ساختہ زبان سے نکل گیا۔ اس پر حضرت تھانویؒ قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میاں یوں ہی ہوتا ہے، کسی کو صَحرا دیا جاتا ہے اور کسی کو سہرا دیا جاتا ہے۔ (البلاغ:۹۹۶)

یہ بھی فرماتے کہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے جلسے کرنا اور اسٹیج پر آنا اور الیکشن کے لئے دورے کرنا تو سیکھ لیا، لیکن ان کے اندر جو باطنی کمالات تھے ان کے حاصل کرنے کی طرف توجہ نہ کی۔

فرمایا: فوجی نوجوان جس طرح ملک وملت کی مادی طاقت ہیں اسی طرح نوجوان طلبہ اس کی اخلاقی وروحانی طاقت بن سکتے ہیں جو مادی طاقت سے کہیں زیادہ کامیاب اورناقابل تسخیر طاقت ہے۔ (البلاغ:۱۰۰۲)

پیغمبرانہ دعوت کے چند اُصول: حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں کہ: حضرت والد صاحب قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ پیغمبرانہ دعوت کے چند امتیازی خصائص یہ ہیں:

(۱) امت کی فکر: انبیاء علیہم السلام کی سب سے پہلی خصوصیت یہ ہے کہ ان کو اپنی امت کی اصلاح کی فکر اس شدت سے لگ جاتی ہے کہ وہ طبعی تقاضوں سے بھی بڑھ جاتی ہے۔

لہذا داعئ اسلام کی سب سے پہلی خصوصیت یہ ہونی چاہئے کہ اس کو اس پیغمبرانہ فکر کا کوئی حصہ نصیب ہو، چنانچہ اسلاف امت میں سے جن جن کو اس فکر کا جتنا حصہ ملا اللہ تعالی نے ان کی دعوت میں اتنی ہی برکت عطا فرمائی۔ اور اتنے ہی بہتر ثمرات عطا فرمائے۔

(۲) دعوت کی لگن: انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا دوسرا اہم امتیاز یہ ہے کہ وہ نتائج سے بے پرواہو کر دعوت میں لگا تار مشغول رہتے ہیں اور حوصلہ شکن حالات میں بھی اپنی بات متواتر کہے چلے جاتے ہیں۔ جہاں اور جس موقع پر کسی

شخص کو اچھی بات پہونچانے کا موقع مل جائے وہ اسے غنیمت سمجھ کر اپنی بات پہونچا ہی دیتے ہیں۔

دعوت کی اس لگن کا حاصل یہ ہے کہ انسان بات پہونچانے کے مواقع کی تلاش میں رہے، جب جتنا موقع مل جائے اس سے فائدہ اٹھائے اور دعوت سے کسی مرحلہ پر تھکنے اور اکتانے کا نام نہ لے، لیکن ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ لوگوں کا داروغہ بن کر ان کے پیچھے نہ پڑے، بلکہ اپنی بات موثر انداز میں کہہ کر فارغ ہو جائے پھر جب دیکھے کہ اس پر عمل نہیں ہوا تو موقع دیکھ کر پھر کہہ دے لیکن نہ مسلط ہونے کا طریقہ اختیار کرے اور نہ مایوس ہو کر بیٹھ جائے۔

(۳) مخاطِب کی شفقت: پیغمبرانہ دعوت کا تیسرا اہم عنصر مخاطب کی شفقت ہے، انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا داعیہ شفقت کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا ،اپنی برتری جتلانے اور دوسرے کی تحقیر کا ان کے یہاں شائبہ نہیں۔

(۴) حکمت: پیغمبرانہ دعوت کی چوتھی اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنی بات کہنے کے لئے ایسا موقع اور ایسا ماحول تلاش کرتے ہیں جس سے ان کی بات زیادہ سے زیادہ مؤثر ثابت ہو سکے۔

(۵) موعظتِ حسنہ: پیغمبرانہ دعوت کا پانچواں اہم اُصول یہ ہے کہ وہ دعوت کے لئے اندازِ بیان اور اسلوب ایسا اختیار فرماتے ہیں جو نرمی، ہمدردی اور دلسوزی کا آئینہ دار ہو۔ (البلاغ:۴۶۳)

ف: یقیناً دعوت وتبلیغ کا اصل منصب تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ہی حاصل ہے لہذا جو شخص دعوت کا کام کرتا ہے بلکہ جو عالم کرسی وعظ پر بیٹھ کر وعظ کہتا ہے

اور جو مرشد مسند ارشاد پر متمکن ہو کر تعلیم وتربیت اور تزکیۂ نفوس کی خدمت انجام دیتا ہے وہ درحقیقت انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وراثت ونیابت کا حق ادا کرتا ہے اور انہیں کا خوشہ چین ہے۔ اس لئے ہر ایک کو اپنے منیب اور اصل کی مرضی ومنشا کو پیش نظر رکھنا چاہئے یعنی جن اہم امور کی طرف انبیاء علیہم السلام نے دعوت دی اور اس کے لئے جو طریقہ اختیار فرمایا اس میں انہی حضرات کا تابع وپس رَو رہنا چاہئے، سرِ مو تجاوز کرنے کا اپنے کو مختار نہ سمجھنا چاہئے، اگر ایسا کیا تو دعوت کا کام لغو اور بے روح ہو کر رہ جائے گا۔ (مرتب)

چنانچہ حضرت حکیم الامت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''تفہیمات الٰہیہ'' میں یوں تحریر فرما رہے ہیں:

ہر کسے کہ برائے دعوت خلق اللہ بجائے نشست ومردم بجانب وے متوجہ شدند وے راہماں باید کرد کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کردند، زیرا کہ وے دریں مقام مقلد وپسرو ایشاں ست۔ (تفہیمات الہیہ: ج/ ۱۰۳)

ترجمہ: جو شخص اللہ تعالی کی مخلوق کو اللہ تعالی کی طرف دعوت دینے کے مقام پر فائز ہوا اور اللہ تعالی کے بندے اس کی طرف متوجہ ہوئے تو اس کو وہی کام کرنا چاہئے جو انبیاء علیہم السلام نے کیا۔ اس لئے کہ وہ اس مقام میں مستقل نہیں ہے بلکہ ان کا مقلد اور پسرو ہے۔

سبحان اللہ! حضرت شاہ صاحبؒ نے کتنا اہم ایک قاعدہ کلیہ بیان فرمادیا جو ہر معلّم ومرشد اور داعی کو پیش نظر رکھنا لازم وضروری ہے تاکہ اس قاعدہ کے تحت دینی خدمت انجام دے اور عنداللہ قبولیت حاصل کرے۔

پس اس سلسلہ میں سب سے اہم امر تو یہ ہے کہ اس کارِ عظیم میں اخلاص کا اہتمام ہو یعنی مقصود اللہ تعالی کی رضاوخوشنودی ہو۔ نیز اللہ تعالی کے بندوں کی اصلاح اور اللہ کے کلمہ کو بلند کرنا ہو۔

دوم یہ کہ دعوت کا طریقہ سنت کے عین مطابق ہو۔ اس لئے کہ جیسے مقصد کا صحیح ہونا ضروری ہے ویسے ہی اس تک پہونچنے کا طریق بھی از روئے شریعت وسنت درست ہونا چاہئے، جبھی وہ دعوت عند اللہ محمود اور مخلوق کے لئے مفید و موثر ثابت ہوگی۔

سوم یہ کہ صاحبِ دعوت اپنے قال وحال سے اللہ کے بندوں کو یہ باور کرائے کہ دعوت وتبلیغ سے اس کا مقصد اللہ کی رضا اور مخلوق کی نصح وخیر خواہی ہے نہ کہ طلبِ مال وجاہ، اس لئے کہ جب اس کی طرف سے ان کو اطمینان ہوگا تب ہی وہ دعوت کو قبول کریں گے۔

چنانچہ اللہ تعالی کے ارشاد: **یَاقَوْمِ لَآ اَسْأَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی الَّذِیْ فَطَرَنِیْ۔** (سورہ :ص، پ ۱۲)

ترجمہ: اے میری قوم! میں تم سے اس پر کچھ معاوضہ نہیں مانگتا، میرا معاوضہ تو صرف اس کے ذمہ ہے جس نے مجھ کو پیدا کیا۔

مذکورہ بالا آیت کے تحت علامہ بیضاوی یوں رقمطراز ہیں: **خاطب کُلّ رسولٍ بہ قومہ ازاحۃً للتھمۃ وتمحیضًا للنّصیحۃ فانّھا لاتنجع مادامت مشوبۃً بالمطامع۔** (بیضاوی شریف)

ترجمہ: چنانچہ ہر رسول نے اپنی قوم کو خطاب کرکے یہ بات فرمائی ہے

تا کہ دعوت کو دنیا طلبی کی تہمت سے پاک اور اپنی نصیحت کو اللہ کے لئے خالص فرمائیں۔اس لئے کہ دعوت اس وقت تک مفید نہیں ہوسکتی جب تک کہ طمع کے شائبہ سے وہ پاک وصاف نہ ہو۔

اسی طرح حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد: یَاقَوْمِ لَآ اَسْأَلُکُمْ عَلَیْہِ مَالًا اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ (سورہ: ہود) کے تحت بیان القرآن میں مسائل السلوک کے ضمن میں تحریر فرمایا ہے۔ھکذا ینبغی ان یکون علیہ الشیوخ فان طلب المال من اقوی موانع الناس عن الاسترشاد وأری فی زمانی التجنب عنہ ولو بمصارف الخیر فان العقول ضعیفۃ والشح غالب فیقعون فی ریبۃ بادنی شبھۃ حب الدنیا۔ واللّٰہ متولی امور الخیر من غیر توقفھا علی ھٰذا السوال۔ (بیان القرآن)

ترجمہ: مشائخ کو بھی ایسا ہی ہونا چاہئے کیونکہ مال کی طلب لوگوں کو استرشاد سے اقوی موانع میں سے ہے اور میری رائے میں تو مصارف خیر کے لئے بھی چندہ کرنا شیوخ کو نازیبا ہے۔اس لئے کہ عقول ضعیف ہیں اور بخل وحرص غالب ہے۔ حب دنیا کے ادنیٰ شبہہ سے بھی لوگ شک میں پڑ جاتے ہیں اور اُمورِ خیر کا اللہ تعالیٰ کفیل ہے، وہ ہمارے چندہ مانگنے پر موقوف نہیں۔

نیز داعی کے لئے ضروری ہے کہ دعوت میں رفق ونرمی اختیار کرے، اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کو فرعون جیسے سرکش کے پاس بھیجا ہے تو نرم کلام کرنے کی ہدایت فرمائی ہے ،حدیث میں بھی اس کی فضیلت وارد ہے۔اور امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ رفق ونرمی میں بجائے عنف وسختی

کے نفع کی زیادہ امید ہے۔

نیز داعی کے لئے لازم ہے کہ مخاطبین کی عقل وفہم کے مطابق کلام کرے ورنہ بجائے قبولیت کے اس کی تکذیب وانکار تک ہوسکتا ہے، جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے ''البدور البازغہ'' میں ارقام فرمایا ہے: **ومن ادب المعلم للناس الخیران ینزل الی متفا ھمھم ولایستعمل دقائق الکلام فاما یکذب اویختلف قلوبھم علیہ ولم یحصل فائدۃ علمہ۔ ولیکن اکثر میلہ الی الخطابیات فانھا اسرع تاثیراً فی النفوس۔**

(البدور البازغۃ: ص/ ۸۲)

ترجمہ: جو لوگوں کا معلم خیر ہو اس کو چاہئے کہ خود عوام کی عقلی سطح پر نزول کر کے بات کرے اور دقیق وباریک باتیں بیان نہ کرے، اس لئے کہ اس سے اس کلام کی تکذیب اور لوگوں کے قلوب میں اختلاف پیدا ہوگا اور معلم کے علم کا کسی کو نفع نہ ہوگا، بلکہ معلم کا میلان سیدھے سادے بیانات کی طرف ہونا چاہئے اس لئے کہ عوام کے نفوس میں ایسے بیانات جلدی اثر انداز ہوتے ہیں۔

نیز داعی کے لئے ضروری ہے کہ شریعت سمحہ میں جو سہولتیں ورخصتیں وارد ہیں ان کی معرفت حاصل کرے اور عزیمتوں کے ساتھ رخصتوں پر عمل کو روا رکھے، اس لئے کہ اس سلسلہ میں صریح حدیث پاک موجود ہے۔ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان اللہ یحب ان یوتی رخصہ کما یحب ان توتی عزائمہٗ

ترجمہ: اللہ تعالی رخصتوں پر عمل کو اسی طرح پسند فرماتا ہے جس طرح

عزیمتوں پر۔

نیز داعی کے لئے لازم ہے کہ کاردعوت کے وقت موقع ومحل کا لحاظ رکھے تاکہ لوگ دینی دعوت کو قبول کریں ورنہ تو بعض دفعہ بجائے نفع کے نقصان پہونچ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے، اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت پاک بھی ایسی ہی تھی چنانچہ حضرت امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں اس سلسلہ میں خود ایک مستقل باب قائم فرمایا ہے:

باب ماكان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يتخولهم بالموعظة والعلم كی لاينفروا۔

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موقع اور وقت دیکھ کر سمجھاتے اور علم کی باتیں بتلاتے تاکہ ان کو نفرت نہ ہو جائے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں: **كان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يتخولنا بالموعظة فی الايام كراهة السآمة علينا۔** (رواہ البخاری کتاب العلم)

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنوں میں نصیحت کرنے کے لئے وقت اور موقع کی رعایت فرماتے، آپ اس کو برا سمجھتے کہ ہم اکتا جائیں۔

"یتخولنا" تخول کے معنی دیکھ بھال کرنا اور نگہبانی کرنا اصلاح کے لئے، مطلب یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن اوقات میں دیکھتے کہ نصیحت کا وقت مناسب ہے اس وقت بیان فرماتے یعنی نشاط اور شوق کے وقت بیان فرماتے۔ (درس بخاری۔ تقریر مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، ضبط فرمودہ مولانا عبدالوحید فتحپوری)

اس حدیث کی تشریح کے تحت حضرت العلامہ عبدالعزیز خولی مصری یوں

رقمطراز ہیں: هذا قدوة المومنين صلى الله عليه وآله وسلم كان يتفقد الاوقات المناسبة للصحابة فيعظهم ويعلمهم ويجعل من حوادثهم واحوالهم عظات بالغات ودروسًا جمة المنافع۔

ترجمہ: یہ اہل ایمان کے مقتدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں جو اپنے صحابہ کے لئے مناسب اوقات کا انتخاب فرماتے تھے کہ ان کو نصیحت فرمائیں اور ان کو علم سکھلائیں اور احوال وحوادث کے مطابق موثر مواعظ سے فیضیاب فرمائیں اور ایسے اسباق سے متنفع فرمائیں جو کثیر المنافع ہوں۔

وما كان يُداوم عليهم بذالك مخافة ان يلحقهم الملل والضجر فيسأموا وينصرفوا عن سماعه وقبول قولهٖ لكنه كان كالطبيب يعطى من الدواء بالمقدار الملائم للمرض ويتمشى معه فى طريق العلاج مترقيا فى مقادير الدواء حتى لايمل المريض ويكره الدواء فيصعب علاجه ويستفحل داءه ويعز شفاءه۔ (الادب النبوی،ص:۲۸۷)

ترجمہ: آپ لگاتار وعظ نہیں فرماتے تھے،اس اندیشہ سے کہ کہیں صحابہؓ دل آزردہ ہوکر اکتا نہ جائیں جس کی وجہ سے آپ کی بات سننے اور قبول کرنے سے رہ جائیں۔ بلکہ آپ مثل طبیب کے تھے جو مرض کے مناسب مقدار میں دوا دیتا ہے اور علاج میں ایسا طریقہ اختیار کرتا ہے کہ دوا میں بتدریج اضافہ کرتا ہے تاکہ مریض دوا کی زیادتی سے ملول ہوکر دوا ہی سے نفرت نہ کرنے لگ جائے پھر علاج دشوار ہوجائے اور مرض قوت پکڑ لے کہ شفا نادر ہوجائے۔

دعوت کا ادنی فائدہ: حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ داعی

کا کام بات پہونچانا ہے اور اگر صحیح بات، صحیح نیت اور صحیح طریقے سے پہونچائی جائے تو کسی نہ کسی صورت میں وہ موثر ضرور ثابت ہوتی ہے اور اس کا ادنیٰ فائدہ یہ ہے کہ اپنا ایک دینی فریضہ ادا ہوجاتا ہے۔

ف: ماشاءاللہ! کتنی تسلی بخش بات ارشاد فرمائی، پس داعی کے ذمہ یہ تو ضروری ہے کہ صحیح نیت اور صحیح طریقے سے بات پہونچائے، مگر نتیجہ کو اللہ کے سپرد کرکے فارغ ہوجائے اور اپنا لائحہ عمل یہ بنائے۔ ع

کس بشنود یا نشنود من گفتگوئے می کنم (مرتب)

وفات: آخر ۱۰؍شوال المکرم ۱۳۹۶ھ دن گذرنے کے بعد والی شب میں ۱۲؍بج کر ۱۹؍منٹ پر روح اور جسم کا رشتہ ٹوٹ گیا اور آپ منزلِ اصلی کی طرف رحلت فرما گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ نماز جنازہ کی امامت حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب خلیفہ حکیم الامتؒ نے فرمائی، اور تدفین دارالعلوم کراچی کے عقب میں ایک قطعہ زمین جسے حضرت مفتی صاحبؒ نے قبرستان کے لئے وقف فرمادیا تھا اسی میں مدفون ہوئے، نور اللہ مرقدہٗ۔

حضرت مولانا اطہر علی صاحب[۱] بنگالی رحمہ اللہ متوفی ۱۳۹۶ھ

نام ونسب مع ولادت: مولانا اطہر علی صاحب کا آبائی وطن ضلع سلہٹ کے بیانی بازار تھانہ کی ''گھونگھادیا'' بستی ہے۔اسی بستی کے ایک دیندار خاندان میں ۱۳۰۹ھ مطابق ۱۸۹۱ء جمعہ کی رات ۳ بجے آپکی ولادت ہوئی آپکے والد بزرگوار مولوی عظیم خان رحمہ اللہ نہایت متقی اور پرہیزگار تھے اپنے محلہ کی جامع مسجد کے امام اور مکتب کے معلم کی حیثیت سے دینی خدمات انجام دیتے تھے پورے علاقہ میں آپ کی دیانت،تقویٰ اور بزرگی مسلم تھی۔ (حیات اطہر ص ۳۵۱)

عربی کی تعلیم: عربی کی ابتدائی کتابیں آپ نے اپنے وطن کے مختلف مدارس کے نامور اساتذہ سے پڑھیں ۔ان مدارس میں مدرسہ عالیہ جھنگا باڑی زیادہ مشہور ہے اس زمانہ میں اس مدرسہ کا تعلیمی معیار بہت اونچا تھا۔

دارالعلوم کے لئے تعلیمی سفر: اسکے بعد آپنے دارالعلوم دیوبند اور مظاہرالعلوم سہارنپور کیلئے تعلیمی سفر فرمایا۔اس زمانہ میں ان مدارس میں ایسے یکتائے روزگار اور بےنظیر اساتذۂ کرام تھے جو علم وعرفان اور زہد وتقویٰ کے پیکر تھے۔بچپن ہی سے آپ رحمہ اللہ عالی ہمت تھے ملک کے مشاہیر علماء وفضلاء سے استفادہ کے بعد تکمیل کی غرض

---

۱ آپ کی مفصل سوانح مولانا شفیق الرحمان جلال آبادی نے حیات اطہر کے نام سے لکھی ہے جو عزیزم قاری یعقوب صاحب سلمہ ہارڈنگ والے جنوبی افریقہ سے موصول ہوئی اسی کو سامنے رکھ کر مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی مختصر سوانح امت کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔(مرتب)

سے پردیس روانہ ہونے کا ارادہ فرمایا اس زمانہ میں علوم وفنون کے مرکز کی حیثیت سے برصغیر میں دارالعلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور خصوصیت کے ساتھ مشہور تھے ۔اس لئے ملک و بیرون ملک کے سینکڑوں طلبہ تحصیل علوم و تکمیل فنون کے ارادے سے انہیں مرکزوں میں جاتے تھے۔ حضرت ممدوحؒ نے بھی تکمیل علوم و فنون کی غرض سے انہیں مرکزوں میں جانے کا ارادہ فرمایا خوش قسمتی سے اس وقت اس مبارک درسگاہ کے صدرالمدرسین اور شیخ الحدیث امام العصر حضرت مولانا علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ تھے جو محدث دوران قطب زمان شیخ المشائخ حضرت العلامہ محمود الحسن دیوبندیؒ اور قطب الاقطاب فقیہ امت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے شاگرد خاص سچے جانشین اور علم حدیث میں مرجع خلائق تھے آپ موصوف کی خدمت باسعادت میں حاضر ہوئے اور فن حدیث کی نہائی تعلیم حاصل کی۔

سلوک وتصوف اور اصلاح باطن کی فکر: دارالعلوم دیوبند سے دورۂ حدیث کے امتحان میں اعلیٰ درجہ کی کامیابی حاصل کرنے کے بعد تزکیۂ باطن کیلئے حضرت حکیم الامت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے دربار میں حاضر ہوئے ، آپکی فہم وفراست اور جذبہ اطاعت مزید دوسرے کمالات نے حضرت حکیم الامتؒ کو اپنی طرف متوجہ کرلیا اور خلاف عادت آپکی بیعت کی درخواست کو شرف قبولیت بخشا اتنا ہی نہیں بلکہ چند ہی روز کے بعد حضرت حکیم الامتؒ کو منجانب اللہ اجازت بیعت مرحمت فرمانے کا غیبی اشارہ ہوا اور آپ نے بلا تأمل حضرتؒ کو اجازت وخلافت سے مشرف فرمادیا۔ **الحمدللہ رب العالمین۔**

وطن واپسی اور درس حدیث کا آغاز: علوم ظاہری اور باطنی سے مالا

مال ہوکر حضرت ممدوحؒ جب اپنے وطن واپس آئے اولاً کچھ روز اپنی بستی ہی میں درس حدیث کا سلسلہ شروع فرمایا۔ چونکہ آج کی طرح اسوقت ہمارے ملک میں علم دین کا چرچہ زیادہ نہ تھا۔علماء کم تھے اور مدرس بھی گنے چنے تھے اسلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق دین کی خدمت کا سلسلہ اپنے گھر اور گاؤں ہی سے شروع فرمایا۔تھوڑے ہی عرصہ میں آپ کی قابلیت کی شہرت ہوگئی، خصوصاً طلبہ کے قلوب کو جذب کرنے میں آپ کو کمال حاصل ہوگیا۔

تدریسی قابلیت کے ساتھ آپ نہایت باوقار تھے خدادادرعب کی وجہ سے آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی طاقت کسی کو نہ ہوئی، انتظامی امور سلجھانے میں بھی آپکا غیر معمولی دخل تھا اس لئے آپ جس طرح زمرۂ تلامذہ میں مقبول تھے اسی طرح اراکین کی نظر میں بھی آپکی بڑی قدر تھی۔

کشور گنج میں تشریف آوری: کشور گنج کی تشریف آوری آپ کی زندگی کا ایک نیا دور ہے، اللہ نے آپ کو جس کام کے لئے منتخب کیا تھا۔ جہاں ان سے خدمت لینی تھی اور جس زمین کو ان سے آباد کرنا تھا قدرتی طور پر وہاں انکو پہونچادیا۔اگرچہ پہلے خود حضرتؒ کو اسکا تصور نہ تھا۔

رشتۂ درگردنم افگندہ دوست　　　　می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

ترجمہ: یعنی محبوب حقیقی نے میری گردن میں رشتہ ڈالدیا ہے، اسلئے جہاں وہ چاہتا ہے وہاں پہنچاتا ہے۔

مدرسہ امداد العلوم کی بنیاد: حضرت ممدوحؒ کی مسلسل جدوجہد سے جب ماحول کافی سدھر گیا اور یہاں ایک دینی فضا قائم ہوگئی تو آپ نے سوچا کہ وسیع

پیمانے پر دینی تعلیم کی اشاعت کیلئے اس شہر کشور گنج میں ایک اسلامی درسگاہ کا قیام کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ آپ نے پندرہ نومبر ۱۹۲۵ء میں شہیدی مسجد کے قریب ہی مغربی جانب اس عظیم مثالی درسگاہ کی بنیاد رکھی۔ جس کا نام اپنے دادا پیر شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے اسم گرامی کی نسبت سے مدرسہ امداد العلوم رکھا آپ کے اخلاص اور للّٰہیت کی برکت سے تھوڑے ہی عرصہ میں یہ مدرسہ ایک عظیم الشان مثالی یونیورسٹی کی صورت اختیار کر کے جامعہ امدادیہ ہوگیا۔

آپ کی باطنی وظاہری قوت: خداوند قدوس نے آپکو باطنی طاقت کے ساتھ ظاہری قوت بھی عطا فرمائی تھی کہ دس آدمی جس کام کے کرنے سے عاجز رہتے۔ آپ اسکو تن تنہا انجام فرما سکتے تھے۔ آپ نہایت وسیع الصدر قوی القلب تھے چنانچہ آپ جب زندگی کے بالکل آخری لمحہ میں قلبی امراض کے شکار ہو کر میمن سنگھ ہسپتال میں تھے۔ تو اس وقت فن طب کے ایک ماہر نے قلب کا معائنہ کر کے جو رپورٹ دی تھی اس میں یہ بتایا ہے کہ آپ کی طرح قوی القلب شخص ہم نے نہیں پایا۔

ف: اللہ کے ذکر سے قلب میں قوت آ ہی جاتی ہے اللہ تعالی ہم سب کو ایسی نعمت سے بہرہ ور فرمائے آمین (مرتب)

سیاست میں آپ کی شرکت: اگر چہ ابتدائی دور میں حضرت اقدس حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے نصب العین کے مطابق درس و تدریس اور اصلاحی خدمات کا شغل رہا۔

لیکن ۱۹۳۷ء سے لیکر ۱۹۴۷ء تک کا زمانہ سیاسی حیثیت سے برصغیر میں بڑا اہم اور نازک تھا اسلئے حضرت مولاناؒ نے سیاست میں آنا اپنے لئے

ناگزیر سمجھا۔ اور برابر اصلاح وتربیت کے سلسلے میں کوشاں رہے اس سلسلے میں بہت سی کلفتیں اور دقتیں بھی پیش آئیں۔ مگر اپنے نظریہ پر قائم رہے۔

آپ سے بدسلوکی اور آپکے اخلاق کریمانہ: آپکے ساتھ بعض ناعاقبت اندیش لوگوں کی طرف سے جو نازیبا سلوک کیا گیا۔ اس کے بیان سے ہمارا قلم قاصر ہے اسلئے اس دلسوز برتاؤ کا تھوڑا سا نمونہ ہم خود صاحبِ واقعہ ہی کے الفاظ سے ناظرین کے سامنے پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

دردناک مکتوب: گرفتاری کے بعد آپ پر جو مظالم ڈھائے گئے اور جسمانی طور پر جو اذیت آپکو پہونچائی گئی اس کا تذکرہ کرتے ہوئے خود حضرت رحمہ اللہ علیہ نے اپنے پیر بھائی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے پاس جیل خانہ ہی سے جو گرامی نامہ ارسال فرمایا تھا اسکی عبارت حسب ذیل ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مختصر حال زار، سترہ دسمبر کو گرفتاری ہوئی۔ لاٹھی اور بیت سے سرکو سخت زخمی کیا گیا بے ہوش ہوگیا پانچ گھنٹہ تک خون کا فوارہ جاری رہا۔ ’’انا للہ وانا الیہ راجعون‘‘ سات آٹھ سیر خون نکلا۔ ناک پر ہاتھ رکھکر (انھوں نے) دیکھا ہے سانس ختم ہے مگر اس طرح یہ حقیر کیسے بچ گیا خدا کی قدرت کا کرشمہ ہے سترہ مہینہ سے جیل خانہ میں ہوں اس جانکاہ جیل خانہ میں اختلاج قلب کا بارہا دورہ پڑا۔ سولہ اپریل سے آٹھ روز معدہ سے خون جاری رہا۔ اختلاج کا دورہ بڑھتا رہا۔ بحالت جان بلب بیرونی ہسپتال میں بھیجا گیا۔ اب دورہ تو بند ہوا مگر بدن میں خون نہیں رہا بمشکل صرف فرض کھڑے ہوکر پڑھتا ہوں، چلنے کی طاقت نہیں۔ پھر آج ڈسچارج کردیا گیا۔ لیکن

صحت نہ ہوئی دعا فرماویں کہ صحت اور قوت عطا ہو ۔ موت بالایمان ، نجات من العذاب نصیب ہو، رہائی کیلئے کوشش ہورہی ہے۔کامیابی کیلئے دعافرمائیں۔

ناظرین کوحضرتؒ کے اس والا نامہ سے اندازہ ہوگیا ہوگا کہ آپ کے ساتھ کس قدر دردناک اور دلخراش معاملہ کیا گیا۔لیکن اس کے باوجودبھی آپ نے ان ظالموں سے جوسلوک کیا یہ انتہائی عبرت آموز ہے ۔ چنانچہ جناب تحمل حسین خان صاحب کا بیان ہے کہ جس ظالم نے حضرتؒ کوزدوکوب کرکے سر میں زخم شدید کے ذریعہ خون کا فوارہ جاری کردیا تھا۔اسکے باپ نے جب حضرتؒ سے معذرت کی درخواست کی حضرتؒ نے ہنس کر جواب دیا کہ تم لوگ اب کیا کہتے ہو میں نے تو اسی وقت ہوش آتے ہی معاف کردیا ۔ گویا حضرتؒ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی سنت کی اتباع کرتے ہوئے تمام مجرموں اور ظالموں کو معاف کر دیا تھا جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کوجنہوں نے انکو ہلاک کرنے کی نیت سے کنویں میں ڈالا تھا۔آپ نے پوری قوت اور بادشاہی حاصل ہونے کے بعد سب کو معاف کردیا ،فرمایا ''**لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم**''۔تم پرآج کوئی داروگیر نہیں اللہ تم کومعاف کرے۔

خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی فتح مکہ کے دن تمام دشمنوں کو معاف کرنے کے بعد عام اعلان کرتے ہوئے فرمایا تھا۔''**لاتثریب علیکم الیوم**'' حضرت نے بھی اس سنت پرعمل کرتے ہوئے مخالفوں اوردشمنوں کومعاف فرمادیا۔اللہ تعالیٰ آپ کواسکے بدلہ میں جزائے خیراورجنت الفردوس نصیب کرے۔آمین ۔(حیات اطہر)

حرف آخر: مختصر یہ کہ جس ہستی کی ہرساعت اعلاء کلمۃ الحق کیلئے ، ہرادا ءرضاء

مولیٰ کیلئے ، ہر نفس احیاء سنت نبوی اور اشاعت دین کیلئے گذری ہو۔ اسکی دینی اور ملکی خدمات کا مکمل نقشہ پیش کرنے سے ہمارا قلم عاجز ہے۔ ؎

وصف او ہر گز نیا ید در کلام　　پس سخن کو تاہ باید والسلام

مکتوب گرامی حضرت مولانا اطہر علی صاحبؒ

بخدمت حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ

حضرت مخدوم ومحترم مدظلہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

حضرت والا کی خیریت اور عظیم الشان دینی وروحانی خدمات کی کیفیت مجی مولوی صاحب سے معلوم ہوتی رہتی ہے۔ اور دل سے یہ دعا نکلتی رہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ بیش از بیش فیوض وبرکات سے لوگوں کو متمتع فرمائے، اور آپ کو اعلیٰ مقام قرب عطا فرمانے کیلئے اس سلسلہ کو قیام اور طول بقا عطا فرمائے۔ آمین۔

دل بے اختیار چاہتا ہے کہ ایک بار جناب والا اس دیار کا عارضی طور پر سہی قصد فرما سکتے تو ہم درماندوں کی بڑی سعادت کا سبب ہوتا اگر مشاغل دینی ودنیوی اجازت دیں اور ہماری درخواست قابل قبول ہو سکے تو زہے نصیب۔

والسلام دعاؤں کا طالب

ارذل الخلائق اطہر علی عفا اللہ عنہ

جواب حضرت مصلح الامتؒ

محب من مولانا اطہر علی صاحب ادام اللہ حبکم　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

وہاں کی ترقی دینی کے حالات جو جناب کی وجہ سے وجود میں آئے معلوم

کر کے بڑی مسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے کام لیا اس سے بڑھ کر ہمارے لئے کیا سرمایہ ہوسکتا ہے۔ وہاں آنے کے سلسلہ میں جو تحریر فرمایا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ یہاں کا قصد فرماتے تو آپ کی برکات ہمیں بھی نصیب ہوتیں۔ اس لئے کہ میں تو یہاں ابھی تک کچھ نہیں کرسکا ہوں شاید آپ کی برکت سے کچھ کام ہوجائے اور لوگوں میں حرکت ہو۔

واللہ متولی امورنا وھو یھدی السبیل۔ والسلام خیر ختام

وصی اللہ عفی عنہ

(تذکرہ مصلح الامت جلد دوم)

وفات: ۱۰ شوال المکرم ۱۳۹۶ھ مطابق ۶/ اکتوبر بروز چہار شنبہ ۱۹۷۶ء جب کہ جامعہ اسلامیہ کے افتتاح کا دن تھا اسی روز جب سورج غروب ہوگیا تو ساتھ ہی ساتھ علم و معرفت کا یہ آفتاب بھی غروب ہوگیا۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون۔**

رات ہی کو حضرت کی نعش مبارک جامعہ اسلامیہ مومن شاہی لائی گئی، اور وہیں جنازہ کی نماز حضرت مولانا فیض الرحمن صاحبؒ نے پڑھائی۔ نماز جنازہ ختم ہونے کے بعد نعش مبارک جامعہ اسلامیہ لائی گئی اور جامعہ کے صحن میں اس آفتاب علم و عمل کو قیامت تک کے لئے سپرد خاک کردیا گیا۔ **اللھم اجعل قبرہ روضۃ من ریاض الجنۃ۔ آمین یارب العالمین۔** (حیات اطہر)

حضرت بابا وکیل نجم احسن[۱] صاحب نگرامیؒ المتوفی ۱۳۹۶ھ

نام ونسب و ولادت: آپ ۱۳۱۰ھ میں بمقام نگرام ضلع لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ نام ''محمد نجم احسن'' اور تاریخی نام ''نظیر الاحسن'' ہے۔ والد کا اسم گرامی محمد احسن تھا، ''وحشی'' لقب تھا، صاحب علم وتقویٰ بزرگ تھے۔

بچپن و تعلیم: آپ فطری طور پر سلیم الطبع اور ذہین وفطین تھے، مزید خاندان بھی علمی ودینی ملا، ماں باپ، دادی دادا سبھی دیندار تھے پھر والد محترم نے آپ کی تعلیم وتربیت کا بہت اہتمام فرمایا، اس لئے آپ کو علمی ودینی ہر لحاظ سے ایک امتیازی شان حاصل ہوگئی اور آپ نے ۱۹۱۸ء میں ایل ایل بی کی اہم ڈگری حاصل کرلی۔ اس کے بعد وکالت شروع کردی نیز عربی کی ابتدائی کتابیں مثلاً قدوری وغیرہ بھی پڑھی تھیں۔

باطنی تربیت: والد محترمؒ کے مشورہ سے ۱۹۲۵ء میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے اصلاحی تعلق قائم فرمایا، اور برابر آمدورفت اور خط وکتابت کا سلسلہ جاری رکھا، بہت سے خطوط مع جوابات مرشد ذکر احسن میں طبع بھی ہوئے ہیں جن کا مطالعہ خالی از نفع نہ ہوگا۔

اخیر میں جو مکتوب درج کیا گیا ہے، اس کے جواب میں حضرت مرشدؒ

---

[۱] ''ذکر احسن''، مولفہ مکرم محمد صدیق صاحب الہ آبادی ثم کراچوی سے مختصر حالات اور چند ارشادات نقل کرتا ہوں اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین۔ (مرتب)

نے تعلیم و تلقین کی بہ عنوان ''نعمت اجازت'' ارقام فرمائی ہے جسے نقل کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں۔

نعمت اجازت: بیساختہ قلب پر وارد ہوا کہ آپ کو طریق سے مناسبت کی بنا پر توکلاً علی اللہ تعلیم بلا بیعت کی اجازت دوں، پس اگر کوئی شخص آپ سے اصلاح کا طالب ہو اس کو بقدر اپنی معلومات کے ضروریات دینیہ کی تعلیم کردیا کیجئے، اور ایسے مجاز کا لقب ''مجاز صحبت'' مناسب ہے، اپنے خاص محبین کو بھی اس کی اطلاع کردیجئے۔

باقی اجازت بیعت کے لئے بعض خاص حالات کا انتظار ہے لیکن آپ کو اس کا منتظر رہنا خلاف اخلاص ہے۔ والسلام خیر ختام

(ذکر احسن: ص/۱۰۶)

اپنے مرشد کا ادب ولحاظ: اپنے مرشد کا بابا صاحب کے ادب ولحاظ کو ملاحظہ فرمایئے کہ جس درجہ کی اجازت مرحمت فرمائی تھی اسی پر اکتفا فرمائی جبکہ حکیم الامتؒ کے کئی خلیفہ نے آپ کو تقریری وتحریری اجازتِ بیعت عطا فرمائی مگر آپ نے فرمایا کہ میں نے اس کو نیک گمان اور فال کی حیثیت سے بڑی دولت تصور کیا اور یقیناً اس کو بڑی دولت سمجھتا ہوں۔ مگر میں نے قطعی ارادہ کرلیا ہے کہ جو اجازت خود حضرتؒ نے دی ہے اس کو سب سے بڑی دولت سمجھوں گا۔ اور اس پر عملاً اضافہ نہ کروں گا۔ حضرت کی اجازت میں جو برکت ہے یا ہوگی، اس کے تقریباً یقینی ہونے میں شبہ نہیں۔ انتہی ۔ چنانچہ اسی بناء پر بابا صاحب نے کسی کو بیعت نہ فرمایا۔

ف: سبحان اللہ! کیسی فنائیت کی بات ارشاد فرمائی اور آپ نے اپنے شیخ کے ساتھ کس قدر ادب واخلاص کا ثبوت دیا وہ بالکل عیاں ہے مگر یہ ان کا ایک حال تھا جس پر عمل سب کے لئے لازم نہیں لہذا اگر کوئی شخص دینی واصلاحی مصلحت سے کوئی منصب قبول کرلے تو کچھ مضائقہ نہیں اور نہ ہی اس کو ملامت کی جائے گی خوب سمجھ لیں۔(مرتب)

شعر وادب: آپ کو ماشاء اللہ تعالیٰ شعر وادب سے بھی کافی مناسبت تھی بلکہ مضمون نگاری وشاعری میں مہارت حاصل تھی، چنانچہ آپ کے بہت سے اشعار ''ذکر احسن'' میں طبع ہوئے ہیں جن سے آپ کے کمال کا بخوبی پتہ چلتا ہے، بطور نمونہ چند اشعار بھی درج کریں گے جن کو ان شاء اللہ تعالیٰ دینی لحاظ سے بھی مفید پائیں گے۔

ہجرت پاکستان: کافی دنوں تک بسلسلۂ وکالت پرتاپ گڈھ شہر میں آپ کا قیام رہا، وہاں ہی حضرت مرشدی مولانا محمد احمد صاحب پرتاپگڈھیؒ کا عرصہ تک ساتھ رہا، چنانچہ خوب ہی خوب علمی ودینی مجلسیں ہوتی تھیں اور لوگ مستفیض ہوتے تھے۔

آخر ۱۹۵۴ء میں پاکستان ہجرت فرما گئے، اور وہاں آپ کو قبول عام حاصل ہوا اور بابا صاحب کے نام سے معروف ومشہور ہوئے، آپ کے کشف وکرامت کی بھی شہرت ہوئی، **فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔**

ارشادات

(۱) فرمایا: اہتمام تقویٰ مطلوب ہے، لیکن اگر اس پر نظر ہے تو عُجب ہے

،انا ہے ،اہتمام تقوی ہمارا مزاج ہوجانا چاہئے ، ہماری عادت ثانیہ بن جانی چاہئے کہ احساس ہی نہ رہے کہ ہم اہتمام تقویٰ کرتے ہیں۔

(۲) فرمایا: ایک مرتبہ ایسا لطیفہ ہوا کہ جب میں حضرت مولانا تھانویؒ کی خدمت میں پہونچا تو فرمایا: اخاہ اور میرا نام لیا، مجھے یہ حیرت ہے کہ مجھ جیسے کا نام بھی حضرت کو یاد تھا۔۔۔۔حضرتؒ کی زبان مبارک سے اپنا نام سننا تھا کہ مجھ پر مستی کی سی کیفیت طاری ہوگئی اور اس سلسلہ میں بڑے عمدہ اشعار ہوگئے تھے، کچھ یادرہ گئے ہیں۔ ؎

اللہ یہ فردوسِ سماعت کی بہاریں وہ اور مجھے نام سے محفل میں پکاریں
مہجور بھی ہم رہ کے محبت میں نہ ہاریں آباد رہیں ان کے تصور کی بہاریں
میدانِ محبت تو انہیں کا ہے مگر ہاں ہم اپنی طرف سے تو نہ ہارے ہیں نہ ہاریں
تو ہی نظرِ بد سے بچا ان کو خدایا احساسِ محبت کی یہ معصوم بہاریں

(ذکر احسن:۱۸۵)

(۳) فرمایا: منتہی کی یہی شان ہوتی ہے کہ ہر آن یہی سمجھتا ہے کہ ابتداء ہے، وجہ یہ ہے کہ تعلق غیر منتہی سے ہے لہذا ہر قدم ابتداء ہے۔ ؎

ہو جائے سہل عشق کا وہ ماجرا نہیں ہر آن ابتدا ہے کبھی انتہاء نہیں

(۴) فرمایا: بات یہ ہے کہ اس دنیا میں مشاہدہ ممکن نہیں۔ ؎

آنکھوں سے دیکھنے کا جو امکان ہی نہیں
کیوں یادہی کو دید نہ سمجھا کرے کوئی

(۵) فرمایا: لوگ کہتے ہیں کہ نماز میں جی نہیں لگتا، ارے بھائی! لگے

کیسے؟ ظاہر بالکل شریعت کے خلاف، باطن شریعت کے خلاف، جی کہاں سے لگے، میں کہتا ہوں: کم سے کم حیوٰۃ المسلمین پڑھیں، نہ سمجھ میں آئے تو پوچھ لیں اور اپنی اصلاح کریں، کچھ تو نفع ہو، چاہے کم ہی سہی۔

اب چند اشعار بھی نظر نواز ہوں۔جن کو حضرت مرشد مولانا محمد احمد صاحبؒ خود پڑھتے تھے اور پسند فرماتے تھے۔

مقصود حیات

ہستیٔ فانی کو ملتی ہے حیاتِ سرمدی
اللہ اللہ عشق محبوب خدا تری بہار

عشق والوں کے لئے جائز بھی ہوجائے حرام
گر نہ ہو معلوم آقا کا تھا کیا اس میں شعار

اتباع سید کونین ہر ہر بات میں
ہے اسی پر زندگی والوں کے جینے کا مدار

دل نہیں حبِّ محمدؐ سے تجلی پاش اگر
گر نثار اس نام پر ہوتے نہیں پروانہ وار

زندگی کو زندگی کہنا بھی پھر بیکار ہے
ایسے جینے پر تو بیٹھی ہے اجل بھی سوگوار

زندگی بے بندگی شد آہ ازطغیانِ ما
رحم فرما اے فدایت جسم ماوجانِ ما

دل میں دردِ عشق ہو، یادِ خدا ہنگامہ ساز
تشنہ کاموں کو بقدر ظرف دے صہبائے راز

پاس اپنے کوئی سرمایہ، کوئی پونجی نہیں
ہاں مگر تیرے محمدؐ کی غلامی پر ہے ناز

پھر عطا ہو صدقۂ محبوبِ شاہِ رُسل
درجۂ معراج پر فائز ہو مومن کی نماز

اتباع سید کونین کی توفیق دے
دل میں ہو حُبِّ محمدؐ ہر نفس ایماں نواز

احسن عاصی کو دے اک جام صہبائے حیات
اے کہ تیری ذات ہے ہر بندگی سے بے نیاز

زندگی معمورِ عشق سیدِ ابرار باد
زاتباعش گلشن حسنِ عمل گلزار باد

(ذکر احسن: ص/ ۱۴۳)

ف: کیا ہی خوب اشعار عبرت ونصیحت ہیں اس لئے گاہے گاہے ان کو پڑھنا ان شاءاللہ مفید ثابت ہوگا۔(مرتب)

وفات: کراچی شہر میں چھیاسی سال کی عمر میں ماہ رمضان ۱۳۹۶ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۷۶ء کو یہ عاشق بیتاب اپنے محبوب حقیقی سے جاملا ، انا للہ وانا الیہ راجعون۔مقام سخی احسن کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔نور اللہ مرقدہ۔

اپنی سعادت: اس حقیر کو آپ کی زیارت کی سعادت ۱۹۵۱ء میں مدرسہ قرآنیہ حسن منزل الہ آباد میں نصیب ہوئی ، جبکہ آپ مرشدی عارف باللہ حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ کے ساتھ مصلح الامتؒ مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کی زیارت کے لئے تشریف لائے تھے، چنانچہ زیارت کے بعد بابا صاحبؒ نے یہ قطعہ بھی پیش فرمایا۔ ؎

دیکھ دیوانے دیکھ اے احسن ہے یہ گلشن بھی اشرفی گلشن
مجلسِ حضرتِ وصی اللہ ہے نمود بہار تھانہ بھون

ف: جب حضرت وکیل بابا نجم احسن صاحبؒ نے مذکورہ قطعۂ عقیدت حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کی خدمت بابرکت میں پیش کیا تو تمام حاضرین ومنتسبین مسرور ہو گئے۔فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔(مرتب)

حضرت مولانا سید محمد یوسف[۱] صاحب بنوریؒ المتوفی ۱۳۹۷ھ

ولادت: آپ کی ولادت ۱۳۲۶ھ مطابق ۱۹۰۸ء میں مہابت آباد ضلع مردان میں ہوئی، آپ کے مورث اعلی حضرت سید آدم بنوری ''خلیفہ حضرت احمد مجدد الف ثانیؒ''، ضلع انبالہ صوبہ پنجاب ہندوستان کے ایک گاؤں بنور میں اقامت پذیر تھے، اسی نسبت سے آپ کو بنوری کہا جاتا ہے، آپ مدرسہ جامعہ اسلامیہ کراچی کے بانی تھے۔

تعلیم وتربیت: ابتدائی تعلیم آپ نے کابل (افغانستان) کے ایک مکتب میں حاصل کی۔ متوسطات پشاور اور کابل میں پڑھیں، اس کے بعد مدرسہ دارالعلوم دیوبند تشریف لائے اور یہاں دوسال رہ کر مشکوۃ شریف تک تعلیم حاصل کی، اس کے بعد حضرت علامہ انورشاہ کشمیریؒ کے ہمراہ ڈابھیل ضلع بلساڑ (موجودہ ضلع نوساری) کے مشہور مدرسہ تعلیم الدین چلے گئے اور وہیں دورۂ حدیث کیا۔

آپ کی ذات اپنے استاذ مکرم حضرت العلاّمہ سید انورشاہ کشمیریؒ کی مجسم یادگار تھی، علم حدیث تو ان کا خاص موضوع تھا جس میں اس وقت ان کا ثانی ملنا مشکل ہے، لیکن اپنے شیخ کی طرح وہ ہر علم وفن میں معلومات کا خزانہ تھے، ان کی قوتِ حافظہ اور وسعتِ مطالعہ، ان کا ذوقِ کتب بینی، ان کی عربی تقریر

۱؎ آپ کے متعلق حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب (کراچی) کی تالیف لطیف ''نقوش رفتگاں'' سے چند باتیں نقل کررہا ہوں۔ (مرتب)

وتحریر اور ان کا پاکیزہ شعری مذاق ،اکابر واسلاف کے تذکروں سے ان کا شغف،علمائے دیو بند کے ٹھیٹھ مسلک پر تصلُّب کے ساتھ ان کی وسعتِ نظر اور رواداری، دین کے لئے ان کا جذبۂ اخلاص، للّٰہیت، زندگی میں نفاست، سادگی کا امتزاج، ان کا ذوق مہمان نوازی، ان کی باغ و بہار علمی مجلسیں، ان کے عالمانہ لطائف وظرائف ان میں سے کون سی ایسی چیز ہے جسے بھلایا جا سکتا ہو؟

دنیا کا تجربہ شاہد ہے کہ محض کتابیں پڑھ لینے سے کسی کو علم کے حقیقی ثمرات حاصل نہیں ہوتے بلکہ اس کے لئے۔ ع

''پیش مردِ[1] کاملے پامال شو''

پر عمل کی ضرورت ہے حضرت مولانا بنوری صاحبؒ کو بھی اللہ تعالیٰ نے جو مقام بلند نصیب فرمایا وہ ان کی ذہانت وذکاوت اور علمی استعداد سے زیادہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے فیضِ صحبت اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کے فیضِ نظر کا نتیجہ تھا، انہوں نے تحصیل علم کے لئے کسی ایک مدرسہ سے صرف کتابیں پڑھ لینے اور ضابطہ کی سند حاصل کر لینے پر اکتفاء نہیں کیا۔ بلکہ اپنے اساتذہ کی خدمت وصحبت سے استفاضہ کو اپنا نصب العین بنالیا۔

علم دین کے لئے مولانا کی یہ قربانیاں بالآخر رنگ لائیں، حضرت شاہ صاحبؒ کی نظرعنایت نے علمی رسوخ کے ساتھ ساتھ ان میں للّٰہیت اور اخلاص

---

[1] یعنی جب تک آدمی کسی مرد کامل کی مکمل شاگردی اختیار نہیں کرتا اور اس کی اطاعت نہیں کرتا اس وقت تک درجۂ کمال تک نہیں پہونچتا۔(مرتب)

عمل کے فضائل کی آبیاری کی، اوراسی کا نتیجہ تھا کہ دین کے خدام میں اللہ تعالی نے انہیں مقبولیت، محبوبیت اور ہردلعزیزی کا وہ مقام بخشا جو کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے،ان کے اساتذہ،ان کے ہم عصر اوران کے چھوٹے تقریبا سب ان کے علمی مقام اوران کی للّٰہیت کے معترف تھے۔

حکیم الامت کے مجاز صحبت: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ جیسے مردم شناس بزرگ کی خدمت میں مولانا کی حاضری تین چار مرتبہ سے زیادہ نہیں ہوئی۔لیکن انہیں تین چار ملاقاتوں کے بعد حضرت مولانا تھانویؒ نے ان کو اپنا مجاز صحبت قرار دے دیا تھا۔

علمی کارنامہ: ان کے علم وفضل کا سب سے بڑا شاہ کاران کی جامع ترمذی کی شرح ''معارف السنن'' ہے جو تقریبا تین ہزار صفحات پر مشتمل ہے اور چھ جلدوں میں شائع ہوچکی ہے۔چونکہ پچھلے سات سال سے دارالعلوم کراچی میں ''جامع ترمذی'' کا درس احقر (مفتی تقی عثمانی) کے سپرد ہے،اس لئے بفضلہ تعالی مولانا کی اس کتاب کے مطالعہ کا خوب موقع ملا ہے اور اگر میں کہوں تو شاید مبالغہ نہ ہوگا کہ احقر کو اس کتاب کا ایک ایک صفحہ پڑھنے کا شرف حاصل ہوا ہے،لہذا میں بلاخوف تردید یہ کہہ سکتا ہوں کہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے محققانہ مذاق کی جھلک کسی کتاب میں دیکھی جاسکتی ہے تو وہ معارف السنن ہے۔افسوس ہے کہ علم وفضل کا یہ خزانہ تشنۂ تکمیل رہ گیا اور کتاب الحج کے بعد اس کی تصنیف آگے نہ بڑھ سکی۔(نقوش رفتگاں:ص۸۷)

حق کے معاملہ میں غیرت: حضرت مولانا بنوریؒ کو اللہ تعالی نے حق کے معاملہ میں غیرت وشدت کا خاص وصف عطا فرمایا تھا،وہ اپنی انفرادی زندگی اور عام

برتاؤ میں جتنے نرم، خلیق اور شگفتہ تھے، باطل نظریات کے بارے میں اتنے ہی شمشیر برہنہ تھے۔اوراس معاملہ میں نہ کسی مداہنت یا نرم گوشے کے روادار تھےاور نہ مصالح کواہمیت دیتے تھے۔مولانا کوخاص طور سے اس بات کی بڑی فکر رہتی تھی کہ علمائے دیوبند کا مسلک کسی غلط نظریئے سے ملتبس نہ ہونے پائے اور سیاسی سطح پر کسی شخص کے ساتھ علمائے دیوبند کے اتحاد وتعاون سے یہ مطلب نہ لے لیا جائے کہ علمائے دیوبند اس شخص کے نظریات کے ہم نوا ہیں۔غرض یہ مولانا کا خاص مزاج تھا کہ وہ جمہور علمائے سلف کے خلاف کسی نظریئے کو خاموشی سے برداشت نہیں کرسکتے تھے، عام مجلسوں میں ان کا یہی رنگ تھا کہ غلط بات پر بروقت تنقید کرکے حق گوئی کا فریضہ نقد ادا کردیتے تھے، ۱۹۶۸ء میں جب ادارۂ تحقیقات اسلامی کی طرف سے ایک بین الاقوامی اسلامی کانفرنس منعقد ہوئی تو اس کے پہلے ہی اجلاس میں ایک مقرر نے حضرت عمرؓ کی اولیات کو غلط انداز میں پیش کرکے متجددین کے آزاد اجتہاد کے لئے گنجائش پیدا کرنی چاہی اوراس کے لئے انداز بھی ایسا اختیار کیا کہ جیسے قوتِ اجتہادیہ میں حضرت عمرؓ اور ہمارے درمیان کوئی خاص فرق نہیں۔

اس محفل میں عالمِ اسلام کے معروف اور جید علماء موجود تھے لیکن اس موقع پراس بھرے مجمع میں جن صاحب کی سب سے پہلے آواز گونجی وہ حضرت مولانا بنوریؒ تھے، انہوں نے مقرر کی تقریر کے دوران ہی صدر محفل مفتی اعظم فلسطین مرحوم سے خطاب کرکے فرمایا:

سیدی الرئیس : أرجوكم أن تُلجِمُوا هذا الخطيب أرجوكم ان تُلجِموا ماذا يقول؟

جناب صدر! ان مقرر صاحب کو لگام دے دیجئے، براہ کرم ان کو لگام دیجئے یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ ان کے یہ بلیغ الفاظ اب بھی کانوں میں گونج رہے ہیں۔

حق بات کہنے میں ہمت وجرأت: جنرل ایوب خاں کا دورِدورہ تھا، اسلامی قوانین بھی ظلم وآمریت کے شکنجوں میں لائے جارہے تھے، آوازِ حق دبانے کیلئے جیل خانوں کے دروازے کھلے ہوئے تھے، عالمی قانون بڑی آب وتاب سے جلوہ افروز تھا، فقہی مسائل پر ڈکیتی کی وارداتیں ہورہی تھیں، قادیانیت کو عروج تھا، علماء کی داڑھیوں کی تضحیک ہورہی تھی، چاند کا مسئلہ سیاسی مسئلہ بن کر کھڑا ہوگیا تھا، مگر اسی یورش وطوفان میں مولانا یوسف بنوریؒ کا قلم کیا لکھتا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

''تقریباً ایک صدی کے بعد ایک حصہ متحدہ ہندوستان کا دوبارہ پاکستان کے نام سے مسلمانوں کے اقتدار میں دیا گیا، یہاں ابتدائی دور کے چند سالوں کے بعد ایسے حکمراں آتے گئے ہیں جن کی طرف سے دین اسلام کے ساتھ ایسا معاملہ ہوتا رہا جیسے کوئی دشمن اسلام طاقت اسلام سے دیرینہ انتقام لینا چاہتی ہو۔ حق تعالی کا نظام ہے، آخرکار ان ظالموں کو ذلیل کیا گیا، ان کے بعد نظم مملکت اور زمام اقتدار ایک ایسے شخص کے ہاتھ آئی جس سے شروع شروع میں توقّع تھی کہ شاید اس کے ذریعہ سابقہ دور کی تلافی ہوجائے گی، اسلام کا بول بالا ہوگا اور اہل اسلام کی عظمت رفتہ ایک بار پھر واپس آجائے گی لیکن افسوس کہ اس دَور میں اس دین کے تمام شعبوں کی تباہی وبربادی سابقہ ادوار سے کہیں زیادہ ہوئی''۔

اور جب بھٹو کے عہد میں ظلم وستم عروج پہ تھا، بدعنوانیوں اور دھاندلیوں سے قوم بیزار ہوچکی تھی، اس وقت مولاناؒ نے بلاخوف یہ چند سطریں تحریر فرمائیں۔

''اگر ہٹلر وگوبلز اور ہملر ومسولینی کا انجام پیش نظر ہو تو ہر ڈکٹیٹر مزاج حکمراں کے لئے مقام عبرت ہے۔ظلم وتشدد کے ہتھیار کی عمر بہت کم ہوتی ہے۔ اللہ تعالی نے کسی ظالم وجابر حکمراں کو اپنی خدائی نہیں دی ہے کہ جو چاہے کرتا رہے، گذشتہ ادوار میں یورپ وایشیا میں جو ظالم وسنگ دل حکمراں آئے ان کا عبرتناک انجام دنیا نے دیکھ لیا''۔

دوسرے مقام پر یوں رقمطراز ہیں: ''ملک پر جو نظام اب تک مسلّط رہا ہے اور جو نظام مسلط کیا جا رہا ہے، تجربہ نے ثابت کردیا ہے کہ وہ ناکام ہے۔ دلوں میں اب اضطراب ہے، دماغوں میں بے چینی ہے، امن وامان مفقود ہے، کسی کی جان ومال وآبرو محفوظ نہیں، عیّاشوں اور بدمعاشوں کو آزادی مل گئی ہے، شراب نوشی ،اور قمار بازی سے خدا کی مخلوق تنگ آچکی ہے، عریانی وبے حیائی نے پاکستان کو رسوا کردیا ہے۔خدا کی مخلوق پر رحم کرو اور اپنی جانوں پر رحم کرو۔

(بینات۔جنوری: ۱۹۷۷ء)

اس قسم کے ارشادات فروری ۱۹۷۷ء کے بیّنات میں بھی ان کے قلم کی زبان سے نکلتے ہیں۔

''دنیا ایک عبرت کدہ ہے، رات ودن اور صبح وشام عبرت انگیز واقعات آنکھوں کے سامنے آتے ہیں۔ظالموں کا انجام بھی دیدۂ عبرت سے مخفی نہیں، عاد وثمود کے واقعات تو جانے دیجئے عصر حاضر کی تاریخ بھی نوع بنوع واقعات سے لبریز ہے، اللہ تعالی عقل وفہم نصیب فرمائے۔''

مولانا کا یقین واعتقاد: مولانا کی رگ وپے میں اس بات کا یقین واعتقاد

پیوست تھا کہ اکابر علمائے دیوبند اس دور میں ''ما انا علیہ و اصحابی '' کی عملی تفسیر تھے، اوران کا فہم دین اس دور میں خیر القرون کے مزاج ومذاق کے سب سے زیادہ قریب تھا، وہ چاہتے تھے کہ اکابر دیوبند کے افکار اوران کے علمی ودینی کارناموں کو زیادہ سے زیادہ پھیلایا جائے۔ چنانچہ جب مولانا علیہ الرحمہ ایک طویل عرصے کے لئے پہلی بار حجاز اور مصر وشام کے سفر پر تشریف لے گئے تو وہاں قیام کے مقاصد میں سے ایک بڑا مقصد یہ بھی تھا کہ علمائے دیوبند کی خدمات اور ان کی علمی تحقیقات سے عالمِ عرب کو روشناس کرایا جائے۔ چنانچہ مولانا نے علمائے دیوبند اوران کی علمی وعملی خدمات پر مفصّل مضامین لکھے جو وہاں کے صفِ اول کے اخبارات ورسائل میں شائع ہوئے اوران کے ذریعہ مصر وشام کے چوٹی کے علماء مولانا بنوریؒ کے قریب آگئے، مولانا علیہ الرحمہ نے انہیں مختلف صحبتوں میں اکابر دیوبند کے علوم سے متعارف کرایا اور کم از کم علماء کی حد تک مصر وشام میں علمائے دیوبند کے کارنامے اجنبی نہیں رہے۔ (یادرفتگاں: ص/۹۱)

ف: آج بھی ضرورت بلکہ اشد ضرورت ہے کہ ممالک عربیہ خصوصاً سعودیہ میں علمائے دیوبند اپنے مسلکِ حق کا تعارف کرائیں اوران کے علماء وعوام پر واضح فرمائیں کہ مسلکِ دیوبند کتاب وسنت سے مؤیّد ومدلل ہے اور ہمارے اکابر سب کے سب سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متّبع اور بدعات وخرافات سے ہمیشہ سے متنفر رہے ہیں تاکہ کوئی فرد یا جماعت جو عدل وانصاف اور دین وادب سے عاری ہے ان کو بدظن نہ کرسکے۔

اس کے علاوہ ہندو پاک میں جو علمائے دیوبند ہیں، ان کا بھی یہ فریضہ ہے

کہ مسلکِ دیوبند کی قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت کرتے رہیں تاکہ عوام وخواص اس کی حقّانیت کو سمجھیں اور کسی گروہ کے (جو دین ودانش سے خالی ہے) مکروفریب میں نہ آئیں، اور خود مسلک دیوبند سے منسلک علماء وعوام کو چاہیئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عشق ومحبت کے ساتھ ساتھ ظاہری وباطنی سنتوں کی کامل اطاعت کریں تاکہ سعادت دارین سے بہرہ ور ہوں اور اس کو دیکھ کر عام لوگ ان سے متأثر ہوں اور دین حق کے قریب آئیں اس لئے کہ عملی وحالی تبلیغ یقینا قولی تبلیغ سے کہیں زیادہ مؤثر ومفید ہے۔ وباللہ التوفیق۔ (مرتب)

مولانا کا اہم کارنامہ: مولاناؒ کے عملی کارناموں میں سب سے نمایاں کارنامہ تحریک ختم نبوت کی کامیاب قیادت تھی، قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کا مطالبہ سالہا سال سے چلا آرہا تھا اور ۱۹۵۳ء میں ہزارہا مسلمانوں نے اس کے لئے عظیم قربانیاں دی تھیں، لیکن اللہ تعالی نے اس مسئلہ کو سرکاری اور قانونی سطح پر ۱۹۷۴ء کی جس تحریک کے ذریعہ حل کرایا اس کے قائد مولانا بنوریؒ تھے۔

مولانا کا آخری سفر اور آخری تقریر: مولاناؒ ''اسلامی مشاورتی کونسل'' میں شرکت کے لئے ۲۸ر شوال ۱۳۹۷ھ کو اسلام آباد تشریف لائے، مولانا نے کونسل میں ایک نہایت اصولی مختصر مگر جامع تقریر فرمائی جو مولانا کی آخری تقریر تھی۔

کونسل کی نشستوں میں ایجنڈے سے باہر کی باتیں بھی بعض اوقات چھڑ جاتی تھیں۔ اسی سلسلہ میں دراصل ہوا یہ تھا کہ بعض حضرات نے مولاناؒ سے فرمائش کی تھی کہ وہ ٹیلی ویزن پر خطاب فرمائیں، مولانا نے ریڈیو پر خطاب کرنے کو تو قبول کرلیا تھا لیکن ٹیلی ویزن پر خطاب کرنے سے معذرت فرمادی تھی کہ یہ

میرے مزاج کے خلاف ہے، اسی دوران غیر رسمی طور پر گفتگو بھی آئی تھی کہ فلموں کو مخرّب اخلاق عناصر سے پاک کرکے تبلیغی مقاصد کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں مولانا نے جو ارشاد فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے:

اصول تبلیغ ودعوت: اس سلسلہ میں ایک اصولی بات کہنا چاہتا ہوں، وہ یہ کہ ہم لوگ اللہ تعالی کی طرف سے اس بات کے مکلف نہیں ہیں کہ جس طرح بھی ممکن ہو، لوگوں کو پکا مسلمان بنا کر چھوڑیں، ہاں! اس بات کے ضرور مکلف ہیں کہ تبلیغ دین کے لئے جتنے جائز ذرائع ووسائل ہمارے بس میں ہیں ان کو اختیار کرکے اپنی پوری کوشش صرف کریں۔

ہم مکلف ہیں جائز طریقے سے تبلیغ کرنے کے: اسلام نے ہمیں جہاں تبلیغ کا حکم دیا ہے وہاں تبلیغ کے باوقار طریقے اور آداب بھی بتائے ہیں، ہم ان طریقوں اور آداب کے دائرے میں رہ کر تبلیغ کے مکلّف ہیں، اگر ان جائز ذرائع اور تبلیغ کے ان آداب کے ساتھ ہم اپنی تبلیغی کوششوں میں کامیاب ہوتے ہیں تو عین مراد ہے۔ لیکن اگر بالفرض ان جائز ذرائع سے ہمیں مکمل کامیابی حاصل نہیں ہوتی تو ہم اس بات کے مکلّف نہیں ہیں کہ ناجائز ذرائع اختیار کرکے لوگوں کو دین کی دعوت دیں اور آداب تبلیغ کو پس پُشت ڈال کر جس جائز وناجائز طریقے سے ممکن ہو لوگوں کو اپنا ہم نوا بنانے کی کوشش کریں، اگر ہم جائز وسائل کے ذریعے اور آداب تبلیغ کے ساتھ ایک شخص کو بھی دین کا پابند بنادیں گے تو ہماری تبلیغ کامیاب ہے اور ناجائز ذرائع اختیار کرکے ہم سو آدمیوں کو بھی اپنا ہمنوا بنالیں گے تو ایسی کامیابی کی اللہ کے یہاں کوئی قیمت نہیں۔

کیونکہ دین کے احکام پامال کر کے جو تبلیغ کی جائے گی وہ دین کی نہیں کسی اور چیز کی تبلیغ ہوگی، فلم اپنے مزاج کے لحاظ سے بذاتِ خود اسلام کے احکام کے خلاف ہے۔ لہٰذا ہم اس کے ذریعہ تبلیغ دین کے مکلّف نہیں ہیں۔

اگر کوئی شخص جائز اور باوقار طریقوں سے ہماری دعوت قبول کرتا ہے تو ہمارے دیدہ ودل اس کے لئے فرشِ راہ ہیں، لیکن جو شخص فلم دیکھے بغیر دین کی بات سننے کے لئے تیار نہ ہو اسے فلم کے ذریعے دعوت دینے سے ہم معذور ہیں۔

اگر ہم یہ موقف اختیار نہ کریں تو آج ہم لوگوں کے مزاج کی رعایت سے فِلم کو تبلیغ کے لئے استعمال کریں گے تو کل بے حجاب خواتین کو اس مقصد کے لئے استعمال کیا جائے گا اور رقص وسرود کی محفلوں سے لوگوں کو دین کی طرف بلانے کی کوشش کی جائے گی۔ اس طرح ہم تبلیغ کے نام پر خود دین کے ایک ایک حکم کو پامال کرنے کے مرتکب ہوں گے، انتہیٰ۔

اس کے بعد مولانا مفتی محمد تقی صاحب بطور خلاصہ یوں تحریر فرماتے ہیں:

''یہ کونسل میں مولانا کی آخری تقریر تھی اور غور سے دیکھا جائے تو تمام دعوتِ دین کے کام کرنے والوں کے لئے مولاناؒ کی آخری وصیت تھی جو دلوں پر نقش کرنے کے لائق ہے۔ (نقوش رفتگاں: ۱۰۵)

وفات: مولاناؒ اسلامی مشاورتی کونسل اسلام آباد کے اجلاس ہی میں تھے کہ قلب کے درد کا حملہ ہوا اور اسپتال میں داخل کئے گئے مگر شفا نہ ہوئی اور صبح ۳؍ذوقعدہ ۱۳۹۷ھ مطابق ۱۷؍اکتوبر ۱۹۷۷ء کو اس دارِ فانی سے دارِ آخرت کو رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

حضرت مولانا عثمانؒ[1] صاحبؒ دربھنگوی المتوفی ۱۳۹۷ھ

نام ونسب وولادت: آپ نسباً صدیقی تھے، شیخ ریاست حسین صاحب کے سب سے بڑے لڑکے تھے، آپ کی پیدائش جماپور ضلع دربھنگہ میں ہوئی، تاریخ ولادت ۲۳/ذیقعدہ ۱۳۱۷ھ ہے۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم اپنے آبائی وطن میں ہوئی، اس کے بعد مدرسہ امدادیہ لہریاسرائے دربھنگہ میں تعلیم حاصل کی، بعدہ ذوقعدہ ۱۳۳۶ھ میں آپ نے ملک کی سب سے بڑی درسگاہ دارالعلوم دیوبند میں قدم رکھا، آپ کی فراغت دارالعلوم سے ۱۳۴۲ھ میں ہوئی، آپ کے اساتذہ میں علامہ انورشاہ کشمیریؒ، علامہ شبیراحمد عثمانیؒ، مولانا اصغرحسین صاحبؒ، مولانا مفتی عزیزالرحمن صاحبؒ، مولانا اعزازعلی صاحبؒ، علامہ ابراہیم صاحب بلیاویؒ وغیرہم ہیں۔

تدریسی خدمات: فراغت کے بعد صوبہ بہار کے کئی دینی اداروں میں تدریسی خدمات انجام دیں، پھراس کے بعد مزید علوم دینیہ کی نشرواشاعت کے لئے بنگال کارخ فرمایا، ریاست بنگال کے مشہور ضلع بوگرا میں آپ کا فیضان درس جاری ہوا، یہاں آپ نے اصح الکتب صحیح بخاری تک کی مکمل تعلیم دی، آپ نے دین سے بہت دوراس علاقہ میں علم دین اوراحادیث نبوی کی خدمت پیش فرماکر

---

[1] مولانا کے پوتے مولانا محمود الحسن صاحب جو حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتا پگڈھیؒ کے مجاز بیعت بھی ہیں انہوں نے آپ کے سلسلہ میں جو کچھ لکھا ہے وہ نقل کیا جارہا ہے۔ (مرتب)

نہ جانے کتنے علم کے پیاسوں کی تسکین قلب کا سامان فراہم کیا۔

بوگرا بنگال کے بعد قدرت نے آپ کی ہمہ جہت گراں قدر خدمات کے لئے سرزمین دربھنگہ کے قصبہ سوپول کا انتخاب کیا جہاں مدرسہ رحمانیہ سوپول سے وابستہ رہ کر ملت کی زلف پریشان سنوارنے میں پوری زندگی گذاردی اور شمالی بہار میں ملت کے لئے ایک عظیم مرکزی علمی درسگاہ اپنی بےلوث خدمات کی یادگار چھوڑی۔

مؤرخہ ۱۰/شوال ۱۳۸۷ھ کو مدرسہ رحمانیہ کے عظیم الشان اجلاس میں حضرت امیر شریعت مولانا منّت اللہ رحمانیؒ نے قضا کا عظیم منصب بھی آپ کے سپرد فرمایا آپ کی ذات ''**زادہ اللہ بسطۃً فی العلم والجسم**'' کا مکمل مظہر تھی اس لئے آپ کی بھاری بھرکم شخصیت اور ٹھوس کردار سے بھی اس مسند فضیلت کو خاصی زینت ملی۔

ارشادات

(۱) آپ فرماتے: جو تم سے تعلق توڑے تم اس سے جوڑو، جو تم پر ظلم کرے تم اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

(۲) آپ فرماتے: یہ کیسی بے غیرتی کی بات ہے کہ مرد خود نہ کمائے اور عورتوں کو گھر سے باہر اسکول یا آفس میں کمانے کے لئے بخوشی جانے دے۔

(۳) آپ فرماتے: بارات میں شرکت نہ علماء کو زیب دیتی ہے اور نہ اس کا کوئی ثبوت ہے۔

وفات: آپ کی وفات ۱۲/صفر ۱۳۹۷ھ میں ہوئی اور موضع گرول ضلع دربھنگہ کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ نور اللہ مرقدہ۔

حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی[1] پاکستانیؒ متوفی ۱۳۹۸ھ

نام ونسب مع ولادت: مولانا محمد عبداللہ بہلوی شجاع آبادیؒ کی ولادت باسعادت جلال پور پیر والہ کے شمال مغرب میں واقع ایک مضافاتی بستی ''بہلی'' میں یکم رمضان المبارک ۱۳۱۳ھ کو جناب مولانا مسلم صاحبؒ کے یہاں ہوئی۔

تعلیم: آپ جب چار سال، چار ماہ اور چار دن کے ہوئے تو حسب دستور آپ کو پڑھنے بٹھا دیا گیا، ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد دارالعلوم دیوبند روانہ ہوئے اور فراغت حاصل کی۔

دارالعلوم دیوبند کی روانگی: اس کے بعد احباب واکابر کی رائے کے پیش نظر مدرسہ عالیہ دیوبند میں حاضری ہوئی، دارالعلوم دیوبند میں آپ نے جو جو کتابیں پڑھیں، وہ حضرت نے خود درج فرمائی ہیں اصل کتاب میں ملاحظہ فرمائیں۔

تکمیل: دینی مدارس میں دورۂ حدیث کے بعد عموماً ایک سال مزید پڑھایا جاتا ہے، جسے مدارس کی اصطلاح میں تکمیل کہا جاتا ہے، چنانچہ حضرت بہلوی قدس سرہ دارالعلوم دیوبند سے دورۂ حدیث شریف سے فراغت کے بعد علاقہ لوہراں کی مضافاتی بستی جو اس وقت دینی علوم کا ایک بہترین مرکز شمار ہوتی تھی، تشریف

---

[1] آپ کے حالات حضرت مولانا سعید احمد جلال پوری نے ''معارف بہلوی'' کے نام سے مرتب کیا ہے۔ جو ماخوذ ہے صاحب سوانح کی خود نوشت سوانح ''فیض روحانی رحمت صمدانی سے۔ پیش نظر اقتباسات معارف بہلوی سے لئے گئے ہیں۔(مرتب)

لے گئے، جہاں قطب وقت حضرت مولانا محمد امیر دامانی قدس سرہ علم وعمل کی بہاریں لٹا رہے تھے، وہاں تکمیل کے اسباق مکمل فرمائے۔ **ماشاء اللہ۔**

تفسیر قرآن کی تعلیم: فراغت کے ایک عرصہ کے بعد درس قرآن اور تفسیر کے لئے آپؒ نے قطب دوراں حضرت مولانا حسین علیؒ اور شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کی خدمت میں حاضری دیا اور ان ہر دوا کا بر سے اکتساب فیض کیا۔

درس وتدریس: علوم دینیہ کی تکمیل کے بعد آپؒ نے حسبۃً للہ حسب دستور تعلیم وتعلم اور درس وتدریس کا شغل اختیار فرمایا، اور حضرت والد ماجد کی خواہش پر اپنے گاؤں بہلی شریف میں ہی درس نظامی کے لئے ادارہ قائم کر کے دینی علوم کی تعلیم وترویج اور درس وتدریس شروع فرمادی۔ آپؒ نے علوم نبوت کی خدمت کے لئے گراں قدر جہد ومجاہدہ، عرق ریزی وجاں نثاری کا مظاہرہ کیا۔

فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔

بہلی سے شجاع آباد: جب حضرتؒ کی طرف خلق خدا کا رجوع زیادہ ہونے لگا اور واردین وصادرین کو بہلی جیسی دور افتادہ بستی اور آنے جانے میں مشکلات پیش آنے لگیں اور احباب وخدام کا اصرار ہوا کہ مخلوق خدا کی نفع رسانی کا تقاضا ہے کہ حضرت یہاں سے منتقل ہو کر کسی شہر میں تشریف فرما ہوں اور مدرسہ و خانقاہ وہاں منتقل کر دی جائے، تو حضرتؒ نے بہلی کا مدرسہ اپنے صاحبزادے مولانا محمد ہاشم صاحبؒ کے حوالہ کر کے شجاع آباد کا قصد کیا۔

سلوک واحسان: یوں تو حضرت بہلوی قدس سرہ مادر زاد ولی تھے، دوسری

طرف اللہ تعالی نے فرشتہ صفت باپ کی نگرانی اور تربیت عطا فرمائی تھی، جنہوں نے اپنے ہونہار لخت جگر کی غیر معمولی انداز سے خوب خوب تربیت فرمائی تھی، پھر اکابر اولیاء اللہ اور ارباب قلوب کی صحبت فیض رساں نے سونے پر سہاگے کا کام کیا، چنانچہ آپؒ کو شروع سے ہی سلوک واحسان کی طرف طبعی میلان تھا، اوپر سے احباب واساتذہ بھی ایسے میسر آئے جنہوں نے اس جذبہ کو مہمیز کیا تو حضرت اقدس کندن بن کر نکلے، حضرت اقدس اپنی راہ سلوک اور تصوف سے متعلق لکھتے ہیں:

اللہ تعالی کے فضل وکرم سے حضرت والد صاحب **غفر لہ اللہ تعالی** بچپن ہی سے اکثر اوقات نصیحت و وصیت فرمایا کرتے تھے، انکی زیادہ تاکید حق عبدی (حقوق العباد) کی ادائیگی سے متعلق ہوتی تھی، جسکا اثر یہ ہوا کہ بچپن میں بھی جیسے لڑکے مالک کی اجازت کے بغیر گندم وغیرہ کے خوشے لے لیتے ہیں، بندہ ان سے بھی دور رہتا تھا، الغرض پرائے حق سے پرہیز تھا۔

اسی طرح حضرت والد ماجد مرحوم کی نصیحت و وصیت کی برکت سے ہی عبادت کا شوق حد سے زیادہ ہوا، چونکہ ان کی وصیت کا رخ زیادہ تر توحید کی طرف ہوتا تھا، اس لئے ابتدا سے ہی قبر پرستی سے نفرت تھی۔

پھر حسن اتفاق کہ جب مدرسہ ''بیٹ قیصر'' میں پڑھتا تھا تو حاجی واحد بخش مرحوم جو میرے والد ماجد مرحوم کے یار غار، مدرسہ بیٹ قیصر کے منتظم، بیحد نیک، صالح، بوڑھے اور تجربہ کار بزرگ تھے، ان کی حفاظت کے ماتحت رہا۔

حضرت مولانا امیر دامانیؒ سے باقاعدہ بیعت: حضرت بہلویؒ اب تک تو بس یوں ہی حسب ارشاد، حضرت استاذ کے ساتھ مراقبے میں بیٹھتے

تھے، مگر باقاعدہ بیعت نہ تھے، البتہ ان سے عقیدت ومحبت کا تعلق اور تلمذ کا شرف حاصل تھا، لیکن جب اس طریق کی حقیقت کھلی اور اہمیت کا اندازہ ہوا تو آپؒ نے باقاعدہ بیعت کی درخواست کی جو قبول کر لی گئی، پھر آپؒ سے خلافت بھی حاصل ہوئی۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی خدمت میں: حضرت بہلوی قدس سرہ نے اگرچہ باقاعدہ بیعت تو حضرت دامانیؒ سے کی تھی مگر انہوں نے اس دور کے اساطین علم وفضل، اصحاب سلوک واحسان اور مجدد طریقت سے بھر پور استفادہ کیا، چنانچہ حضرتؒ، خانقاہ تھانہ بھون کی حاضری اور حضرت حکیم الامتؒ کی تربیت کے انداز کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سلوک واحسان کے قواعد، اصول، فروع، امراض قلبیہ کے علاج اور محامد یعنی محاسن کی تحصیل میں بندہ کا زیادہ تر طریقۂ کار حضرت مجدد الملت وحکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ مصنف تفسیر ''بیان القرآن'' سے ماخوذ ہے، راقم کی ان کے پاس بیس، پچیس برس تک آمدورفت اور خط وکتابت رہی ہے۔

ف: ماشاء اللہ اس حقیقت کو معلوم کر کے بہت مسرت وطمانینت نصیب ہوئی۔ **ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ (مرتب)**

ایک بار کا ذکر ہے کہ خانقاہ کے مدرسہ کا معلم سبق پڑھا رہا تھا، کہ میں اپنی بے عقلی سے سبق سننے کے لئے درس گاہ میں چلا گیا، ادھر حضرت اپنی نشست گاہ سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ میں معلم کے پاس بیٹھا سبق سن ہی رہا تھا، کہ اتنے میں حضرت وہاں تشریف لے آئے اور اتنا غصہ کیا کہ حد نہیں، پھر فرمایا: تم نے اپنی

آزادی میں کیونکر خلل ڈالا؟ اور یہ قصد کیا کہ اچھا پڑھاتا ہے یا نہیں؟ دوم یہ کہ معلم کی آزادی کا نقصان کیا کہ اگر اعلیٰ تقریر کرے تو طالب علم کا نقصان، اور اگر طالب علم کی استعداد کے موافق تقریر کرے، تو معلم کی ہتک ہے کہ اس کو تقریر کرنا بھی نہیں آتا، جس سے طالب علم اور معلم دونوں کا نقصان ہے۔

ف: سبحان اللہ! کیا ہی تعلیم تھی، حضرت حکیم الامتؒ کا ہر فعل وقول حکمت ہی حکمت تھی، اور شریعت کی تائید اور سنت کی موافقت تھی۔ **اللھم ادخلہ جنۃ الفردوس بغیر حساب۔ آمین۔ (مرتب)**

ان ہی سے صحیح سلوک کا پتہ چلا، گو صحیح سلوک پر صحیح طور سے نہ چل سکا، صحیح تزکیہ رونما ہوا، گو پاک نہ ہو سکا، طریقت وحقیقت کی راہ دیکھی، گو راہ طے نہ کر سکا، حق، باطل سے اور مغز، پوست سے ممتاز ہوا، گو حق پر پورا نہ رہ سکا، **اللھم اغفر لی وارحمنی واھدنی وسددنی، اللھم الھمنی رشدی واعذنی من شر نفسی، اللھم قنی عذابک یوم تبعث عبادک۔ آمین۔**

اوصاف واخلاق: حضرت اقدس مولانا محمد عبد اللہ بہلوی قدس سرہ اسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سانچے اور قالب میں ڈھلے ہوئے تھے۔ آپؒ کے ہر قول وفعل اور عمل کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا جیسے آپؒ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے آئینے کے سامنے بیٹھ کر اپنے گیسو سنوارے ہوں۔ چنانچہ آپ کا اٹھنا، بیٹھنا، چلنا، پھرنا، کھانا، پینا، سونا، جاگنا، چھوٹوں بڑوں، مریدین ومتعلقین سے برتاؤ، دوست، احباب اور واردین و صادرین کے ساتھ یکساں معاملہ، اتباع نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آئینہ دار تھا۔

آپؒ سے ملنے والا ہر شخص یہی سمجھتا کہ آپؒ کا مجھ سے خصوصی تعلق ہے، آپؒ کے یہاں کسی روایتی ہٹو بچو کا تصور نہیں تھا بلکہ صحیح معنی میں آپؒ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''**اللھم اجعلنی صبورا و اجعلنی شکورا و اجعلنی فی عینی صغیرا و فی اعین الناس کبیرا**'' (اے اللہ! مجھے صبر والا بنا دے، اور مجھے شکر والا بنا دے اور مجھے میری نظر میں چھوٹا اور دوسروں کی نظر میں بڑا بنا دے) کی کامل تصویر تھے۔

حضرتؒ کے پاس آنے والا ہر شخص یہ محسوس کرتا جیسے وہ اپنے شفیق باپ کے پاس آ گیا ہے، اس لئے وہ بے تکلف اپنے تمام مسائل و مشکلات عرض کرتا اور حضرتؒ نہایت محبت و شفقت سے اس کے مسائل سنتے اور ان کا حل ارشاد فرماتے۔ حضرتؒ کی بارگاہ میں نام نہاد پیروں کی سی کروفر نہیں تھی، وہاں پیر و مرید میں مشفق باپ بیٹے اور رحم دل ڈاکٹر و مریض کا رشتہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرتؒ کے اردگرد ہر وقت علماء، طلبہ اور مریدین کا پروانہ وار اجتماع رہتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت بہلویؒ کو حسن باطنی کے ساتھ ساتھ ظاہری حسن و جمال سے بھی خوب آراستہ فرمایا تھا، اس پر مستزاد، جب آپؒ اکابرین نقشبندیہ اور چشتیہ کے ذوق کے مطابق سفید اور اجلا نکھرا لباس زیب تن فرما لیتے تو بلا مبالغہ لعل و گہر کی چمک بھی آپؒ کے چہرے کے سامنے پھیکی نظر آتی، مگر بایں ہمہ آپؒ کی کسی حرکت و سکون اور قول و فعل سے جاہ و جلال کا شائبہ تک نہ ہوتا، بلکہ آپؒ کی ایک، ایک ادا سے عجز و نیاز، عبدیت و فنائیت اور بے نفسی و تواضع ٹپکتی تھی۔

ف: دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان صفات حسنہ سے ہم سب کو آراستہ و پیراستہ

فرمائے۔ اسلئے کہ سنت کا یہی طریقہ ہے اور تصوف وسلوک کا یہی خلاصہ ہے۔ واللہ الموفق، آمین۔ (مرتب)

قرآن کریم سے شغف: یوں تو ہر مسلمان کو قرآن کریم سے ایک خاص تعلق اور محبت ہوتی ہے اور کیوں نہ ہو کہ یہ وصول الی اللہ کی بہترین سیڑھی اور ذات الٰہی تک پہنچنے کا ذریعہ، ”حبل اللہ الممدود“ اور صفت الٰہی ہے، مگر اہل اللہ کو اس سے ایک خاص جذباتی تعلق ہوتا ہے، اس لئے وہ جہاں اس کی تلاوت کا خصوصی اور کثرت سے اہتمام کرتے ہیں، وہاں وہ اس کے معانی ومفاہیم، علوم ومعارف اور تفسیری نکات سے خصوصی تعلق اور شغف رکھتے ہیں، ہمارے حضرت بہلویؒ بھی جہاں قرآن کریم کی تلاوت کا خاص اہتمام فرماتے، وہاں آپ اس کی تعلیم وتفسیر پر بھی خصوصی توجہ دیتے تھے، ایسا محسوس ہوتا جیسے آپ کی زندگی کا مقصد وحید ہی قرآن مجید کی تلاوت، اور اس کے تفسیری نکات ہیں۔

ف: اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن پاک کی حقیقی تلاوت کی توفیق اور اس کی تعلیم وتفسیر کا ذوق عطا فرمائے۔ مگر افسوس کہ اب اس کی طرف سے خواص میں بھی بے اعتنائی پائی جاتی ہے، العیاذ باللہ (مرتب)

اتباع سنت: جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے حضرتؒ کے والد ماجد جناب محمد مسلم صاحب، خود اللہ والے، متبع سنت اور موحد ودیندار تھے۔ آپؒ نے ابتدا سے ہی اپنے ہونہار لخت جگر کو بطور خاص وصیت ونصیحت کی تھی کہ اتباع سنت کا اہتمام اور بدعات ورسومات سے اجتناب کیا کریں۔ پھر حضرات اساتذۂ کرام اور اہل قلوب کی تعلیم وتربیت نے اس جذبہ کو مزید جلا بخشا، چنانچہ آپؒ توحید وسنت کے

داعی اور زبردست مبلغ تھے آپؒ خلاف سنت امور سے نہ صرف احتراز و اجتناب فرماتے، بلکہ اپنے مریدین و مسترشدین کو بھی بطور خاص اس کی تلقین فرماتے۔

ارشادات

تصوف عین شریعت ہے اور شریعت عین تصوف ہے: آج کل کے جاہل جن کا اپنا ظاہر شریعت کے خلاف ہے وہی کہتے ہیں کہ شریعت وطریقت علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں یہ لوگ مجاہدہ وغیرہ کر کے سکر کا وہ درجہ حاصل کر لیتے ہیں جو بوجہ خلاف سنت ہونے کے عند اللہ مقبول نہیں۔ پھر اپنے آپ کو "قلندری ملامتی" کہہ کر، کہلا کر لوگوں کو گمراہ کرتے پھرتے ہیں۔ حالانکہ شریعت، طریقت، معرفت اور تصوف میں کوئی فرق نہیں۔ تصوف عین شریعت ہے اور شریعت عین تصوف ہے۔ اس میں کوئی فرق ہی نہیں دراصل انہیں یہ دھوکہ اس لئے ہوا ہے کہ انہیں اصل و نقل۔ حقیقی اور مصنوعی۔ غلط اور صحیح چیز کی تمیز نہیں۔ کیونکہ شریعت وطریقت۔ معرفت اور تصوف کو علیحدہ سمجھنا زندیقی ہے۔ لہذا یہ لوگ حقیقت میں بے دین ہیں نہ تو ملامتی اور نہ قلندری ہیں۔ ؎

نہ صورت نہ سیرت نہ خال و نہ خط
نہادند محبوب نامش غلط

ولایت، استقامت علی التوحید والسنۃ کا نام ہے:

حضرت جنید بغدادیؒ جو حضرت شیخ عبد القادر جیلانی محبوب سبحانی قدس سرہ کے مرشد کے پیر ہیں ایک شخص ان کا امتحان لینے آیا۔ اور دس برس تک آپ کے پاس رہا۔ مگر کوئی کرامت نہ دیکھی ایک روز کہنے لگا کہ میں نے آپ کی بزرگی

کی شہرت سنی تھی مگر کوئی کرامت نہیں دیکھی۔آپ نے فرمایا۔دس سال میں آپ نے کوئی خلاف سنت حرکت بھی دیکھی ہے؟ عرض کیا کہ نہیں۔فرمایا جنیدؒ کی یہ کوئی کم کرامت ہے کہ دس برس میں کوئی کام خلاف توحید و خلاف سنت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نہیں ہوا۔ بھائی اصل میں کرامت یہی ہے کہ توحید، رضائے الٰہی وسنت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر استقامت ہو۔

فرمایا: جو لوگ کہتے ہیں کہ تصوف اور چیز ہے اور شریعت اور چیز ہے وہ صریح غلطی پر ہیں۔بعض خشک علماء بھی یہی کہتے ہیں کہ تصوف قرآن وحدیث میں نہیں ہے قرآن مجید میں اللہ تعالی نے فرمایا "اقیموا الصلوۃ" نماز قائم کرو۔

دوسری جگہ فرمایا:

قد افلح المؤمنون۔الذین ھم فی صلوٰتھم خاشعون۔

ترجمہ: تحقیق وہ مومن فلاح پا گئے جو نماز میں خشوع کرتے ہیں۔

تو نماز شریعت ہوئی۔خشوع طریقت ہوا۔اور حدیث میں ہے کہ فرمایا رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے " **ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک** " بندگی اس طور پر کر، گویا کہ تو اللہ کو دیکھ رہا ہے، اگر تو نہیں دیکھ سکتا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے اس درجہ کو احسان کہتے ہیں۔

خلاصہ: یہ کہ نماز شریعت ہے۔خشوع طریقت ہے اور احسان کا درجہ حقیقت ہے، تینوں درجات میں سے کسی کو شریعت ماننے سے کسی کا انکار نہیں ہوسکتا۔اور نماز کے خشوع اور احسان کے ساتھ متصف ہونے کو تصوف کہتے ہیں تو واضح ہوا

کہ تصوف عین شریعت ہوا اور شریعت عین تصوف۔

اصلاح نفس فرض ہے اور مرید ہونا سنت ہے۔

شامی جلد اول کتاب العلم میں ہے کہ رذائل مثلاً عجب، ریا، غفلت، غرور، ضلال، طمع، حرص وغیرہ کا دفعیہ یعنی علاج اور اخلاق حمیدہ مثلاً اخلاص، شکر، قناعت، صبر، تسلیم، رضا بالقضاء اور صدق وغیرہ کا حاصل کرنا فرض عین ہے۔ فرمایا چونکہ مریض کی رائے بھی مریض ہوتی ہے۔ لہذا اپنا علاج خود نہیں کرسکتا۔ اسی لئے اصلاح نفس کے لئے کسی اللہ والے سے تعلق جوڑنا فرض ہے تو جس کے تعلق اور جس کی صحبت پر اصلاح نفس موقوف ہے اس کی اتباع بھی ضروری ہے البتہ مرید ہونا بھی سنت ہے فرض نہیں جس کا جی چاہے سنت کی برکت کے لئے مرید ہوجائے۔

ف: ماشاء اللہ خوب درجہ قائم فرمایا اصلاح اخلاق کے لیے کسی اللہ والے سے تعلق پیدا کرنے کو فرض اور ان سے مرید ہونے کو سنت قرار دیا۔ یہی مجدد ملت حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ بھی فرماتے تھے، جزاھم اللہ۔ (مرتب)

علم ابر رحمت ہے: فرمایا علماء حق کے قلموں کی سیاہی قیامت کے دن شہداء فی سبیل اللہ کے خون سے بھی بڑھ کر قیمت پائے گی۔ کذا فی کتب حضرت مجدد الف ثانیؒ۔

فرمایا: اصلاح نفس کا حاصل یہ ہے کہ شریعت طبیعت پر غالب آجائے اصلاح نفس کا یہ معنی نہیں کہ طبیعت کے ارادے معدوم ومفقود ہوجائیں، نہیں نہیں بلکہ مغلوب ہوجائیں۔ مثلاً غیر عورت اچانک سامنے آجائے۔ طبیعت تو کہتی ہے

کہ دیکھ لیا جائے۔ادھر شریعت فرماتی ہے'' قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ '' مومن کو فرماؤ کہ اپنی آنکھیں بند رکھیں۔اب اگر دیکھ لیا تو طبیعت غالب آ گئی۔اور اگر نہ دیکھا تو شریعت غالب آ گئی۔اسی طرح پرایا مال پڑا ہے طبیعت کہتی ہے اٹھا لیا جائے کھا لیا جائے ادھر شریعت کہتی ہے'' لَاتَأْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ ''غیر کا مال مت کھاؤ اگر کھا لیا تو طبیعت غالب آ گئی، نہ کھایا تو شریعت غالب ہوئی۔

ف: سبحان اللہ کیسے مفید ارشادات ہیں جو پیش نظر رکھنے کے لائق ہیں بلکہ لائحہ عمل بنانے کے لائق ہیں۔واللہ الموفق (مرتب)

وفات: آپ نے ۲۲/محرم الحرام ۱۳۹۸ھ مطابق یکم جنوری ۱۹۷۸ء سوا نو بجے رات کو جان جاں آفریں کے سپرد فرمائی انا للہ وانا الیہ راجعون۔جامع مسجد مدرسہ اشرف العلوم شجاع آباد پاکستان میں مدفون ہوئے۔نور اللہ مرقدہ۔

(معارف بہلویؒ)

حضرت مولانا سید محمد الحسنیؒ ندوی لکھنوی المتوفی ۱۳۹۸ھ

نام ونسب: مولانا سید محمد الحسنیؒ خاندان عَلَم اللّٰہی کے گوہر شب چراغ تھے، اسلامیان ہند کے سب سے بڑے مورخ علامہ سید عبد الحیؒ کے پوتے اور مولانا حکیم ڈاکٹر سید عبد العلیؒ کے فرزند اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن ندویؒ کے بھتیجے، عربی واردو میں یکساں قدرت رکھنے والے ادیب، انشا پرداز اور صحافی تھے فکر ارجمند کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کو دل دردمند بھی عطا فرمایا تھا، انھوں نے اپنے قلم سے عالم اسلام کی رہنمائی کی اور صرف چوالیس سال کی عمر میں مالک حقیقی سے جا ملے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

ولادت: مولانا کی ولادت ۱۵/ اکتوبر ۱۹۳۵ء میں ہوئی۔

تعلیم: وہ اپنے والد کی پانچ بیٹیوں کے بعد اکلوتے فرزند تھے، چار سال کے ہوئے تو حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بسم اللہ کرائی، ابتدائی تعلیم اپنے والد اور محلہ کے امام مولوی سلیم کشنویؒ اور دوسرے اساتذہ سے حاصل کی، عم محترم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ شروع ہی سے ان کو عربی رسائل کے مطالعہ کا مشورہ دیتے تھے، اس کا انھوں نے خاص اہتمام کیا، اور اس کے علاوہ مصری ادباء کی کتابیں بھی پڑھیں، اور پھر امام ابن تیمیہؒ، امام ابن قیمؒ کی کتابوں کا مطالعہ کیا، تعلیم کی تکمیل انھوں نے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں شاہ حلیم عطا صاحبؒ کے درس حدیث میں شرکت کے ذریعہ کی، حضرت مولانا سید

ابوالحسن علی ندویؒ کی تحریریں اس وقت عرب وعجم میں مقبول ہورہی تھیں وہ گھر کی چیز تھی، مولانا نے عم محترم کے عربی رسائل بار بار پڑھے، یہاں تک کہ وہ فکر اور اسلوب غیر شعوری طور پران کے اندر منتقل ہوگیا اور پندرہ سال کی عمر سے ان کی تحریری صلاحیتیں سامنے آنے لگیں۔

البعث الاسلامی اور تعمیر حیات کی ادارت: صرف بیس سال کی عمر میں انہوں نے عربی ''البعث الاسلامی'' جاری کیا، جس نے بہت جلد عالم عربی میں مقبولیت حاصل کی اور مولانا حسب معمول مدیر کی حیثیت سے خدمت کرتے رہے، اور اردو رسالہ ''تعمیر حیات'' کا اجراء ہوا۔ تو اس کی ادارت کی ذمہ داری بھی مولانا کے سپرد ہوئی۔

اسلوب تحریر: عالمی مسائل میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی فکر وسعی میں مولانا محمد الحسنی پوری طرح شریک اور معاون رہے ان کی سوچ کا وہی انداز اور تحریر کا وہی اسلوب تھا جو حضرت مولانا کا تھا، یہاں تک کہ رسم الخط کی مماثلت بھی ایسی تھی کہ دونوں تحریروں میں فرق کرنا مشکل ہوتا تھا۔

ان کی زندگی میں ان کے عربی مضامین کا پہلا مجموعہ ''الاسلام الممتحن'' کے نام سے شائع ہوا جس کے مقدمہ میں حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں ایک طرف وہ ماحول وتربیت جس میں ان کی نشوونما ہوئی، اور دوسری طرف عالم اسلام اور عالم عربی کی وہ صورت حال جو ان کے سامنے تھی، ان کی طبیعت کے اندر ایک شدید کشمکش پیدا کردی، جس نے ان کے قلم کو ایک آبشار میں تبدیل کردیا۔ جو چٹانوں سے ٹکرانے کی وجہ سے بڑی طاقت سے ابلتا ہے

اور بڑے جوش وشور کے ساتھ گرتا ہے اس کے نتیجہ میں ایسے مضامین ان کے قلم سے نکلے جن میں آبشار کا شور اور طوفان کا زور ہے، یہ شدت وحدت ہمیشہ اندرونی کشمکش کا نتیجہ ہوتی ہے، قسمت سے جب ایسے شخص کو بیان پر قدرت، قلم کی روانی، زبان و ادب کی ہم زبانی اور خلوص وصداقت کی دولت فراوانی حاصل ہوجاتی ہے تو یہ اسلوب نگارش قوموں کے شعور کو بیدار کرنے اور احساس کمتری کو دور کرنے میں اور اعتماد کو بحال کرنے میں جادو کا کام کرتا ہے۔

پیام انسانیت: حضرت مولانا کی تحریکی خدمات میں بھی وہ شریک تھے، پیام انسانیت کے لئے وہ دماغ کی حیثیت رکھتے تھے، دینی تعلیمی کونسل کے کاموں میں بھی شریک رہتے اور مشورہ دیتے۔

مکارم اخلاق: مولانا کی زندگی بڑی پاکیزہ تھی، اخلاق کی بلندی، کرم گستری، دوسروں کی حاجت روائی، فضولیات سے اجتناب اور خاص طور پر انابت الی اللہ، احتساب نفس، استحضار نیت جیسی بلند صفات شروع ہی سے ان کی زندگی میں نظر آتی تھیں۔

حضرتؒ مولانا محمد منظور نعمانی تحریر فرماتے ہیں عزیزم مرحوم مولانا محمد میاںؒ کو اللہ تعالیٰ نے جس طرح اپنے خاص فضل سے غیر عادی طریقہ پر وہ علمی اور قلمی کمال عطا فرمایا تھا جس کا ذکر اوپر کیا گیا، اسی طرح بلکہ اس سے افضل انعام ان پر ان کے رب کریم نے یہ فرمایا تھا کہ جس تزکیہ نفس اور اصلاح اخلاق کے لئے طالبین وصادقین برسوں اصحاب ارشاد ومشائخ کی تربیت میں رہتے اور ریاضتیں کرتے رہے، اللہ تعالیٰ نے یہ بے بہا دولت بھی اپنے فضل خاص سے عطا فرمادی تھی۔

معلوم ہوتا تھا کہ کبر، غصہ، حسد، کینہ، بخل جیسے رذائل ان کی فطرت سے نکال دئے گئے ہیں اور محاسن اخلاق بھر پور عطا فرما دئے گئے ہیں۔ **ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء و اللہ ذو الفضل العظیم۔**

مشائخ عصر سے تعلق: مشائخ عصر سے ان کا تعلق بڑا گہرا تھا چنانچہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ، مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ سے خاص تعلق تھا۔ جب بیمار ہوکر بغرض علاج سید مظفر حسین صاحب کے مکان لکھنؤ پر تشریف فرما ہوئے تو متعدد بار آپ کی زیارت و عیادت کے لئے خدمت اقدس میں حاضر ہوتے۔ جس سے حضرت مصلح الامتؒ بہت مسرور ہوتے تھے، ایک مرتبہ یہ حقیر ندوۃ العلماء کے کسی کمرے میں ملاقات کی غرض سے حاضر ہوا تو فرمایا کہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب کے ملفوظات عجیب ہوتے ہیں کہ اس میں علامہ شاطبی کی کتاب موافقات کا بھی حوالہ ملتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مصلح الامت کے ملفوظات پڑھتے تھے جس سے ان کی حضرت مصلح الامت سے علمی و عملی مناسبت کا سراغ لگتا ہے۔ حضرت تھانوی کے ملفوظات و مواعظ کا اہتمام سے مطالعہ کرتے، اور اس کے پڑھنے کی ترغیب دیتے۔

حضرت مولانا عبد القادر رائے پوری کے سفر لکھنؤ کے موقع پر ان سے بیعت کا تعلق قائم ہوا۔ ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

ف: اسی طرح مرشدی حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپگڈھیؒ سے خاص ربط رکھتے تھے چنانچہ عرفان محبت کی ترتیب اور عنوانات کی تعیین کے لئے

الہ آباد تشریف لائے ۔اور اس حقیر کے مکان بخشی بازار روشن باغ میں قیام کر کے یہ خدمت انجام دیا۔ فجزاھم اللہ احسن جزاء۔(مرتب)

وفات: ۱۷؍جون ۱۹۷۹ء مطابق ۱۳۹۸ھ میں معمولی تکلیف کے بعد مالک حقیقی سے جا ملے۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اولاد: مولانا نے تین فرزند یادگار چھوڑے ان میں فرزند اکبر مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ ہیں۔دوسرے صاحبزادے مولانا سید عمار ہیں۔ اور تیسرے صاحبزادے مولانا سید بلال حسنی ندوی ہیں۔ جو اصلاح ودعوت کا کام مولانا عبداللہ حسنی کررہے تھے اس کو مولانا سید بلال حسنی بدرجہ اتم جاری رکھے ہوئے ہیں۔فجزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

حضرت مولانا سید ظہور الحسنؒ[1] صاحب کسولوی المتوفی ۱۳۹۸ھ

(ناظم خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون)

نام ونسب: آپ کا نام ''علی'' تجویز ہوا تھا لیکن ''ظہور الحسن'' تاریخی نام سے مشہور ہوئے، آپ کے والد ماجد سید محبوب علیؒ ذی اثر زمیندار تھے، آپ کی والدہ ماجدہ نہایت دیندار، متدین، اور صوم وصلوٰۃ کی پابند تھیں۔

ولادت: مولانا کی ولادت ۷/شعبان ۱۳۲۲ھ مطابق نومبر ۱۹۰۴ء کو کسولی میں ہوئی، آپ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خادم خاص تھے اور خانقاہ تھانہ بھون کے ناظم تھے۔

تعلیم: ۱۳۳۴ھ میں جب حضرت مولانا اپنی عمر کی بارہویں منزل پر قدم رنجہ ہورہے تھے، آپ کے والد ماجد کا سانحۂ ارتحال پیش آگیا، چونکہ آپ کے والد ماجد کو دینی تعلیم سے خصوصی دلچسپی اور شوق تھا اس لئے آپ نے وصیت فرمائی کہ ''ظہور الحسن کو اس کے ماموں قاری محمد امین صاحبؒ مدرس امداد العلوم تھانہ بھون کے سپرد کردینا''۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ۳/محرم ۱۳۳۸ھ کو خانقاہ امدادیہ پہونچ کر کلام مجید اور ابتدائی فارسی میں داخلہ لے کر تعلیم شروع کردی۔

---

[1] عزیزم مولانا ناصر الدین مظاہری استاذ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور نے آپ کے حالات تفصیل کے ساتھ تحریر کیا تھا اسی سے اخذ کرکے یہ مضمون لکھا جارہا ہے۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ۔ (مرتب)

خانقاہ امدادیہ میں اپنے ماموں کے علاوہ خلیفہ اعجاز احمد صاحب مدرس اور حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب الہ آبادیؒ وحضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی عثمانیؒ کے پاس درس وتدریس اور حضرت حکیم الامتؒ کی خصوصی مجلس میں شرکت کرتے رہے۔

اور آپ کی تعلیم کا سلسلہ مختلف حالات کا شکار ہوتا رہا، چنانچہ کبھی تعلیم موقوف ہوجاتی اور کبھی جاری ہوجاتی، بہر حال جلالین اور مشکوۃ تک پڑھنے کے بعد حضرت مولانا تھانویؒ کے مشورہ اور ایماء پر مظاہر علوم سہارنپور میں شعبان ۱۳۴۸ھ کو دورۂ حدیث شریف میں داخلہ لے کر بخاری شریف جلد اول اور ابوداؤد شریف مکمل شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنیؒ سے پڑھا۔

۱۳۵۰ھ میں درجہ فنون میں داخل ہوکر کشاف، ہدایہ، بیضاوی، اتقان، حسامی، مطول، میر زاہد، ملاجلال، مدارک اور درمختار پڑھ کر سالانہ امتحان میں کامیابی حاصل کی۔

اسی زمانۂ تعلیم میں آپ نے حضرت مولانا مفتی سعید احمد اجراڑویؒ کے پاس مشق افتاء بھی کیا، آپ کے مشق افتاء کے ساتھیوں میں حضرت مولانا مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہیؒ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

مظاہر علوم میں خدمت: مظاہر علوم سہارنپور میں عام قاعدہ اور دستور یہی تھا کہ مدرسہ سے فراغت کے بعد ہی کسی شعبہ میں ملازمت یا تدریس کا موقع ملتا تھا لیکن حضرت مولانا کے ساتھ استثناء، تاریخ کا ناقابل فراموش واقعہ ہے کہ ۱۳۴۸ھ میں جب آپ دورۂ حدیث شریف پڑھنے کیلئے مظاہر علوم سہارنپور

داخل ہوئے تو فتاویٰ کی نقل کا کام بھی آپ کو مل گیا۔

کتب خانہ امدادالغرباء کا قیام: مظاہر علوم میں تعلیمی وتدریسی اور انتظامی مصروفیات کے علاوہ آپ نے امدادالغرباء سہارنپور کے نام سے ایک کتب خانہ بھی قائم کیا جس کے اغراض ومقاصد خود مولانا کی زبانی یہ ہیں:

یہ کتب خانہ محرم الحرام ۱۳۵۲ھ میں معمولی حیثیت کے ساتھ اس مقصد کو سامنے رکھ کر جاری ہوا تھا کہ حضرات اکابر علماء دیوبند خصوصاً حکیم الامت مرشدی مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تبلیغی واصلاحی واحسانی نایاب اور غیر مطبوعہ تصانیف کو بعینہ یا مناسب اضافات وترتیب اور تسہیل وتصحیح کے ساتھ شائع کرکے ادنیٰ قیمت پر فروخت کیا جائے تاکہ ان کا نفع بلا تخصیص امیر وغریب سب کیلئے عام ہوسکے۔

بزرگوں کی دعا اور توجہ سے بفضلہٖ تعالیٰ دو سال کے قلیل عرصہ میں، اس وجہ سے نہیں کہ ہمارے پاس بہت زیادہ سرمایہ تھا بلکہ ''ارزاں فروش بسیار فروش'' کے زریں اصول کے مطابق کتب خانہ نے مختلف تصانیف ومواعظ شائع کرکے، بہت زیادہ اور قابل غبطہ ترقی کی اور تھوڑے عرصہ میں استقلالی شان پیدا کرلی، شیدائیان ملت نے گوناگوں مواعظ وملفوظات اور تصانیف کی فرمائشوں کی بھرمار کرکے اپنی قدردانی کا ثبوت دیا اور مجبور کردیا کہ کتب خانہ امداد الغرباء سہارنپور مواعظ وملفوظات کی یکجائی اشاعت کیلئے ایک رسالہ ''اشرف العلوم'' مستقل طور پر جاری کردے۔ چنانچہ رسالہ آب وتاب سے جاری ہوا، جس سے بہت نفع ہوا۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

خدمات عالیہ: ۲۰؍سال سے زائد عرصہ تک مظاہرعلوم کی گوناگوں خدمات انجام دیتے رہے۔ آپ نے مکتبہ امداد الغرباء قائم کیا، جس نے حکیم الامتؒ کی نادر ونایاب تصنیفات وتالیفات اور مواعظ وارشادات کوشائع کرکے تاریخ ساز کارنامہ انجام دیا تھا اسی کے ساتھ ساتھ دیگرا کابر علماء کی قیمتی تحریرات اور قلمی کاوشوں کوبھی شائع کرتے رہے، امدادالغرباء نے تجارت کے ساتھ غرباء پروری کا بھی تاریخی کارنامہ انجام دیا، غریب نادار اور مطالعہ کے شوقین طلبہ کو برائے مطالعہ کتابوں کی فراہمی، طلبہ اور شاگردوں کے حسب حال تعلیم کے سلسلہ میں مفید مشورے، بقدر وسعت واستطاعت امداد واعانت اور طلبہ سے ہر ممکن ہمدردی وشفقت کے سلسلہ میں آپ کے شاگردان باصفا اور تلامذۂ ذیشان نے دل کی گہرائیوں سے اعتراف کیا ہے۔

حضرت تھانویؒ کی عنایت: ۱۶؍رجب ۱۳۶۲ھ سہ شنبہ مطابق ۲۰؍جولائی ۱۹۴۳ء کی درمیانی شب میں ایک ایسا المناک سانحہ پیش آیا جس نے پوری ملت اسلامیہ کوجھنجھوڑ کر رکھ دیا یعنی حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کا سانحۂ ارتحال پیش آ گیا، گویا ملت اسلامیہ کے سر سے بالعموم اور عقیدت مندان حضرت تھانویؒ کے سر سے بالخصوص گھنا سایہ ختم ہوگیا، اس واقعہ سے مولاناؒ بھی بیحد متاثر ہوئے، حضرت کی حیات میں ہر جمعرات کوسہارنپور سے تھانہ بھون حاضری کا معمول عرصہ دراز سے تھا، حضرتؒ نے تاحیات آپ کے ساتھ اپنی اولاد جیسا معاملہ فرمایا، چنانچہ ایک صاحب کے استفسار پر فرمایا کہ میں نے مولوی ظہور الحسن کسولویؒ کو اگرچہ متبنیٰ (لے پالک)

نہیں بنایا لیکن اس سے کم کا معاملہ بھی نہیں کیا۔

حضرت تھانویؒ کی بالغ نظر طبیعت نے اپنی مومنانہ فراست اور بصیرت سے اندازہ فرمالیا تھا کہ مولانا انتظامی معاملات میں نہایت یکتا و ماہر، دور اندیش و بالغ نظر اور حسن انتظام میں بے نظیر و بے مثال ہیں، چنانچہ ایک موقع پر ارشاد فرمایا تھا:

''اللہ تعالیٰ نے مولوی ظہور الحسنؒ کو فہم دین کی دولت کے ساتھ ساتھ دنیاوی امور کا بھی بہترین سلیقہ عطا فرمایا ہے۔''

حضرت تھانویؒ کے انتقال کے بعد خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون کی آبادی کے لئے حضرت مولانا شبیر علی تھانویؒ مہتمم مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون کی نظر انتخاب مولانا موصوفؒ پر پڑی چونکہ آپ خانقاہ تھانویؒ کے گل سر سبد اور امداد العلوم کے ہونہار فرزند تھے۔ اس لئے حضرت مولانا شبیر علی تھانویؒ کی منشاء کے مطابق حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب الہ آبادیؒ کے حسب ایماء ۶/ ذی الحجہ ۱۳۷۳ھ مطابق ۱۹۵۴ء کو آپ مظاہر علوم سہارنپور کی خدمات سے سبکدوش ہو کر تھانہ بھون تشریف لے گئے۔

تقریباً ۲۳/سال تک خانقاہ امدادیہ اشرفیہ اور مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون کے ناظم و متولی کے باوقار عہدہ پر فائز رہ کر تعلیمی، تدریسی، خانقاہی، انتظامی، تصنیفی، تالیفی، تجارتی، اشاعتی اور گوناگوں خدمات انجام دیں۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ۔

وفات: اخیر عمر میں آپ پر فالج کا حملہ ہوا۔ بالآخر ۱۸/ شعبان ۱۳۹۸ھ مطابق ۲۵/ جولائی ۱۹۷۸ء کو ۷۶/سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ ایک کثیر مجمع نے نماز جنازہ میں شرکت کی، دار العلوم دیوبند،

مظاہر علوم سہارنپور اور قرب و جوار کے متعدد مدارس کے اساتذہ کی موجودگی میں حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب اعظمیؒ نے نماز جنازہ پڑھائی، اور اپنے مربی و مشفق روحانی باپ اور پیر مرشد حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے جوار میں تدفین عمل میں آئی۔نور اللہ مرقدہ۔

ایک خاص بات: حضرت حکیم الامتؒ کی رحلت کے بعد آپ نے اصلاحی تعلق حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ سے قائم فرمایا اور دوسرے طالبین کو بھی آپؒ کی طرف متوجہ فرمایا جس کی وجہ سے حضرت مصلح الامتؒ سے دوسرے لوگوں نے بھی تعلق قائم کیا اور مستفیض ہوئے۔مولانا کے انتقال کے بعد آپ کے صاحبزادے مولانا نجم الحسن تھانوی نظام خانقاہ کو بخوبی سنبھال رہے ہیں۔فجزاھم اللہ احسن الجزا۔(مرتب)

حضرت مولانا محمد امین صاحب ادروی مئویؒ المتوفی ۱۳۹۹ھ

ولادت اور تعلیم وتربیت: ۱۳۱۴ھ میں ادری کے ایک دیندار گھرانے میں پیدا ہوئے، آپ کے والد حافظ رفیع الدین متوفی ۱۳۶۲ھ بنارس مدرسہ عالیہ مسجد نواب علی خاں مرحوم میں مدرس تھے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد آپ کے والد نے آپ کو اسی مدرسہ میں داخل کر دیا۔ خود لکھتے ہیں ۱۷ر شعبان المعظم کو بنارس بغرض حصول تعلیم آیا، اس کے بعد متعدد مدرسوں میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد دارالعلوم مئو اور اس کے بعد مدرسہ سبحانیہ الہ آباد تشریف لائے جہاں مولانا منیر الدین صاحبؒ سے مختصر المعانی وغیرہ پڑھا اس کے بعد دارالعلوم دیوبند گئے۔ دو ڈھائی سال رہ کر مینڈھو ضلع علی گڈھ چلے گئے مگر پھر دیوبند آگئے اور دارالعلوم سے فراغت حاصل کی۔ علامہ انور شاہ کشمیریؒ، مفتی عزیز الرحمنؒ، مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ، مولانا عبدالسمیعؒ، مولانا اعزاز علیؒ، اور مولانا غلام رسولؒ وغیرہم آپ کے اساتذہ تھے۔ اپنے ان اساتذہ کی جو قدر و منزلت ان کے دل میں تھی اس کا اظہار اس وقت ہوتا جب کبھی ان کا ذکر خیر ان کی زبان پر جاری ہوجاتا۔“

درس وتدریس: پڑھنے کے بعد فوراً پڑھانا شروع کر دیا اور سب سے پہلے مدرس بن کر مئو آئمہ آگئے۔ اس کے بعد مختلف مدارس میں تدریسی خدمت انجام دی۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

اخیر میں ۱۹۵۰ء یا ۱۹۵۲ء میں دارالعلوم مئو ناتھ بھنجن تشریف لائے۔

اور اپنی زندگی کا سب سے بیش قیمت اور طویل حصہ آپنے یہاں گذارا اور ایک عرصہ دراز تک مختلف علوم وفنون کے علاوہ حدیث کی تمام مشہور اور متداول کتابوں کا درس دیتے رہے۔جس سے طلبہ مستفید ہوئے۔

بیعت: آپ حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتحپوری ثم الہ آبادی نور اللہ مرقدہٗ کے مرید تھے، ان کے یہاں آپ کا آنا جانا بہت تھا۔ آپ سے غایت عقیدت تھی اسلئے ایک ایک بات لکھ کر آپ کے پاس بھیجتے تھے اور ان کی ہدایت اور مشورے پر عمل کرتے رہے حضرت مولانا فتحپوری کو آپ پر جو اعتماد تھا اس کا اندازہ آپ کی اس تحریر سے ہوسکتا ہے جو آپ نے بیعت وتلقین کی اجازت دیتے ہوئے آپ کو تحریر فرمایا۔

چنانچہ آپ نے ایک خط اپنے تفصیلی حالات درج کئے ہیں جس کے جواب میں مولانا شاہ وصی اللہ صاحب یوں تحریر فرماتے ہیں:

اجازت نامہ ”بےساختہ جی چاہتا ہے کہ میں آپ کو بیعت وتلقین کی اجازت دے دوں لہذا توکلاً علی اللہ اجازت دیتا ہوں اور امید برکت کی رکھتا ہوں۔ اللہ تعالی سے امید کامل ہے کہ نفع لازمی ومتعدی دونوں پہنچے گا، اس میں شک نہ کرنا چاہئے۔اس مضمون سے اپنے احباب کو مطلع کردیجئے۔

والسلام

از: وصی اللہ عفی عنہ

فتحپور تال نرجا

اس بناء پر مولانا نے کچھ لوگوں کو مرید بھی کیا اور ذکر وفکر کی تلقین بھی کی

اس کے لئے کسی قسم کی تشہیر یا اعلان واہتمام وہ پسند نہیں کرتے تھے اور نہ ظاہری رکھ رکھاؤ کے وہ قائل تھے بس اپنے معمولات کی پابندی اور اپنی اصلاح کی فکر ان کا اصول تھا جس پر مضبوطی سے جمے رہے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کی۔

وفات: یکم ربیع الاول ۱۳۹۹ھ مطابق ۳؍جنوری ۱۹۷۹ء بروز منگل آپ کا انتقال ہوا آپ کے صاحبزادے مولوی منیر الدین متوفی ۱۹۸۶ء نے آپ کے بیاض پر اس حادثہ جانکاہ کی تفصیل ان الفاظ میں درج کی ہے۔

مورخہ یکم ربیع الاول ۱۳۹۹ھ مطابق ۳؍جنوری ۱۹۷۹ء یوم سہ شنبہ کو والد محترم طویل علالت کے بعد ساڑھے دس بجے دن میں انتقال کر گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بعد نماز مغرب تکفین وتدفین عمل میں آئی۔ اتنا زبردست ہجوم اب تک کسی کے جنازہ میں ادری میں نہیں ہوا۔ ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ یہ ان کی قبولیت کی علامت ہے۔

حضرت مولانا عبد الحق صاحبؒ استاذ حدیث دار العلوم مئو نے نماز جنازہ پڑھائی۔ والد محترم رحمۃ اللہ علیہ نے تقریباً ۸۶ سال کی عمر پائی۔ نور اللہ مرقدہ۔

(ماہنامہ نوائے دار العلوم مئو۔ فروری ۱۹۸۸ء صفحہ: ۳۱)

حضرت مولانا سراج احمدؒ[ا] صاحب امروہوی المتوفی ۱۳۹۹ھ

وطن وولادت: آپ مشہور مقام امروہہ کے رہنے والے تھے، وہیں ۱۳۰۱ھ یا ۱۳۰۲ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ آپ کو سراج الامت کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

تعلیم وتربیت: ابتداءً اپنے والد محترم کی تربیت میں رہے۔ پھر زیور علم سے آراستہ ہونے کے لئے اپنے نانا صاحب کی خدمت میں بھیجے گئے اور ابتدائی مکتبی تعلیم انہیں سے حاصل کی۔

اس کے بعد امروہہ کی مشہور درسگاہ جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں داخل کئے گئے، یہ مدرسہ بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کا قائم کیا ہوا ہے، اور آپ کی توجہات کا مرکز رہا ہے۔

حضرت مولانا سراج احمد صاحب نے اسی مدرسہ میں علوم کی تکمیل کی اور سند فراغت حاصل کی۔ آپ نے جس زمانہ میں تعلیم حاصل کی ہے اس وقت حضرت مولانا سید احمد حسن صاحب محدث امروہیؒ باحیات تھے، اس لئے غالب گمان ہے کہ آپ نے علوم حدیث کی تحصیل انہیں سے کی ہوگی۔

تدریس: تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے اساتذہ کے حکم سے مختلف جگہوں

ا؎ آپ کی سوانح ''سراج الامت مولانا سراج احمد امروہویؒ'' مولفہ مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی کو سامنے رکھکر آپ کے کچھ حالات وچند ملفوظات درج کررہا ہوں (مرتب)

پر تدریسی خدمات انجام دی ہیں، ان میں سے ایک جگہ الہ آباد بھی ہے۔ اخیر عمر میں ''مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ'' میں یہ خدمت انجام دی اور عمر کی اخیر منزل تک وہیں رہے۔

بیعت وخلافت: غالبًا حضرت حکیم الامتؒ سے دوران تعلیم ہی بیعت ہوگئے تھے، اور حضرت حکیم الامتؒ نے آپ کو خلعت خلافت سے مشرف فرمایا۔ آپ نے خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون کے خاص مدرسہ میں تدریس وتعلیم کی خدمت انجام دی۔ اس زمانہ میں غالباً حضرت مرشدی مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ بھی تدریسی خدمات انجام دیتے تھے، چنانچہ معلوم ہوا ہے کہ مصلح الامتؒ وسراج الامتؒ میں باہم دوستی اور خاصی بے تکلفی تھی۔

قیام الہ آباد: حضرت مولانا مدرسہ احیاء العلوم الہ آباد میں مدرس ہوکر تشریف لائے تھے، یہ مدرسہ موضع مہیوا، الہ آباد کے رئیس شیخ عبداللہ مرحوم کا قائم کیا ہوا ہے، انہوں نے اولاً الہ آباد کے ریلوے اسٹیشن کے قریب شاندار مسجد بنوائی اور اس سے ملحق مدرسہ اور مسافر خانہ تعمیر کرایا۔ شیخ عبداللہ کا تعلق حضرت حکیم الامتؒ سے خصوصی تھا اس لئے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت تھانوی قدس سرّہ نے اپنی اسی خصوصی تعلق کی وجہ سے حضرت مولانا سراج احمد صاحب کو بھیجا ہوگا۔

درس قرآن: حضرت مولانا مدرسہ میں پڑھانے کے ساتھ ساتھ مختلف مساجد میں درس قرآن دیا کرتے تھے، یہ درس تذکیری انداز کے ہوتے تھے، حضرت مولانا قاری حبیب احمد صاحب الہ آبادیؒ فرماتے ہیں کہ ہفتہ کے سات دنوں میں ہر روز کوئی نہ کوئی مسجد متعین تھی، مساجد کے منتظمین شوق سے حضرت کو بیان

تفسیر کے لئے مدعو کرتے تھے، آپ مقررہ وقت پر ہر روز مختلف مساجد میں تشریف لے جاتے تھے اور قرآن سامنے رکھ کر اس کی تفسیر فرماتے تھے، معلوم ہوا ہے کہ مولانا کا تفسیری درس مدرسہ وصیۃ العلوم کی مسجد اور مدرسہ بیت المعارف بخشی بازار کی مسجد میں بھی ہوا کرتا تھا، مگر اس وقت یہ مدارس قائم نہ ہوئے تھے۔

ملفوظات

ایک طالب کو یوں تحریر فرما رہے ہیں: مقصود روحانی جذب وکشش ہے جس کا طریق صرف اتباع سنت ہے۔ جو بحمدہٖ تعالیٰ آپ کو حاصل ہے، عمر بھر اگر چہ گریہ اور رقت نہ ہو لیکن اتباع سنت میسر ہو تو یہ شخص واصل بحق ہے۔

(ص ۷۷)

صدق واخلاص: اس کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ ''ہر عمل صالح میں نیت، حصول قرب ورضائے حق تعالیٰ یا حصول ثواب ودخول جنت ہو، غرضِ دنیا سے بالکل پاک وصاف ہو، بس یہی حقیقت صدق واخلاص کی ہے اور نیت اختیاری شئے ہے، اختیار سے کام لیا جائے۔ (سراج الامت: ص ۷۹)

جنت کا ذکر گھروں میں بکثرت کیجئے: فرماتے تھے کہ اپنے اپنے گھروں میں بکثرت جنت اور دوزخ کا ذکر کیجئے، اس سے آخرت کی رغبت پیدا ہوتی ہے، حق تعالیٰ سے محبت پیدا ہوتی ہے، دنیا سے دل پھرتا ہے، دنیا کی بڑی سے بڑی نعمت فنا ہوتی نظر آنے لگتی ہے، آدمی آخرت کی تیاری میں لگ جاتا ہے۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بکثرت اپنے گھروں میں جنت ودوزخ کا ذکر فرماتے تھے، جنت کے ذکر سے انسان اپنے اندر آخرت کی دائمی

راحتوں کا یقین پیدا کرتا ہے، اس سے اس کو نفس کے مارنے میں مدد ملتی ہے اور سہولت ہوتی ہے ، چھوٹے چھوٹے بچے سادہ لوح ہوتے ہیں ان کے دل ودماغ بالکل صاف ستھرے اور خالی ہوتے ہیں لہذا ابتداءً اس پر جو کچھ نقش کردیا جاتا ہے، پختہ اور پائدار ہوتا ہے، جب آپ جنت کا ذکر اپنے گھروں میں کرتے رہیں گے تو آپ کے بچوں کے کانوں میں یہ پڑی ہوئی بات ان کے ایمان اور اسلام کی پختگی کا سبب بنے گی۔ (سراج الامت:۱۸۸)

فکرِ آخرت: ارشاد فرمایا: بندے کو چاہئے کہ اپنے تمام معاملات میں حق تعالی پر توکل کرے، جو کچھ حق تعالی نے دے رکھا ہے اس پر قناعت کرے، یہ نہ سمجھے کہ فکر دولت سے دولت مند ہوجائیں گے، حلال پر قناعت کر کے حرام سے اپنا مُنھ موڑ لے، اپنا جو حال ہو، جو کچھ اللہ تعالی نے دے رکھا ہے اسی میں مصلحت سمجھے، اسی کو اپنے لئے بہتر تصور کرے۔ دین کے معاملہ میں قناعت سے ہرگز کام نہ لے بلکہ حرص آخرت اپنے دل میں بڑھاتا ہی رہے، فکر آخرت میں لگ جائے، دین کی حرص اللہ تعالی کو بہت پسند ہے۔

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسے بھی تھے کہ میاں بیوی دونوں کے پاس ایک تہبند تھا اور باری باری سے نماز پڑھا کرتے تھے، مگر اسی حال میں خوش تھے، اسی میں مست تھے، ان کو تو صرف ایک غم غمِ آخرت اور ایک فکر فکرِ آخرت تھی، دولت وغربت ان کی نظر میں برابر تھی۔ (سراج الامت:۲۳۵)

ف: سبحان اللہ! یہ ارشادات کس قدر مفید مضامین پر مشتمل ہیں جو ہم سب کے لئے راہنما ہیں، لہذا علم وعمل کی نیت سے ان کا بغور مطالعہ کرنا چاہئے۔

الحمدللہ علی احسانہ کہ اس حقیر کو آپ کی زیارت کا متعدد بار موقع نصیب ہوا ہے حضرت مصلح الامتؒ جب الہ آباد تشریف لائے تو ملاقات کیلئے آپ کی قیامگاہ مکان نمبر ۲۳ر محلہ بخشی بازار تشریف لاتے تھے، اور آپ کا قیام حسن منزل حاجی عبدالوحید صاحب مرحوم کے مکان پر رہتا تھا۔ (مرتب)

وفات: آپ کی وفات بتاریخ ۲۴ر صفر ۱۳۹۹ھ میں ہوئی اور امروہہ کے نیازیان قبرستان میں مدفون ہوئے۔ نور اللہ مرقدہٗ۔

(سوانح سراج الامت)

حضرت مولانا عبدالماجد صاحب دریابادیؒ المتوفی ۱۳۹۹ھ

نام ونسب وولادت: آپ کی ولادت ۱۶/ شعبان ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۶/مارچ ۱۸۹۲ء کو دریاباد ضلع بارہ بنکی یوپی میں ہوئی، آپ کے والد کا نام مولانا عبدالقادر تھا، آپ کے والد محترم مشہور عالم وشیخ طریقت حضرت مولانا نعیم فرنگی محلیؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے، آپ کی والدہ محترمہ بھی نہایت نیک غریب پرور اور بڑی فیاض تھیں۔

تعلیم وتربیت: جب آپ کی عمر چار برس کی ہوئی تو رسم بسم اللہ ادا کی گئی، اسکے بعد کی تفصیل تذکرۂ اکابر سے معلوم کی جاسکتی ہے۔ نیز آپ کے دیگر حالات زندگی آپ کی خودنوشت سوانح ''آپ بیتی'' میں معلوم کئے جاسکتے ہیں، اس لئے ان کو لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

راہ سلوک: آپ پر کچھ عرصہ الحاد وبے دینی کا بھی اثر رہا مگر اللہ تعالی نے صراط مستقیم پر گامزن فرمادیا۔ ۱۹۲۸ء میں حضرت مولانا تھانویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت تھانویؒ کے کہنے پر حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے بیعت ہوئے مگر اصلاحی تعلق حضرت تھانویؒ سے آخر تک قائم رہا، اسی تعلق کا نتیجہ ہے کہ مرشد کی وفات کے بعد خطوط کی روشنی میں ''حکیم الامتؒ نقوش وتأثرات'' تصنیف فرمائی، یہ کتاب حضرت تھانویؒ کی نجی زندگی کے سمجھنے میں بہت مددگار ثابت ہوئی اور لوگوں کے دلوں میں فرط محبت وعقیدت کا ذریعہ

بنی، اس میں علماء اور ادباء وشعراء سبھی کے لئے ضیافت طبع کا سامان موجود ہے۔

آپ حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کی خدمت میں تشریف لائے اور مجلس میں شرکت فرمائی اور بہت متاثّر ہوئے جس کا اظہار اپنے اخبار ''صدق جدید'' میں یوں فرمایا:

جانشین حکیم الامتؒ: پچھلے عشرہ الہ آباد میں جا کر مولانا وصی اللہ صاحبؒ (خلیفہ ومجاز حضرت مولانا تھانویؒ) کے یہاں ذرا طویل یکجائی کی مسرت حاصل رہی، ملاقات نئی نہ تھی، سالہا سال قبل جب شاہ صاحب کا قیام بحیثیت ایک مبتدی کے تھانہ بھون رہا کرتا تھا۔ تواضع، انکسار اور باادب رہنے کے جواہر اس وقت بھی نمایاں تھے۔ آوازۂ خلق کے بعد ملاقات ایک بار اور ہوئی تھی، الہ آباد نسبتًا طویل یکجائی کی سعادت اب کی میسّر آئی، شنید اور دید کے درمیان فاصلہ ہوتا ہی ہے جتنا سنا تھا الحمد للہ اس سے کچھ زائد ہی پایا۔

اس احترام واکرام کے ساتھ مسلسل پیش آئے کہ قریب تھا کہ ان سطور کا راقم خود اپنی حیثیت ومرتبہ سے متعلق غلط فہمی میں مبتلا ہوجائے۔

یہاں کہنے کی بات صرف اتنی ہے کہ صبح جو مجلس وعظ ایک خاصے بڑے مجمع کے سامنے دیر تک رہی، اس میں شروع سے آخر تک زور بس تلاوتِ قرآن پر اور مروّجہ ذکر اور اشغال سے زائد قرآن مجید سے رابطہ پیدا کرنے پر تھا، اپنے اکابر کی شخصیتوں کو نمایاں کر کے پیش کرنا الگ رہا، شاید ان کا ذکر ایک بار بھی نہ آنے پایا۔

مخالفین کو وحشت وناگواری ہوتی ہے، ایسے اکابر کے نام اور ان کا حوالہ

پیش کرنے سے، اس سے بچ کر اگر پیام براہ راست قرآن وسنت اور مقبول ومسلم تفسیروں کے وساطت سے دیا جائے تو ان شاء اللہ ضرور نفع بخش ہوگا۔

اس پہلو کو اختیار کرنا یقینا حکمت ودانائی کی بات ہے اور حکیم الامت تھانویؒ کے سچے جانشین ہی سے اس کی توقع کی جاسکتی ہے۔(صدق ۸/نومبر ۱۹۶۳ء)

ف: ماشاء اللہ! حضرت مصلح الامتؒ کے اصلاح وتربیت کی خصوصیت اور مجلس کی افادیت کی جس حسن اسلوب سے آپ نے ترجمانی فرمائی اس کو پڑھ کر حضرت مصلح الامتؒ بھی بیحد خوش ہوئے۔(مرتب)

تصانیف: ماشاء اللہ! آپ کی بہت سی مفید تصانیف ہیں، آپ کی سب سے اہم تصنیف تو ''تفسیر ماجدی'' ہے جو اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں آپ نے تحریر فرمائی، فجزاہم اللہ تعالی، اس کے علاوہ ''حکیم الامتؒ نقوش وتاثرات، خطبات ماجدی، آپ بیتی'' وغیرہ کتابیں بھی آپ کی یادگار ہیں۔

نیز آپ نے ایک اخبار ''صدق جدید'' کے نام سے جاری کیا تھا، جس میں عرصہ تک دینی واصلاحی اور نہایت حکمت ودانائی کی باتیں لکھتے رہے اور حالاتِ حاضرہ پر بہترین تبصرہ تحریر فرماتے رہے، جس سے امت کو کافی نفع پہنچا۔

حضرت مولانا سعید الرحمن صاحب اعظمی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے اپنی معرکۃ الآراء تصنیف ''قافلۂ علم وادب'' میں مولانا دریابادیؒ کا تفصیلی تذکرہ فرمایا ہے اسی سے چند باتیں نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

تفسیر ماجدی کی خصوصیت: مولانا دریابادیؒ نے قرآن کریم کا مطالعہ نہایت گہرائی سے کیا تھا، انہوں نے قرآن کریم کی تفسیر لکھنے کے سلسلہ میں بہت

سے ایسے مراجع سے بھی مدد لی تھی جو دوسری زبانوں سے تعلق رکھتے تھے، اور انہوں نے قرآن کریم میں مذکورہ اقوام وواقعات کے بارے میں متعدد مؤرخین کی کتابوں کا مطالعہ کیا تھا، انہوں نے اپنے قدیم دورِالحاد سے جدید زندگی کی طرف لوٹنے کے بعد قرآن کریم کی تفسیر لکھنے کا آغاز کیا، اور وہ ''تفسیر ماجدی'' کے نام سے معروف ومقبول ہے، ان کی زندگی کا یہ روشن پہلو دیگر ادوارِ زندگی پر امتیازی حیثیت رکھتا ہے، انہوں نے اسی روشنی سے نہ صرف اپنے دل ودماغ کو روشن کیا بلکہ موجودہ اور آنے والی نسلوں کے لئے زبان وادب کی رمز شناسی اور بلاغت وبیان کی چاشنی عطا کی۔

قرآن کریم کی تفسیر لکھنے اور اس کے لئے نہایت گہرائی کے ساتھ سینکڑوں مراجع سے استفادہ کرنے اور لغت، تاریخ، جغرافیہ، تاریخ مذاہب وادیان، تفسیر وحدیث، فقہ وکلام غرض مختلف علوم وفنون کی کتابیں بغور پڑھنے اور ان سے نتائج وحقائق کا استنباط کرنے کی تفصیل کتنی عبرت انگیز اور اہل علم کے لئے کس قدر مفید ہے، زندگی کے اس بیش قیمت وقفہ کی کہانی بہت دلچسپ اور علمی کام کرنے والوں کے لئے بہت ہی حوصلہ بخش اور ہمت افزا ہے، مولانا نے پہلے انگریزی زبان میں تفسیر لکھ کر خراج تحسین حاصل کیا۔

انگریزی میں کام کرنے سے ہمت کھل گئ، اور ابھی اسی کی نظر ثانی پوری طرح نہیں ہوئی تھی کہ حوصلہ اسی طرز وانداز میں گو اور زیادہ تفصیل ووسعت کے ساتھ اردو ترجمہ وتفسیر کا بھی ہوگیا، اور اس میں مدد سب سے بڑھ کر حضرت تھانویؒ کے ترجمہ وتفسیر ''بیان القرآن'' سے ملی، قرآن مجید کے اردو ترجمے اور بھی

اچھے اچھے ہو چکے ہیں اور شاہ عبدالقادر دہلوی کا ترجمہ تو کہنا چاہئے اپنی نظیر آپ تھا، لیکن جتنی رعایتیں حضرت تھانویؒ کے ترجمہ میں جمع ہوگئی ہیں وہ اور کہیں بھی نہ مل سکیں، میرا ترجمہ تو کہنا چاہئے کہ ۷۵ رفیصدی اسی ترجمہ اشرفیہ کی نقل ہے اور تفسیری حصہ میں بھی فقہیات میں میں نے بڑی حد تک اسی بیان القرآن سے لیں ہیں۔

نیز مولانا دریابادی حضرت تھانویؒ کے متعلق یوں رقمطراز ہیں:

''حضرت تھانویؒ سے جس قدر استفادہ دینی، روحانی، اخلاقی حیثیت سے ہوا وہ حد بیان سے باہر، مصلح، مرکزی معلم و مرشد ہونے میں حضرت کو فرد فرید پایا، جس طرح ملی وسیاسی لیڈر کی حیثیت سے ''محمد علی'' کو پایا تھا، اپنی اس محرومی اور حرماں نصیبی کو کیا کہئے کہ اتنی رسائی ہوجانے کے بعد بھی بے مایہ و تہی دست ہی رہا ،اور جو اول میں کورا ہی رہا، پڑھنے والے جب اس مقام پر پہنچیں تو حسبۃ للہ اس ناکارہ و ننگ خلائق کے حق میں دعائے خیر فرمادیں، یہ کسی قسم کا مطالبہ نہیں ہے محض ایک بھیک ہے''۔

ف: دل سے دعائے خیر کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، آمین۔ (مرتب)

وفات: مولانا دریابادی نے ۱۳۹۹ھ مطابق ۱۹۷۸ء کو داعئ اجل کو لبیک کہا اور اپنے وطن دریاباد ضلع بارہ بنکی یوپی میں مدفون ہوئے، نور اللہ مرقدہٗ۔

(قافلۂ علم وادب)

حضرت مولانا عبدالحکیم صاحب فتحپوری مئویؒ المتوفی ۱۳۹۹ھ

نام ونسب وولادت: آپ اپنے آبائی وطن موضع فتح پور تال نرجا ضلع اعظم گڈھ (موجودہ ضلع مئو میں) میں ۱۸۹۷ء میں پیدا ہوئے۔آپ کے والد کا نام محمد خان صاحب تھا، جو ایک فوجی سپاہی تھے، انہیں جنگ عظیم اول کے ابتدائی دور میں برما جانے کا حکم ملا، برما میں طاعون پھیلا ہوا تھا جہاں مولانا کے والد کا اسی مرض میں انتقال ہوگیا، اور آپ ابھی کمسن ہی تھے کہ والدہ صاحبہ کا بھی انتقال ہوگیا۔

ابتدائی تعلیم اور حفظ قرآن: آپ جب کچھ ہوشیار ہوئے تو عام رواج کے مطابق آپ کو مکتب میں بٹھایا گیا، آپ کے سب سے پہلے استاذ حافظ ولی محمد صاحب تھے جو قصبہ مئو کے رہنے والے تھے، حافظ ولی محمد صاحب کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے حافظ حفیظ اللہ صاحبؒ سے سلسلہ تعلیم شروع کیا، اور انہیں سے آپ نے حفظ قرآن کی تکمیل کی، حافظ حفیظ اللہ صاحب مئو کے مشہور طبیب حکیم سعد اللہؒ صاحب کے برادر نسبتی تھے۔

سرکاری تعلیم کے لئے مڈل اسکول میں داخلہ: اب مولانا مکتب کی تعلیم کے ساتھ ساتھ حافظ قرآن بھی ہوچکے تھے اور چونکہ قصبہ جین پور سے ملحق موضع خالص پور میں مولانا کی رشتے داریاں تھیں، گھر کے لوگوں نے سرکاری تعلیم حاصل کرنے کے لئے مولانا کو قصبہ جین پور کے مڈل اسکول میں داخل کردیا، اس زمانہ میں مڈل اسکولوں میں ہندی، اردو، جغرافیہ اور حساب کی تعلیم ہوتی تھی، تین

سال جین پور رہ کر ۱۹۱۵ء میں آپ نے امتیازی نمبروں سے مڈل پاس کیا۔

عربی تعلیم کی لگن اور تعلیمی رحلتیں: وہ گھر سے قریب رہ کر بھی عربی تعلیم حاصل کر سکتے تھے، مگر اس خیال سے کہ کہیں گھر کے لوگ ملازمت پر مجبور نہ کریں، عربی تعلیم کے لئے گھر بار چھوڑ کر کانپور چلے گئے، اس زمانہ میں کانپور علم وعرفان کا مرکز بنا ہوا تھا، ہندو بیرون ہند کے تشنگان علوم نبویہ کانپور آتے اور اپنی علمی پیاس بجھاتے، جید عالم مولانا عثمان خان صاحب فتحپوری کانپور میں تدریسی فرائض انجام دے رہے تھے، چنانچہ کانپور میں چار سال قیام فرما کر مولانا عبدالستار صاحب کانپوریؒ اور مولانا محمد عثمان صاحب فتحپوریؒ سے ابتدائی عربی کی کتابیں پڑھ کر مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ لیا مگر تعلیم مکمل نہ کر سکے۔

جامعہ عربیہ احیاء العلوم میں داخلہ: اس کے بعد جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور میں داخلہ لیا، آپ نے وہاں حضرت مولانا شکراللہ صاحبؒ مہتمم مدرسہ اور حضرت مولانا محمد صدیق صاحب برئی پوریؒ صدر مدرس احیاء العلوم سے صحاح ستہ، شمس بازغہ، بیضاوی اور ھدایہ وغیرہ پڑھ کر سند فراغت حاصل کر لی، ان اساتذہ میں مولانا عبدالرحمن مبارکپوریؒ سے بھی آپ کو شرف تلمذ حاصل ہوا، جس کا ذکر خود مولانا عبدالرحمن صاحب محدث مبارکپوری نے ”تحفۃ الاحوذی“ میں فرمایا ہے۔

قصبہ جین پور اعظم گڈھ: حضرت مولانا نے جس وقت تعلیم سے فراغت پائی اس وقت ضلع اعظم گڈھ میں مدارس عربیہ بہت کم تھے، اس لئے گمراہی عام تھی، ادھر آریہ سماجی اپنی اسکیم میں بہت ہی سرگرم تھے، جین پور کے علاقہ کی حالت مزید خراب تھی، اس لئے مولانا نے شدید ضرورت سمجھ کر قصبہ جین پور میں

۱۳۴۵ھ میں مدرسہ عربیہ جامع العلوم کی بنیاد رکھی ،اور مدرسہ کی نظامت اور تدریس کی خدمت انجام دینے لگے، اس کے بعد مولانا کے استاذ حضرت مولانا صدیق احمد صاحب برئی پوریؒ کی تدریسی خدمات مدرسہ کو حاصل ہوئیں، طلبہ جوق در جوق آنے لگے، چنانچہ مولانا عبدالحکیم صاحبؒ ہدایہ اخیرین، مشکوٰۃ شریف جیسی کتابوں کی تدریسی خدمت انجام دینے لگے، چنانچہ آپ کے ارشد تلامذہ میں سے حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحبؒ بھی تھے، اسی مدرسہ میں برادری کے اکثر طلبہ بھی پڑھتے تھے، ہمارے پھوپھا حضرت مولانا قاری امین اظہر صاحبؒ اور ہمارے والد ماجد سلطان احمد صاحبؒ نے اسی مدرسہ میں تعلیم حاصل کی۔

دعوت وتبلیغ: مولانا مدرسہ میں درسی خدمات کے علاوہ اطراف میں دعوت وتبلیغ ، وعظ اور بیان کا فریضہ بھی انجام دیتے تھے، جس سے عوام کو بھی فائدہ ہوا، نیز برادری کی شادی بیاہ کی رسموں کی اصلاح کے لئے مولانا نے برادری کے سربرآوردہ لوگوں کے مشورے سے ایک کمیٹی بنائی ، اس میں مولانا نہایت سرگرمی سے حصہ لیتے ، اگرچہ بعد میں برادری کے لوگوں نے کمیٹی کی مخالفت کی ، مگر مولانا کی ثابت قدمی میں ذرہ برابر فرق نہیں آیا اور برابر اس سلسلے میں کام کرتے رہے۔

مولاناؒ کا زہد: مولانا پہلے سے زہد وتقویٰ میں ممتاز تھے، اور جب سے حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے بیعت ہوئے اس کے بعد سے آپ کی زندگی میں مزید زہد وتقویٰ آ گیا، برابر تسبیح وتہلیل اور تلاوت قرآن میں مصروف رہتے ، اکثر تہجد کی نماز میں قرآن شریف مکمل فرماتے ، درود شریف کی کثرت فرماتے ، ضرورت پر تعویذات بھی لکھتے تھے، جس سے لوگوں کو نفع ہوتا تھا۔

حج وزیارت کعبہ: ماشاءاللہ! آپ کو دومرتبہ حج کی سعادت نصیب ہوئی، پہلے سفر حج میں حضرت مرشدی مولانا محمد احمد صاحب پڑتاپگڈھیؒ کا ساتھ رہا لہذا جب بھی حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ جین پور کے علاقہ میں تشریف لاتے مولانا عبدالحکیم صاحبؒ سے ضرور ملاقات کے لئے جاتے، چنانچہ ایک سفر میں یہ حقیر بھی مولانا محمد احمد صاحبؒ کے ساتھ مدرسہ جامع العلوم میں حاضر ہوا تھا، اور اسی سفر میں موضع علی پور میں انسپکٹر عبدالجلیل صاحب کے بنگلے پر بہت سے علی پور کے حضرات ماشاءاللہ بیعت ہوئے۔

بمبئی میں خواجہ صاحب سے تعلق: حضرت مولانا بکار مدرسہ ہر سال بمبئی کا سفر کرتے تھے، بمبئی میں ایک خواجہ صاحب تھے، جنہوں نے بمبئی کے لوگوں کی بہت اصلاح فرمائی، ان کی خدمت میں مولانا حاضر ہوتے تھے، خواجہ صاحبؒ بھی ان سے بہت مانوس تھے اور دیر دیر تک ان سے گفتگو فرماتے تھے، انہیں خواجہ صاحب کی خدمت میں حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ بھی تشریف لیجاتے اور اپنے مجمل کلام کی تشریح کیلئے امر فرماتے تھے، اور حضرت جو تشریح فرماتے اس کو بہت پسند فرماتے تھے۔

جامعۃ البنات کا قیام: جس طرح مولانا عبدالحکیم صاحبؒ نے ۱۳۴۵ھ میں بچوں کی تعلیم وتربیت کے لئے مدرسہ جامع العلوم قائم فرمایا اسی طریقے سے بچیوں کی تعلیم وتربیت کے پیش نظر ان کے صاحبزادے مولانا شمس الدین صاحبؒ نے علمائے کرام اور اکابر امت سے مشورہ کر کے اپنے والد محترم مولانا عبدالحکیم صاحبؒ کی سرپرستی میں جامعۃ البنات کی بنیاد ۱۳۹۱ھ میں رکھی جو الحمدللہ تاہنوز جاری وساری ہے، اور دورۂ حدیث تک باقاعدہ تعلیم ہوتی ہے، خود مولانا نے کچھ دنوں بخاری شریف کا درس دیا، اب مولاناؒ کی نواسی تنویر فاطمہ

سلمہا بخاری شریف کا درس دے رہی ہیں جو مولانا شمس الدین صاحبؒ کے صاحبزادے مولانا محمد شاہد صاحبؒ قاسمی سے منسوب ہیں۔

ف: اپنی خوش نصیبی ہے کہ مولاناؒ کے پوتے اور مولانا شمس الدین صاحب کے دوسرے نمبر کے صاحبزادے مولوی محمد ساجد قاسمی سلمہ سے ہماری بڑی لڑکی مسعودہ خاتون سلمہا کا نکاح ہوا، جب اس رشتے کا ذکر حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمیؒ سے اس حقیر نے کیا تو فرمایا کہ بہت اچھا کیا کہ علمی گھرانہ میں رشتہ قائم کیا ہے، ماشاءاللہ اس رشتہ سے تین دختر، غزالہ، ریم، نوف اور تین فرزند محمد رافع، احمد، ایمن ہیں، اللہ تعالی ان سب کو علم وعمل اور صلاح وفلاح کی دولت سے مشرف فرمائیں۔آمین۔(مرتب)

مولانا کی وفات حسرت آیات: یکم رمضان ۱۳۹۹ھ کو مدرسہ کے چندہ کیلئے حسب معمول بمبئی تشریف لے گئے، مگر وہاں کچھ ہی دنوں کے بعد طبیعت ناساز رہنے لگی، آخر ۱۲؍شوال ۱۳۹۹ھ کو نائل اسپتال بمبئی میں بغرض علاج داخل کئے گئے، مولانا شمس الدین صاحب بغرض خدمت وعیادت بمبئی پہونچے جس سے مولانا بہت خوش ہوئے، مگر مدرسہ کی نگرانی کا خیال فرما کر مولانا شمس الدین صاحبؒ سے بار بار فرمایا کہ آپ مدرسہ چلے جائیں، چنانچہ مولانا بادل ناخواستہ والد کے اصرار سے مدرسہ چلے آئے، اس کے بعد ۴؍ذیقعدہ ۱۳۹۹ھ کو طبیعت زیادہ خراب ہوئی اور کوئی علاج کارگر ثابت نہ ہوا اور مولانا کی روح جسد عنصری سے پرواز کرگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ جنازہ کی نماز برادر مکرم مولانا قاری محمد مبین صاحبؒ نے پڑھائی، اور کرلا قصاب واڑے کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ تعالی۔ (ماخوذ از سوانح مرقومہ مولانا شمس الدین صاحب)

حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب فتح پوری مئویؒ المتوفی ۱۳۹۹ھ

ولادت: آپ کی ولادت غالباً ۱۳۱۹ھ مطابق ۱۹۰۱ء میں موضع فتح پور تال نرجا ضلع مئو میں ہوئی، آپ ہمارے والد محترم کے حقیقی ماموں تھے، بچپن ہی سے لہو ولعب سے نفور اور خرافات سے دور رہے۔

تعلیم و تعلم: حضرت مولانا محمد عثمان صاحب فتح پوریؒ کے خاص شاگرد تھے، آپ جید حافظ قرآن پاک تھے، اور کانپور کے مدرسہ اشرف العلوم سے دورۂ حدیث کی تکمیل فرمائی اور انتہائی شرف کی بات یہ ہے کہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے تنہا ان کی دستار بندی فرمائی۔

شروع سے پڑھنے پڑھانے میں مشغول رہے بلکہ بارہ بنکی کے کسی مدرسہ میں دورۂ حدیث تک کی کتابوں کا درس دیا۔ پھر عرصہ تک اپنی بستی کے مدرسہ انوار العلوم میں نہایت محنت سے حفظ قرآن پاک کی تعلیم دیتے رہے، غالباً آپ نے ہی اس مدرسہ کا قیام فرمایا تھا۔ جس کی وجہ سے برادری میں بہت سے لوگ حافظ قرآن ہو گئے۔ **فجزاهم الله احسن الجزاء۔**

اصلاح و تربیت: آپ کو شروع ہی سے اپنی اصلاح اور تزکیہ نفس کی فکر رہی جس کی بناء پر حضرت حکیم الامت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانویؒ سے اصلاحی تعلق قائم فرمایا۔ پھر آپ کی اجازت سے مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ سے تعلق قائم فرمایا۔ ذکر و شغل کے نہایت پابند تھے، تلاوت

کلام پاک کے علاوہ مناجات مقبول، دلائل الخیرات، حصن حصین کی تلاوت بھی آپ کے معمولات میں داخل تھی۔ نماز تہجّد کے بعد سے چاشت کی نماز تک اپنے اوراد ووظائف میں مشغول رہتے۔ آپ کی خاص صفت ضیافت تھی، کوئی بھی آجائے بغیر کچھ کھلائے پلائے واپس نہ ہونے دیتے تھے، اور معلوم ہوتا تھا کہ ان کو اپنے کھانے سے زیادہ دوسروں کے کھلانے میں لذّت مل رہی ہے۔

غرض آپ کو نسبت مع اللہ کے ساتھ ساتھ شفقت علی الخلق کی دولت بھی حاصل تھی جو تصوّف کی اصل اور درویشی وبزرگی کی روح ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے۔ آمین۔

وفات: طویل علالت کے بعد ۷/محرم ۱۳۹۹ھ بروز جمعہ مطابق ۸/دسمبر ۱۹۷۸ء میں اس دنیا سے دارآخرت کو رحلت فرمائی، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے اور درجات عالیہ سے نوازے۔ آمین۔ فتح پور تال نرجا ضلع مئو کے قبرستان میں مدفون ہوئے نور اللہ مرقدہ۔ اتفاق سے اس سال یہ حقیر سفر حج پہ تھا اس لئے جنازہ میں شرکت سے محروم رہا۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے۔

پسماندگان میں آپ نے بہت سے تلامذہ اور چار صاحبزادے چھوڑے ہیں صاحبزادوں کے اسماء بالترتیب یہ ہیں۔

قاری عبدالسلام صاحب، قاری ابصاراللہ صاحب، مکرم عبدالمنان صاحب، قاری ولی اللہ صاحب امام مسجد النور بمبئی۔ اور دو صاحبزادیاں چھوڑیں مگر اب یہ سبھی حضرات وفات پاچکے ہیں۔ رحمھم اللہ تعالیٰ۔

حضرت مولانا عبید الرحمٰن صاحب الہ آبادیؒ متوفی ۱۳۹۹ھ

نام ونسب مع ولادت: مولانا کا وطن بہکا نزد پورہ مفتی الہ آباد موجودہ ضلع کوشامبی تھا۔ ولادت غالباً ۱۹۰۰ء میں ہوئی۔ آپ حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ کے مشفق استاد تھے۔ آپ کے والد ماجد کا نام بھی مولانا صدیق احمد صاحب الہ آبادیؒ تھا، جو سید سراواں میں رہتے تھے۔

تعلیم: مولانا عبید الرحمٰن صاحبؒ کی تعلیم غیر رسمی طور پر اور بورڈ کے مدارس کے واسطے سے اور والد صاحبؒ سے ہوئی۔ نیز انہوں نے سرکاری اسکول میں ملازمت اختیار کر لی تھی اسی کے تحت ایک عرصہ تک شہر باندہ میں، اس کے بعد مرزاپور و پرتاپگڈھ میں رہے۔ ریٹائر ہونے کے بعد الہ آباد محلہ احمد گنج میں قیام رہا۔ اسٹیشن کے قریب عبداللہ مسجد میں واقع مدرسہ احیاء العلوم میں مدرس رہے۔

بیعت کا تعلق: آپ کے والد محترم کا بیعت کا تعلق مولانا فضل رحمٰن صاحبؒ سے تھا اور آپ کا تعلق حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ کے جانشین حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؒ سے تھا۔

ماشاءاللہ! آپ انتہائی متدین اور کتاب وسنت کے پابند تھے، اس لئے دوسرے سلسلے کے بزرگوں سے بھی ربط تھا۔ چنانچہ اخیر دور میں حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ سے خصوصی ربط رہا، اسلئے ان کے یہاں آنا جانا رہتا تھا۔ حقیر سے بھی ملاقات ہوتی رہتی تھی۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ میں مولانا عبد الکریم صاحب نقشبندیؒ سے بیعت ہوں، جی چاہتا ہے کہ حضرت مولانا وصی اللہ صاحبؒ سے بھی بیعت ہوجاؤں مگر چونکہ حضرت چشتی سلسلہ کے ہیں اسلئے یہ خیال ہوتا ہے کہ شاید شیخ اول مولانا عبدالکریم صاحبؒ کو ناگواری ہو۔ تو اس حقیر نے اس کا ذکر حضرت مصلح الامتؒ سے کیا تو آپ نے اس کے جواب کیلئے مولانا عبد الرحمٰن صاحب جامیؒ کو طلب فرمایا اور ایک کتاب غالباً ارشاد الطالبین کے ساتھ ہم دونوں کو مدرسہ احیاء العلوم (عبداللہ کی مسجد) بھیجا کہ یہ عبارت مولانا کو دکھلاؤ تا کہ ان کا اشکال دور ہو۔

نیز فرمایا کہ ان سے یہ کہنا کہ وہاں عالمِ بالا میں ایسی عصبیت نہیں ہے۔ اس کی وجہ سے ان حضرات کی روحوں کو مسرت ہوگی کہ ہمارے اس مرید کو اصلاح کی اتنی فکر ہے کہ دوسرے شیخ سے تعلق پیدا کیا (خواہ وہ کسی سلسلہ کا ہو)۔ چنانچہ مولاناؒ کو اطمینان ہوگیا، اور غالبًا آپؒ حضرت مصلح الامتؒ سے بیعت ہوگئے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بشارت: اب حضرت مصلح الامتؒ کی طرف سے ایک بشارت ملاحظہ فرمایں وہ یہ کہ:

ایک مرتبہ حضرت مرشدی مصلح الامتؒ نے اس حقیر سے فرمایا کہ مولانا عبید الرحمٰن صاحب سے کہو کہ میں آپ کو نسبت مع اللہ کے حصول کی بشارت دیتا ہوں۔ اور ہم لوگوں سے یہ بھی فرمایا کہ میں نے ان کو بازار میں اس طرح چلتے دیکھا کہ جس سے اندازہ ہوا کہ آپ تقویٰ اللہ سے آراستہ ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت مصلح الامتؒ کو متعلقین کی تربیت کا ہمہ وقت خیال رہتا تھا۔ اور خاص بات یہ ہے کہ حضرتؒ اپنے لوگوں کو بازار جانے سے منع

کرتے تھے۔مزید بدنظری کی قباحت پر برابر کلام فرماتے رہتے تھے۔

بس دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کی تعلیمات پر عمل کی توفیق مرحمت فرمائے۔اور نسبت مع اللہ کی نعمت سے سرفراز فرمائے، آمین۔

وفات: آپ نے تقریباً ۸۰ رسال عمر پائی اور ۱۳۹۹ھ مطابق ۱۹۷۹ء کو الہ آباد میں انتقال ہوا، انا للہ و انا الیہ راجعون۔ ہمت گنج کے قبرستان میں مدفون ہوئے، نور اللہ مرقدہ۔

اپنی سعادت: حضرت مولانا عبید الرحمٰن صاحبؒ اس حقیر سے خاص الفت ومحبت رکھتے تھے۔ ہمارا کام یعنی لکھنے پڑھنے کی مشغولیت کو دیکھ کر تحسینی کلمات فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ سب کام محض اللہ کی توفیق سے ہو رہا ہے۔

مکرم جمیل الدین صاحبؒ آپ سے خاص تعلق رکھتے تھے، اس بناء پر آپ کے صاحبزادے عزیزم بلال جمیل سلمہ آپ کی خدمت میں برابر جاتے تھے اور آپ کے سر پر تیل وغیرہ کی مالش بھی کرتے تھے جو ان کی سعادت کی علامت ہے۔

اب اس حقیر کے پاس آمد و رفت رکھتے ہیں اور خدمت بھی کرتے ہیں، **فجزاھم اللہ احسن الجزاء**۔ اور ان کے بھائی زبیر جمیل تو اس حقیر سے بیعت بھی ہیں اور بڑی محبت رکھتے ہیں۔اسلئے ان کو اس حقیر نے مجاز صحبت بھی بنادیا۔ دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اسکے حق کی ادائیگی کی توفیق دے اور قبول فرمائے۔آمین۔(مرتب)

حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ المتوفی ۱۳۹۹ھ

(ناظم مظاہر علوم سہارنپور)

نام ونسب وولادت: آپ کی ولادت ماہ شوال ۱۳۱۴ھ میں اپنے وطن مصطفےٰ آباد ریاست رام پور میں ہوئی، آپ ہندوستان کے مشہور عالم مفتی سعد اللہ مرادآبادیؒ کے خانوادے سے تعلق رکھتے تھے۔

آپ کا اسم گرامی ''محمد اسعد اللہ'' تھا۔آپ اپنا تخلص ''اسعد'' فرماتے تھے،بعض منظومات میں ''فضل'' بھی تخلص فرمایا ہے۔

بچپن: تہذیب وادب اور شرافت جیسی بلند صفات ابتدائے عمر ہی سے آپ میں نمایاں تھیں، پھر علم دین کی تحصیل اور حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی صحبت اوران کی نظر کیمیا اثر نے ان فطری صفات اور ذاتی خصوصیات کو مزید جلاء بخش کر پایۂ تکمیل کو پہونچا دیا۔ ؎

شد منور از جمالِ اشرفی شد مکمل از کمالِ اشرفی

(اسعد)

تعلیم: آپ نے خانگی تعلیم کے بعد رام پور کے کسی انگریزی اسکول میں داخلہ لیا، مگر کچھ ہی عرصہ کے بعد انگریزی تعلیم چھوڑ کر اپنے چچا مولانا مفتی فضل اللہ صاحب ؒ کے ہمراہ خانقاہ امدادیہ اشرفیہ چلے گئے اور وہاں کے مدرسہ امدادالعلوم میں دینی علوم کی تحصیل میں مشغول ہوگئے۔اور ابتدائی کتب سے لے کر متوسطات

تک کی تعلیم حاصل کی۔ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے چند اسباق کے علاوہ پوری مشکوۃ شریف اور ترجمہ قرآن کریم پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

مدرسہ مظاہر علوم میں داخلہ: ۲۲؍شوال ۱۳۳۳ھ کو خانقاہ تھانہ بھون سے جا کر مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ لیا اور ۱۳۳۴ھ میں دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی، اس کے بعد مزید دوسال رہ کر علوم وفنون کی تکمیل فرمائی، بلکہ سہارنپور میں ہی رہ کر خارجی اوقات میں انگریزی زبان میں مہارت حاصل کرلی اس لئے آپ اردو، فارسی، عربی کے علاوہ انگریزی بھی بلاتکلف لکھتے پڑھتے تھے۔

تدریس: ۱۳۳۷ھ میں مدرسہ مظاہر علوم میں معین مدرس مقرر ہوئے اور تدریسی سلسلہ شروع فرمایا۔

بیعت وخلافت: حضرت مولاناؒ جب ابتدائی تعلیم کے لئے خانقاہ تھانہ بھون کے مدرسہ امدادالعلوم میں تشریف لے گئے تو اسی دوران حضرت حکیم الامتؒ سے بیعت ہوگئے تاہم فراغت کے بعد بھی حضرت حکیم الامتؒ سے استفاضہ فرماتے رہے یہاں تک کہ مرشد کاملؒ نے غالباً ۱۳۵۱ھ میں بیعت کی اجازت اور خلافت کی خلعت سے مشرف فرمایا۔ **ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔**

ماشاءاللہ! آپ نے تعلیم وتدریس، تزکیۂ نفوس کی اہم خدمات انجام دیں، اور ماشاءاللہ تعالیٰ حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ اور مولانا مفتی مظفر حسین صاحب سہارنپوریؒ اور حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور جیسے خلفاء چھوڑے۔ مگر اس وقت یہ سارے حضرات وفات پاچکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کی مغفرت فرمائے، آمین۔

نظامت: حضرت مولانا حافظ عبداللطیفؒ کی وفات کے بعد ۱۳۷۳ھ میں آپ مدرسہ مظاہر علوم کے ناظم ہوئے اور اخیر تک اس منصب پر فائز رہے اور بحُسن وخوبی اس خدمت کوانجام دیا۔ **فللہ الحمد و المنۃ۔**

ملفوظات

مرقومہ حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ:

(۱) ہر کام کے چار اصول ہیں: ہر کام کے چار اصول ہیں، کام خواہ دنیوی ہو یا دینی: (۱) اخلاص وللّٰہیت (۲) حوصلہ وہمت (۳) صحیح محنت (۴) امانت ودیانت۔ جس کام میں یہ چاروں اصول ملحوظ رہیں گے اس میں کامیابی یقینی ہے اور جس کام میں یہ نہ ہوں گے یا ان میں سے بعض نہ ہوں گے اس میں کامیابی غیر یقینی بلکہ ناکامی کا سخت اندیشہ ہے۔

ف: یقینا یہ اُصول ایسے ہیں کہ ہر انسان کے لئے ان کا اختیار کرنا لازم ہے تاکہ کامیابی سے ہم کنار ہو مگر اب ہم لوگ کامیابی تو چاہتے ہیں مگر ان اُصولوں کو نہیں اپناتے۔ (مرتب)

(۲) شریعت ہر جگہ مقدم ہے: آپ اکثر یہ شعر پڑھتے تھے ۔

ہماری یہ نصیحت یاد رکھو کہ ہر شئی میں شریعت یاد رکھو

(۳) اپنی رائے پر اصرار واجبار کبر ہے: اپنی رائے کو دوسروں پر لادنا اور بزورِ کلام اپنی بات کو منوانا تکبر کی علامت ہے۔ حضرت حکیم محمد مصطفیٰ صاحب بجنوری رحمۃ اللہ علیہ جوفن طب کے امام تھے اگر کوئی معمولی درجہ کا طبیب بھی ان کی رائے سے اختلاف کرتا تو فرماتے، یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کی رائے درست ہو۔

(۴) آدمیوں کی چار اقسام ہیں: آدمی چار قسم کے ہوتے ہیں: (۱)اکمل (۲) کامل (۳)ناقص (۴) انقص۔

(۱) اکمل (کامل ترین) آدمی وہ ہے جو صاحب الرائے اور صائب الرائے ہو(یعنی رائے رکھتا ہواور درست رکھتا ہو)اور مشورہ بھی کرتا ہو۔

(۲) کامل وہ آدمی ہے جوصاحب الرائے اور صائب الرائے ہواور مشورہ نہ کرتا ہو یا دونوں میں سے ایک صفت ہو یعنی صاحب الرائے یا صائب الرائے ہولیکن مشورہ کرتا ہو۔

(۳)جوصاحب الرائے یا صائب الرائے ہو یعنی جس کو دونوں صفتوں میں سے صرف ایک صفت حاصل ہولیکن مشورہ نہ کرتا ہوایسا شخص ناقص ہے۔

(۴)جو نہ صاحب الرائے ہے نہ ہی صائب الرائے ہے یعنی دونوں صفتوں سے محروم ہےاور مشورہ بھی نہیں کرتا،تو ایسا شخص انقص یعنی ناقص ترین ہے۔

اس لئے ضروری ہے صاحب الرائے اور صائب الرائے ہونے کے ساتھ ساتھ معاملات وحادثات میں دوسروں سے بھی مشورہ کرلیا جائے تا کہ کامل ترین لوگوں میں شمار وشمولیت ہو سکے۔

ف: یہ بہت ہی مناسب رائے ہےاللہ عمل کی توفیق مرحمت فرمائے،آمین۔(مرتب)

(۵) چار چیزیں کم کردینا مفید ہے: حضرات صوفیۂ کرام سالکین ومتصوفین کو چار قلتوں (کمیوں) کا حکم دیتے تھےاور یہ قلتیں غیر سالکین کے لئے بھی مفید ہیں،لیکن اس زمانہ میں قوی کمزور ہیں اور صحتیں متاثر ومضمحل ہوگئیں، اس لئے دو قلتوں کا امر نہیں کیا جاتا۔

وہ چار قلتیں یہ ہیں : (۱) قلت الطعام (کم کھانا)(۲) قلت المنام (کم سونا)(۳) قلت الکلام (کم بولنا)(۴) قلت الاختلاط مع الانام (لوگوں سے میل جول کم رکھنا) اول الذکر دو قلتوں کو موقوف کر دیا گیا ہے کیونکہ اب ان کا تحمل[۱] نہیں ہوتا البتہ موخر الذکر دو قلتیں سب کے لئے خصوصاً طلبہ وسالکین کے لئے اب بھی بہت ضروری ہیں۔

(۶) عیادت، عبادت سے بہتر ہے: العیادۃ خیر من العبادۃ۔ بیمار کی عیادت بہتر ہے عبادت سے۔ عیادت میں نفع رسانی ہے اور عبادت میں نفع اندوزی ہے اور ظاہر ہے کہ اول افضل ہے لہذا "**العیادۃ خیر من العبادۃ**" لفظا ومعنیً وعددًا ورُتبۃً (یعنی عیادت عبادت سے لفظوں میں، معنی میں اور عدد میں اور مرتبہ میں) ہر طرح بڑھی ہوئی ہے۔ انتہیٰ۔

ف: ماشاء اللہ تعالی! حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب قدس سرہ نے کیسے نصیحت آمیز اور بصیرت افروز ملفوظات تحریر فرمائے جو ہم سب کو مستحضر رکھنے کے لائق ہیں، وباللہ التوفیق۔ (مرتب)

"حیات اَسعدؒ" سے دو ملفوظ

خدمت خلق: حضرت والاؒ خدمت خلق کو بہت ہی اہمیت دیتے تھے، اور فرماتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد گرامی **خَیرُ النَّاس مَنْ یَنْفَعُ النَّاس** (انسانوں میں سب سے بہتر وہ ہے جو انسانوں کو نفع پہنچائے) سے خدمتِ خلق ونفع رسانی کی عظمت واہمیت معلوم ہوتی ہے۔ خدمت خلق خود عبادت حق ہے اور اکثر عبادات سے بڑھ کر ہے۔ پھر جتنی اونچی خدمت ہوگی اور جس قدر نفع پہنچایا

---

[۱] مگر اس میں افراط اور اس کا انہماک بہر حال منع رہیگا۔ (مرتب)

جائے گا اتنی ہی فضیلت وخیریت کا حصول ہوگا مثلاً کسی کو ایک گلاس پانی پلا دیا جائے، یہ بھی خدمت ہے اور کسی کو جنت دلوادی جائے، یہ بھی خدمت ہے۔مگر دونوں میں اتنا ہی فرق ہے جتنا ایک گلاس پانی اور جنت میں فرق ہے۔

حضرت والاؒ کی الحمدللہ پوری زندگی عبادت، دین کی اشاعت اور خلقِ خدا کی خدمت میں گزری ہے۔آپ خدمتِ خلق کی ترغیب دیتے ہوئے اکثر یہ شعر پڑھتے تھے۔

طریقت بجز خدمتِ خلق نیست　　　بہ تسبیح و سجادہ ودلق نیست

ترجمہ: یعنی تصوف خدمتِ خلق کے سوا کچھ بھی نہیں۔تسبیح ومصلّے اور گدڑی کا نام طریقت نہیں ہے۔

اذیت رسانی سے پرہیز: اس کے مقابلہ میں خلق خدا کو تکلیف پہنچانا اور لوگوں کا دل دکھانا بدترین گناہ ہے۔فرماتے تھے کہ کسی کو اذیت نہ پہنچاؤ کہ اس سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں۔اس موقع پر فرماتے تھے۔

مباش درپئے آزار وہر چہ خواہی کن　　　کہ درشریعت ما غیر ازیں گناہے نیست

ترجمہ: کسی کو اذیت پہونچانے کا ارادہ بھی مت کرو اور جو چاہو کرو، کیونکہ ہماری شریعت میں اس کے علاوہ کوئی گناہ نہیں ہے اگر غور کیا جائے تو یہ بڑی جامع تعبیر ہے۔ کیونکہ اس سے معلوم ہوا کہ کسی کو تکلیف نہ پہونچاؤ، نہ خود کو اور نہ دوسروں کو اگر خود کسی گناہ کا ارتکاب یا کسی فرض وواجب کو ترک کیا تو اپنی روح کو تکلیف پہنچائی اور غضب خداوندی کا نشانہ بن کر دنیا وآخرت میں خود اپنے آپ کو اذیت پہنچائی، کیونکہ سزا کا مستحق ہوا۔

خصوصاً اللہ والوں کو اذیت پہنچانا بڑا خطرناک ہے، آپ اس پر خدام کو تنبیہ فرماتے تھے۔اور اس موقع پر یہ شعر پڑھتے تھے۔

بس تجربہ کردیم دریں دارِ مکافات   با دُردکشاں ہر کہ درافتاد برافتاد

ترجمہ: یعنی ہم نے اس دنیا میں بہت تجربہ کیا ہے کہ جو عاشقانِ حق سے الجھا وہ منہ کے بل گر پڑا۔

حضرت والا بڑی دلسوزی واہتمام کے ساتھ خدام تلامذہ کو یہ تاکید ونصیحت فرماتے تھے کہ کسی کو ایذا نہ دو، نہ تکلیف پہنچاؤ، ایسے مواقع پر مذکورہ بالا اشعار کے علاوہ یہ شعر بھی سناتے تھے۔ ؎

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد   کسے را باکسے کارے نباشد

ترجمہ: یعنی جنت وہ جگہ ہے جہاں پر کسی کو کسی سے تکلیف اور کسی کو کسی کی شکایت نہ ہو۔

اگر سب لوگ اس حقیقت پر عمل کرلیں تو یہ دنیا جنت نہیں تو جنت کا نمونہ ضرور بن جائیگی۔ (''حیاتِ اسعد'' مؤلفہ حضرت مولانا نسیم احمد صاحب غازی مظاہری ص:۵۵۰)

ف: ان دونوں ملفوظ سے خدمت خلق کی کتنی اہمیت وفضیلت اور اذیت خلق کی کتنی قباحت ومذمت معلوم ہوئی، مگر افسوس کہ اب ان باتوں کو دین ہی نہیں سمجھا جاتا، تو پھر عمل تک کیسے رسائی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ کسی قدر ذکر وشغل کے باوجود اکثر دین سے دور ہی رہتے ہیں اور اللہ تک رسائی نہیں ہوتی۔

کہ بقول شیخ العلماء حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ ''بغیر اصلاح اخلاق کے نسبت مع اللہ کی صلاحیت بھی پیدا نہیں ہوتی''۔ (مرتب)

شعر وسخن: ماشاء اللہ تعالیٰ! آپ کو شعر وسخن کا بھی نہایت پاکیزہ ذوق تھا جس پر آپ کے اشعار شاہد ہیں، ہم یہاں آپ کی مشہور نعت اور اس کے علاوہ دوسرے اشعار نقل کرنے کی سعادت حاصل کررہے ہیں۔

نعت پاک

مجھے کیا علم کیا تم ہو خدا جانے کہ کیا تم ہو
بس اتنا جانتا ہوں محترم بعد از خدا تم ہو

کسی کی آرزو کچھ ہو کسی کا مدّعا کچھ ہو
ہماری آرزو تم ہو ہمارا مدّعا تم ہو

نہ یہ قدرت زباں میں ہے نہ یہ طاقت بیاں میں ہے
خدا جانے تو جانے کوئی کیا جانے کہ کیا تم ہو

رسالت کو شرف ہے ذاتِ عالی کے تعلق سے
نبوت ناز کرتی ہے کہ ختم انبیاء تم ہو

کہاں ممکن تمہاری نعت حضرت! مختصر یہ ہے
دو عالم مل کے جو کچھ بھی کہیں اس سے سوا تم ہو

نہیں شرمندۂ اظہار، اوصافِ گرامی قدر
بتاؤں کیا کہ کیا تم ہو سناؤں کیا کہ کیا تم ہو

زمانہ جانتا ہے صاحب[1] لو لا لما تم ہو
جہاں کی ابتداء تم ہو جہاں کی انتہاء تم ہو

فصاحت کو تحیّر ہے بلاغت کو پریشانی
کہ لفظوں سے بہت بالا جنابِ مصطفیٰ تم ہو

---

[1] اس شعر میں حدیث شریف کی طرف اشارہ ہے لولاک لما خلقت الافلاک یعنی اگر آپ کی ذات بابرکات کو پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا ہوتو زمین وآسمان کو پیدا نہ کرتا (مرتب)

گنہگارانِ امت کا سہارا ذاتِ والا ہے
خوشا قسمت کہ حضرت! شافعِ روزِ جزا تم ہو

یہ ربطِ باہمی امت کو وجہ صد تفاخُر ہے
تمہارا ہے خدا محبوب، محبوبِ خدا تم ہو

تمہارے واسطے اسعدؔ کہیں بہتر ہے شاہی سے
کہ اِک ادنیٰ غلام بارگاہِ مصطفیٰ تم ہو

چند اشعار معرفت

؎

رشک کرتا ہے فلک ایسی زمیں پر اسعد
جس پہ دو چار گھڑی ذکرِ خدا ہوتا ہے

؎

وہ ذات ہے جناب رسالت مآب کی
ادراک کی حدود سے بالا کہیں جسے

؎

گروہِ رازدانِ نظمِ فطرت پر نہیں مخفی
یہ سب ہنگامۂ عالم ''خبر'' ہے ''مبتدا'' تم ہو

؎

آؤ بیٹھیں مرکزِ انوار کی باتیں کریں
نور برسائیں رُخِ دلدار کی باتیں کریں

؎
بہر کارے کہ ہمّت بستہ گردد
اگر خارے بوَد گلدستہ گردد

؎
شرمندگئ ذوق کو میرے نہ پوچھئے
ہم جس مکاں پہ پہونچے وہ اس کا مکاں نہ تھا

؎
وطن میں ہو نہیں سکتی ہے عزت باکمالوں کی
نہیں ہوتی ہے گوہر کی کبھی توقیر پانی میں

؎
عشق کی دشواریوں نے کردیا کامل مجھے
اب کوئی مشکل نظر آتی نہیں مشکل مجھے

وفات: آپ کی وفات ۱۵؍رجب المرجب ۱۳۹۹ھ مطابق ۱۱؍جون ۱۹۷۹ء میں ہوئی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور سہارنپور کے قبرستان میں مدفون ہوئے، نوراللہ مرقدہ۔

حضرت مولانا محمد کفایت اللہ صاحب ثانیؒ المتوفی ۱۳۹۹ھ

نام ونسب: آپ کی ولادت ۱۸۹۸ء میں شاہجہاں پور یوپی میں ہوئی۔ آپ کے والد کا نام نامی نجیب اللہ صاحب اور دادا کا نام الشاہ فیض اللہ صاحب ہے۔ دادا صاحب بہرائچ کے کسی بزرگ کے خلیفہ تھے۔

تعلیم: آپ نے جملہ علوم وفنون شہر شاہجہاں پور کے مشہور مدرسہ عین العلم میں وہاں کے جید اور ماہر اساتذہ کرام سے حاصل کی، اور وہیں سے سند فضیلت حاصل کی۔ آپ کے سب ہی اساتذہ قابل فخر اور صاحب صلاحیت تھے، لیکن دو اساتذہ جناب منشی سید سلطان حسن میاں صاحب برادر کلاں سید مفتی مہدی حسن صاحب صدر مفتی دارالعلوم دیوبند اور جامع منقول ومعقول مولانا مفتی عبدالغنی صاحب پٹیالوی شاہجہاں پوریؒ شاگرد رشید مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ صاحب دہلویؒ صدر جمعیۃ العلماء ہند سے نہایت گہرا تعلق تھا۔ اول الذکر سے فارسی اور ثانی سے درس نظامی اور حدیث پاک بخاری شریف، وغیرہ بیشتر کتابوں کی تعلیم حاصل کی۔ فراغت کے بعد شہر کے بڑے سوداگر خیر مجسم حاجی محمد سعید خاں صاحبؒ کے مدرسہ سعیدیہ جامع مسجد میں دینیات اور عربی کی تعلیم پر ۲۹/صفر ۱۳۴۰ھ نومبر ۱۹۲۱ء میں مختصر مشاہرہ پر مامور ہوئے اور تاوفات اسی مدرسہ سے منسلک رہے۔

تدریسی خدمات: ۱۲/ذیقعدہ ۱۳۴۹ھ کو سابق صدر مدرس کی جگہ خالی ہونے پر ناظم مدرسہ حافظ ذاکر علی صاحبؒ ایڈوکیٹ نے از خود اس عہدہ پر مقرر فرمایا تھا۔ ادب،

حدیث وتفسیر وفقہ اور جملہ علوم وفنون مروجہ کی نیک نامی کے ساتھ اس طرح تعلیم دیتے رہے کہ طلبہ وکارکنان مدرسہ خوش رہے۔ اس کے ساتھ فرائض نویسی اور فتاویٰ کا جو کام مدرسہ میں آتا اس کو پوری ذمہ داری کے ساتھ انتہائی خوش اسلوبی سے ادا کرتے۔

شروع سے طبیعت جویا تھی کہ پیرحق پرست کے ہاتھ پر بیعت کی جائے، ادھر حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے کمالات علمیہ اور عملیہ کا حال سن کر اور مواعظ وکتب کا مطالعہ کرکے خط وکتابت شروع کی اور آغاز ماہ رمضان ۱۳۴۰ھ میں خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں حاضری ہوئی اور ۱۸/رمضان کو بعد نماز ظہر مسجد خانقاہ امدادیہ میں ممبر مسجد کے پاس حضرت حکیم الامتؒ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور یہ سلسلہ اتنا آگے بڑھا کہ پھر حضرت حکیم الامتؒ نے خلافت کی نعمت عظمیٰ سے نوازا۔ شہر اور مضافات شہر میں جتنے بھی دینی کام ہوتے ان کی سرپرستی فرماتے، مکاتب ومدارس کا اجراء، سیرت پاک کے جلسے، درس قرآن کریم کی مجلسیں، مجلس دعوۃ الحق اور تبلیغی جماعت نیز احقاق حق اور فرق باطلہ کا رد احسن طریق پر اپنے دیگر رفقاء کے ساتھ انجام دیتے رہتے۔

خلف الرشید اولاد: آپ کی باقیات صالحات میں سے آپ کے فیض روحانی سے تربیت یافتہ بہت سے احباب کے علاوہ دو صاحبزادے مفتی محمد انعام اللہ صاحب صدر مفتی مدرسہ عالیہ امدادیہ مرادآباد خلیفہ حضرت مولانا ابرارالحق صاحب ہردوئیؒ اور دوسرے صاحبزادے مولانا محمد اکرام اللہ صاحب صدر مدرس مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع الہدیٰ مرادآباد، مجاز حضرت حکیم کلیم اللہ صاحب علیگڈھی ہیں۔ یہ دونوں نام حضرت تھانویؒ کے تجویز کردہ ہیں، مفتی انعام اللہ صاحب مدظلہ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ آپ کے سر پر ہاتھ رکھ کر حضرت تھانویؒ

نے برکت کی دعائیں دی ہیں۔ان اولاد ذکور کے علاوہ چار اولاد اناث بھی ہیں۔
آپ کے احفاد میں بھی الحمدللہ علمی وراثت تاہنوز جاری ہے۔

اجازت وخلافت از حضرت تھانویؒ: مفتی کفایت اللہ صاحبؒ صدر مدرس مدرسہ سعیدیہ جامع مسجد شاہجہاں پور کو جو خلافت نامہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بقلم خود تحریر فرمایا ہے اس کی اصل کاپی آج بھی صاحبزادگان کے پاس محفوظ ہے، ناظرین کی ضیافت طبع کے لئے اس کی نقل درج ذیل ہے۔اس ورقہ پر تاریخ وصول ۲۹ رمحرم الحرام ۱۳۵۴ھ مطابق ۳رمئی ۱۹۳۵ء یوم جمعہ، درج ہے۔حضرت تحریر فرماتے ہیں۔

''السلام علیکم۔اللہ تعالیٰ مولانا کی سعی کو قبول فرمائے اور کتاب کو نافع فرمائے۔ بے دیکھے نام رکھنا ہے مشکل مگر سوچ کر کچھ لکھ دون گا، نئی بات یہ ہے کہ کئی روز سے بے ساختہ قلب میں وارد ہورہا ہے کہ توکلاً علی اللہ ورجاء لنفع عباداللہ آپ کو بیعت وتلقین کی اجازت دیدوں اگر کوئی طالب حق اس کی درخواست کرے قبول کرلیں اور اپنے خاص احباب کو اس کی اطلاع کردیں، اللہ تعالیٰ برکت فرمائے۔ اشرف علی

۲۹ رمحرم الحرام ۱۳۵۴ھ ۳رمئی ۱۹۳۵ء یوم جمعہ

وفات: آپ کی وفات ۱۹۷۹ء میں مقام شاہجہاں پور میں ہوئی، اور وہیں کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔نوراللہ مرقدہ

تنبیہ: الحمدللہ! اولیائے کرام کے حالات وکمالات اور تعلیمات کا تذکرہ مکمل ہوا۔اب مشہور ولیات وعارفات کے تذکرے پیش کئے جاتے ہیں۔بنظر عبرت ونصیحت پڑھا جائے۔واللہ الموفق۔(مرتب)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔

قال تعالی: مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ (سورۃ النحل)

ولیات و عارفات کے تذکرے

ناظرین کرام! اقوال سلف کی پہلی جلد میں ازواج مطہراتؓ، بنات طاہراتؓ اور دیگر مشہور صحابیاتؓ اور جلد دوم میں مشہور تابعیات کے مختصر احوال واقوال درج کئے جاچکے ہیں۔ اب جلد دہم میں انبیائے کرام کی ازواج مطہرات مزکیات وامہات مکرماتؑ اور چند صحابیاتؓ وتابعیات کے علاوہ یعنی پہلی صدی ہجری سے لے کر ۱۴۱۴ھ تک کی بکثرت عالمات، محدثات، فقیہات، مرشدات اور واعظات کے تذکرے عبرت ونصیحت کیلئے پیش کئے جارہے ہیں۔

فاعتبروا یااولی الابصار۔

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین۔ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الامین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔ امابعد!

قال تعالی: مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِن ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ (سورۃ النحل)

جوشخص کوئی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ صاحب ایمان ہوتو ہم اس کو (دنیا میں تو) بالطف زندگی دیں گے اور (آخرت میں) ان کے اچھے کاموں کے عوض میں ان کا اجر دیں گے۔

حیوۃ طیبۃ سے یہ مراد نہیں کہ اس کو فقر یا مرض کبھی نہ ہوگا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اطاعت کی برکت سے اس کے قلب میں ایسا نور پیدا ہوگا جس سے وہ ہر حال میں شاکر وصابر اور رضا وتسلیم سے رہے گا اور اصل جمعیت کی یہی رضا ہے۔

(بیان القرآن جلد دوم)

حیوۃ طیبۃ کے متعلق علامہ قرطبی نے چند اقوال نقل کئے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس سے قناعت مراد ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے طاعت کی توفیق دینا مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا ذریعہ بنتی ہے اور تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے جنت مراد ہے، چوتھا قول یہ ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی

مغفرت مراد ہے، اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں مقعد صدق نصیب ہونا مراد ہے۔

(انوار البیان جلد پنجم)

ابن عطیہؒ نے فرمایا کہ مؤمنین صالحین کو حق تعالیٰ دنیا میں بھی وہ فرحت وانبساط اور پرلطف زندگی عطا فرماتے ہیں جو کسی حال میں متغیر نہیں ہوتی۔

(معارف القرآن)

آیت مذکورہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا اپنے ان بندوں سے حیات طیبہ یعنی پاکیزہ زندگی کا وعدہ ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان کامل رکھتے ہیں، اور کتاب وسنت پر مکمل عمل کی کوشش کرتے ہیں خواہ وہ مرد ہوں یا عورت۔ جس طرح ہر زمانے میں اللہ تعالیٰ کے مقربین وصالحین مردوں کی ایک جماعت رہتی ہے، اسی طرح ہر زمانے میں صالحات وعابدات عورتوں کا سلسلہ بھی جاری وساری ہے جن کا شمار اللہ تعالیٰ کی مقرب وبرگزیدہ عورتوں میں ہوتا ہے ان کی زندگی نسل نو کے لئے مثالی ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم اور اپنی رحمت واسعہ سے اپنے مقرب مرد اور عورت دونوں سے حیات طیبہ اور آخرت میں اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے، اگر ہم بھی ان کے جیسے اعمال واحوال اختیار کریں گے تو ہم بھی اس نعمت عظمیٰ یعنی حیات طیبہ سے نوازے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ (اور ان کے راستے کو اختیار کرو جو میری طرف متوجہ ہیں)۔

اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو ان صالح ذکور واناث کی اتباع کا حکم دیا جن

کے دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں اور وہ اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار ہوں۔

لہٰذا ضروری ہوا کہ جیسے مردوں کے اقوال زریں واحوال رفیعہ کے لکھنے کا سلسلہ جاری ہے ویسے ہی عورتوں کے اقوال حکمت وموعظت اور ان کے زہد وتقویٰ اور ان کے اصلاحی وتعلیمی واحسانی کارناموں کو ضبط تحریر میں لانے کا سلسلہ بھی جاری رہے۔ تاکہ ان کا مطالعہ حالیہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی خواتین کیلئے موجب عبرت ونصیحت ہو، جس سے اپنے اندر ان خواتین کے جیسے کمالات علمیہ وعملیہ کے حصول کا داعیہ وجذبہ موجزن ہو۔ جس سے وہ عرفانی واحسانی نعمتوں سے بہرور ہوجائیں۔ **وما ذٰلک علی اللہ بعزیز۔**

اب ہم حضرت قاضی اطہر صاحب مبارکپوریؒ کی تصنیف لطیف ’’خواتین اسلام کی دینی وعلمی خدمات‘‘ کی ابتدائی چند سطور نقل کرتے ہیں، بغور مطالعہ فرمائیں۔ نہایت بصیرت افروز پائیں گے۔

’’علم دین کا حصول ہر مسلمان مرد، عورت پر فرض ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: **طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ** البتہ اس میں عورتوں کی صنفی حیثیت کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود حضرات صحابیات کو دین کی تعلیم انکی حیثیت کے مطابق دی ہے، اور اس کی تاکید فرمائی ہے۔

عہد رسالت میں خواتین اسلام کی تعلیم: عہد رسالت میں عورتوں کی دینی تعلیم کا باقاعدہ انتظام تھا، وہ مردوں کی طرح درسگاہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر نہیں ہوتی تھیں، مگر مختلف طریقوں سے تعلیم حاصل کرتی تھیں، قرآن کی تعلیم خاص طور سے صحابہؓ اپنے گھروں میں عورتوں اور بچوں کو دیا کرتے تھے، ایک

مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علم دین کے اُٹھ جانے کی بات کی تو ایک صحابی حضرت زیاد بن لبید انصاریؓ نے عرض کیا:

كيف يختلس منّا وقد قرأنا القرآن فوالله لنقرأ نّه ولنقرأنّه نساءنا و ابناءنا۔	ترجمہ: علم دین کیسے ختم ہوجائے گا؟ جبکہ ہم نے قرآن پڑھا ہے، خدا کی قسم اس کو ہم پڑھتے رہیں گے اور اپنی عورتوں اور اپنے بچوں کو پڑھاتے رہیں گے۔

(ترمذی، ابواب العلم: ج:۲ص:۹۴)

صحابیات کے خصوصی اجتماع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے جا کر تعلیم وتلقین اور وعظ ونصیحت فرمایا کرتے تھے۔

محمد قمر الزمان الہ آبادی

۲۵ رشوال المکرم ۱۴۴۱ھ

تذکرۂ صالحات کا مقصد

مجھے اس وقت بہت خوشی ہوئی جب کہ ''ترجمہ احیاء العلوم الدین'' کا مطالعہ کررہا تھا اس میں یہ عنوان ''نیک سیرت عورتوں کا ذکر'' کو دیکھا تو بہت پسند بلکہ اثر ہوا تو خیال ہوا کہ اس مبارک عنوان کے تحت حجۃ الاسلام ابوحامد محمد الغزالیؒ نے جو لکھا ہے اس کے معتد بہ حصہ کو نقل کروں۔ لہذا وہ پیش خدمت ہے اس کا مطالعہ کریں۔

سلف صالحین کا معمول
از احیاء العلوم الدین

نفس کے ساتھ شرط لگانے اور اس کا مراقبہ کرانے میں سلف صالحین کا یہ معمول تھا: اگر تیرا نفس سرکش ہوجائے اور عبادت پر مواظبت کے لئے تیار نہ ہوتو ان بزرگوں کے احوال کا مطالعہ کر جو تقریباً ناپید ہوگئے ہیں۔ اگر خوش بختی سے تجھے کوئی ایسا شخص مل جائے جو ان بزرگوں کی اتباع کرتا ہو تو اسے غنیمت جان۔ اس کا دیکھنا اقتداء کے لئے محرک کا کام دیتا ہے اور نفس کو راغب کرنے میں بیش بہا کردار ادا کرتا ہے۔ ہاں اگر تم کسی ایسے شخص کو نہ دیکھ سکو تو ان کے حالات کے مطالعے اور سماع سے غفلت مت کرو۔ مثل مشہور ہے کہ اگر اونٹ نہ ہو تو بکری بہتر ہے۔

بہرحال اپنے نفس کو اختیار دو کہ وہ عقلمندوں اور دانشوروں اور دینی بصیرت رکھنے والے کی اقتداء کرے، لیکن اس پر ہرگز راضی مت ہو کہ تم ان

احمقوں کی فہرست میں شامل ہوجاؤ اور بےوقوفوں سے مشابہت اختیار کرلو، ہاں اگر تمہارا نفس یہ کہے کہ ان لوگوں کی اقتداء نہایت دشوار ہے کیونکہ وہ مجاہدے کی زبردست قوت سے مالامال تھے تو ان عورتوں کے احوال کا مطالعہ کرو جو عبادات میں مجاہدہ کرتی تھیں اور نفس سے کہو کہ کیا تجھے اس بات سے شرم نہیں آتی کہ تیرا درجہ عورتوں سے بھی کم ہو۔ وہ مرد انتہائی ذلیل ہے جو دین یا دنیا کے معاملات میں کسی عورت سے کمتر ہو۔

نیک سیر عورتوں کا ذکر

لہذا ہم احیاء العلوم الدین سے کچھ عابدہ وزاہدہ عورتوں کے حالات بیان کرتے ہیں۔

حبیبہ عدویہ سے مروی ہے کہ جب وہ عشاء کی نماز پڑھ لیتی تھیں تو اپنے مکان کی چھت پر پہنچ جایا کرتی تھیں اور اپنے جسم کے اردگرد کرتا اور دوپٹہ کس کر کہتی تھیں، اے اللہ ستارے نکل آئے ہیں، آنکھیں نیند سے بوجھل ہوگئی ہیں، بادشاہوں نے اپنے دروازے بند کرلئے ہیں، عاشق اپنے معشوق کے ساتھ خلوت میں چلا گیا اور میں تیری بارگاہ میں حاضر ہوگئی ہوں۔ پھر وہ اپنی نماز میں مشغول ہوجاتیں۔ جب فجر کا وقت ہوجاتا تو کہتیں۔ اے اللہ! یہ رات رخصت ہوگئی ہے اور دن نکل آیا ہے، مجھے نہیں معلوم کہ میری یہ رات تو نے قبول کی ہے یا نہیں؟ اگر قبول کرلی ہے تو میں اپنے آپ کو مبارکبا ددوں ورنہ تعزیت کروں، تیری عزت کی قسم یہ میرا معمول رہے گا جب تک تو مجھے زندہ رکھے گا۔ اگر تو نے مجھے اپنے در سے جھڑک دیا تب بھی میں تیرا در نہ چھوڑوں گی اس لئے کہ میرا دل

تیرے جودو کرم کے انوار سے روشن ہے۔

ف: سبحان اللہ! کیسی معرفت وعبدیت کی باتیں ہیں جو مردوں کے لئے بھی نقش قلوب کئے جانے کے لائق ہیں۔ واللہ الموفق (مرتب)

عجرہ کے بارے میں روایت ہے کہ وہ رات بھر عبادت کرتی تھیں حالانکہ آنکھوں سے معذور تھیں مگر جب سحر کا وقت ہوتا تو اونچی اور غمگین آواز میں کہتیں، عابدوں نے تجھ تک پہنچنے ہی کے لئے رات کی مسافت طے کی۔ وہ تیری رحمت اور فضل ومغفرت کی طرف سبقت کرتے ہیں، اے اللہ! میں تجھ ہی سے مانگتی ہوں تیرے غیر سے نہیں مانگتی کہ مجھے سبقت کرنے والوں میں سرفہرست فرما اور مجھے علیین میں مقربین کا درجہ عطا فرما اور مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل فرما، تو انتہائی رحم اور کرم والا ہے، تو تمام بڑوں سے بڑا ہے اور تمام بلندیوں سے بلند ہے۔ یہ دعا مانگ کر وہ سجدے میں گر جاتیں۔ یہاں تک کہ ان کے سجدے میں گرنے کی آواز آس پاس میں سنی جاتی۔ پھر وہ سجدے ہی میں صبح کی نماز تک دعائیں مانگتی رہتیں اور روتی رہتیں۔

یحییٰ بن بسطام کہتے ہیں کہ میں شعوانہ کی مجلس میں حاضر ہوتا تھا اور دیکھتا تھا کہ وہ کس قدر روتی ہیں اور کس شدت سے گریہ وزاری کرتی ہیں۔ ایک دن میں نے اپنے ایک ساتھی سے کہا کہ کسی دن تنہائی میں ملاقات کر کے ہم ان سے کہیں گے کہ وہ اپنے نفس کے ساتھ تھوڑی نرمی کا معاملہ کریں، ساتھی نے میری اس تجویز سے اتفاق کیا، چنانچہ ایک موقع کی تلاش کر کے ہم لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ کیا اچھا ہوا اگر آپ نفس کے ساتھ نرمی برتیں اور

اس گریہ وزاری میں کچھ کمی کریں، کیونکہ آپ چاہتی ہیں اس نرمی سے اس پر بڑی مدد ملے گی۔ یہ بات سن کر وہ رونے لگیں اور کہنے لگیں بخدا میں اس قدر رونا چاہتی ہوں کہ میرے آنسو خشک ہوجائیں۔ پھر خون کے آنسو روؤں، یہاں تک کہ میرے جسم سے خون کا ایک ایک قطرہ آنسو بن کر آنکھ سے بہہ جائے، لیکن میں کہاں روتی ہوں۔ مجھے رونا کب نصیب ہوتا ہے؟ یہ جملے انھوں نے کئی مرتبہ کہے اور بے ہوش ہوگئیں۔

محمد ابن معاذؒ کہتے ہیں کہ مجھ سے ایک عبادت گذار خاتون نے بیان کیا کہ میں نے خواب دیکھا گویا مجھے جنت میں داخل کیا گیا ہے۔ تمام اہل جنت اپنے اپنے دروازوں پر کھڑے ہیں۔ میں نے کہا جنت والوں کو کیا ہو گیا یہ دروازوں میں کیوں کھڑے ہوئے ہیں، کسی کہنے والے نے کہا کہ جنت والے اس عورت کو دیکھنے کے لئے اپنے محلوں سے باہر نکل آئے ہیں جس کے لئے جنتیں سجائی گئی ہیں۔ میں نے کہا کہ وہ کون عورت ہے جس کا زبردست اعزاز منظور ہے۔ جواب دیا گیا کہ وہ ایکہ کی ایک سیاہ فام باندی ہے جسے شعوانہ کہتے ہیں، میں نے کہا واللہ وہ تو میری بہن ہے۔ میں ابھی یہ گفتگو کر ہی رہی تھی کہ وہ ایک اونٹنی پر سوار ہوکر ہوا کے دوش پر اڑتی ہوئی آئی۔ میں نے اس سے کہا کہ اے بہن شعوانہ میرے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ وہ مجھے تیرے ساتھ ملا دے۔ اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا کہ ابھی تیرے یہاں آنے کا وقت نہیں آیا۔ البتہ میری دو باتیں یاد رکھ، ایک تو یہ کہ دل کو ہمیشہ غمزدہ رکھنا اور دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کو اپنی خواہش نفس پر مقدم رکھنا۔ پھر ان شاء اللہ تجھے کوئی نقصان

نہیں ہوگا، خواہ کسی بھی وقت تیری موت آئے۔

ف: سبحان اللہ! کیسی عمدہ نصیحت فرمائی۔ (مرتب)

ذوالنون مصریؒ کہتے ہیں کہ میں ایک روز وادئ کنعان سے اوپر کی طرف چلا۔ جب میں اوپر پہنچا تو دیکھا کہ سامنے کی جانب سے ایک سیاہ چیز چلی آرہی ہے اور یہ کہہ رہی ہے اور رو رہی ہے:

وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ۔ (الزمر: ۴۷) اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو وہ معاملہ پیش آوے گا جن کا ان کو گمان بھی نہ تھا۔

جب وہ تاریک چیز میرے قریب آئی تو میں نے دیکھا کہ وہ عورت ہے جس کے بدن پر اونی جبہ ہے اور ہاتھ میں ڈولچی ہے۔ اس نے مجھے دیکھ کر پوچھا تو کون ہے جو مجھ سے ڈر نہیں رہا ہے۔ میں نے کہا میں ایک اجنبی مسافر ہوں۔ وہ عورت کہنے لگی اللہ کے ہوتے ہوئے غربت اور سفر کے کیا معنیٰ؟ میں اس کی یہ بات سن کر رونے لگا۔ اس نے کہا تو کیوں روتا ہے میں نے جواب دیا کہ میرے زخم میں تکلیف تھی۔ تیری باتوں سے اس پر مرہم رکھ دیا اس لئے روتا ہوں۔ اس نے کہا اگر تو سچا ہے تو کیوں روتا ہے۔ میں نے کہا کیا سچے رویا نہیں کرتے؟ وہ کہنے لگی نہیں۔ میں نے پوچھا کیوں؟ اس نے جواب دیا اس لئے کہ رونا دل کی راحت میں ہوتا ہے۔ میں اس کی یہ بات سن کر تعجب میں رہ گیا۔

احمد ابن علی کہتے ہیں کہ ہم نے عفیرہ کے پاس حاضری کی اجازت چاہی مگر انھوں نے اجازت نہ دی۔ لیکن ہم دروازے ہی پر ٹھہرے رہے۔ وہاں سے نہیں ہلے۔ مجبوراً وہ دروازہ کھولنے کے لئے اٹھیں اور یہ کہتے ہوئے دروازہ

کھولا کہ اے اللہ! میں ان لوگوں سے تیری پناہ چاہتی ہوں جو تیرے ذکر میں رکاوٹ بنیں۔ہم نے ان کے حجرے میں پہنچ کر عرض کیا کہ ہمارے لئے دعا فرمایئے۔انھوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ میرے گھر میں تمہاری ضیافت اس طرح کرے کہ تمہاری مغفرت فرمائے۔ پھر وہ ہم سے کہنے لگیں کہ عطاء السلمی نے چالیس برس تک آسمان کی طرف نظر نہیں اٹھائی۔ایک مرتبہ آنکھ نے خیانت کی اور آسمان کی طرف دیکھ لیا تو شرمندگی کے باعث بے ہوش ہوکر گر پڑے اور پیٹ کا کوئی عضو خوف سے پھٹ گیا۔کاش عفیرہ سر نہ اٹھائے، کاش اگر وہ کوئی نافرمانی کرے تو دوبارہ نہ کرے۔

ف: سبحان اللہ! کیسا خوف وخشیت کا مبارک حال تھا جو قابل عبرت ونصیحت ہے۔(مرتب)

ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں ایک دن بازار کی طرف گیا۔میرے ساتھ ایک حبشی باندی بھی تھی میں نے اسے بازار کے ایک گوشے میں ٹھہرنے کے لئے کہا اور اپنی ضرورت پوری کرنے چلا گیا جب میں واپس پہنچا تو وہ اپنی جگہ موجود نہ تھی ۔ میں گھر واپس آ گیا اس وقت مجھے شدید غصہ تھا۔ باندی نے میرے چہرے سے اندازہ کرلیا کہ میں سخت غصے میں ہوں۔وہ کہنے لگی آقائے محترم! سزا دینے میں جلدی نہ کیجئے۔جس جگہ آپ نے مجھے انتظار کرنے کے لئے کہا تھا، وہاں کوئی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا نہ تھا اس لئے مجھے ڈر ہوا کہ کہیں وہ جگہ زمین کے اندر نہ دھنس جائے اس لئے میں اس ڈر سے چلی آئی۔راوی کہتے ہیں کہ مجھے اس کی یہ گفتگو سن کر تعجب ہوا اور میں نے اس سے کہا کہ آج سے

تو آزاد ہے۔ اس نے کہا یہ آپ نے برا کیا میں آپ کی خدمت کیا کرتی تھی تو مجھے دوہرا اجر ملتا تھا اب میں ایک اجر سے محروم ہوگئی۔

ف: سبحان اللہ! کیسی معرفت کی بات فرمائی۔ (مرتب)

معاذ عدویہ دن نکلنے پر کہتیں یہی وہ دن ہے جس میں مجھے مرنا ہے، پھر وہ شام تک کچھ نہ کھاتیں یہاں تک کہ رات آجاتی۔ وہ رات کے متعلق بھی یہی کہتیں کہ مجھے آج رات مرنا ہے۔ یہ کہہ کر نماز شروع کر دیتیں اور صبح تک پڑھتی رہتیں۔

ف: سبحان اللہ! کیسا حال تھا، اللہ تعالیٰ ہمیں اس کا کوئی حصہ نصیب فرمائے۔ آمین (مرتب)

ابوسلیمان دارانی کہتے ہیں کہ میں نے ایک رات حضرت رابعہ عدویہ کے یہاں گذاری ۔ رات شروع ہوتے ہی وہ اپنی عبادت گاہ میں جا کر کھڑی ہوگئیں۔ میں بھی ایک گوشے میں جا کھڑا ہوا۔ وہ صبح تک نماز میں مصروف رہیں۔ میں نے صبح کو ان سے کہا کہ اس ذات گرامی کا شکریہ کس طرح ادا کیا جائے جس نے ہمیں آج کی رات قیام پر قوت بخشی ہے۔ انھوں نے فرمایا اس کا شکریہ اس طرح ہوگا کہ ہم کل صبح کو اس کی خاطر روزہ رکھیں گے۔

شعوانہ اپنی دعا میں یوں کہا کرتی تھیں، اے اللہ! مجھے تیری ملاقات کا کتنا شوق ہے اور تیری جزاء پانے کی کس قدر امید ہے تیری ذات کریم سے امید کرنے والوں کی امیدیں مایوسی سے نہیں بدلیں اور نہ مشتاقین کا شوق ضائع ہوتا ہے۔ اے اللہ! اگر میری موت کا وقت آچکا ہے اور میرے کسی عمل نے مجھے تجھ سے قریب نہ کیا ہو تو میں اپنے گناہوں کا اعتراف کرتی ہوں۔ اگر تو مجھے معاف

کردے گا تو اس سلسلے میں تجھ سے بہتر کون ہے اور اگر مجھے عذاب دے گا تو تجھ سے زیادہ عادل کون ہے۔ اے اللہ! میں نے اپنے نفس کے لئے نظر کی جسارت کی۔ اب تیرے حسن نظر کی امید ہے۔ اگر تو نے اس پر نظر کرم نہیں فرمائی تو یہ تباہ وبرباد ہوجائے گی۔ اے اللہ! تو نے تمام زندگی مجھ پر احسانات فرمائے ہیں مرنے کے بعد بھی مجھ پر اپنے احسانات کا سلسلہ منقطع نہ کرنا۔ جس ذات نے زندگی میں مجھے اپنے کرم واحسان کا مستحق سمجھا اسی ذات سے مجھے یہ امید ہے کہ وہ موت کے بعد بھی مجھ پر بخشش کا دروازہ کھولے گا۔ اے اللہ! جب تو زندگی میں میرا ذمہ دار رہا تو مرنے کے بعد میں کیسے تیری نظر کرم سے مایوس ہوں گی، اے اللہ! ایک طرف مجھے میرے گناہ ڈراتے ہیں دوسری طرف جو محبت تجھ سے ہے اس سے دل مطمئن ہوتا ہے۔ میرے معاملے پر اپنی شان کے مطابق نظر کرنا اور اس شخص کو بھی اپنے فضل واحسان سے محروم نہ کر جو جہالت کے نشے میں مدہوش ہے۔ اے اللہ اگر تو میری رسوائی چاہتا ہے تو مجھے ہدایت کیوں دیتا اور اگر میری ذلت چاہتا تو میرے گناہوں کی پردہ پوشی کیوں کرتا؟ اے اللہ! جس سبب سے تو نے مجھے ہدایت دی ہے اسے باقی رکھ اور جس سبب سے تو میری پردہ پوشی کرتا ہے اسے دائم رکھ۔ اے اللہ! میں نہیں سمجھتی کہ جس مقصد کے لئے میں نے عمر لگائی ہے اسے تو نامنظور کردے گا۔ اگر میں نے گناہ نہ کئے ہوتے تو مجھے تیرے عذاب کا خوف نہ ہوتا اور اگر مجھے تیرے کرم کا علم نہ ہوتا تو میں تیرے اجر وثواب کی امیدوار نہ ہوتی۔

حضرت خواصؒ فرماتے ہیں کہ ہم رحلہ عابدہ کے یہاں گئے۔ انھوں نے

اتنے روزے رکھے تھے کہ سیاہ پڑگئی تھیں اور اس قدر آنسو بہائے تھے کہ آنکھوں سے محروم ہوگئی تھیں اوراس قدر نمازیں پڑھی تھیں کہ چلنے پھرنے سے معذور ہوگئی تھیں۔جس وقت ہم لوگ ان کے پاس پہنچے وہ بیٹھی ہوئی نماز پڑھ رہی تھیں۔ہم نے انہیں سلام کیا اور اللہ تعالیٰ کے عفووکرم اور فضل واحسان پر کچھ گفتگو کی تا کہ وہ اپنے نفس پر قدرے نرمی کریں۔ہماری بات سن کر انھوں نے ایک چیخ ماری اور کہنے لگیں کہ میں اپنے نفس سے زیادہ واقف ہوں۔اس لئے میرا دل زخمی ہے اور کلیجہ چھلنی ہے۔سوچتی ہوں کاش اللہ تعالیٰ مجھے پیدا نہ فرماتا اور میں کوئی قابل ذکر نہ ہوتی پھر وہ نماز پڑھنے لگیں۔

ف: اس کے بعد حجۃ الاسلام حضرت ابوحامد محمد الغزالیؒ یوں نصیحت فرمارہے ہیں بغور پڑھو۔(مرتب)

اگر تم نفس کے ساتھ شرط لگانے والوں میں سے ہو اور مراقبہ کرنے والوں سے تعلق رکھتے ہو تو تمہیں ان بزرگ مردوں اور عورتوں کے حالات زندگی کا مطالعہ کرنا چاہیے تا کہ تمہیں عمل پر نشاط حاصل ہو اور اور عبادت کی حرص پیدا ہو، تمہیں اپنے زمانے کے لوگوں کی طرف نہ دیکھنا چاہئے اس لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

”وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ“ (الانعام:۱۱۶)

اور دنیا میں اکثر لوگ ایسے ہیں کہ اگر آپ ان کا کہنا ماننے لگیں تو وہ آپ کو اللہ کی راہ سے بے راہ کر دیں۔

سنو! مجاہدہ وریاضت کرنے والوں کے واقعات اتنے زیادہ ہیں کہ ان کا

احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔ ان صفحات میں ہم نے جو کچھ ذکر کردیا ہے وہی عبرت پکڑنے والوں کے لئے بہت کافی ہے۔

(ترجمہ احیاء العلوم الدین، مترجم مولانا ندیم الواجدی زیدمجدہم: ج/۴ ص/۵۹۷)

ف: اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان واقعات سے عبرت ونصیحت حاصل کرنے کی توفیق دے۔آمین (مرتب)

تنبیہ: اب ہم حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کی شہرۂ آفاق کتاب بہشتی زیور سے انبیاء کرام کی ازواج وامہات کے تذکرے نقل کریں گے، اس کے بعد حضرت مولانا ابوطالب ہاشمی کی کتاب ''تذکار صحابیات'' اور ''تاریخ اسلام کی چارسو باکمال خواتین'' اور قاضی اطہر صاحب مبارکپوریؒ کی کتاب ''خواتین اسلام کی دینی وعلمی خدمات'' سے بکثرت عارفات اور ولیات خواتین کے حالات وکمالات اختصار کے ساتھ نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان سے عبرت ونصیحت حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

امہات وازواج انبیائے کرام علیہم السلام

ظاہر ہے کہ ان حضرات کا کیا مقام ومرتبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہوگا۔جن کو انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی صرف صحبت ہی نہیں بلکہ والدہ یا زوجہ ہونے کا شرف حاصل تھا۔ذٰلک فضل اللہ یو تیہ من یشاء۔(مرتب)

حضرت حوّاعلیہا السلام

تعارف: یہ حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیوی اور تمام دنیا کے آدمیوں کی ماں ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی کامل قدرت سے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بائیں پسلی سے پیدا کیا اور پھران کے ساتھ نکاح کردیا، اور جنت میں رہنے کو جگہ دی۔اور وہاں ایک درخت تھا، اس کے کھانے کو منع کردیا۔انہوں نے غلطی سے شیطان کے بہکانے میں آکر اس درخت سے کھالیا۔اس پر اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ جنت سے دنیا میں جاؤ۔دنیا میں آکر اپنی خطا پر بہت روئیں۔اللہ تعالیٰ نے ان کی خطا کو معاف کردی۔

فائدہ: بیبیو! دیکھو حضرت حوا علیہا السلام نے اپنی خطا پر توبہ کرلی۔بعض عورتیں اپنے قصور کو چھپاتی ہیں اور ایسی تو بہت ہیں جو گناہ کررہی ہیں ساری عمر کرتی رہتی ہیں۔اس کو چھوڑتی نہیں، خاص کر غیبت اور رسموں کی پابندی۔ بیبیو! اس خصلت کو چھوڑدو، جو خطا وقصور ہوجاوے اسکو فوراً چھوڑ کر توبہ کرلیا کرو۔

حضرت سارہ علیہا السلام

تعارف: یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی اور حضرت اسحاق علیہ السلام کی ماں ہیں، ان کا فرشتوں سے بولنا اور فرشتوں کا ان سے یہ کہنا کہ تم سارے گھر والوں پر خدا کی رحمت اور برکت ہے، قرآن میں مذکور ہے۔

قبولیتِ دعا کا واقعہ: ان کی پارسائی اور ان کی دعا قبول ہونے کا ایک قصہ حدیث میں آیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام ہجرت کر کے شام کو چلے یہ بھی سفر میں ساتھ تھیں، راستے میں کسی ظالم بادشاہ کی بستی آئی، اس کمبخت سے کسی نے جا کر بتایا کہ تیری عملداری میں ایک بیوی بڑی خوبصورت آئی ہے۔ اس نے حضرت ابراہیمؑ کو بلا کر پوچھا کہ تمھارے ہمراہ کون عورت ہے؟ آپؑ نے فرمایا کہ یہ میری دین کی بہن ہے، بیوی اس لئے نہیں فرمایا کہ وہ ان کو خاوند سمجھ کر مار ڈالتا، جب وہاں سے لوٹ کر آئے تو حضرت سارہ سے کہا کہ دیکھو میری بات جھوٹی مت کر دینا اور ویسے تم دین میں میری بہن ہی ہو۔ پھر اس نے حضرت سارہ کو پکڑ والیا۔

جب ان کو معلوم ہوا کہ اس کی نیت بری ہے انھوں نے وضو کر کے نماز پڑھی اور دعا کی کہ: اے اللہ! اگر میں تیرے پیغمبر پر ایمان رکھنے والی اور ہمیشہ اپنی آبرو بچانے والی ہوں تو اس کافر کا مجھ پہ قابو نہ چلنے دیجئے، بس اسکا حال یہ ہوا کہ ہاتھ پاؤں ادھر اُدھر مارنے لگا۔ پھر تو خوشامد کرنے لگا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ

سے دعا کرو میں اچھا ہو جاؤں، میں پختہ عہد کرتا ہوں کہ کچھ نہ کہوں گا ان کو بھی خیال آیا کہ اگر مر جائے گا تو لوگ کہیں گے کہ اسی عورت نے مار ڈالا ہو گا۔ غرض اس کے اچھا ہونے کی دعا کر دی، فوراً اچھا ہو گیا۔ اس نے پھر شرارت کا ارادہ کیا آپ نے پھر بددعا کی اس نے پھر منت سماجت کی، آپ نے پھر دعا کر دی۔ غرض تین بار ایسا ہی قصہ ہوا، آخر جھلا کر کہنے لگا کہ تم کس بلا کو میرے پاس لے آئے؟ ان کو رخصت کرو۔ اور حضرت ہاجرہؑ جن کو اس نے ظلم سے باندی بنا رکھا تھا۔ قبطیوں کے قوم سے تھیں، اور اسی طرح خدا نے ان کی عزت بھی بچا رکھی تھی خدمت کے لئے ان کے حوالے کیں، ماشاء اللہ عزت آبرو سے حضرت ابراہیمؑ کے پاس آ گئیں۔

فائدہ: بیبیو! دیکھو پارسائی کیسی برکت کی چیز ہے۔ ایسے آدمی کی کس طرح اللہ تعالیٰ نگہبانی کرتے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز سے مصیبت ٹلتی ہے، اور دعا قبول ہوتی ہے۔ جب کوئی پریشانی ہوا کرے تو بس نفلوں میں لگ جایا کرو اور دعا کیا کرو۔

(اختری بہشتی زیور عکسی، حصہ:۸۔ص:٦)

حضرت ہاجرہ علیہا السلام

تعارف: جس ظالم بادشاہ کا تذکرہ حضرت سارہؑ کے قصہ میں آچکا ہے۔اس نے حضرت ہاجرہؑ کو بطور باندی رکھا تھا،جیسا کہ حضرت سارہ کے مضمون میں بیان ہوا ہے پھراس نے ان کو حضرت سارہؑ کو دے دیااور حضرت سارہؑ نے ان کو حضرت ابراہیمؑ کو دے دیا اور ان سے حضرت اسماعیلؑ پیدا ہوئے ابھی حضرت اسماعیلؑ دودھ پیتے بچے ہی تھے کہ اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ مکہ شریف کو حضرت اسماعیلؑ کی اولاد سے آباد کریں اس وقت اس جگہ جنگل تھااور کعبہ بھی بنا ہوا نہ تھا اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو حکم دیا کہ حضرت اسماعیل اوران کی ماں حضرت ہاجرہؑ کواس میدان میں چھوڑ دو ہم ان کے نگہبان ہیں۔اللہ کے حکم سے حضرت ابراہیمؑ ماں اور بچہ دونوں کو لے کراس جنگل بیاباں میں جہاں اب مکہ آباد ہے،پہنچا آئے۔اوران کے پاس ایک مشکیزہ پانی کااورایک تھیلا کھجور کا رکھ دیا۔ جب پہونچا کر وہاں سے لوٹنے لگے تو حضرت ہاجرہؑ ان کے پیچھے چلیں اور پوچھا کہ ہم کو یہاں آپ اکیلے کیوں چھوڑے جاتے ہیں؟ حضرت ابراہیمؑ نے کچھ جواب نہیں دیا،تب انھوں نے پوچھا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟ حضرت ابراہیمؑ بولے:ہاں۔کہنے لگیں تو کچھ غم نہیں،وہ خود ہی ہماری خبر رکھیں گےاوراپنی جگہ جا کر بیٹھ گئیں۔چھوارے کھا کر پانی پی لیتیں،اور حضرت اسماعیلؑ کو دودھ پلاتیں،جب مشکیزہ کا پانی ختم ہو گیا تو ماں اور بیٹے پر پیاس کا غلبہ ہوااور حضرت اسماعیلؑ کی تو یہ

حالت ہوئی کہ مارے پیاس کے بل کھانے لگے۔ ماں اس حالت میں اپنے بچے کو دیکھ نہ سکیں، اور پانی دیکھنے کو صفا پہاڑ پر چڑھیں، اور چاروں طرف نگاہ دوڑائی، شاید کہیں پانی نظر آئے۔ جب کہیں پانی نظر نہیں آیا تو اس پہاڑ سے اتر کر دوسرے پہاڑ مروہ کی طرف چلیں کہ اس پر چڑھ کر دیکھیں۔ بیچ میدان میں ایک ٹکڑا زمین کا گڑھا سا تھا جب تک برابر زمین پر رہیں تو بچے کو دیکھ لیتیں جب اس گڑھے میں پہونچیں تو بچہ نظر نہ آیا اس لئے دوڑ کر اس ٹکڑے سے نکل کر برابر میدان میں آ گئیں۔ غرض مروہ پہاڑ پر پہونچیں اور اسی طرح چڑھ کر دیکھا وہاں بھی کچھ پتہ نہ لگا اس سے اتر کر بے تابی میں پھر صفا پہاڑ کی طرف چلیں۔ اسی طرح دونوں پہاڑوں پر ساتھ پھیرے کئے اور اس گڑھے کو ہر بار میں دوڑ کر طے کرتی تھیں، اللہ تعالیٰ کو ان کا یہ عمل ایسا پسند آیا کہ حاجیوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اسی طرح حکم کر دیا کہ دونوں پہاڑوں کے بیچ میں سات پھیرے کریں اور پھر اس ٹکڑے میں جہاں وہ گڑھا تھا اور اب وہ بھی برابر زمین ہوگئی ہے دوڑ کر چلا کریں۔ غرض اخیر کے پھیرے میں مروہ پہاڑ پر تھیں کہ ان کے کان میں ایک آواز سی آئی اس کی طرف کان لگا کر کھڑی ہوئیں۔ وہی آواز پھر آئی، آواز دینے والا کوئی نظر نہیں آیا، حضرت ہاجرہؑ نے پکار کر کہا کہ میں نے آواز سن لی ہے اگر کوئی شخص مدد کر سکتا ہو تو مدد کرے اسی وقت جہاں آب زمزم کا کنواں ہے وہاں فرشتہ نمودار ہوا اور اپنا بازو زمین پر مارا وہاں سے پانی ابلنے لگا انھوں نے چاروں طرف مٹی کی ڈول بنا کر اس کو گھیر لیا اور مشکیزہ میں بھی بھر لیا اور خود بھی پیا۔ اپنے بچے کو بھی پلایا۔ فرشتے نے کہا کچھ بھی اندیشہ نہ کرنا اس جگہ اللہ کا گھر یعنی کعبہ ہے یہ لڑکا اپنے باپ کے ساتھ مل کر اس گھر

کو بنائے گا اور یہاں آبادی ہو جائے گی۔ چنانچہ تھوڑے ہی دنوں میں سب چیزوں کا ظہور ہو گیا، ایک قافلہ ادھر سے گذرا وہ لوگ پانی دیکھ کر ٹھہر گئے اور وہیں بس گئے۔اور حضرت اسماعیلؑ کی شادی ہوگئی، پھر حضرت ابراہیمؑ خدائے تعالیٰ کے حکم سے تشریف لائے اور دونوں باپ بیٹوں نے مل کر خانہ کعبہ بنایا اور زمزم کا پانی اس وقت زمین کے اندر اتر گیا تھا پھر مدت کے بعد کنواں بن گیا۔

فائدہ: دیکھو حضرت ہاجرہؑ کو خدا تعالیٰ پر کیسا بھروسہ تھا۔ جب ان کو یہ معلوم ہو گیا کہ جنگل میں رہنا اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے پھر کیسی بے فکر ہو گئیں اور پھر اس بھروسہ کرنے کی کیا کیا برکتیں نازل ہوئیں۔ بیبیو! اسی طرح تم کو اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہیے، انشاء اللہ تعالیٰ سب کام درست ہو جائیں گے۔ اور دیکھو ان کی بزرگی کہ دوڑی تو تھیں پانی کی تلاش میں مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ حرکت کیسی پیاری ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ کا حکم مانا کرو تا کہ تم بھی مقبول ہو جاؤ۔ پھر تمہارے دنیا کے کام بھی دین میں شامل ہو جائیں گے۔(حضرت تھانویؒ)

(اختری بہشتی زیور عکسی حصہ:۸۔ص:۷)

ف: یہ حقیر قمر الزمان عرض پرداز ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی قربانی کی سنت کو ساری امت کیلئے لازم قرار دے دیا، ویسے ہی حضرت ہاجرہؑ کی بیتابی میں دوڑنے کی سنت کو سارے حاجیوں کیلئے لازم قرار دے دیا۔ **ذٰلک فضل اللّٰہ یو تیہ من یشاء**۔ اب دل سے دعا ہے کہ اے اللہ! حضرت ہاجرہؑ کے سخت الجھن اور پریشانی میں دوڑنے کے صلہ میں آپ نے ساری امت کو چاہِ زمزم کی نعمت سے نوازا۔ جس سے ساری دنیا سیراب

ہورہی ہے۔اسی طرح آج ساری امت محمدیہ کے افراد خواہ عوام ہوں یا خواص کسمپرسی اور سراسیمگی کی حالت میں سرگرداں و پریشان ہیں۔یا ارحم الراحمین یا رب العالمین! ہم پر خاص رحمت کا نزول فرما اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس دعائے خاص کو ہم امتیوں کے حق میں قبول فرما۔وہ یہ ہے:

اللھم آتنی ایماناً لا یرتد ویقیناً لیس بعدہ کفرٌ ورحمۃً انال بھا شرف کرامتک فی الدنیا والآخرہ۔ یعنی اے اللہ! مجھ کو ایسا ایمان عطا فرما جس کے بعد ارتداد نہ ہو اور ایسا یقین عطا فرما کہ جس کے بعد کفر نہ ہو اور ایسی رحمت سے نواز جس کی وجہ سے مجھے دنیا و آخرت کی کرامت و شرافت نصیب ہو۔ حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ نے مجھے خاص طور سے اس دعا کی تلقین فرمائی تھی۔اب ایک دعا اور نقل کرتا ہوں جو خاص طور سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ہے جو اس وقت فتنہ کیلئے نہایت موزوں و مناسب ہے۔وہ یہ ہے:

رَبَّنَا لَا تَجعَلْنَا فِتْنَةً لِلَّذِينَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْلَنَا رَبَّنَا، اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْم۔ یعنی اے ہمارے پروردگار! ہمیں کافروں کا تختۂ مشق نہ بنا، اور ہمیں بخش دیجئے۔اے ہمارے رب تو ہی ہے زبردست حکمت والا۔

پس اس دعا کے درمیان و اغفر لنا ربنا لے آئے، (یعنی اے ہمارے رب ہمیں بخش دیجئے) پس اس میں حکمت یہ ہے کہ کبھی گناہوں کی وجہ سے بھی مصیبتیں آتی ہیں۔اسلئے ان گناہوں سے مغفرت کی دعا فرمائی۔لہذا اس وقت مسلمانوں کو خاص طور سے عفو و مغفرت کی دعا کرنی چاہئے۔ **ھذا ما افادہ مرشدی مصلح الامۃ** علیہ الرحمہ۔(مرتب)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی دوسری اہلیہ محترمہ

تعارف: خانہ کعبہ بنانے سے پہلے دو دفعہ حضرت ابراہیمؑ اور بھی مکہ میں آئے ہیں، مگر حضرت اسماعیلؑ دونوں دفعہ گھر میں نہیں ملے اور زیادہ ٹھہرنے کا حکم نہ تھا سو پہلی بار جب تشریف لائے تو اس وقت حضرت اسماعیلؑ کے گھر میں ایک بیوی تھیں اس سے پوچھا کہ کس طرح گذر ہوتا ہے کہنے لگی کہ بڑے مصیبت میں ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جب تمھارے خاوند آئیں ان سے میرا سلام کہنا اور یہ کہنا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل دو۔ چنانچہ جب حضرت اسماعیلؑ گھر آئے تو سب حال معلوم ہوا آپؑ نے فرمایا وہ میرے والد تھے اور چوکھٹ تو ہے، وہ یہ کہہ گئے ہیں کہ تجھ کو چھوڑ دوں۔ چنانچہ اس کو طلاق دے کر پھر ایک دوسری عورت سے نکاح کیا۔ جب حضرت ابراہیمؑ دوبارہ آئے تو اس عورت سے حال پوچھا تو اس نے کہا اللہ کا شکر ہے، بہت آرام میں ہیں۔ آپ نے ان کے لئے دعا کی اور فرمایا کہ جب تمھارے شوہر آئیں تو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ اپنے دروازے کے چوکھٹ کو قائم رکھیں، چنانچہ حضرت اسماعیلؑ کو آنے کے بعد یہ حال بھی معلوم ہوا آپؑ نے بیوی سے فرمایا کہ یہ میرے باپ تھے یوں کہہ گئے ہیں کہ تجھ کو اپنے پاس رکھوں۔

فائدہ: دیکھو ناشکری کا پھل پہلی بیوی کو کیا ملا ایک نبی ناراض ہوئے، دوسرے نبی نے اپنے پاس سے الگ کر دیا۔ اور شکر وصبر کا پھل دوسری بیوی کو کیا ملا کہ ایک نبی نے دعا دی دوسرے نبی کی خدمت میں رہنا نصیب ہوا۔ بیبیو! کبھی ناشکری نہ کرنا، جس حالت میں ہو صبر وشکر سے رہنا۔ (بہشتی زیور)

حضرت ایوب علیہ السلام کی اہلیہ محترمہؒ

تعارف: ان کا نام رحمت ہے۔ جب حضرت ایوبؑ کا تمام بدن زخمی ہوگیا اور سب نے پاس آنا جانا چھوڑ دیا۔ یہ بیوی اس وقت بھی خدمت گذاری میں مصروف رہیں، اور ہر طرح کی تکلیفیں اٹھائیں۔ ایک بار ان کو آنے میں دیر ہوگئی تھی، حضرت ایوبؑ نے غصہ میں قسم کھائی، اچھا ہوجاؤں گا تو ان کو سو لکڑیاں ماروں گا۔ جب آپ کو صحت ہوگئی تو اپنی قسم پورا کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے آسان حکم کر دیا کہ تم ایک جھاڑو لے لو۔ جس میں سو سینکیں ہوں اور ایک دفعہ ماردو۔

فائدہ: دیکھو کیسی صابر بیوی تھیں کہ ایسی حالت میں بھی برابر اپنی خاوند کی خدمت کرتی رہیں اور بیماری میں ان کی قسم سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ مزاج نازک ہوگیا تھا۔ وہ اس کو بھی سہتی تھیں، اس خدمت اور صبر کی برکت تھی کہ اللہ میاں نے ان کو لکڑیوں سے بچالیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بہت ہی پیاری تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے حکم کو کیسا آسان کر دیا، اب یہ مسئلہ نہیں ہے۔ اس طرح اگر کوئی قسم کھائے تو جھاڑو مارنے سے قسم پوری نہیں ہوگی۔ بلکہ ایسی قسم کو توڑ کر کفارہ دینا ہوگا۔ بیبیو! خاوند کی تابعداری اور اس کی نازک مزاجی کی خوب سہار کیا کرو تم بھی ایسی ہی پیاری بن جاؤ گی۔

(اختری بہشتی زیور عکسی حصہ:۸، صفحہ:۹)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اہلیہ محترمہؒ

تعارف: ان کا نام صفورا ہے، اور یہ حضرت شعیبؑ کی بڑی بیٹی ہیں جب حضرت موسی علیہ السلام کے ہاتھ سے مصر شہر میں ایک کافر بے ارادہ مارا گیا اور فرعون کو خبر ہوئی، اس نے اپنے سرداروں سے صلاح کی کہ موسیؑ کو قتل کر دینا چاہئے۔ موسیؑ یہ خبر پا کر پوشیدہ طور پر مدین شہر کی طرف چل دئے، جب بستی کی حد پر پہونچے تو دیکھا بہت سے چرواہے کنویں سے کھینچ کھینچ کر اپنی بکریوں کو پانی پلا رہے ہیں، اور دو لڑکیاں اپنی بکریوں کو پانی پر جانے سے ہٹا رہی ہیں، ان دونوں لڑکیوں میں ایک حضرت موسیؑ کی ہونے والی بیوی تھیں اور ایک سالی۔ آپ نے ان سے اس کی وجہ پوچھی، انھوں نے کہا کہ ہمارے گھر کوئی مرد کام کرنے والا ہے نہیں اس لئے ہم کو خود کام کرنا پڑتا ہے لیکن چونکہ ہم عورت ہیں اس واسطے مردوں کے چلے جانے کے منتظر رہتے ہیں۔ سب کے چلے جانے کے بعد ہم اپنی بکریوں کو پانی پلا لیتے ہیں۔ آپؑ کو ان کے حال پر رحم آیا اور خود پانی نکال کر بکریوں کو پلا دیا۔ ان دونوں نے جا کر اپنے والد بزرگوار سے یہ قصہ بیان کیا تو انھوں نے بڑی بیٹی کو بھیجا کہ ان بزرگ کو بلا لاؤ۔ وہ شرماتی ہوئی آئیں اور موسیؑ کو ان کا پیغام پہونچا دیا۔ آپ ان کے ہمراہ ہو لئے اور لڑکی کو ہدایت کی کہ وہ آگے نہ چلے بلکہ میرے پیچھے پیچھے چلے اور اشارہ کے ساتھ رہنمائی کیا کرے۔ جب حضرت شعیبؑ سے ملے انھوں نے

ان کو ہر طرح سے تسلی دی اور فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ ان میں سے ایک لڑکی تم سے بیاہ دوں مگر شرط یہ ہے کہ آٹھ برس یا دس برس میری بکریاں چراؤ۔ آپ نے منظور کرلیا اور بڑی بیٹی سے آپ کا نکاح ہوگیا، آپؑ ان کو لے کر وطن چلے تھے کہ راستے میں سردی کی وجہ سے آگ کی ضرورت پیش آئی۔ طور پہاڑ پر آگ نظر آئی وہاں پہونچے تو خدا کا نور تھا وہیں آپ کو پیغمبری مل گئی۔

فائدہ: دیکھو اپنے گھر کا کام کیسے محنت سے کرتی تھیں اور غیر مرد سے لاچاری کو بولیں تو کیسی شرماتی ہوئی۔ بیبیو! تم بھی گھر کے کاموں میں آرام طلبی اور سستی مت کیا کرو اور شرم وحیا ہر وقت لازم سمجھو۔

(اختری بہشتی زیور، حصہ:۸۔ صفحہ:۱۱)

حضرت مریمؑ اور ان کی والدہ علیہما السلام

تعارف: حضرت مریمؑ کی والدہ کا نام حنّہ اور والد کا نام عمران ہے، جب حنہ حمل سے ہوئیں تو انھوں نے اللہ میاں سے منت مانی کہ جو بچہ میرے پیٹ میں ہے اس کو مسجد کی خدمت کے لئے آزاد چھوڑ دوں گی۔ یعنی دنیا کے کام ان سے نہ لوں گی، ان کا گمان یہ تھا کہ لڑکا پیدا ہوگا، کیونکہ مسجد کی خدمت لڑکا ہی کر سکتا ہے، اس زمانے میں ایسی منت درست تھی، جب بچہ پیدا ہونے کا وقت آیا تو لڑکی پیدا ہوئی۔ افسوس سے کہا کہ اے اللہ! یہ تو لڑکی پیدا ہوئی، حکم ہوا کہ یہ لڑکی لڑکوں سے بھی اچھی ہوگی اور خدا نے اس کو قبول کیا، الغرض مریم ان کا نام رکھا، چنانچہ جب یہ پیدا ہوئیں تو ان کی والدہ اپنی منت کے موافق ان کو لے کر بیت المقدس کی مسجد میں پہونچیں اور وہاں کے رہنے والے بزرگوں سے کہا کہ یہ منت کی لڑکی لو۔ چونکہ بڑے بزرگ خاندان کی تھیں سب نے چاہا کہ میں لے کر پالوں، ان میں زکریاؑ بھی تھے وہ حضرت مریم کے خالو ہوتے تھے یوں بھی انکا حق زیادہ تھا مگر پھر بھی لوگوں نے ان سے جھگڑنا شروع کیا۔ جس فیصلہ پر یہ سب راضی ہوئے تھے ان میں بھی یہی بڑھے رہے۔ آخر حضرت زکریاؑ نے ان کو لے کر پرورش کرنا شروع کیا ان کے بڑھنے کی یہ حالت تھی کہ اور بچوں سے کہیں زیادہ بڑھتی تھیں یہاں تک کہ تھوڑے دنوں میں جوان معلوم ہونے لگیں اور ویسے بھی بچپن ہی سے مادرزاد بزرگ اور ولی تھیں اللہ تعالیٰ نے ان کو قرآن

میں ولی فرمایا ہے، اور ان کی کرامت بیان فرمائی ہے کہ بے فصل میوے غیب سے ان کے پاس آجاتے، حضرت زکریاؑ پوچھتے کہ یہ کہاں سے آئے؟ تو جواب دیتیں کہ اللہ میاں کے یہاں سے۔ غرض ان کی ساری باتیں اچنبھے کی تھیں یہاں تک کہ جب جوان ہوئیں تو محض خدا تعالیٰ کی قدرت سے بدوں مرد کے ان کو حمل ہو گیا اور حضرت عیسیٰؑ پیغمبر پیدا ہوئے۔ یہودیوں نے بے باپ کے بچہ پیدا ہونے پر واہی تباہی بکنا شروع کیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو پیدا ہونے ہی کے زمانے میں بولنے کی طاقت دی انھوں نے ایسی اچھی اچھی باتیں کیں کہ انصاف والوں کو معلوم ہو گیا کہ ان کی پیدائش قدرت کا نمونہ ہے۔ بے شک بے باپ کے پیدا ہوئے ہیں اور ان کی ماں پاک صاف ہیں۔ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کی بزرگی بیان فرمائی ہے کہ عورتوں میں کوئی کامل نہیں ہوئی بجز دو عورتوں کے، ایک حضرت مریمؑ دوسری حضرت آسیہؓ۔

فائدہ: دیکھو ان کی ماں نے ان کو اللہ کے نام کر دیا تھا۔ کیسی بزرگ ہوئیں اور خود اللہ کی تابعداری میں لگی رہتی تھیں جس سے آدمی ولی ہو جاتا ہے، اس کی برکت سے خدا نے کیسی تہمت سے بچا لیا، بیبیو! اللہ تعالیٰ کی تابعداری کیا کرو، سب آفتوں سے بچی رہو گی اور اپنی اولاد کو دین میں زیادہ لگائے رکھا کرو دنیا کا بندہ مت بنا دیا کرو۔ (حضرت تھانویؒ)

(اختری بہشتی زیور، حصہ:۸۔ صفحہ:۱۷)

حضرت بلقیس ؒ

تعارف: یہ ملک سبا کی بادشاہ تھیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہُد ہُد جانور نے خبر دی تھی کہ میں نے ایک عورت بادشاہ دیکھی ہے اور وہ آفتاب کو پوجتی ہے۔ آپ نے ایک خط لکھ کر ہُد ہُد کو دیا کہ اس کے پاس پہونچا دے۔ اس خط میں لکھا تھا کہ تم لوگ مسلمان ہو کر یہاں حاضر ہو۔ اس خط کو پڑھ کر اپنے امیروں اور وزیروں سے صلاح کی بہت بات چیت کے بعد خود ہی یہ صلاح قرار دی کہ میں ان کے پاس کچھ چیزیں سوغات کے طور پر بھیجتی ہوں اگر لیکر رکھ لیں تو سمجھوں گی کہ دنیا دار بادشاہ ہیں۔ اگر نہ رکھیں تو سمجھوں گی کہ پیغمبر ہیں۔ جب وہ چیزیں حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچیں تو آپ نے سب لوٹا دیا اور کہلا بھیجا کہ اگر مسلمان نہ ہوگی تو لڑائی کے لئے فوج لاتا ہوں۔ یہ پیغام سن کر یقین ہو گیا کہ بیشک پیغمبر ہیں۔ اور مسلمان ہونے کے ارادے سے اپنے شہر سے چلیں۔ ان کے چلنے کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے معجزے سے ان کا ایک بڑا بھاری قیمتی بادشاہی تخت تھا وہ اپنے دربار میں منگا لیا۔ تا کہ بلقیس معجزہ بھی دیکھ لیں۔ اور اس کے موتی جواہر اکھاڑ کر دوسری طرح جڑوا دیئے۔ جب بلقیس یہاں پہنچیں تو حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے ان کی عقل آزمانے کیلئے ان سے پوچھا گیا کہ یہ دیکھو یہ تمہارا تخت تو نہیں ہے؟ غور سے دیکھ کر کہا کہ ہاں ویسا ہی ہے۔ اس طرح اسلئے کہا کہ کچھ صورت شکل بدل گئی تھی۔ اس جواب سے معلوم ہوا کہ

بڑی عقلمند ہیں۔ پھر سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کو یہ بات دکھانی چاہی کہ ہمارے خدا کی دی ہوئی بادشاہی تمہاری دنیا کی بادشاہی سے ویسے بھی زیادہ ہے۔ یہ بات دکھلانے کے واسطے حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا کہ ایک حوض پانی سے بھر کر اس کے اوپر ایسے صاف وشفاف کانچ کا فرش بنادیا جائے کہ وہ نظر نہ آئے۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام ایسی جگہ جا بیٹھے کہ جو آدمی وہاں پہنچنا چاہے تو حوض راستے میں پڑے اور بلقیس کو اس جگہ حاضر ہونے کا حکم دیا۔ بلقیس جو حوض کے پاس پہنچیں کانچ تو نظر نہ آیا یوں سمجھیں کہ مجھ کو پانی کے اندر جانا پڑیگا تو پائینچے چڑھانے لگیں۔ فوراً ان کو کہہ دیا گیا کہ اس پر کانچ کا فرش ہے۔ ویسے ہی چلی آؤ۔ جب بلقیس نے تخت کے منگا لینے کا معجزہ دیکھا اور اس کی کاریگری کو بھی دیکھا جس سے سمجھیں کہ ان کے پاس ویسے بھی بادشاہی کا سامان میرے یہاں کے سامان سے زیادہ ہے۔ فوراً کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگئیں۔ پھر بعض عالموں نے تو یہ کہا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان کے ساتھ خود نکاح کر لیا۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ یمن کے بادشاہ سے ان کا نکاح کر دیا۔ اللہ ہی کو معلوم ہے کہ کیا ہوا۔

فائدہ: دیکھو کیسی بے نفس تھیں کہ باوجود امیر اور بادشاہ ہونے کے جب دین کی سچی بات معلوم ہوگئی تو فوراً اس کو مان لیا۔ اس کے قبول کرنے میں شیخی نہیں کی اور نہ باپ دادا کی رسم کو پکڑ کر بیٹھیں۔ بیبیو! تم بھی اپنا یہی طریقہ رکھو کہ جب دین کی بات سنو کبھی عار یا شرم یا خاندان کی رسم کی پیروی مت کرو ان میں سے کوئی چیز کام نہ آوے گی۔ فقط دین ساتھ چلے گا۔

(اختری بہشتی زیور حصہ:۸، صفحہ:۱۵)

حضرت آسیہؒ

تعارف: فرعون مصر کا بادشاہ جس نے خدائی کا دعوی کیا تھا یہ اس کی بیوی ہیں۔ خدا کی قدرت خاوند شیطان اور بیوی ایسی ولی جن کی تعریف قرآن میں آئی اور جن کی بزرگی ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح بیان فرمائی کہ: مردوں میں بہت کامل ہوئے ہیں مگر عورتوں میں کوئی کمال کے رتبے کو نہیں پہونچی سوا حضرت مریمؑ اور حضرت آسیہ کے۔ انھوں نے ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جان بچپن میں ظالم فرعون سے بچائی تھی، ان کی قسمت میں موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانا لکھا تھا۔ شروع بچپن ہی سے ان کے دل میں ان کی محبت پیدا ہوگئی تھی۔ جب موسیٰ علیہ السلام کو پیغمبری ملی فرعون تو ایمان نہیں لایا، مگر یہ ایمان لے آئیں۔ فرعون کو جب ان کے ایمان لانے کی خبر ہوئی تو ان پر بڑی سختی کی اور طرح طرح سے تکلیف پہونچائی، مگر انھوں نے اپنا ایمان نہیں چھوڑا، اسی حالت میں دنیا سے اٹھ گئیں۔

فائدہ: دیکھو کیسی ایمان کی مضبوط تھیں کہ بد دین خاوند بادشاہ تھا، سب کچھ اس نے کیا مگر اس کا ساتھ نہیں دیا، اب ذرا ذرا سی تکلیف میں کفر کے کلمے بکنے لگتی ہیں، بیبیو! ایمان بڑی دولت ہے کیسی ہی تکلیف پہونچے دین کے خلاف کوئی کام نہ کرنا، اگر کسی کا خاوند بد دینی کا کام کرے کبھی اس کا ساتھ نہ دے اور اس زمانہ میں کافر مرد سے نکاح ہوجاتا تھا مگر اب یہ حکم ہے کہ اگر خاوند کافر ہو تو نکاح درست نہیں ہوتا اور اگر کافر ہونے سے پہلے ہوگیا ہو تو ٹوٹ جاتا ہے۔ (بہشتی زیور)

صحابیاتؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: اصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم۔

(مشکوٰۃ شریف ص: ۵۵۴)

یعنی نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے صحابہ مثل ستاروں کے ہیں۔ ان میں سے جن کی بھی اقتداء کرو گے ہدایت یاب ہوجاؤ گے۔ ظاہر ہے کہ اس شرف میں صحابیات بھی شریک ہیں، اسلئے ان کا ذکر بھی مستقلاً کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں۔ واللہ الموفق۔ (مرتب)

حضرت صفیہؓ عمۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متوفاۃ پہلی صدی ھ

تعارف: حضرت صفیہؓ بنت عبد المطلب کا شمار بڑی جلیل القدر صحابیات میں ہوتا ہے۔ شیر خدا حضرت حمزہؓ شہیدِ احدان کے حقیقی بھائی تھے۔ حضرت صفیہؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی تھیں، اسلئے انہیں عمۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہا جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دوسری پھوپھیوں، ام حکیم بیضا، امیمہ، عاتکہ، برّہ اور اروٰی کے اسلام کے بارے میں اہل سیر میں اختلاف ہے، لیکن حضرت صفیہؓ کے اسلام پر سب کا اتفاق ہے۔ ابن اثیرؒ نے ''اسد الغابہ'' میں لکھا ہے ''**والصحیح انه لم یسلم غیرھا**'' صحیح یہ ہے کہ ان کے سوا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسی پھوپھی نے اسلام قبول نہیں کیا۔

نکاح: حضرت صفیہؓ کا پہلا نکاح حارث بن حرب اموی سے ہوا جس سے

ایک لڑکا پیدا ہوا، اس کے انتقال کے بعد عوام بن خویلد قریشی الاسدی کے عقد نکاح میں آئیں جو ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے بھائی تھے۔ حواریٔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت زبیرؓ انہیں عوام سے پیدا ہوئے۔ حضرت زبیرؓ ابھی کمسن ہی تھے کہ سایۂ پدری سے محروم ہو گئے۔ اس وقت حضرت صفیہؓ بالکل جوان تھیں، لیکن اس کے بعد انہوں نے ساری زندگی بیوگی کے عالم میں کاٹ دی۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے اور لوگوں کو حق کی طرف بلانا شروع کیا تو حضرت صفیہؓ نے بلا تأمل اسلام قبول کرلیا۔ ان کے ساتھ ہی ان کے سولہ سالہ فرزند حضرت زبیرؓ بھی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

فضل وکمال: حضرت صفیہؓ نے زبیرؓ کی تربیت نہایت عمدہ طریقہ سے کی، ان کی خواہش تھی کہ ان کا فرزند بڑا ہو کر ایک نڈر اور بہادر سپاہی بنے۔ چنانچہ وہ حضرت زبیرؓ سے سخت محنت اور مشقت کا کام لیتیں اور وقتاً فوقتاً زجر وتوبیخ اور زدوکوب سے بھی گریز نہ کرتیں۔ جب ان کی سخت گیری کا چرچا عام ہوا تو انہوں نے لوگوں کے سامنے یہ رجز پڑھا۔

مَنْ قَالَ اَبْغَضُهُ فَقَدْ كَذَبَ اِنَّمَا اَضْرِبُهُ لِكَيْ يَلُبَّ

”جس نے یہ کہا کہ میں اس (زبیرؓ) سے بغض رکھتی ہوں اس نے غلط کہا، میں اس کو اسلئے پیٹتی ہوں کہ عقل مند ہو۔“

ویھزم الجیش ویاتی السلب ”اور فوج کو شکست دے اور مالِ غنیمت حاصل کرے۔“

غزوہ احد میں جب جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور مسلمانوں میں انتشار پھیل

گیا،تو حضرت صفیہؓ ہاتھ میں نیزہ لئے مدینہ سے نکلیں۔ جولوگ میدان جنگ سے منہ موڑ کر مدینہ کی طرف آ رہے تھے ان کو شرم اور غیرت دلاتی تھیں۔اور نہایت غصہ سے فرماتی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ کر چل دیئے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت صفیہؓ کو میدان جنگ کی طرف آتے دیکھا تو ان کے ثابت قدم فرزند حضرت زبیرؓ کو پاس بلا کر فرمایا: صفیہؓ اپنے بھائی حضرت حمزہؓ کی لاش نہ دیکھنے پائیں۔ بہرحال جب نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اپنے بھائی کو دیکھنے کی اجازت دی تو حضرت صفیہؓ دعائے مغفرت کرنے کے بعد اپنے آنسو ضبط نہ کر سکیں اور بے اختیار رو پڑی۔سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب انہیں روتا دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں سے بھی سیلِ اشک رواں ہوگیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت صفیہؓ کو صبر کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا: مجھے جبرئیل امین نے خبر دی ہے کہ عرش معلیٰ پر حمزہؓ کو اسد اللہ اور اسد الرسول (اللہ کا شیر اور رسول اللہ کا شیر) لکھا گیا ہے۔ (تذکار صحابیات ص:۱۵۹)

ارباب سیر نے لکھا ہے کہ حضرت صفیہؓ نہایت زیرک، دور اندیش، شجاع اور صابر خاتون تھیں اور تمام عرب میں اپنا حسب ونسب اور قول وفعل کے اعتبار سے امتیازی درجہ رکھتی تھیں۔اللہ تعالیٰ نے انہیں ملکۂ شاعری بھی عطا کیا تھا۔

وفات: حضرت صفیہؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر ۷۳ ؍برس کی تھی۔آخری آرام گاہ قبرستانِ بقیع میں ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

(تذکارِ صحابیات ص:۱۵۹)

حضرت ثویبہؓ مرضعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم متوفاۃ ۷ سنہ ھ

فضل وکمال: حضرت ثویبہؓ سرورِ عالم کے چچا ابولہب کی لونڈی تھیں بعض روایات میں ہے کہ حضرت ثویبہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادت باسعادت کی خبر ابولہب کو سنائی تو اس نے انہیں آزاد کر دیا۔ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ ابولہب کے مرنے کے بعد حضرت عباسؓ نے اسے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ جہنم میں تیرا کیا حال ہے؟ اس نے کہا کہ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادت کا مژدہ سن کر ثویبہؓ کو آزاد کر دیا تھا اس کے عوض دوشنبہ کے دن میرے عذاب میں تخفیف ہو جاتی ہے لیکن کچھ ایسی روایات بھی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابولہب نے انہیں اس وقت آزاد کیا جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شادی حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ سے ہوئی۔ ایک دفعہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ثویبہؓ کو ابولہب سے خرید کر آزاد کرنا چاہا لیکن اس نے انکار کر دیا بعد میں کچھ خیال آیا اور خود ہی آزاد کر دیا۔

سعادت: حضرت ثویبہ کو یہ عظیم شرف حاصل ہوا کہ ولادت کے بعد چند دن تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کا دودھ پیا، حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے علاوہ اور بہت سے جلیل القدر صحابہ کرامؓ کی بھی وہ رضاعی ماں ہیں، ہجرت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مدینہ سے ان کے لئے کپڑا اور خرچ بھیجا کرتے تھے۔

وفات: حضرت ثویبہؓ نے ۷ سنہ ھ میں وفات پائی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

حضرت حلیمہ سعدیہؓ مرضعۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم متوفاۃ پہلی صدی ھ

نام ونسب: نام حلیمہ، والد کا نام ابوذؤیب عبداللہ بن حارث، اور حارث بن عبدالعزیٰ بن رفاعہ کی اہلیہ تھیں، حضرت حلیمہ کا تعلق قبیلہ سعد بن ابی بکر سے تھا، جو قبیلہ ہوازن کی ایک شاخ تھا اور فصاحت وبلاغت اور اپنے علاقہ کے پانی کی شیرینی کی وجہ سے مشہور تھا، حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرمایا کرتے تھے: اللہ نے مجھ کو تمام عرب میں فصیح بنایا ہے ایک تو ہمارا قبیلہ قریش فصاحت زبان میں بے مثل ہے دوسرے میری پرورش قبیلہ بنو سعد میں ہوئی جو فصاحت وبلاغت میں مشہور وممتاز ہے۔

رضاعت: شرفاءِ عرب میں دستور تھا کہ بچوں کو ماں کے پاس میں نہ رکھتے تھے، بلکہ اکثر پرورش کے لئے قرب وجوار کے قبائل میں بھیج دیتے تھے، چنانچہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھی سات دن تک اپنی والدہ ماجدہ کا دودھ پیا، اس کے بعد حضرت ثویبہؓ نے چند دن تک دودھ پلایا اسی اثناء میں قبیلہ بنو سعد کی عورتیں بچہ لینے مکہ آئیں، ان میں حضرت حلیمہ بھی تھیں، دوسری سب عورتوں نے مالدار لوگوں کے بچے لے لئے، لیکن حضرت حلیمہ کو کوئی بچہ نہ ملا، واپس جانے والی تھیں کہ معلوم ہوا کہ سردارِ قریش عبدالمطلب کا ایک یتیم پوتا ہے، خاوند سے مشورہ کیا کہ اس بچے کا باپ تو دنیا میں نہیں ہے کہ ہمارے ساتھ اپنے بچے کی پرورش کے عوض کچھ سلوک کرے، البتہ اسکے دادا کی شرافت اور عالی نسبی سے

توقع ہے کہ خدا اس بچے کے طفیل ہماری بہتری کی صورت پیدا کر دے گا، خاوند نے کہا کچھ مضائقہ نہیں، اس بچے کو ضرور لے لو، خالی ہاتھ جانا اچھا نہیں معلوم ہوتا، حضرت حلیمہ فوراً جا کر یتیم مکہ کو لے آئیں، انھیں کیا خبر تھی کہ یہ بچہ دین و دنیا کا سردار ہے اور اسے دودھ پلا کر وہ فلک بوس مقام سعادت وعظمت حاصل کر لیں گی، پانچ برس تک سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حلیمہ کے پاس پرورش پائی حتیٰ کہ واقعہ شق صدر پیش آ گیا، جس کی وجہ سے حضرت حلیمہؓ بادل ناخواستہ اس قیمتی متاع کو مکہ چھوڑ کر اپنے قبیلہ میں واپس آ گئیں۔

حضرت حلیمہ اس کے بعد عرصہ تک زندہ رہیں، ابن سعد نے محمد بن منکدر کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ ایک عورت ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں انہوں نے بچپن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دودھ پلایا تھا، انہیں دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری ماں میری ماں کہتے ہوئے اٹھے اور اپنی چادر بچھا کر انہیں بٹھایا یہ عورت یقیناً حضرت حلیمہ ہی تھیں۔

ایک دفعہ حضرت حلیمہؓ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اپنے علاقہ میں قحط سالی کی شکایت کی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکو چالیس بکریاں اور سامان سے لدا ہوا ایک اونٹ عطا فرمایا، بہر صورت ایسی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حلیمہ گاہے گاہے سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتی تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے ساتھ نہایت عزت واحترام اور احسان ومحبت سے پیش آتے تھے، بہت سی کتب سیر حضرت حلیمہ کی قبول اسلام اور شرف صحابیت کے بارے میں خاموش ہیں لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے وہ شرف اسلام

وصحابیت سے ضرور بہرہ ور ہوئیں اور امام سہیلیؒ نے نقل کیا ہے کہ حضرت حلیمہ کے شوہر حارث بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک دفعہ مکہ آئے اور مشرکین کے بہکانے کے باوجود انھوں نے اسلام قبول کرلیا اور اسی پر ثابت قدم رہے ظاہر ہے کہ اپنے شوہر کے قبول حق کے بعد حضرت حلیمہ بھی یقیناً سعادت اندوز اسلام ہوگئی ہوں گی، اس طرح ان کے شرف صحابیت میں کوئی شک نہیں۔

وفات: حضرت حلیمہ کے سال وفات کے بارے میں کوئی صراحت نہیں، اندازہ ہے کہ پہلی صدی ہجری میں وفات ہوئی ہوگی۔ رضی اللہ عنہا۔

(تذکار صحابیات: ص ۳۴۷۔ مولفہ: مولانا طالب الہاشمی)

حضرت سلمیٰ ؓ خادمۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متوفیہ پہلی صدی ھ

فضل وکمال: حضرت سلمیٰ ؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کنیز تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں آزاد کر کے اپنے آزاد کردہ غلام حضرت ابو رافع ؓ سے ان کا نکاح کر دیا۔ انہوں نے اس استقلال سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کی کہ لوگوں میں خادمۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشہور ہو گئیں۔ حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند حضرت ابراہیم ؓ پیدا ہوئے تو دایہ گری کی خدمت حضرت سلمیٰ ؓ ہی نے انجام دی۔ ان کے شوہر حضرت ابو رافع ؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابراہیم ؓ کی ولادت کا مژدہ سنایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے صلہ میں انھیں ایک غلام عطا فرمایا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرغوب کھانا: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد ایک مرتبہ حضرت حسن ؓ اور حضرت عبد اللہ بن عباس ؓ حضرت سلمیٰ ؓ کے پاس گئے اور کہا کہ آج ہم کو وہ کھانے پکا کر کھلائیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مرغوب تھا۔ بولیں تم کو وہ کیا پسند آئے گا؟ انہوں نے اصرار کیا تو حضرت سلمیٰ ؓ نے جو کا آٹا پیس کر ہانڈی میں چڑھا دیا اوپر سے روغن زیتون، زیرہ اور سیاہ مرچ ڈال دی۔ پک گیا تو ان کے سامنے رکھا اور کہا یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مرغوب ترین غذا تھی۔

وفات: امید ہے کہ آپ کی وفات پہلی صدی ہجری میں ہوئی ہوگی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ (تذکار صحابیات ص: ۳۰۲)

حضرت امامہؓ نواسیٔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متوفاۃ پہلی صدی ھ

نام ونسب: حضرت امامہؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نواسی تھیں، والدہ حضرت زینبؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور والد ماجد ابو العاصؓ بن ربیع بن عبدالعزیٰ بن عبدشمس بن عبدمناف بن قصّی جو ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے حقیقی بھانجے تھے۔

سعادت: سرورعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت امامہؓ سے بہت محبت فرماتے تھے۔ایک دفعہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے ایک انگوٹھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بطور تحفہ بھیجی۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''یہ انگوٹھی میں اس کو دوں گا جو مجھے سب سے بڑھ کر محبوب ہے۔''

سننے والوں کا خیال تھا کہ یہ شرف حضرت عائشہؓ کو حاصل ہوگا۔لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت امامہؓ کو بلایا اور وہ انگوٹھی ان کی انگلی میں پہنا دی (کیونکہ وہ کمسن تھیں)۔بعض روایتوں میں انگوٹھی کے بجائے زریں ہار کا ذکر ہے جو کسی نے ہدیۃً بھیجا تھا،حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت امامہؓ کو بلایا اور وہ ہار ان کے گلے میں ڈال دیا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضرت امامہؓ سے محبت کی یہ کیفیت تھی کہ آپ بعض اوقات انہیں اپنے ساتھ مسجد میں لے جاتے تھے۔ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس حالت میں مسجد پہنچے کہ حضرت امامہؓ دوشِ مبارک پر

سوار تھیں۔ انتہائے محبت میں انہیں شانۂ مبارک سے نہ اتارا اور اسی طرح نماز پڑھنی شروع کر دی جب رکوع میں جاتے تو ننھی امامہؓ کو آہستہ سے اتار دیتے۔ جب کھڑے ہوتے تو پھر دوش مبارک پر بٹھا لیتے۔ اسی طرح پوری نماز ادا فرمائی۔

نکاح: حضرت زینبؓ نے ۸ سنہ ھ میں وفات پائی تو حضرت امامہؓ شفیق نانا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سرپرستی اور نگرانی میں آ گئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال ۱۱ سنہ ھ کے وقت حضرت امامہؓ سن شعور کو پہنچ چکی تھیں۔ کچھ عرصہ بعد حضرت فاطمۃ الزہراؓ نے وفات پائی تو حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے حضرت امامہؓ سے نکاح کر لیا۔

وفات: امید ہے کہ حضرت امامہؓ کی وفات پہلی صدی ہجری میں ہوئی ہوگی۔ رضی اللہ عنہا۔

(تذکار صحابیات ص: ۵۱۳)

حضرت ام الفضل زوجہ حضرت عباسؓ متوفاۃ پہلی صدی ھ

نام ونسب : لبابہؓ بنت حارث جو بالعموم اپنی کنیت ''ام الفضل'' سے مشہور ہیں۔نہایت جلیل القدر صحابیات میں شامل ہیں۔کبریٰ ان کا لقب ہے، اس لئے اہل سیر نے ان کا نام لبابۃ الکبریٰ بھی لکھا ہے۔

نکاح: حضرت ام الفضل لبابہؓ کی شادی عم رسول حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب سے ہوئی۔اس نسبت سے وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چچی تھیں۔ان کی حقیقی بہن حضرت میمونہؓ بنت حارث کو ام المؤمنین بننے کا شرف حاصل ہوا۔اس نسبت سے حضرت ام الفضلؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سالی بھی ہوتی تھیں۔

خواتین میں سب سے پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے کا شرف حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کو حاصل ہوا۔ان کے بعد معتبر روایات کی رو سے حضرت ام الفضل لبابہؓ کو اس نعمت عظمٰی کے حصول کا شرف حاصل ہوا اس لحاظ سے وہ ''السّابقون الاولون''میں نہایت ممتاز درجہ رکھتی ہیں۔حضرت ام الفضلؓ نے اپنے شوہر عباسؓ کے (اعلانیہ) قبول اسلام کے بعد مدینہ کی طرف ہجرت کی۔یہ ہجرت فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے ہوئی۔

حضرت ام الفضلؓ بڑی بہادر اور غیرت مند خاتون تھیں۔چنانچہ ایک موقع پر انہوں نے ابولہب کو لٹھ مار کر اس کا سر زخمی کر دیا۔انہیں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیحد محبت اور عقیدت تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اپنی عمۂ محترمہ سے بڑا تعلق

خاطر تھا۔آپ اکثر ان کے گھر تشریف لے جاتے تھے،اگر دوپہر کا وقت ہوتا تو وہیں آرام فرماتے۔حضرت ام الفضلؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بالوں سے گرد یا تنکے وغیرہ دور کرتیں اور ان میں کنگھی کرتیں۔

حضرت ام الفضل نہایت پرہیز گار اور عبادت گزار تھیں۔بعض روایتوں میں ہے کہ وہ ہر دوشنبہ اور پنجشنبہ کو بالالتزام روزہ رکھتی تھیں۔علامہ ابن عبد البرؒ نے استیعاب میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ ام الفضلؓ، میمونہؓ، سلمیٰؓ اور اسماءؓ چاروں مؤمنہ بہنیں ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت ام الفضلؓ نے خواب میں دیکھا کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسد اقدس کا کوئی حصہ ان کے گھر میں ہے۔ انہوں نے اپنا خواب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”اس کی تعبیر یہ معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ میری لختِ جگر فاطمہؓ کو فرزند عطا کرے گا اور تم اس کو اپنا دودھ پلاؤ گی۔“

کچھ عرصہ کے بعد حضرت فاطمہ الزہراؓ کے فرزند حضرت حسینؓ پیدا ہوئے۔حضرت ام الفضلؓ نے انہیں اپنا دودھ پلایا اور ان کی کفیل بن گئیں۔اس لئے سارا خاندان نبوت حضرت ام الفضلؓ کی بہت عزت وتکریم کرتا تھا۔ایک دن حضرت ام الفضلؓ حضرت حسینؓ کو اپنی گود میں لئے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پیارے نواسے کو ان کی گود سے لے لیا اور پیار کرنے لگے۔ننھے حسینؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گود میں پیشاب کر دیا۔حضرت ام الفضلؓ نے انہیں فوراً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گود سے لے لیا اور

جھڑک کر کہا: ''ارے ننھے یہ تو نے کیا کیا۔رسول اللہ ﷺ کی گود میں پیشاب کر دیا۔''

رسول کریم ﷺ کو ام الفضلؓ کا اتنا جھڑکنا بھی گوارا نہ ہوا اور آپ نے فرمایا: ''ام الفضلؓ تو نے میرے بچے کو یونہی جھڑکا جس سے مجھے تکلیف ہوئی۔'' اس کے بعد آپؐ نے پانی منگوا کر لباس مبارک کا پیشاب آلود حصہ دھلوایا۔

حجۃ الوداع کے موقع پر حضرت ام الفضلؓ کو رحمت عالم ﷺ کی ہمرکابی میں حج کرنے کا شرف حاصل ہوا۔صحیح بخاری میں ہے کہ عرفہ کے دن بعض لوگوں نے خیال کیا کہ حضورؐ روزہ سے ہیں۔جب حضرت ام الفضلؓ کو ان لوگوں کا خیال معلوم ہوا تو انہوں نے ایک پیالہ دودھ کا حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔آپ ﷺ نے دودھ پی لیا۔اس سے لوگوں کا شک دور ہو گیا۔

حضرت ام الفضلؓ سے تیس احادیث مروی ہیں۔ان کے راویوں میں حِبر الامت حضرت عبد اللہؓ اور دوسرے فرزندانِ عباسؓ اور حضرت انس بن مالکؓ جیسے جلیل القدر اصحاب شامل ہیں۔

وفات: حضرت ام الفضلؓ نے حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے عہد خلافت میں اپنے شوہر (حضرت عباسؓ) کے سامنے ہی وفات پائی۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔ نمازِ جنازہ حضرت عثمانؓ نے پڑھائی۔رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

(تذکارِ صحابیات ص:۲۴۱۔مؤلفہ مولانا ابوطالب ہاشمی)

حضرت فاطمہؓ زوجہ خواجہ ابوطالب متوفیاۃ پہلی صدی سنہ ھ

تعارف: حضرت فاطمہ بنت اسدؓ کا شماران جلیل القدر صحابیات میں ہوتا ہے جو امت مسلمہ کیلئے سرمایۂ فخر و ناز ہیں۔ آپ حضرت ابو طالب کی زوجہ تھیں اور حضرت جعفر طیارؓ اور شیر خدا حضرت علی المرتضیٰؓ کی والدہ تھیں۔

قبول اسلام: بعثت کے بعد رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت حق کا آغاز فرمایا تو بنو ہاشم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سب سے زیادہ ساتھ دیا۔ حضرت فاطمہؓ کے فرزند حضرت علی کرم اللہ وجہ تو دعوت حق پر لبیک کہنے والے اولین نوجوان (لڑکے) تھے۔ خود حضرت فاطمہؓ بھی ابتدائے دعوت میں سعادت اندوز اسلام ہو گئیں۔ کچھ عرصہ بعد ان کے دوسرے فرزند جعفرؓ بھی پرستارانِ حق میں داخل ہو گئے۔

سنہ ۱۰ نبوی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت ابوطالب نے وفات پائی، تو آپ کی سرپرستی کی ذمہ داری حضرت فاطمہؓ نے اٹھالی۔ وہ اپنے فرزندوں سے بھی بڑھ کر آپ پر شفیق تھیں۔

جب عام مسلمانوں کو مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم ملا تو حضرت فاطمہؓ بھی ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئیں۔ ہجرت کے موقع پر ان کے لخت جگر حضرت علی مرتضیٰؓ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں اپنے بستر پر سلا کر سفرِ ہجرت پر روانہ ہوئے۔

ہجرت نبوی کے دو یا تین سال بعد حضرت فاطمہؓ بنت اسد کے فرزند ارجمند جناب علی

مرتضیٰؓ کا نکاح رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لخت جگر حضرت فاطمۃ الزہرا بتولؓ سے ہوا۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت فاطمہ بنت اسدؓ سے بڑی محبت تھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر ان سے ملنے کیلئے تشریف لے جاتے تھے اور ان کے گھر آرام فرماتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی باران کی شفقت، شرافت اور خصائل حمیدہ کی تحسین فرمائی۔

وفات: حضرت فاطمہ بنت اسدؓ نے ہجرت کے چند سال بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارک ہی میں وفات پائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی وفات کو شدت سے محسوس کیا۔ اپنی قمیص مبارک اتار کر کفن دیا اور تدفین سے پہلے قبر میں اتر کر لیٹ گئے۔ لوگوں نے اس پر تعجب کا اظہار کیا تو فرمایا:

''ابو طالب کے بعد ان سے زیادہ میرے ساتھ کسی نے مہربانی نہیں کی۔ میں نے اپنی قمیص ان کو اس لئے پہنائی کہ جنت میں انہیں حُلّہ ملے اور قبر میں اس لئے لیٹا کہ شاید قبر میں آسانی ہو۔''

ایک روایت میں ہے کہ اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ستر ہزار فرشتوں کو فاطمہؓ بنت اسد پر درود پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ حضرت علیؓ اور حضرت جعفرؓ کے علاوہ حضرت فاطمہ بنت اسدؓ کے فرزند عقیلؓ اور صاحبزادیوں میں ام ہانیؓ اور جمانہؓ کو بھی قبول اسلام کی سعادت نصیب ہوئی۔ جس خاتون کو سید المرسلین فخر موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قمیص مبارک کا کفن ملا ہو اور جس کی آخری آرامگاہ سے باعث تکوین روزگار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسد اطہر مس ہوا ہو، اس کے علو مرتبت کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ (تذکار صحابیات ص:۱۴۵)

حضرت بریرہؓ خادمہ حضرت عائشہؓ متوفاۃ پہلی صدی ھ

تعارف: حضرت بریرہؓ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کی آزاد کردہ کنیز تھیں۔ ان کے شرف اسلام اور صحابیت پر سب اہل سیر کا اتفاق ہے۔ ایک دن ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: کہ میری مدد کیجئے اور اپنی کنیز بنا لیجئے۔ ام المؤمنینؓ نے زرِ مکاتبت کی پوری رقم ایک مشت دینے کا وعدہ فرما لیا۔ ان کے آقا سے دریافت کیا گیا وہ ان کے فروخت کرنے پر رضا مند ہو گئے، لیکن اپنا حق وراثت برقرار رکھنے پر مصر ہوئے۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک یہ بات پہونچی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا: کہ وراثت کا حق اسی کو پہنچتا ہے جو غلام خرید کر آزاد کر دے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ نے حضرت بریرہؓ کو خرید کر آزاد کر دیا لیکن انہوں نے حضرت عائشہؓ کے پاس ہی رہنا پسند کیا۔ حضرت عائشہؓ کے فیض صحبت کے ساتھ وہ فیضان نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بھی خوب سیراب ہوئیں اور معدن فضل وکمال بن گئیں۔

ان کی شادی حضرت مغیثؓ سے ہوئی تھی جو ایک حبشی غلام تھے۔ اور صحابئ رسول تھے، حضرت بریرہؓ کو ان سے نفرت ہو گئی تھی۔ آزاد ہوئیں تو ان سے قطع تعلق کرنا چاہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کو اس سے روکنا چاہا۔ بریرہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کیا یہ آپ کا حکم ہے؟ ارشاد فرمایا: نہیں، میں سفارش کرتا ہوں۔ تو بریرہؓ نے مغیثؓ کے ساتھ رہنے سے معذرت

کر دی۔اس پر حضورصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں کی علاحدگی کا حکم صادر فرمایا۔بریرہؓ مطلقہ عورت کی طرح عدت پوری کیں۔حضرت مغیثؓ کو ان سے بہت محبت تھی،اس علاحدگی سے وہ دل گرفتہ ہو گئے۔اور مدینہ کی گلیوں میں روتے پھرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضورصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اس حالت میں دیکھ کر حضرت عباسؓ سے فرمایا:

چچا جان مغیثؓ کی محبت اور بریرہؓ کی نفرت آپ کو عجیب نہیں معلوم ہوتی؟

اخلاق: حضرت بریرہؓ کے گلشن اخلاق میں حب رسول،تحمل، بردباری، استغناء، زہد واتقاء، حق گوئی، سلامتی طبع اور مخلوق خدا کی خیر اندیشی جیسے خوش رنگ پھول تھے۔اہل بیت اور دوسرے متعلقین کا بیحد احترام کرتی تھیں۔عبادت الٰہی سے بڑا شغف تھا۔حضورصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث بیان کرنے لگتیں تو فرط عقیدت واحترام سے ان پر رقت طاری ہو جاتی اور آنکھیں نم ہو جاتیں۔

ارشادات

فرمایا: کسی کو نیکی کی بات بتانے میں بخل کرنا، امانت میں خیانت کے مترادف ہے۔

فرمایا: ہمیشہ رزق حلال سے اپنا پیٹ بھرو کیونکہ اس میں بیشمار برکتیں ہیں۔

فرمایا: لغوبات کرنے سے دل سیاہ ہو جاتا ہے، پرہیز گار وہی ہے جو اپنی زبان کو قابو میں رکھے۔ضرورت سے زیادہ باتیں کرنے والا دروغ گوئی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

فرمایا: بہادر وہ ہے جو کمزور اور ناتواں پر وار نہیں کرتا اور نہ کمزور سے انتقام لیتا ہے۔

فرمایا: دنیا کے فائدے چند روزہ ہیں ان کے حصول کیلئے زیادہ دوڑ دھوپ نہ کرو۔

فرمایا: جھوٹ بولنا بہت بڑا فتنہ ہے، ہمیشہ راست بازی سے کام لو۔

فرمایا: بات ہمیشہ سیدھی اور صاف کرو، کسی کو غلط فہمی میں مبتلا کر کے اپنا مطلب نہ نکالو۔

وفات: مختلف روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وصال رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۱۱ سنہ ھ کے بعد بہت دنوں تک زندہ رہیں۔ امید ہے کہ پہلی صدی ہجری ہی میں وفات ہوئی ہوگی۔ رضی اللہ عنہا۔

(تذکار صحابیات ص:۴۵۶)

حضرت ام ہانیؓ بنت خواجہ ابوطالب متوفاة پہلی صدی ھ

نام ونسب: حسب اختلاف روایت فاختہ یا فاطمہ یا ہند، کنیت ام ہانی، عم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابو طالب کی دختر تھیں، حضرت جعفر طیار اور حضرت علیؓ ان کے حقیقی بھائی تھے۔

فتح مکہ کے سلسلہ میں حضرت ام ہانیؓ سے متعلق روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ فتح مکہ سے پہلے ہی مشرف بہ اسلام ہو چکی تھیں، اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت محبت اور عقیدت رکھتی تھیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ان کا بے حد لحاظ اور خیال تھا، چنانچہ جن مشرکوں کو حضرت ام ہانیؓ نے اپنے گھر میں پناہ دی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ان کو پناہ دے دی، اور فرمایا: جس کو تو نے پناہ دی اس کو میں نے بھی پناہ دے دی، مزید براں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنفس نفیس حضرت ام ہانیؓ کے گھر تشریف لے گئے اور وہاں نماز پڑھی۔

نکاح: ام ہانیؓ کا نکاح ہبیرہ بن عبدالوہب سے ہوا تھا جو فتح مکہ کے دن حالت شرک میں نجران کی طرف بھاگ گیا، صحیح مسلم میں ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ام ہانی سے نکاح کی خواہش ظاہر کی، انھوں نے یہ کہہ کر معذرت کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میری عمر زیادہ ہوگئی، اور میرے بچے بھی ہیں جن کی پرورش میرے لئے ضروری ہے، اگر حق شوہرادا نہ ہوسکا تو میری گرفت ہوجائے گی۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ام ہانیؓ پر بہت شفقت فرمایا کرتے تھے، ایک مرتبہ

ان سے فرمایا: ام ہانی! یہ بکری لے لو، بہت بابرکت جانور ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقرر کردہ وظیفہ: امام احمدؒ نے لکھا ہے ایک دفعہ حضرت ام ہانیؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اب میں بوڑھی ہوگئی ہوں، چلنے پھرنے میں کمزوری محسوس ہوتی ہے، کوئی ایسا وظیفہ بتادیجئے جسے بیٹھے بیٹھے پڑھ سکوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سو مرتبہ **سبحان اللہ**، سو مرتبہ **الحمد للہ**، اور سو مرتبہ **لا الہ الا اللہ** پڑھ لیا کرو۔

وفات: حافظ ابن حجرؒ کا بیان ہے کہ حضرت ام ہانیؓ نے امیر معاویہؓ کے زمانِ حکومت میں وفات پائی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

(تذکار صحابیات: ص ۳۳۴)

حضرت فاطمہؓ زوجہ حضرت اسامہ بن زیدؓ متوفاۃ پہلی صدی سنہ ھ

نام ونسب: نام فاطمہ والدہ کا نام امیمہ بنت ربیعہ جو بنی کنانہ سے تھیں۔ دعوت حق کی ابتداء ہی میں شرف اسلام سے بہرہ ورہوئیں اور ہجرت کے دوراول میں مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کیا۔ سنہ ۱۰ھ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ جب یمن کی طرف ایک لشکر لے کر گئے اس میں فاطمہؓ کے شوہر ابوعمرو حفصؓ بھی تھے۔ انہوں نے روانگی سے پہلے حضرت فاطمہؓ کو طلاق دے دی۔ چنانچہ جب حضرت فاطمہ نے اپنے نکاح ثانی کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشورہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا معاویہؓ مفلس ہیں اور ابوجہمؓ سخت مزاج ہیں تم اسامہ ابن زیدؓ سے نکاح کرلو، حضرت فاطمہؓ کچھ متأمل ہوئیں تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمہیں کیا عذر ہے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرو۔ اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔ چنانچہ حضرت اسامہ سے نکاح کرلیا۔ وہ بڑے جلیل القدر صحابی تھے اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب تھے۔ (تذکار صحابیات ص:۲۹۰)

سنہ ۲۴ھ میں جب حضرت عمر فاروقؓ نے شہادت پائی تو مجلس شوریٰ کا اجتماع حضرت فاطمہؓ کے مکان ہی میں ہوتا تھا، چونکہ وہ نہایت زیرک معاملہ فہم اور صائب الرائے تھیں۔ اسلئے ان سے مشورہ لینا ارا کین مناسب سمجھتے تھے۔

وفات: آپ کی وفات پہلی صدی ہجری میں ہوئی ہوگی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

حضرت زینب ؓ زوجہ حضرت عبداللہ ؓ بن مسعود متوفاۃ سنہ پہلی صدی ھ

نام ونسب: نام زینب، لقب رائطہ، قبیلہ بنو ثقیف سے تھیں، فقیہ الامت حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کی اہلیہ تھیں، حضرت عبداللہ کا کوئی ذریعہ معاش نہیں تھا اور وہ بہت تنگ دست تھے، حضرت زینب ؓ دست کار تھیں، جو کچھ کماتی تھیں، اپنے شوہر اور ان کی اولاد پر صرف کر دیتی تھیں، اس طرح دوسرے حاجت مندوں اور مسکینوں کو صدقہ دینے کے لئے ان کے پاس کچھ نہیں بچتا تھا۔

ایک دفعہ حضرت زینب ؓ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! میرے ماں باپ آپ پر قربان، میں ایک دستکار عورت ہوں جو کچھ کماتی ہوں شوہر اور اولاد پر خرچ کر دیتی ہوں، کیونکہ میرے خاوند کا کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے اس طرح مساکین کو صدقہ نہیں دے سکتی، ایسی صورت میں مجھے کچھ ثواب ملتا ہے یا نہیں؟

حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ہاں تم کو ان کی کفالت کرنی چاہیئے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک دفعہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عورتوں کو صدقہ وخیرات کی ترغیب دی، حضرت زینب ؓ نے عبداللہ بن مسعود ؓ سے کہا کہ آپ بہت تنگ دست ہیں رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس جائیں، اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اجازت دیں تو میں جو صدقہ کرنا چاہتی ہوں آپ ہی پر کروں، حضرت عبداللہ نے فرمایا تم ہی جاؤ، حضرت زینب ؓ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے آستانے پر حاضر

ہوئیں، دروازے پر انصار کی ایک خاتون کو کھڑی پایا، وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہی مسئلہ پوچھنے آئی تھیں، اتنے میں اندر سے حضرت بلالؓ آئے، ان دونوں نے ان سے درخواست کی کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کردیں کہ دو عورتیں دروازے پہ کھڑی ہیں اور پوچھتی ہیں کہ وہ اپنے شوہروں اور ان کے زیر کفالت بچوں پر صدقہ کرسکتی ہیں یا نہیں؟

حضرت بلالؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ان کا سوال پیش کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ دونوں کون ہیں؟ تو حضرت بلالؓ نے بتایا کہ ایک عورت انصار کی ہے اور دوسری زینب ہے، حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: کون سی زینب؟ عرض کیا عبداللہ بن مسعودؓ کی اہلیہ، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ان کو دوہرا ثواب ملے گا، ایک قرابت کا دوسرے صدقہ کا۔ (تذکار صحابیات: ص ۳۳۰)

مسند احمد بن حنبلؒ میں ہے کہ حضرت زینب کو سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیحد محبت اور عقیدت تھی، وہ وقتاً فوقتاً بارگاہ نبوت میں حاضر ہوتی رہتی تھیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ان پر غیر معمولی شفقت فرماتے تھے اور کبھی کبھی ان کو اپنا سر مبارک دیکھنے کی اجازت دے دیتے تھے، ایک دن حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سر مبارک دیکھ رہی تھیں، اس وقت مہاجرین کی کچھ اور خواتین بھی بارگاہ نبوت میں حاضر تھیں کسی مسئلہ پر بحث چھڑ گئی، حضرت زینبؓ اپنا کام چھوڑ کر بولنے لگیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم آنکھ سے نہیں بولتی ہو کام بھی کرو اور باتیں بھی۔

وفات: حضرت زینبؓ کی وفات پہلی صدی ہجری میں ہوئی ہوگی، رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

حضرت ام ایوب انصاریہ ؓ متوفاۃ پہلی صدی سنہ ھ

تعارف: اصل نام معلوم نہیں اپنی کنیت ''ام ایوب'' سے مشہور ہیں۔ میزبان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابو ایوب انصاری ؓ کی اہلیہ تھیں۔ ہجرت نبوی سے قبل اپنے شوہر کے ساتھ ہی اسلام قبول کیا۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو سات ماہ تک حضرت ابو ایوب ؓ کے گھر میں قیام فرمایا۔ اس دوران حضرت ام ایوب ؓ ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کھانا تیار کیا کرتی تھیں۔ ابتداء میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو ایوب ؓ کے مکان کی زیریں منزل میں قیام فرمایا۔ حضرت ابوایوب ؓ اورام ایوب ؓ اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنی خواہش کے مطابق بالا خانے میں منتقل ہو گئے تھے مگر دونوں میاں بیوی کو ہر وقت یہ خیال مضطرب رکھتا تھا کہ وہ تو بالائی منزل میں مقیم ہیں اور مہبط وحی و رسالت ﷺ نچلی منزل میں۔ ابن ہشام کا بیان ہے کہ ایک روز بالا خانے پر پانی سے بھرا ہوا برتن پھوٹ گیا۔ میاں بیوی اس خیال سے بے قرار ہو گئے کہ پانی بہہ کر نیچے جائے گا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف ہوگی۔ گھر میں اوڑھنے کا ایک ہی لحاف تھا۔ انہوں نے فی الفور یہ لحاف گھسیٹ کر پانی پر ڈال دیا تاکہ بہتا ہوا پانی لحاف میں جذب ہو جائے۔ جب پانی کے نیچے بہنے کا امکان نہ رہا تو میاں بیوی نے اطمینان کا سانس لیا۔

ایک دن اپنے بالائی منزل میں مقیم ہونے کا احساس اس قدر شدت اختیار کر گیا کہ دونوں میاں بیوی چھت کے ایک کونے میں سکڑ کر بیٹھ گئے اور

سای رات اسی حالت میں جاگ کر گزاری۔ صبح ہوئی تو حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی ''یا رسول اللہ ﷺ، ہم ساری رات چھت کے ایک کونے میں بیٹھ کر جاگتے رہے۔''

حضور ﷺ نے سبب دریافت فرمایا تو عرض کیا:

''ہمارے ماں باپ آپ پر قربان، ہر لحظہ یہ خیال سوہان روح رہتا ہے کہ آپ تو زیریں منزل میں تشریف رکھتے ہیں اور ہم بالا خانے میں مقیم ہیں۔ یا رسول اللہ ﷺ آپ بالا خانے میں تشریف لے چلئے، حضور ﷺ کے غلاموں کیلئے آپ کے قدموں کے نیچے رہنا ہی باعث سعادت ہے۔''

سرور کونین ﷺ نے ان کی درخواست قبول فرمائی، اور حضرت ابوایوبؓ اور حضرت ام ایوبؓ نے بکمال مسرت نچلی منزل میں اقامت اختیار کر لی۔

سرور دو عالم ﷺ اپنے خانہ اقدس میں منتقل ہو جانے کے بعد بھی کبھی کبھی حضرت ابو ایوبؓ کے گھر تشریف لے جاتے تھے۔ دونوں میاں بیوی حضور ﷺ کا پرتپاک خیر مقدم کرتے تھے اور جو کچھ میسر ہوتا حضورؐ کی خدمت میں پیش کر دیتے۔ ایک دن حضور ﷺ بھوک کی حالت میں خانۂ اقدس سے باہر نکلے۔ راستے میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ مل گئے۔ سرور کونین ﷺ ان دونوں کو ساتھ لیکر حضرت ابو ایوبؓ کے گھر رونق افروز ہوئے۔ اس وقت حضرت ابوایوبؓ اپنے مکان سے متصل کھجوروں کے باغ میں تھے اور گھر میں کھانے کی کوئی چیز موجود نہ تھیں۔ حضرت ام ایوبؓ نے حضورؐ کو اہلاً وسہلاً کہا۔ حضور ﷺ نے پوچھا: ''ابوایوبؓ کہاں ہیں؟'' حضرت ابو

ایوبؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز سنی تو کھجوروں کا ایک گچھا توڑ کر دوڑے ہوئے گھر آئے اور یہ گچھا مہمانانِ عزیز کی خدمت میں پیش کیا۔ اس کے ساتھ ہی فوراً ایک بکری ذبح کی۔ حضرت ام ایوبؓ نے آدھے گوشت کا سالن پکایا، آدھے کا کباب بنایا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کھانا پیش کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک روٹی پر کچھ گوشت رکھ کر فرمایا: ''اسے فاطمہؓ کو بھیج دو اس پر کئی دن کا فاقہ ہے۔'' حضرت ابو ایوبؓ نے تعمیل ارشاد کی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رفقاء کرام کے ساتھ کھانا کھایا۔ قیاس یہ ہے کہ حضرت ام ایوبؓ نے کئی اور موقعوں پر بھی اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کی ہوگی۔

حضرت ام ایوبؓ سے چند احادیث بھی مروی ہیں۔ ان کے بطن سے حضرت ابوایوبؓ کی جو اولاد ہوئیں ان میں سے ایوب، خالد، محمد تین بیٹوں اور ایک بیٹی عمرہ کا نام معلوم ہے۔

وفات: حضرت ام ایوبؓ کے سالِ وفات کے بارے میں کتبِ سیر خاموش ہیں۔ لیکن امید ہے کہ پہلی صدی ہجری میں وفات ہوئی ہوگی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

(تذکارِ صحابیات ص: ۲۸۷)

حضرت خولہؓ زوجہ حضرت عثمان بن مظعونؓ متوفاۃ پہلی صدی ھ

نام ونسب: نام خولہؓ اور کنیت ام شریک ہے۔قبیلہ بنو سلیم سے تھیں۔

نکاح: ان کا نکاح جلیل القدر صحابی حضرت ابو السائب عثمانؓ بن مظعون سے ہوا۔ ۱۲ سنہ نبوی کے بعد اپنے شوہر کے ساتھ ہجرت الی المدینہ کا شرف حاصل کیا۔ حضرت عثمان بن مظعونؓ کو عبادت الٰہی سے بیحد شغف تھا، رات رات بھر نمازیں پڑھتے اور دن کو اکثر روزے رکھتے تھے، ان کے شوق عبادت نے انہیں بیوی بچوں سے بے نیاز کر دیا تھا۔ ایک دن حضرت خولہؓ حرم نبوی میں آئیں تو نہایت پریشان حال تھیں اور ہر قسم کی زنانہ زیب وآرائش سے خالی تھیں۔امہات المؤمنینؓ نے انہیں اس حالت میں دیکھ کر پوچھا: ''تم نے ایک بیاہتا عورت ہو کر اپنی حالت کیوں ایسی بنا رکھی ہے حالانکہ تمہارے شوہر قریش کے نہایت آسودہ حال لوگوں میں ہیں۔''

حضرت خولہؓ نے اشارے سے کہا: ''ان کو اپنے بیوی بچوں سے کیا غرض وہ تو رات بھر نمازیں پڑھا کرتے ہیں اور دن بھر روزہ رکھتے ہیں۔''

امہات المؤمنینؓ حقیقتِ حال کی تہہ تک پہنچ گئیں۔سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو انہوں نے باتوں باتوں میں ان کا تذکرہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی وقت بہ نفسِ نفیس حضرت عثمانؓ بن مظعون کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: ''عثمانؓ کیا تمہارے نزدیک میرا طرز زندگی پیروی کے لائق نہیں؟''

انہوں نے عرض کیا: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے ماں باپ آپ پر قربان! بلاشبہ آپ کی ذات گرامی میرے لئے نمونہ ہے، مجھ سے کیا قصور سرزد ہوا؟''

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''عثمانؓ ہمارے لئے رہبانیت کا حکم نہیں ہے، میں تم سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں، نمازیں بھی پڑھتا ہوں، روزے بھی رکھتا ہوں اور اہل خانہ کے حقوق بھی ادا کرتا ہوں، تم پر بھی تمہاری آنکھ جسم اور اہل وعیال سب کا حق ہے۔ نمازیں پڑھو، روزے رکھو لیکن اہل وعیال کا حق بھی ادا کرو۔''

حضرت عثمانؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کا مطلب سمجھ گئے۔ اس کے چند دن بعد حضرت خولہؓ امہات المؤمنین کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو ان کی حالت ایک دلہن جیسی تھی (اچھے لباس میں تھیں اور خوشبو لگائے ہوئے تھیں۔) یہ ابن سعدؒ کا بیان ہے۔ مسند احمد بن حنبلؒ میں ہے کہ حضرت خولہؓ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئی تھیں اور انہوں نے ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا تھا۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ اعتدالی زندگی ہی سنت کی زندگی ہے، اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر موقع پر صحابہ کرامؓ کو اعتدالی طرز زندگی کی تعلیم دی۔ لیکن افسوس کہ آج امت افراط وتفریط میں مبتلاء ہے۔ العیاذ باللہ۔ (مرتب)

غزوۂ بدر کے بعد ۲ سنہ ھ کے اخیر میں حضرت عثمانؓ بن مظعون نے وفات پائی اور اپنے پیچھے حضرت خولہؓ اور دو بیٹے عبد الرحمٰنؓ اور سائبؓ چھوڑے۔ ان کے بعد حضرت خولہؓ نے اپنی زندگی بیوگی کے عالم میں گزار دی اور دوسرا نکاح نہیں کیا۔

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شوہر کی وفات کے بعد حضرت خولہؓ اکثر پریشان رہتی تھیں۔ لیکن اس کے باوجود نماز روزے میں بیحد انہماک تھا۔ امام ابن حنبلؒ کہتے ہیں: وہ قائم اللیل اور صائم النہار تھیں۔

حضرت خولہؓ سے پندرہ حدیثیں مروی ہیں۔

وفات: امید ہے کہ آپ کی وفات پہلی صدی ہجری میں ہوئی ہوگی۔ رضی اللہ عنہا۔

(تذکار صحابیات ص:۳۶۵)

حضرت ام عطیہ بنت حارث متوفاۃ پہلی صدی سنہ ھ

نام ونسب: ان کا نام نسیبہ اور باپ کا نام حارث تھا، ام عطیہ سے مشہور تھیں۔ آپ کا شمار جلیل القدر صحابیات میں ہوتا ہے۔

اسلام: ام عطیہؓ کا شمار ان خوش نصیب ہستیوں میں ہوتا ہے جو ہجرت نبوی سے پہلے نعمت اسلام سے بہرہ ور ہوئیں۔ قیاس یہ ہے کہ وہ ۱۲ سنہ نبوی یعنی بیعت عقبۂ اولیٰ کے بعد داخل اسلام ہوئیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے تو آپ نے بیعت کی درخواست کی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیعت کی خواہش مند عورتوں کو ایک مکان میں جمع ہونے کی ہدایت فرمائی۔ جب تمام خواتین اس مکان میں جمع ہوئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر فاروقؓ کو ان کی طرف بھیجا کہ ان شرائط پر بیعت لیں۔ کسی کو اللہ کا شریک نہ بنائیں گی۔ اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی۔ چوری نہ کریں گی۔ زنا سے بچیں گی۔ کسی پر جھوٹی تہمت نہ لگائیں گی۔ اچھی باتوں سے انکار نہ کریں گی۔ حضرت عمر فاروقؓ اس مکان پر تشریف لائے جہاں عورتیں جمع تھیں۔ دروازہ پر کھڑے ہو کر بیعت کے شرائط بیان کئے تمام خواتین نے تسلیم کر لیا۔ حضرت عمرؓ نے اپنا ہاتھ اندر کی طرف بڑھایا اور تمام خواتین نے بیعت کی علامت کی طور پر اپنے ہاتھ باہر نکالے اور یوں حضرت عمر فاروقؓ کی وساطت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت سے مشرف ہوئیں۔

غزوات: سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ام عطیہؓ پر بہت شفقت اور اعتماد فرماتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوات میں انہیں ساتھ رکھتے تھے۔ چنانچہ سات غزوات میں شریک ہوئیں اور قابل قدر خدمات انجام دیں۔ وہ مجاہدین کیلئے کھانا پکاتیں، زخمیوں کی مرہم پٹی کرتیں، کوئی بیمار ہوجاتا تو تیمار داری کرتی تھیں۔

علم وفضل کے اعتبار سے حضرت ام عطیہؓ بڑے بلند درجہ پر فائز تھیں۔ محدثین نے روایت حدیث کے لحاظ سے انہیں چوتھے طبقے میں شمار کیا۔ان سے اکتالیس احادیث مروی ہیں۔

وفات: کتب سیر میں یہ صراحت ہے کہ آپ عہد خلافت راشدہ میں زندہ تھیں۔اس کے بعد کے سالوں میں پہلی صدی ہجری میں آپ کا انتقال ہوا ہوگا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

(تذکار صحابیات ص:۳۹۵)

حضرت اسماء انصاریہ ؓ متوفاة پہلی صدی سنہ ھ

نام ونسب: حضرت اسماء بنت یزید کا شمار نہایت عظیم المرتبت صحابیات میں ہوتا ہے۔ ان کا تعلق اوس کے خاندانِ بنو عبد الاشہل سے تھا۔ جو اوس کا شریف ترین گھرانہ تھا۔ سارے قبیلے کی سیادت اسی خاندان میں چلی آ رہی تھی۔ سید الاوس حضرت سعد بن معاذ ؓ بھی اسی خاندان سے تھے۔

سعادت: جب حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو شرف بیعت سے مشرف ہوئیں۔ اور شوال ۱ سنہ ھ میں جب حضرت عائشہ صدیقہ ؓ کی رخصتی ہوئی تو حضرت اسماء ؓ نے چند دوسری خواتین کے ہمراہ انہیں سنوارا اور پھر کمرے میں بٹھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع دی۔

حضرت اسماء ؓ کو سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انتہاء درجہ کی عقیدت و محبت تھی۔ اکثر دربار رسالت میں حاضر ہوتی تھیں اور اکتساب فیض کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ ان کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دجال کا تذکرہ فرمایا بڑی متاثر ہوئیں اور رونے لگیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھ کر باہر تشریف لے گئے کچھ دیر بعد دوبارہ تشریف لائے تو حضرت اسماء کی شدت گریہ سے بدستور ہچکی بندھی ہوئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اسماء ؓ اتنا کیوں روتی ہو؟ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سے تو اتنی بھوک بھی برداشت نہیں ہوتی کہ لونڈی آٹا گوندھ کر اطمینان سے روٹی پکالے۔

دجال کے عہد میں ثابت قدم رہنے کا نسخہ: دجال کے عہد میں جب

قحط پڑے گا تو ہم ایمان پر کیسے ثابت قدم رہیں گے۔تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس وقت اللہ کے ذکر کی کثرت بھوک سے بچائے گی۔ پھر انہیں دلاسا دلایا کہ گریہ وزاری کی ضرورت نہیں اگر میں اس وقت تک زندہ رہا تو مسلمانوں کی حفاظت کیلئے سینہ سپر ہو جاؤں گا۔ اوراگر دجال کا ظہور میرے بعد ہوا تو ہر مسلمان کی حفاظت اللہ تعالیٰ خود کرے گا۔

حضرت اسماءؓ کو مہمانوں کی خدمت کرنے میں بڑی راحت ملتی تھی۔ ایک مرتبہ مشہور تابعی شہر بن حوشبؒ ان کے گھر آئے تو ان کے سامنے بڑی شفقت سے کھانا پیش کیا انہوں نے کھانے سے عذر کیا۔ انہوں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک واقعہ سنا کرفرمایا: اب تو تمہیں کوئی عذر نہیں؟ انہوں نے کہا اماں اب ایسی غلطی نہیں کروں گا۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسماءؓ کا سوال: ایک دفعہ خواتین کی جماعت کے ساتھ حضرت اسماءؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اورعرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، مسلمان عورتوں کی طرف سے ایک پیغام لیکر آئی ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مرد وزن سب کی ہدایت کیلئے مبعوث کیا ہے۔ہم آپ پر ایمان لائے ہیں لیکن عورتوں اورمردوں کی حالت میں بڑا فرق ہے،عورتیں گھروں کے اندر رہتی ہیں اس لئے مردوں کی طرح نماز باجماعت، نماز جمعہ، نماز جنازہ میں شریک نہیں ہوسکتیں اور نہ حج اور جہاد میں عمومیت سے حصہ لے سکتی ہیں۔ البتہ جب مرد باہر ہوتے ہیں تو ان کی اولاد کی پرورش کرتی ہیں ان کے مال کی حفاظت کرتی ہیں۔ کیا عورتوں کو بھی

مردوں کے کارہائے اجر کا ثواب ملے گا؟ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس خاتون کی فصاحت وبلاغت اورزور بیان سے بہت متاثر ہوئے اورصحابہ سے مخاطب ہوکر فرمایا: کیاتم نے دین کے بارے میں کسی عورت کی ایسی گفتگوسنی ہے صحابہ نے عرض کیا کہ ہمارے خیال میں بھی نہ آسکتا تھا کہ کوئی عورت ایسا کلام کرسکتی ہے۔

اس پر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت اسماءؓ سے مخاطب ہوکر فرمایا: کہ عورت کیلئے شوہر کی رضا جوئی بہت ضروری ہے۔ اگر ایک عورت فرائض زوجیت ادا کرتی ہے اور شوہر کی موافقت اور فرماں برداری کرتی ہے تو اس کو بھی مرد کے برابر اجر ملے گا۔ عورتیں حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر خوش ہوگئیں۔

ف: اس سے شوہر کے رضا جوئی کی کیسی کچھ اہمیت معلوم ہوئی۔ عورتیں خوب سن لیں اور سمجھ لیں۔ واللہ الموفق۔ (مرتب)

وفات: حضرت اسماءؓ نے جنگ یرموک ۱۵ھ کے کئی سال بعد وفات پائی۔ رضی اللہ عنہا۔

(تذکار صحابیات ص:۴۰۲)

حضرت ام سلیم ؓ والدہ حضرت انس ؓ متوفاۃ پہلی صدی ھ

نام ونسب: آپ کا اصل نام رملہ یا سہلہ تھا۔ اور لقب غمیصا اور رمیصا تھا اور کنیت ام سلیم تھی۔ ام سلیم قبیلۂ خزرج سے تعلق رکھتی تھیں۔ والد کا نام ملحان بن خالد ہے۔ ام سلیم ؓ کا شمار عظیم المرتبت صحابیات میں ہوتا ہے۔

سعادت: حضرت ام سلیم ؓ کو اللہ تعالیٰ نے نہایت صالح فطرت سے نوازا تھا۔ بیعت اولیٰ میں جب چند سعید الفطرت حضرات، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت سے سعادت اندوز ہوکر مدینہ واپس گئے اور وہاں جا کر اسلام کا چرچا کیا تو حضرت ام سلیم ؓ نے دین حق قبول کرنے میں ایک لمحہ کا توقف نہ کیا۔ چنانچہ ان کا شمار انصار کے السابقون الاولون میں ہوتا ہے۔ حضرت ام سلیم ؓ کی پہلی شادی اپنے ابن عم ؓ مالک ابن نضر سے ہوئی۔ حضرت انس بن مالک ؓ جن کا شمار اساطین امت میں ہوتا ہے انہی سے پیدا ہوئے۔

آپ کا دوسرا نکاح ابوطلحہ انصاری ؓ سے ہوا۔ ۸ سنہ ھ میں فتح مکہ کے چند دن بعد حضرت ام سلیم ؓ غزوۂ حنین میں اپنے شوہر ابوطلحہ ؓ کے ساتھ شریک تھیں۔

حضرت ام سلیم ؓ کو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انتہاء درجہ کی محبت اور عقیدت تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ان کی بیحد قدر و منزلت فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وقتاً فوقتاً ان کے گھر تشریف لے جاتے اور دوپہر کو وہاں آرام فرماتے تھے۔

ایک دفعہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے تو ام سلیم ؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی خدمت میں کھجور اور مکھن پیش کیا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں روزے سے ہوں۔ کچھ دیر بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نفل نماز پڑھی اور ام سلیمؓ کے گھرانے کیلئے دعا مانگی۔حضرت ام سلیمؓ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے اپنے فرزند انس سے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خدمت گار ہے بہت محبت ہے۔اس کے لئے خاص طور سے دعا کیجئے۔ رحمت نبوی جوش میں تھی آپ نے دست دعا اٹھایا اور حضرت انسؓ کے حق میں یوں دعا مانگی: اے اللہ! اس کو مال دے، اور اس کی عمر میں برکت عطا فرما۔اس دعا کا اثر یہ ہوا کہ حضرت انسؓ تمام انصار میں سب سے زیادہ متمول ہو گئے اور طویل عمر پائی اور کثیر اولاد ہوئی۔

وَ یُؤْثِرُوْنَ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔ یہ آیت کریمہ حضرت ام سلیمؓ اور ابو طلحہؓ کے سلسلہ میں اس وقت نازل ہوئی جب دربار رسالت میں کچھ مہمان آئے اور ان کو کھلانے کیلئے کچھ نہ تھا تو ابو طلحہؓ نے ام سلیمؓ سے کہا: تو ان حضرات نے مہمانوں کی عجیب انداز سے ضیافت کی اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وفات: قیاس یہ ہے کہ صدیق اکبرؓ کے عہد خلافت میں ام سلیمؓ نے وفات پائی۔رضی اللہ عنہا۔

(تذکار صحابیات ص:۴۲۷)

حضرت عاتکہؓ بنت زید متوفاة پہلی صدی ھ

تعارف: حضرت عاتکہ بنت زیدؓ قرشیہ حضرت سعید بن زیدؓ کی بہن ہیں مہاجرات میں سے ہیں۔حسن و جمال میں مشہور اور اخلاق کی بلندی میں یکتا۔

نکاح: ان کی پہلی شادی حضرت ابوبکر صدیقؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ سے ہوئی۔غزوۂ طائف میں ان کی شہادت کے بعد حضرت زید بن خطابؓ سے شادی ہوئی۔ جنگ یمامہ میں ان کی شہادت کے بعد حضرت عمر بن خطابؓ نے ان سے شادی کی۔

نماز کا اہتمام: ان کی خواہش پر حضرت عمرؓ نے ان کو مسجد نبویؐ میں نماز پڑھنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ جس وقت حضرت عمرؓ مسجد میں زخمی کئے گئے،حضرت عاتکہؓ وہاں موجود تھیں۔

حضرت عاتکہؓ اکابر صحابہ میں اپنے علم وفضل ،عزت واحترام اور شان وشوکت میں اہم مقام رکھتی تھیں۔

وفات: امید ہے کہ آپ کی وفات پہلی صدی ہجری میں ہوئی ہوگی۔رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

(خواتین اسلام کی دینی وعلمی خدمات ص:۱۶۲

مؤلفہ: قاضی اطہر صاحب مبارکپوریؒ)

حضرت خولہؓ بنت ازور متوفاة پہلی صدی ھ

تمہید: سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے فتنہ ارتداد کے فروکرنے کے بعد اولاً عراق کو فتح کیا۔ اس کے بعد اسلامی فوج کو سپہ سالار اعظم حضرت خالد بن ولیدؓ کے زیر قیادت بجانبِ شام روانہ کیا۔ ہرقل بادشاہ روم نے بھی اپنی پوری طاقت مسلمانوں کے مقابلے میں جمع کردی اور جمادی الاولیٰ ۱۳ھ میں وہ قیامت خیز معرکہ پیش آیا جس کا نام جنگ یرموک ہے۔اس جنگ میں حضرت ضرار بن ازورؓ اوران کی بہن حضرت خولہؓ بنت ازورؓ بھی شریک تھیں۔حضرت خولہؓ نے اپنی جرأت و بہادری کا جو کارنامہ پیش کیا اس کو عبرت و نصیحت کیلئے نقل کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں۔واللہ الموفق۔(مرتب)

مسلمان عورتوں کی گرفتاری اور خولہؓ کی بہادری: رومیوں نے کچھ مسلمان عورتوں کو گرفتار کرلیا، ان عورتوں میں ضرار بن ازور کی بہن حضرت خولہؓ بھی تھیں۔جب حضرت ضرارؓ کو معلوم ہوا کہ گرفتار شدہ عورتوں میں ان کی بہن بھی ہیں توان کو بہت صدمہ ہوا۔(کیونکہ حضرت خولہؓ حسن و جمال میں شہرہ آفاق تھیں گو شجاعت میں بھی خاص حصہ رکھتی تھیں مگر گرفتار قیدی شجاعت کیا دکھلاسکتا ہے اس وقت تو ان کی عفت و عصمت کی سب سے زیادہ فکر تھی)۔اس لئے حضرت ضرارؓ فوراً خالدؓ کے پاس حاضر ہوئے اوران کو اس سانحہ سے خبردار کیا۔حضرت خالدؓ نے فرمایا اے ضرار! گھبراؤ نہیں ہم نے بھی رومیوں کی ایک

بڑی تعداد گرفتار کر لی ہے اور تم نے ان کے افسر بولص کو گرفتار کر رکھا ہے۔ (جس کے معاوضہ میں ہمارے سب قیدی رہا ہو جائیں گے)۔ اور میں بہت جلد مسلمانوں کی عورتوں و بچوں کو دشمن کے پنجہ سے چھڑانے جانے والا ہوں اور دمشق تک اس کے تعاقب کا ارادہ کر رہا ہوں۔

اس کے بعد ایک ہزار کی جمعیت اپنے ساتھ لی اور باقی لشکر کو حضرت ابو عبیدہؓ کے ساتھ اجنادین روانہ کیا تاکہ وردان کے لشکر کو اسلامی مفتوحہ علاقہ کی طرف بڑھنے کی جرأت نہ ہو۔ پھر رافع بن عمیرہؓ طائی اور میسرہ بن عبسی اور ضرار بن ازورؓ کو اپنے لشکر کا مقدمۃ الجیش بنا کر دمشق کی طرف سب سے آگے بھیجا تاکہ پطرس کی فوج کا پتہ لگائیں اور گرفتار شدہ مسلمان عورتوں کی خبر لائیں اور خود ایک ہزار لشکر کے ساتھ اطمینان سے روانہ ہوئے۔

خولہؓ کا انتخاب: پطرس مسلمان عورتوں کو گرفتار کر کے اسی وقت میدان سے ہٹ گیا اور دمشق کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔ مگر ایک نہر پر پہنچ کر اس نے پڑاؤ کر دیا اور لشکر سے کہا کہ مجھے اپنے بھائی بولص کا انتظار ہے۔ جب تک اس کی خبر نہ مل جائے میں یہاں سے آگے نہ بڑھوں گا، اور دمشق میں بھائی سے الگ ہو کر داخل نہ ہوں گا۔ اس کے بعد حکم دیا کہ گرفتار شدہ مسلمان عورتیں اس کے سامنے پیش کی جائیں۔ چنانچہ وہ سامنے لائی گئیں تو خولہؓ بنت ازورؓ کو اس نے اپنے واسطے منتخب کیا اور کہا کہ ان کے بارے میں کوئی شخص طمع نہ کرے، یہ میری ہو چکی ہیں۔

لشکر نے کہا بے شک یہ تمہارے قابل اور تم اس کے قابل ہو۔ اس کے بعد درباریوں نے بقیہ عورتوں کے متعلق کہنا شروع کیا کہ یہ میری ہے اور وہ

فلانے کی ہے۔اور ہر ایک نے اپنے واسطے ایک ایک کو منتخب کرلیا۔اس تقسیم سے فارغ ہوکر سب کی رائے یہ ہوئی کہ بولص کے لشکر کا انجام دیکھ کر اس تقسیم کو نافذ کیا جائے اور اس وقت تک ان سب کو ایک خیمے میں نظر بند رکھا جائے۔ یہ سب عورتیں خیمہ کے اندر بھیج دی گئیں تو خولہ بنت ازورؓ کھڑی ہوئیں اور سب عورتوں کو خطاب کر کے فرمایا۔

خولہؓ کا خطاب: اے خاندان حمیر کی شاہزادیو! اے قوم تبع کی یادگارو! کیا تم کو یہ گوارہ ہے کہ رومی کتے تمہاری عصمت وعفت کو برباد کریں اور تمہارے بچے ان کی غلامی کریں۔آج تمہاری شجاعت وبسالت کہاں گئی جس کے چرچے عرب کے قبیلوں اور دیہات وشہر کی مجلسوں میں ہم سنا کرتے تھے، کیونکہ اس وقت میں تم کو اس وصف سے بالکل کورا دیکھ رہی ہوں۔میری رائے میں تو ان سب مصیبتوں کے مقابلہ میں ہمارا جان سے مارا جانا بہت آسان ہے۔

خولہ بنت ازورؓ تقریر کر کے بیٹھنے نہ پائی تھیں کہ عفرہ بنت غفارؓ ان کو جواب دینے کھڑی ہوئیں اور کہا اے بنت ازورؓ! تم سچ کہتی ہو خدا کی قسم ہماری شجاعت وبسالت ویسی ہی ہے جیسی تم نے سنائی ہم نے بڑے بڑے معرکوں میں کارنمایاں کئے اور بڑے بڑے میدان فتح کئے ہیں۔ہم گھوڑے کی سواری کے عادی اور رات کو سفر کرنے پر دلیر ہیں۔مگر بہادری تو تلوار اور ہتھیار ہی سے ظاہر کی جاسکتی ہے۔اور ہم تو اچانک غفلت کی حالت میں دشمن کے پنجوں میں اس حالت میں گرفتار ہو گئے کہ کسی کے پاس ایک بھی ہتھیار نہیں اب تو ہم بکری اور بھیڑوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے اپنی بہادری کا جوہر کیونکر دکھلائیں۔

حضرت خولہؓ نے جواب دیا کہ اے حمیر وتبع کا نام زندہ رکھنے والی شہزادیو! تم قدم بڑھاؤ اوران کے خیمے کے ستون اوراس کی میخیں نکال کران مردوں پرحملہ کردو۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ ہماری مدد کرے گا یا ہم کواس عار سے نجات مل جائیگی۔ جس کے تصور سے بھی ہم کو وحشت ہوتی ہے۔ عفرہ بنت غفارؓ نے تدبیرسن کرشکریہ ادا کیا اور کہا کہ خدا کی قسم تم نے ایسی بات بتلائی ہے جوہماری تمنا کے عین موافق ہے۔

اس کے بعد سب عورتیں کھڑی ہوگئیں اور خیمہ کے ستون بانس وغیرہ نکال کرسب نے بیک آواز نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ آگے آگے خولہ بنت ازورؓ تھیں اور ان کے پیچھے عفرہ بنت غفارؓ ، ام ابانؓ بنت عتبہ، سلمہؓ بنت ذراع ، لبنیٰؓ بنت حازم، مزرعہؓ بنت عملوق، سلمہ بنت النعمانؓ وغیرہ وغیرہ۔

میدان جنگ میں خولہؓ کی نصیحت: جب یہ میدان میں آگئیں تو حضرت خولہؓ نے ان کو تاکید کی کہ ایک دوسرے سے الگ نہ ہونے پائیں بلکہ حلقہ باندھ کرسب ساتھ رہو اگر ایک دوسرے سے الگ ہوگئیں تو دشمن غالب آجائیں گے۔ اس کے بعد فرمایا کہ ان ستونوں اور بانسوں سے دشمن کے نیزوں اورتلواروں کو بے کار کردو اور ان کے گھوڑوں پر قبضہ کر کے سوار ہوجاؤ۔ اس نصیحت سے فارغ ہوکر حضرت خولہؓ نے حملہ میں پیش قدمی کی اور ایک رومی کے سرپرخیمہ کا ستون مارا جس کے پڑتے ہی وہ زمین پرلوٹنے لگا۔ رومی اس منظر کو دیکھ کر ایک دوسرے کا منھ تکنے لگے کہ یہ کیا قصہ ہے۔ کسی نے کہا کہ مسلمانوں کی عورتیں خیمے کے ستون اکھاڑ کر ہم سے لڑنے پر آمادہ ہوگئی ہیں۔ یہ سن کر پطرس

جھلا گیا اور للکار کر عورتوں سے کہنے لگا تمہارا ناس ہو یہ کیا نا معقول حرکت ہے۔ عفرہ بنت غفارؓ نے اسے ڈانٹا اور فرمایا کہ ہماری حرکتیں ایسی ہی ہوا کرتی ہیں اب ہم ان ستونوں سے تمہاری کھوپڑیاں توڑ کر ناک کے راستے تمہارا بھیجا نکال دیں گے، اور بہت جلد تم کو دوزخ کے تندور میں جھونک دیں گے۔ اللہ اکبر۔

پطرس یہ جواب سن کر آگے بڑھا اور فوج سے مخاطب ہو کر کے کہنے لگا کہ ان پر تلوار سے حملہ نہ کرو نہ کسی کو جان سے مارو بلکہ سب کو زندہ گرفتار کر لو۔ اور خولہؓ بنت ازورؓ کو جو گرفتار کرے خبردار اس کو ذرہ برابر ایذا نہ پہنچائے۔ یہ کہہ کر پطرس نے اپنی فوج سے سب کا محاصرہ کر کے بیچ میں ان کو لے لیا۔ اور زندہ گرفتار کرنے کا ارادہ کیا مگر اس کی کس کو مجال تھی کیونکہ جو بھی آگے بڑھتا تھا عورتیں اس کے گھوڑے کی ٹانگوں پر ستون اور بانس مار کر اسے گرا دیتیں اور قتل کر کے اس کے گھوڑے پر قبضہ کر لیتیں تھیں۔ تھوڑی ہی دیر میں ان سولہ عورتوں نے تیس مردوں کو جان سے مار دیا اور سب کی سب گھوڑوں پر سوار نیزہ، تلوار اور ہر قسم کی ہتھیاروں سے مکمل ہو گئیں۔

یہ منظر دیکھ کر پطرس کے غصہ کی کچھ انتہا نہ رہی وہ گھوڑے سے کود پڑا اور اس کا لشکر بھی پیادہ پا ہو گیا پھر سب نے مل کر تلواریں اور تیر و تفنگ سے عورتوں پر حملہ کر دیا۔ عورتیں بھی برابر ایک دوسرے کو جوش دلا رہی تھیں اور یوں کہہ رہی تھیں کہ بزدلوں کی طرح جان نہ دینا بہادروں کی طرح عزت سے مرنا! اور حضرت خولہؓ ان اشعار سے اپنی بہنوں کو جوش دلا رہی تھیں۔

نَحْنُ بَنَاتُ تُبَّعٍ وَ حِمْيَرْ وَضَرْبُنَا فِيْ الْحَرْبِ لَيْسَ يُنْكَرْ

لِاَنَّنَا فِیْ الْحَرْبِ نَارٌ تُسْعَرُ　　　اَلیَوْمَ تُسْقَوْنَ الْعَذَابَ الاکْبَرْ

ترجمہ: ہم قوم تبع وحمیر کی بیٹیاں ہیں۔لڑائی میں ہماری شمشیرزنی سے کوئی ناآشنا نہیں ہے۔ہم لڑائی میں آگ کے شعلہ کی طرح بھڑکتے ہیں۔آج تم کو سخت عذاب کا مزہ چکھایا جائے گا۔

پطرس نے حضرت خولہؓ کے یہ اشعار سنے اوران کے حسن وجمال پر ایک نظر ڈالی تو اس کا دل پہلو سے نکلنے لگا اور بے تاب ہوکر کہنے لگا اے عربی عورت بس کر بس کر تیری ایسی عزت کروں گا کہ خوش ہوجائے گی۔کیا تیرے واسطے یہ تھوڑی بات ہے کہ مجھ جیسا شخص تیرا خادم اور غلام ہو جس سے تمام نصرانی ڈرتے اورشاہ ہرقل تک میری تعظیم کرتا ہے۔علاوہ ازیں میرے پاس بہت سے گاؤں بہت سے پرگنے (جاگیر) اور ہر قسم کا مال اور ہر قسم کے مویشی بھی ہیں جو سب تیرے قدموں پر نثار ہیں، جس سے تو دمشق والوں کی آقا اور سردار بن جائے گی۔تو اپنی جان پر رحم کر اور اپنے ہاتھوں اپنی موت کو نہ بلا۔خولہؓ نے جواب دیا ارے ملعون! ہزاروں ملعونوں کے بچے! خدا کی قسم اگر مجھے موقعہ مل گیا تو میں تیرا سر گردن سے الگ کردوں گی۔میں تجھے اپنے اونٹوں کا چرواہا بنانا بھی گوارہ نہیں کرتی۔

ف: سبحان اللہ! یہ تھی غیرت ایمانی واحسانی اور متاع دنیا پر ایثار آخرت، مبارک ہو۔**ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔**

اس جواب پر پطرس آگ بگولہ ہوگیا اور اپنے لشکر کو للکار کر کہنے لگا کہ بس بس اب ان پر رحم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں یکبارگی حملہ کردو اور سب کو جان

سے مار ڈالو۔ اگر تم ان سے بھی ہار گئے تو ملک شام میں منہ دکھانے کے قابل نہ رہو گے۔ لوگ ہمیشہ تم کو یہ طعنہ دیا کریں گے کہ یہ عورتوں سے ہار گئے تھے۔ مسیح بن مریم کے غصہ سے ڈرو اور سب کو پوری طرح گھیر کر فنا کردو۔ چنانچہ رومیوں نے ایک زبردست حملہ کیا اور پیش قدمی میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا مگر یہ عورتیں بھی پہاڑ کی طرح اپنی جگہ پر جمی ہوئی تھیں۔ انہوں نے بہت دلیری کے ساتھ ان کی پیش قدمی کو روکا اور جو آگے بڑھا اس کو جہنم رسید کیا۔

(ولادت محمدیہ کا راز مؤلفہ محدث کبیر حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ ص:۴۱۷)

وفات: آپ کا سال وفات تو معلوم نہیں امید کی جاتی ہے کہ پہلی صدی ہجری میں آپ کی وفات ہوئی ہوگی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

ف: آپ حضرات نے حضرات صحابیاتؓ کے علم وعمل، زہد وقناعت، فہم وفراست، وظائف وعبادات، ذکر اللہ وتلاوت کلام اللہ، صوم وصلوٰۃ کی پابندی اور جرأت وشجاعت کے واقعات کو پڑھا۔ یقیناً یہ حضرات ساری امت کیلئے اسوۂ حسنہ ہیں جن کی سیرت کو پیش نظر رکھنا ہر امتی کیلئے خصوصاً عورتوں کیلئے لازم وضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کی سیرت وسوانح سے ہم ذکور واناث سب کو نصیحت آموزی کی توفیق نصیحت فرمائے، اور ان حضرات کو جنت الفردوس میں درجات عالیہ سے نوازے، آمین یارب العالمین۔ (مرتب)

تابعیات و دیگر عارفات رحمہن اللہ تعالیٰ

مکرمہ خیرہ والدۂ حسن بصریؒ متوفاۃ پہلی صدی سنہ ھ

تعارف: تابعین کے گل سرسبد حضرت خواجہ حسن بصریؒ (وفات ۱۱۰ سنہ ھ) کی والدہ تھیں۔ان کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔ایک روایت یہ ہے کہ وہ اوران کے شوہر یسار انصار کے خاندان بنونجار کے ایک صاحب کی غلامی میں تھے۔انہوں نے بیوی کی مہر میں بنی سلمہ کو دے دیا تھا۔بنی سلمہ نے ان کو آزاد کر دیا۔ دوسری روایت یہ ہے یسار حضرت زید بن ثابت انصاریؓ کے غلام تھے اور خیرہؒ، ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ کی کنیز تھیں۔دوسری روایت زیادہ مستند ہے۔

حضرت خواجہ حسن بصریؒ، حضرت خیرہؒ کے بطن سے ۱۲ سنہ ھ میں پیدا ہوئے۔حضرت خیرہؒ اکثر گھر کے کام کاج میں لگی رہتی تھیں۔جب وہ ننھے حسن کو چھوڑ کر کسی کام میں لگ جاتی تھیں اور وہ رونے لگتے تھے تو حضرت ام سلمہؓ ان کو بہلانے کیلئے پستان منہ میں دے دیتیں۔اس طرح حضرت خیرہؒ کے خوش بخت فرزند کو ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ کی رضاعت کا شرف حاصل ہو گیا۔حضرت خیرہؒ نے جہاں ام سلمہؓ سے علم حدیث حاصل کیا وہاں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے چشمۂ علم سے بھی اپنی پیاس بجھائی۔مولانا سید سلیمان ندویؒ نے

اپنی تصنیف ''سیرت عائشہؓ'' میں ان کو ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کی شاگردہ بتایا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ اور ام سلمہؓ آسمان علم وہدایت کی مہر وماہ تھیں۔ جس خاتون نے ان دونوں سے کسب فیض کیا ہواس کے مرتبہ علمی کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ (تابعین)

وعظ: امام حسن بصریؒ کی والدہ ماجدہ خیرہ عورتوں کے مجمع میں وعظ سنایا کرتی تھیں، حضرت اسامہ بن زید کا بیان ہے:

رایت ام الحسن تقص علی النساء۔

(طبقات ابن سعد: ج/۸،ص/۳۷۶)

ترجمہ: میں نے حسن بصریؒ کی والدہ کو دیکھا ہے کہ وہ عورتوں میں وعظ کہتی تھیں۔

وفات: امید کی جاتی ہے کہ آپ کی وفات پہلی صدی ہجری میں ہوئی ہوگی۔ رحمہا اللہ تعالیٰ۔

مکرمہ ام عاصمؒ متوفاۃ پہلی صدی ھ

تعارف: ام عاصمؒ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کی پوتی اور بنو امیہ کے آٹھویں خلیفہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی والدہ تھیں۔ ام عاصمؒ کی والدہ کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بہو کیسے بنایا؟ یہ تاریخ اسلام کا ایک ایمان افروز واقعہ ہے۔اس کی تفصیل یہ ہے:

ایمان افروز واقعہ: امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کا معمول تھا کہ رات کو اپنے خادم اسلمؒ کو ساتھ لے کر شہر میں گشت کیا کرتے تھے۔اس گشت کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کے حالات سے باخبر ہو کر ان کے مسائل کو حل کر سکیں۔ایک رات کو اسی طرح گشت کرتے کرتے تھک گئے تو ایک مکان کی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔اچانک انہوں نے مکان کے اندر سے کسی عورت کی آواز سنی۔ وہ یہ کہہ رہی تھی:

''بیٹی اٹھو اور اس دودھ میں کچھ پانی ملا دو''۔اس کے بعد انہوں نے ایک لڑکی کی آواز سنی جو کہہ رہی تھی:

''اماں! کیا آپ نے امیر المؤمنینؓ کا حکم نہیں سنا؟ انہوں نے منادی کرائی تھی کہ کوئی شخص دودھ میں پانی ملا کر دوسروں کے ہاتھ فروخت نہ کرے''۔

ماں نے سخت لہجے میں کہا، ''لڑکی باتیں نہ بنا اٹھ اور دودھ میں پانی ملا دے۔یہاں ہمیں کون دیکھ رہا ہے۔''

لڑکی نے جواب دیا: ''اماں! اللہ تو ہمیں دیکھ رہا ہے اس طرح بے ایمانی کرنے سے وہ ناراض ہوگا اور پھر یہ امیر المؤمنین کی نافرمانی بھی تو ہے۔ کیا یہ گناہ نہیں کہ ہم امیر المؤمنین کے سامنے تو ان کی اطاعت کریں اور ان کی غیر حاضری میں ان کی نافرمانی کریں۔ میں تو یہ گناہ نہیں کروں گی۔''

حضرت عمر فاروقؓ کے کانوں میں ماں بیٹی کی یہ باتیں پڑیں تو انہوں نے اسلمؒ سے فرمایا، اس مکان کو اچھی طرح سے پہچان لو۔

صبح ہوئی تو انہوں نے اسلمؒ کو اس مکان پر یہ معلوم کرنے کیلئے بھیجا کہ یہ عورتیں کون ہیں۔ اسلمؒ نے واپس آ کر بتایا کہ یہ مکان ایک بیوہ کا ہے اور لڑکی اس کی ناکتخدا (کنواری) بیٹی ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ کو اس لڑکی کی خدا خوفی اور دیانتداری اتنی پسند آئی کہ انہوں نے اسے اپنی بہو بنانے کا فیصلہ کرلیا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے بیٹے عاصمؓ کیلئے اس لڑکی کا رشتہ مانگ لیا۔ اس طرح یہ نیک سیرت خاتون حضرت عمر فاروقؓ کی بہو بن گئیں۔ ام عاصم انہی خاتون کے بطن سے پیدا ہوئیں اور انہی کے آغوش تربیت میں پرورش پا کر نہایت بلند اخلاق اور ستودہ صفات خاتون بنیں۔ ان کی شادی مصر کے گورنر عبدالعزیز بن مروانؒ سے ہوئی جو بنو امیہ کے پانچویں خلیفہ عبدالملک بن مروانؒ کے بھائی تھے۔

عمر بن عبدالعزیزؒ کی ولادت: ۶۱ سنہ ھ یا ۶۲ سنہ ھ میں ام عاصم کے بطن سے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ پیدا ہوئے۔ وہ سلیمان بن عبدالملک کی وفات کے بعد ۹۹ سنہ ھ میں مسند خلافت پر بیٹھے اور ایک بار پھر دنیا کو خلافت راشدہ کا دور دکھایا۔ انہیں اپنے عدل وانصاف، علم وفضل اور زہد واتقا کی وجہ سے

عمر ثانی کہا جاتا ہے۔

افسوس کہ ام عاصمؒ کو اپنے فرزند کی خلافت کا زمانہ دیکھنا نصیب نہ ہوا اور وہ اس سے بہت پہلے وفات پا چکی تھیں۔ ان کی وفات کے بعد عبدالعزیزؒ نے ان کی بہن حفصہ بن عاصمؒ سے نکاح کرلیا۔ لیکن حفصہ ان اوصاف وخصائل سے متصف نہیں تھیں جو ام عاصمؒ کی سیرت وکردار کا خاصہ تھیں۔ چنانچہ عبدالعزیزؒ کے رشتہ دار حفصہؒ کو دیکھتے تھے تو ان کی زبان پر بے اختیار یہ الفاظ آجاتے تھے ''**لیت حفصة من رجال ام عاصم**'' یعنی کاش حفصہ بھی ام عاصم جیسی بلند اخلاق ہوتیں۔ رفتہ رفتہ یہ قول عرب میں ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر گیا۔

وفات: ام عاصمؒ کا انتقال پہلی صدی ہجری میں ہوا ہوگا۔ رحمہا اللہ تعالیٰ۔

(تاریخ اسلام کی چار سو باکمال خواتین ص:۷۸،

بحوالہ مشاہیر نسواں، تذکرۃ الخواتین، الفاروق)

مکرمہ ام سفیان ثوریؒ متوفاۃ دوسری صدی ہ

تعارف: حضرت سعید بن مسروقؒ کی اہلیہ اور تبع تابعین کے گل سرسبد حضرت سفیان ثوریؒ (المتوفی ۱۶۱ھ) کی والدہ تھیں۔ شوہر حضرت سعید بن مسروقؒ بہت اونچے درجے کے عالم تھے اور حدیث نبوی کی تحدیث وروایت میں معروف تھے۔ وہ خود بھی بہت نیک سیرت اور صاحبِ علم خاتون تھیں۔

حضرت سفیان ثوریؒ کا بیان ہے کہ میں نے ایک بار رات کو آسمان پر نگاہ اٹھائی تو یوں محسوس ہوا کہ میرا دل پہلو میں نہیں ہے۔ اس کا ذکر میں نے اپنی والدہ سے کیا تو انہوں نے فرمایا:

''معلوم ہوتا ہے کہ تم نے آسمان پر عبرت پذیری اور غور وفکر کی غرض سے نگاہ نہیں ڈالی بلکہ تمہارا مقصد صرف تفریح تھا۔''

حضرت سفیان ثوریؒ کے والدین کی معاشی حالت اچھی نہیں تھی جو ان کے حصول علم کی راہ میں رکاوٹ ثابت ہو رہی تھی مگر ام سفیانؒ کے جذبۂ دینی اور ہمتِ مردانہ نے اس کو دور کر دیا۔ ایک دن انہوں نے حضرت سفیانؒ کو حصولِ علم کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

ماں کی نصیحت: حضرت سفیانؒ کی والدہ نے ان سے کہا:

یا بنیّ اطلب العلم، وانا اکفیک من مغزلی، یا بنی اذا کتبت عشرۃ احادیث فانظر هل تریٰ فی نفسک زیادۃ فی مشیک

وحلمک ووقارک، فان لم تر فاعلم انہ یضرک ولا ینفعک۔

پیارے بیٹے! تم علم حاصل کرو، میں کتائی کرکے تمہاری ضرورت پوری کروں گی، بیٹے جب تم دس حدیث لکھ لو (پڑھ لو) تو اپنے بارے میں غور کرو اور دیکھو کہ چال چلن، تحمل اور وقار میں اضافہ ہوا ہے کہ نہیں؟ اگر یہ باتیں نہ دیکھو تو سمجھ لو کہ یہ علم تمہارے حق میں مضر ہے، نافع نہیں ہے۔

ف: ایک عورت کا کیا ہی خوب اپنے بچے کی تربیت کا اہتمام تھا، جو آج کل عنقاء ہے۔ عموماً ایسی تعلیم وتربیت کی طرف رخ ہی نہیں تو عمل کا کیا سوال ہے۔

اے دینی مدارس وجامعات کی استانیو! اگر تم لوگ بھی اسی طرح سے تعلیم وتربیت کا لحاظ رکھو گی تو تم بھی کامیاب اور یہ جامعات بھی کامیاب سمجھے جائیں گے۔ واللہ الموفق۔ (مرتب)

ام سفیانؒ نے بیٹے کو صرف حصولِ علم ہی کی ترغیب نہیں دی بلکہ ان کو یہ نصیحت بھی کی کہ یہ علم ان کے اخلاق وکردار کو سنوارنے کا سبب ہو، ان کے بگاڑنے کا باعث نہ ہو۔ وہ عبادت ہو، تجارت نہ ہو، ان کا یار ہو مار نہ ہو۔

ف: سبحان اللہ! یہ تھیں والدہ ماجدہ جو اپنے لختِ جگر کو تربیت کرکے کس مقام پر پہونچانا چاہتی تھیں، اسلئے اولاد بھی تعلیم وتربیت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوتی تھی مگر ایسی مائیں عنقاء ہیں۔ جب ایسی مائیں ہی نہیں تو ایسی تعلیم وتربیت کہاں میسر آسکتی ہے۔ **وما ذٰلک علی اللہ بعزیز۔** (مرتب)

وفات: اندازہ ہے کہ آپ کی وفات دوسری صدی ہجری میں ہوئی ہوگی۔ **رحمہا اللہ تعالیٰ۔** (تاریخ اسلام کی چارسو باکمال خواتین ص: ۱۱۳، بحوالہ تبع تابعین)

مکرمہ بی بی رابعہ شامیہؒ متوفاۃ دوسری صدی ھ

تعارف: شیخ احمد بن ابی الحواریؒ المتوفی ۲۰۳ھ کی اہلیہ تھیں۔ نہایت پرہیزگار اور عابدہ وزاہدہ تھیں۔ بی بی حکیمہؒ کی شاگرد تھیں اور ان سے کسب فیض کرکے خود بھی زمرۂ عارفات میں شامل ہوگئی تھیں۔ بی بی حکیمہؒ کی طرح ان کو بھی دوسری صدی ہجری کی اولیاء اللہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ ان پر ہمیشہ محبت، انس اور خوف کی کیفیت طاری رہتی تھی۔ شعروشاعری میں بھی درک رکھتی تھیں اور فی البدیہہ عارفانہ اشعار کہا کرتی تھیں۔

فضل وکمال: کشف وکرامات کے کئی واقعات بھی ان سے منسوب ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک دن ان کے سامنے کھانے کا ایک طشت رکھا گیا۔ انہوں نے خادمہ سے کہا کہ اس طشت کو میرے سامنے سے ہٹالے مجھے یوں معلوم ہوتا ہے کہ آج خلیفۃ المسلمین نے وفات پائی۔ بعد میں اس بات کی تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ واقعی اس دن امیر المؤمنین ہارون الرشیدؒ نے وفات پائی تھی۔

ف: ماشاء اللہ! اس سے معلوم ہوا کہ صرف مرد ہی نہیں عورتیں بھی صاحبِ کرامات ہوا کرتی ہیں۔ جب کوئی اتباع سنت میں اہتمام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کرامات سے نوازتے ہیں، خواہ مرد ہو یا عورت۔ واللہ الموفق۔ (مرتب)

وفات: اندازہ ہے کہ آپ کی وفات دوسری صدی ہجری میں ہوئی ہوگی۔ رحمہا اللہ تعالیٰ۔ (تاریخ اسلام کی چار سو باکمال خواتین ص: ۱۱۴، بحوالہ نفحات الانس)

مکرمہ بی بی کردیہؒ متوفاۃ دوسری صدی ہ

تعارف: بصرہ یا اہواز کی رہنے والی تھیں اور بی بی شعوانہؒ کی خاص شاگرد تھیں۔ عبادت وریاضت میں بہت انہماک تھا اور اپنے دور کی خدارسیدہ خواتین میں شمار ہوتی تھیں۔

بی بی کردیہؒ کہتی ہیں کہ ایک دفعہ میں حضرت شعوانہؒ کی خدمت میں حاضر تھی۔ اچانک مجھ پر نیند کا غلبہ ہوا اور میں وہیں سوگئی۔ حضرت شعوانہؒ نے مجھ کو جھنجوڑ کر جگایا اور فرمایا:

''اے کردیہ! یہ سونے کی جگہ نہیں سونے کی اصل جگہ تو گورستان ہے۔''

کردیہؒ کا بیان ہے کہ حضرت شعوانہؒ کی صحبت بابرکت سے میرا دل دنیا کی محبت سے خالی ہوگیا اور دنیا پرست میری نگاہ میں حقیر ہوگئے مجھ کو روزی کی مطلق فکر نہ رہی۔ میرے دل میں مسلمانوں سے بڑی محبت پیدا ہوگئی اور میں کسی بھی مسلمان کو خواہ اس کی دنیوی حیثیت کتنی ہی معمولی ہوتی، حقیر نہ سمجھتی تھی۔

ف: یہ بڑی ہی تواضع ومسکنت کی خصلت ہے جو محمود ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی اس خصلت سے متصف ہونے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین۔ (مرتب)

وفات: اندازہ ہے کہ آپ کی وفات دوسری صدی ہجری میں ہوئی ہوگی۔ رحمہا اللہ تعالیٰ۔

(تاریخ اسلام کی چارسو باکمال خواتین ص:۱۱۷، بحوالہ نفحات الانس)

مکرمہ فاطمہؒ بنت عبدالملکؒ متوفاۃ دوسری صدی ھ

(زوجہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ)

نام ونسب: فاطمہ بنت عبدالملکؒ کا شمار پہلی صدی ہجری کی نہایت معزز اور بلند کردار خواتین میں ہوتا ہے۔

ولادت: فاطمہ ۶۴ھ اور ۷۰ھ کے درمیان کسی وقت پیدا ہوئیں۔ والدین نے بڑے ناز ونعم سے ان کی پرورش کی اور تعلیم وتربیت کا خاص اہتمام کیا۔

نکاح: ۸۶ھ میں جب وہ سن بلوغت کو پہنچ چکی تھیں، خلیفہ عبدالملکؒ نے ان کی شادی اپنے بھتیجے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے کردی اور داماد کو مقام خناصرہ کا گورنر مقرر کردیا۔ اس کے بعد جلد ہی عبدالملکؒ کا انتقال ہوگیا اور ولید بن عبد الملکؒ تخت حکومت پر بیٹھے۔ انہوں نے ۸۷ھ میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو مدینہ منورہ کا گورنر مقرر کیا۔ اس زمانے میں وہ بڑے نفاست پسند اور شاہ خرچ تھے۔ اعلیٰ سے اعلیٰ لباس پہنتے اور عمدہ عمدہ خوشبو استعمال کرتے تھے، داڑھی پر عنبر کا سفوف ملتے، اچھی سے اچھی غذائیں کھاتے اور بڑے جاہ وحشم سے رہتے تھے۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اپنے اہل خانہ کو کس طرح رکھا ہوگا۔ ۹۳ھ میں انہیں مدینہ منورہ کی گورنری سے سبکدوش کردیا گیا۔ خلیفہ سلیمان بن عبدالملکؒ ان کا بہت مداح اور قدردان تھا اس نے ۹۹ھ میں اپنی

وفات سے پہلے انہیں خلافت کیلئے نامزد کردیا۔ چنانچہ اس کی وفات کے بعد وہ سریر آرائے خلافت ہوئے۔ یہ ذمہ داری سنبھالتے ہی ان کی زندگی میں یکسر انقلاب آ گیا۔ انہوں نے ایک باجبروت مطلق العنان حکمران بننے کے بجائے اسوۂ فاروقی اختیار کیا اور اپنے آپ کو حضرت ابوذر غفاریؓ، حضرت حذیفہ بن الیمانؓ اور حضرت ابوہریرہؓ جیسے درویش صفت بزرگوں کے قالب میں ڈھال لیا۔ اسی لئے انہیں فاروقِ ثانی کہا جاتا ہے۔ علامہ ابن خلدونؒ لکھتے ہیں:

''حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ مروانی سلسلہ کی درمیانی کڑی تھے۔ انہوں نے اپنی تمام مساعی خلفائے راشدین اور صحابہؓ کے دور کے احیاء کیلئے وقف کردیں۔''

اطاعت شعار بیوی: خلیفہ بنتے ہی انہوں نے اپنے خاندان کی جاگیریں وغیرہ ان کے اصل مالکوں اور حقداروں کو واپس کردیں۔ اہلیہ بی بی فاطمہؒ کے پاس اپنے باپ کا دیا ہوا ایک بیش بہا ہیرا تھا، اس کے علاوہ بھائیوں کا دیا ہوا کافی مال وزر تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان سے فرمایا کہ تم کو دو باتوں میں ایک کا اختیار ہے۔ اس نگینہ، زیورات، اور مال کو بیت المال میں داخل کردو یا مجھے چھوڑنے کیلئے تیار ہو جاؤ۔ اطاعت شعار بیوی نے وہ بیش قیمت ہیرا اور دوسری چیزیں بلا چون وچرا بیت المال میں جمع کردیں اور اپنے درویش سیرت شوہر کی رفاقت کو ترجیح دی۔ اس کے بعد انہوں نے نہایت فقر وفاقہ سے زندگی گزاری لیکن کبھی حرف شکایت زبان پہ نہ لائیں۔ بچے بھی اسی تنگی ترشی سے زندگی گزارتے تھے مگر وہ ہمیشہ ان کو صبر وقناعت کی تلقین کرتی رہتی تھیں۔

سبق آموز واقعات: (۱) خلافت کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اعلیٰ اور مرغن کھانے بالکل ترک کردیئے تھے۔ گھر میں اکثر دال پکتی تھی۔ ایک روز گھر کے خادم نے بی بی فاطمہؒ سے شکایت کی کہ ہر روز دال کھاتے کھاتے تنگ آ گیا ہوں۔ انہوں نے کہا، تمہارے آقا امیر المؤمنین کی بھی یہی غذا ہے (اور ہماری بھی) وہ خاموش ہو گیا۔

(۲) ایک دفعہ عید الفطر سے چند دن پہلے بی بی فاطمہؒ نے اپنے شوہر نامدار سے کہا کہ عید کے دن پہننے کیلئے بچوں کے پاس بہت معمولی کپڑے ہیں اگر آپ نئے کپڑوں کا بندو بست کرسکیں تو ان کا جی خوش ہو جائے گا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مہتمم بیت المال کو ایک رقعہ لکھا کہ میرا ایک ماہ کا وظیفہ پیشگی بھیج دیجئے۔ اس نے رقعہ کی پشت پر یہ الفاظ لکھ کر انہیں واپس بھیج دیا۔ ''امیر المؤمنین کیا آپ کو یقین ہے کہ آپ اگلے ماہ تک زندہ رہیں گے۔''

یہ الفاظ پڑھ کر وہ اشکبار ہو گئے اور اہلیہ سے کہا کہ ہمارے بچوں کو بہشت میں عمدہ پوشاک ملے گی اس لئے یہاں عمدہ لباس کی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد انہوں نے پھر کبھی ایسی باتوں کا مطالبہ نہیں کیا۔

(۳) ایک مرتبہ شوہر نامدار نے ان کے سامنے لبنان کے شہد کا شوق ظاہر کیا۔ انہوں نے لبنان کے عامل ابن معدی کربؒ کو لکھ بھیجا اس نے بہت سا شہد بھیج دیا۔ جب یہ شہد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے فاطمہؒ سے مخاطب ہو کر فرمایا، معلوم ہوتا ہے تم نے لبنان کے عامل سے فرمائش کر کے شہد منگوایا ہے۔ انہوں نے اثبات میں جواب دیا تو اس کو چکھا تک نہیں

اورفروخت کرواکر قیمت بیت المال میں جمع کرادی۔

(۴) ایک مرتبہ عراق کی ایک عورت اپنی یتیم بچیوں کیلئے وظیفہ مقرر کرانے کی غرض سے دمشق آئی اور عمر بن عبدالعزیزؒ کے گھر کا پتہ پوچھ کر بی بی فاطمہؒ کے پاس چلی گئی۔ وہ اس وقت روٹیاں پکارہی تھیں اس کو بٹھالیا۔عورت نے مکان کے درودیوار پر نظر ڈالی اور حیران ہوکر کہا:

''میں تو یہاں اسلئے آئی تھی کہ اس گھر کے فیض سے اپنے گھر کی ویرانی دور کروں۔لیکن یہ تو خود ویران ہورہا ہے۔''

فاطمہؒ بولیں، ''بہن تم جیسے لوگوں کے گھروں کو آباد کرنے کیلئے ہی یہ گھر ویران ہورہا ہے۔'' پھر اس عورت کی ضرورت دریافت کی اور جب امیرالمؤمنین گھر تشریف لائے تو مناسب تعارفی الفاظ کے ساتھ اسے ان کی خدمت میں پیش کردیا۔انہوں نے اس کی یتیم بچیوں کے وظیفے مقرر کردیئے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو مسلمہ بن عبدالملکؒ بہنوئی کی عیادت کیلئے آئے،انہوں نے دیکھا کہ حضرت عمرؒ ایک میلی سی پھٹی ہوئی قمیص پہنے ہوئے ہیں۔اپنی بہن (فاطمہؒ) سے کہا کہ امیرالمؤمنین کی قمیص بدل ڈالو،لوگ عیادت کیلئے آتے ہیں وہ یہ قمیص دیکھ کر کیا کہیں گے۔بی بی فاطمہؒ بولیں،خدا کی قسم اس کے سوا دوسری قمیص نہیں ہے۔

غرض نازونعم میں پلی ہوئی اس شہزادی نے اپنے درویش خوشوہر کا دور خلافت اسی عسرت اورناداری کی حالت میں گزارا۔شوہر کی وفات ۱۰۱ھ کے بعد وہ کافی عرصہ زندہ رہیں،مگر تکلف کی زندگی دوبارہ مرتے دم تک اختیار نہ کی۔

وفات: اندازہ ہے کہ آپ کا انتقال دوسری صدی ہجری میں ہوا ہوگا۔ رحمہا اللہ تعالیٰ۔
مدفن: مشہور ترک مصنف ذہنی آفندی نے اپنی کتاب ''مشاہیر النساء'' میں بی بی فاطمہؒ کی زندگی کا ایک اور ہی نقشہ کھینچا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''فاطمہ بنت عبدالملکؒ بن مروان زیادہ تر ''ذات الخمار'' کے لقب سے مشہور رہیں۔ صاحب ولایت تھیں۔ ان کا مزار بصریٰ (شام) میں ہے جہاں ان کے اکثر معتقدین حاضر ہوتے رہتے ہیں۔''

(تاریخ اسلام کی چار سو باکمال خواتین ص:۸۱،
بحوالہ سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؒ، تابعین، تاریخ اسلام)

مکرمہ والدہ ربیعۃ الرائےؒ متوفاۃ دوسری صدی ھ

تعارف: امام ابوعثمان ربیعۃ الرائےؒ (متوفی ۱۳۶ھ) کی والدہ تھیں۔ ان کی شادی مدینہ منورہ کے رہنے والے ایک جوان صالح ابوعبدالرحمٰن فروخؒ سے ہوئی، جو قبیلہ بنی تیم بن مرۃ کے غلام تھے۔ امام ربیعہؒ ابھی شکم مادر میں تھے کہ ان کے والد ابوعبدالرحمٰن فروخؒ کو خراسان کی مہم پر جانا پڑا۔ گھر سے چلتے وقت انہوں نے اپنی اہلیہ کو تیس ہزار اشرفیاں دیں اور کہا کہ یہ میری کل پونجی ہے، انہیں احتیاط سے رکھنا۔ میرا ارادہ ہے کہ اگر اللہ مجھے میدان جہاد سے زندہ سلامت واپس لائے تو اس رقم سے تجارت کروں، ہاں اگر میری غیر حاضری میں تمہیں کوئی ضرورت پیش آجائے تو تم اس رقم میں سے جتنی چاہو خرچ کرسکتی ہو اور میرے جانے کے بعد اگر اللہ تمہیں لڑکا یا لڑکی دے تو اس کی پرورش عمدہ طریقے سے کرنا۔ یہ کہہ کر انہوں نے بیوی کو خدا حافظ کہا اور دمشق جا کر اسلامی لشکر میں شامل ہوگئے۔

ماں کی تربیت کا اثر: اس زمانے میں اسلامی فتوحات کا سلسلہ مسلسل جاری تھا، ایک مہم کے بعد دوسری، دوسری کے بعد تیسری اور تیسری کے بعد چوتھی۔ یہاں تک کہ فروخؒ کو ان مہموں میں حصہ لیتے لیتے پورے ستائیس برس گزر گئے لیکن جہاد میں مصروفیت نے انہیں گھر نہ لوٹنے دیا اور نہ گھر سے ان کا کوئی رابطہ ہی قائم ہوسکا۔ ادھر ان کے گھر سے نکلنے کے چار پانچ ماہ بعد اللہ نے ان کی بیوی کو

فرزند عطا کیا جس کا نام انہوں نے ربیعہ رکھا۔ وہ بڑی دانشمند اور دور اندیش خاتون تھیں۔ گو شوہر کی جدائی نے ان کی زندگی بے کیف کردی تھی لیکن انہوں نے بچے کی پرورش نہایت عمدہ طریقے سے کی۔ جب ربیعہ سن شعور کو پہنچے تو والدہ نے ان کی تعلیم و تربیت کا اعلیٰ سے اعلیٰ انتظام کیا۔ یہاں تک کہ اپنے شوہر کی چھوڑی ہوئی تمام اشرفیاں سب کی سب ربیعہؒ کی تعلیم پر خرچ کر دیں۔

ربیعہؒ بھی بیحد ذہین اور محنتی تھے انہوں نے بہت چھوٹی سی عمر میں قرآن پاک حفظ کر لیا اور پھر چند سال کے اندر قرآن، حدیث، فقہ، ادب اور دوسرے تمام علوم پر ایسا عبور حاصل کر لیا کہ ان کے علمی کمالات کی سارے عرب میں دھوم مچ گئی اور وہ بیس بائیس برس کی عمر میں اپنے وقت کے امام تسلیم کئے گئے۔ لوگ اب نوجوان ربیعہ کو ''امام ربیعۃ الرائے'' کہتے تھے۔ امام ربیعہ کا یہ معمول تھا کہ روزانہ مسجد نبویؐ میں بیٹھ کر لوگوں کو باقاعدگی سے درس دیتے تھے اور طلبہ دور دور سے آکر ان کے حلقۂ درس میں شامل ہوتے تھے۔ ان طلبہ میں سے کئی بعد میں خود اپنے وقت کے امام بنے۔ مثلاً امام مالکؒ، امام سفیان ثوریؒ، امام اوزاعیؒ اور کئی دوسرے مشاہیر وقت امام ربیعہؒ ہی کے شاگرد تھے۔

۲۷ سال بعد فروخؒ کی واپسی: ستائیس برس کے بعد فروخ کو جہاد سے فرصت ملی تو انہوں نے سیدھا وطن کا رخ کیا۔ کئی دن کے سفر کے بعد وہ مدینے میں اس شان سے داخل ہوئے کہ گھوڑے پر سوار تھے۔ تلوار کمر سے بندھی ہوئی تھی اور ایک لمبا سا نیزہ ہاتھ میں تھا۔ انھوں نے اپنے گھر کے دروازے پر پہنچ کر نیزے کی انی سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ امام ربیعہؒ دروازہ کھول کر

باہر نکلے۔ باپ بیٹا ایک دوسرے سے ناواقف تھے۔فروخ بے تکلفی سے اندر جانے لگے تو امام ربیعہؒ نے انھیں ٹوکا:

''اے شخص تو میرے مکان میں بلا اجازت کیوں داخل ہو رہا ہے؟۔''

فروخؒ نے برہم ہو کر کہا: ''او دشمن خدا یہ میرا اپنا گھر ہے،تو اس میں کیوں گھسا ہوا ہے؟''

امام ربیعہؒ نے بھی بڑا تلخ جواب دیا۔اس طرح بات بڑھ گئی اور دونوں کی آوازیں بلند ہو گئیں۔شوروغل سن کر ہمسائے جمع ہو گئے۔امام ربیعہؒ حضرت فروخؒ سے کہہ رہے تھے کہ خدا کی قسم میں تجھے حاکم وقت کے پاس لے جائے بغیر نہ چھوڑوں گا اور فروخؒ کی زبان پر بھی اسی قسم کے الفاظ تھے۔کسی نے امام مالکؒ کو بھی اس جھگڑے کی خبر دے دی۔وہ اپنے استاد کا معاملہ سمجھ کر فوراً وہاں آ گئے اور بڑے نرم لہجے میں فروخ سے مخاطب ہو کر کہا:

''آپ زبردستی غیر کے مکان میں کیوں گھسنا چاہتے ہیں؟ آپ کسی دوسرے جگہ کیوں نہیں ٹھہر جاتے۔''

اس وقت فروخ نے اپنا تعارف کرایا اور کہا کہ میرا نام عبدالرحمٰن فروخ ہے اور یہ میرا اپنا گھر ہے۔ستائیس برس کے بعد میدان جہاد سے واپس آیا ہوں تو آپ میں سے کوئی مجھے پہنچانتا ہی نہیں۔

فروخ کی آواز سن کر ان کی بیوی نے کواڑوں کے پیچھے سے جھانکا تو فوراً شوہر کو پہچان گئیں۔امام ربیعہؒ اور فروخؒ دونوں کو اندر بلایا اور پھر امام ربیعہؒ کو بتایا کہ یہ تمہارے والد ہیں۔ساتھ ہی فروخؒ سے کہا کہ یہ نوجوان آپ کا فرزند

ہے جو آپ کے جانے کے چند ماہ بعد پیدا ہوا تھا۔اب دونوں باپ بیٹے گلے مل کر خوب روئے۔

کھانا کھانے اور آرام کرنے کے بعد فروخ ؒ نے بیوی سے اپنی بچائی ہوئی رقم (تیس ہزار اشرفیوں) کے بارے میں پوچھا۔بیوی نے کہا آپ اطمینان رکھئے،ساری رقم محفوظ ہے۔اتنے میں نماز اور درس کا وقت آ گیا۔امام ربیعہؒ اذان سنتے ہی مسجد نبوی میں چلے گئے۔تھوڑی دیر کے بعد بیوی نے شوہر سے کہا کہ آپ بھی مسجد نبوی میں جا کر نماز پڑھ آیئے۔فروخ مسجد میں گئے تو دیکھا کہ ساری مسجد لوگوں سے بھری ہوئی ہے۔ان کے درمیان ایک صاحب بڑی شان اور وقار کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں۔تمام لوگ بڑے ادب واحترام سے سر جھکائے ہوئے ہیں اور وہ صاحب ان کے سامنے درس دے رہے ہیں۔یہ درس دینے والے صاحب امام ربیعہؒ تھے۔چونکہ انھوں نے سر پر اونچی ٹوپی پہن رکھی تھی،اس لئے فروخ انہیں دور سے نہ پہچان سکے۔کسی سے پوچھا یہ بزرگ کون ہیں؟

اس نے حیران ہو کر کہا ''آپ ان کو نہیں پہچانتے،یہ امام ربیعۃ الرائےؒ بن ابی عبدالرحمٰنؒ ہیں۔''

فروخؒ کو یہ سن کر اس قدر مسرت ہوئی کہ ان کی آنکھوں سے خوشی کے آنسوں چھلک پڑے اور بے اختیار ان کے منھ سے نکلا ''اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے میرے بیٹے کا درجہ اتنا بلند کیا۔'' خوشی خوشی گھر آئے اور بیوی کو بتایا کہ آج میں نے اپنے بیٹے کی جو عزت اور شان دیکھی،اس سے پہلے کسی بڑے سے بڑے آدمی کی نہیں دیکھی تھی۔

بیوی نے کہا، ''آپ کو بیٹے کی یہ عظمت اور شان پسند ہے یا تیس ہزار اشرفیاں؟''
فروخ نے جواب دیا، ''خدا کی قسم تیس ہزار اشرفیاں اس مرتبے اور شان کے سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھتیں۔''

بیوی نے کہا، ''تو پھر سن لیں کہ میں نے یہ تمام رقم اس کی تعلیم پر خرچ کر دی۔''

فروخ نے بے ساختہ جواب دیا'' خدا کی قسم ان اشرفیوں کا اس سے بہتر استعمال اور کوئی نہیں ہوسکتا تھا۔ تم نے بہت خوب کیا ان اشرفیوں کو ٹھکانے لگا کر میرے بیٹے کو ایک ایسے خزانے کا مالک بنا دیا جس کو کبھی زوال نہیں۔''

امام ربیعۃ الرائےؒ کا مقام: امام ربیعۃ الرائےؒ کا شمار ائمہ تابعین میں ہوتا ہے۔ علم و فضل کے اعتبار سے ان کا مقام اتنا بلند تھا کہ نہ صرف اس دور کے سر آمدِ روزگار علماء، فقہاء، بلکہ فرمانروایانِ وقت بھی ان کے سامنے سر عقیدت جھکاتے تھے اور یہ مرتبہ ان کو اپنی دور اندیش اور علم دوست ماں کی بدولت حاصل ہوا جنہوں نے اپنے بچے کی اعلیٰ تعلیم و تربیت کیلئے مال و دولت کی کچھ پرواہ نہ کی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بچوں کے تعلیم و تربیت کی پہلی منزل ماں کی گود ہے اور ماں ہی بچوں کی زندگی کی معمار ہے۔ اگر مائیں اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت پر پوری توجہ دیں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ بڑے ہو کر قوم اور وطن کے قابل فخر سپوت نہ بنیں۔

وفات: اندازہ ہے کہ آپ کی وفات دوسری صدی ہجری میں ہوئی ہوگی۔ رحمھا اللہ تعالیٰ۔

(تاریخ اسلام کی چار سو باکمال خواتین ص: ۸۵، بحوالہ تابعین، غلامان اسلام)

مکرمہ بی بی ام طلقؒ متوفاۃ دوسری صدی ھ

فضل وکمال: بی بی ام طلقؒ دوسری صدی ہجری میں نہایت عبادت گزار اور خدا رسیدہ خاتون گزری ہیں۔ نماز کے معاملے میں ان کا ذوقِ عبادت انتہا کو پہنچا تھا۔ محمد بن سنان باہلیؒ حضرت شعبہ بن دخانؒ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ام طلقؒ دن رات میں چارسو نوافل پڑھتی تھیں، اور مقدور بھر تلاوت قرآن بھی کرتی تھیں۔

تبع تابعین کی مقدس جماعت کے مشہور بزرگ حضرت سفیان بن عیینہؒ (المتوفی ۱۹۸ھ) بی بی طلقؒ کے ہم عصر تھے اور گاہے گاہے کسب فیض کیلئے ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔

ف: سبحان اللہ! کیسی باکمال عارفہ تھیں تبع تابعین کے فردوحید ان کی خدمت میں استفادہ کیلئے تشریف لاتے تھے اور عار محسوس نہ فرماتے تھے۔ یہ ان کا کمال تھا۔ (مرتب)

ارشادات:

ایک دن ام طلقؒ نے فرمایا: ''اے سفیانؒ! تم قرآن مجید کی تلاوت کس خوش الحانی سے کرتے ہو لیکن ڈرتے رہو کہ کہیں یہ چیز قیامت کے دن تمہارے لئے وبال نہ بن جائے۔'' حضرت سفیانؒ یہ سن کر رونے لگے یہاں تک کہ بے ہوش ہو گئے۔

ف: رونے کی بات ہی ہے، ہم سبھی کو ایسی بات سن کر رونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ (مرتب)

عاصم جحدریؒ کا بیان ہے کہ ام طلقؒ فرمایا کرتی تھیں کہ انسانی دل بادشاہ ہے اگر تم اس کو قابو میں رکھو اور یہی غلام ہے اگر تم اس کی پیروی کرو۔

ابن رومیؒ کہتے ہیں کہ میں ام طلقؒ کے گھر گیا۔ ان کے گھر کی چھت بہت نیچی تھی۔ میں نے کہا، ام طلقؒ تمہارے گھر کی چھت کس قدر نیچی ہے۔ فرمایا، حضرت عمرؓ نے اپنے عاملوں کو لکھا تھا کہ اپنی عمارت اونچی نہ بناؤ۔ جب تم اپنی عمارت اونچی بنانے لگو گے تو وہ تمہارا بدترین زمانہ ہوگا۔

وفات: اندازہ ہے کہ آپ کی وفات دوسری صدی ہجری میں ہوئی ہوگی۔ نوراللہ مرقدھا۔

(تاریخ اسلام کی چارسو باکمال خواتین ص:۱۱۹،

بحوالہ طبقات ابن سعد، صفۃ الصفوۃ لابن الجوزی جلد: ۴ ص: ۳۴)

مکرمہ ام یحییٰ ؒ متوفاۃ دوسری صدی ھ

(قرآن حکیم کی ایک گمنام عالمہ)

تعارف: یہ خاتون کون تھیں، ان کا نام کیا تھا اور کس قبیلے سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان کے بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ کسی نے ان کی کنیت ام یحییٰ بیان کی ہے تو کسی نے ان کا نام رابعہ بصری بھی لکھا ہے لیکن یہ سب قیاسی باتیں ہیں۔ ان کا اصل نام اور حسب ونسب اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔

فضل وکمال: حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حج کو گیا۔ اثنائے سفر میں مجھے ایک بوڑھی خاتون ایک مقام پر بیٹھی ہوئی ملی اس نے اون کا کرتا پہن رکھا تھا اور اون ہی کی اوڑھنی اوڑھ رکھی تھی۔ میں نے اس کے پاس جا کر کہا: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ۔

خاتون نے جواب میں کہا: سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ۔ (یٰسین:۵۸)

میں نے پوچھا: ''اللہ تم پر رحم کرے یہاں کیا کر رہی ہو؟

خاتون: مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ۔ (الاعراف:۱۸۶)

(جسے اللہ گمراہ کر دے اس کو راہ بتانے والا کوئی نہیں۔)

میں نے خیال کیا کہ وہ راستہ بھول گئی ہیں (یا اپنے قافلے سے بچھڑ گئی ہیں)۔

چنانچہ ان سے پوچھا: ''تمہارا ارادہ کہاں جانے کا ہے؟ ''

خاتون: سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَى۔ (بنی اسرائیل:۱)

(پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو رات کے وقت مسجد حرام (بیت اللہ مکہ معظّمہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) لے گئی۔)

میں سمجھ گیا کہ وہ حج بیت اللہ سے فارغ ہو چکی ہیں اور اب بیت المقدس (یروشلم) جانا چاہتی ہیں۔

اس کے بعد میں نے پوچھا: کب سے یہاں بیٹھی ہو؟ ''

خاتون: ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا۔ (مریم:۱۰)

(پوری تین راتیں۔)

میں نے کہا: ''تمہارے پاس کھانے پینے کی کوئی چیز نظر نہیں آتی، یہ وقت تم نے کیونکر گزارا؟ ''

خاتون: هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَ يَسْقِيْنِ۔ (الشعراء:۷۹)

(وہی 'اللہ' مجھے کھلاتا پلاتا ہے (یعنی میرے رزق کا بندوبست کر دیتا ہے۔)

میں نے پوچھا: ''وضو کیسے کرتی ہو؟۔

خاتون: فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا۔ (المائدہ:۶)

(نہ پاؤ پانی تو پاک مٹی سے تیمم کرلو۔)

مطلب یہ کہ پانی نہیں ملتا تو تیمم کرلیتی ہوں۔

میں نے پوچھا: ''میرے پاس کھانا ہے، کھاؤ گی؟ ''

خاتون: اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ۔ (البقرہ:۱۸۷)

(روزوں کو رات تک پورا کرو۔)

مطلب یہ کہ میں روزے سے ہوں۔

میں نے کہا کہ: ''یہ رمضان المبارک کا مہینہ تو نہیں؟''

خاتون: وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ۔ (البقرہ:۱۵۸)

(جو بطورِ نفل کے نیک کام کرے تو اللہ قبول کرنے والا اور جاننے والا ہے۔)

مطلب یہ کہ میرا نفلی روزہ ہے۔

میں نے کہا: ''سفر کی حالت میں تو فرض (رمضان کا) روزہ نہ رکھنے کی بھی اجازت ہے۔''

خاتون: وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ (البقرہ:۱۸۴)

(اور اگر تم روزہ رکھو تو تمہارے حق میں بہتر ہے، بشرطیکہ تم کو ثواب کا علم ہو۔)

میں نے کہا: ''میں جس طرح تم سے باتیں کر رہا ہوں تم اس طرح کیوں مجھ سے باتیں نہیں کرتیں؟

خاتون: مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ۔ (ق:۱۸)

(انسان جو بات بھی منہ سے نکالتا ہے اس پر ایک نگہبان فرشتہ مقرر ہے۔)

مطلب یہ کہ انسان کو اپنی ہر بات کا جوابدہ ہونا پڑے گا۔

میں نے پوچھا: ''تمہارا تعلق کس قبیلے سے ہے۔''

خاتون: لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا۔ (بنی اسرائیل:۳۶)

(جس بات کا تمہیں علم نہ ہو اس کے پیچھے مت پڑو، بلاشبہ کان آنکھ اور دل سب سے باز پرس ہوگی۔)

مطلب یہ کہ ایسی باتوں سے کان اور دل کو آلودہ نہ کرو جن کا جواب دینا پڑے۔

میں نے کہا: ''معاف کرنا مجھ سے غلطی ہوئی۔''

خاتون: لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ۔ (یوسف: ۹۲)

(آج تم پر کوئی ملامت نہیں اللہ تمہیں معاف کرے۔)

میں نے کہا: ''اگر تم چاہو تو میں تم کو اپنی اونٹنی پر بٹھا کر لے چلوں اور جہاں چاہو پہنچا دوں۔''

خاتون: وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ۔ (البقرہ: ۱۹۷)

(اور نیکی کا کام جو تم کرو گے، اللہ اس کو جانتا ہے۔)

میں یہ سن کر اونٹنی اس کے قریب لے گیا، اسے بٹھایا اور خاتون سے کہا کہ اس پر سوار ہو جاؤ۔ مگر وہ سوار ہونے سے پہلے بولی:

خاتون: قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ۔ (النور: ۳۰)

(مؤمنوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔)

مطلب یہ کہ تم اپنی آنکھیں بند کر لو یا منہ پھیر کر کھڑے ہو جاؤ، تا کہ میں بلا جھجک سوار ہو جاؤں۔

چنانچہ میں نے اپنی نگاہیں نیچی کر لیں اور اس سے کہا: ''لو اب سوار ہو جاؤ۔'' جب وہ خاتون سوار ہونے لگی تو اچانک اونٹنی اٹھ کھڑی ہوئی اور اس کی اوڑھنی کجاوے سے الجھ کر پھٹ گئی۔ میں نے اس پر اظہار افسوس کیا تو وہ بولی:

خاتون: مَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ يَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ۔ (الشوریٰ: ۳۰)

(تمہیں جو مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی اعمال کا نتیجہ ہے اور اللہ بہت سی خطاؤں کو معاف کر دیتا ہے۔)

یعنی اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں یہ میرے اعمال کا نتیجہ ہے۔

میں نے کہا: ''ذرا ٹھہرو، میں اونٹنی کے پاؤں باندھ دوں تاکہ تم اطمینان سے سوار ہو سکو۔''

خاتون: فَفَهَّمۡنٰهَا سُلَيۡمٰنَ۔ (الانبیاء:۷۸)

(پس ہم نے سمجھا دیا سلیمانؑ کو)

یعنی اونٹنی کا پاؤں ضرور باندھو یہ اسی طرح سمجھے گی۔

میں نے اونٹنی کے پاؤں باندھے اور اس سے کہا، اب سوار ہو جاؤ، وہ سوار ہو گئی اور یہ آیت پڑھی۔

خاتون: سُبۡحٰنَ الَّذِىۡ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَهٗ مُقۡرِنِيۡنَ۔ وَ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنۡقَلِبُوۡنَ۔ (الزخرف:۱۳/۱۴)

(پاک ہے وہ ذات جس نے اس کو ہمارا مطیع کیا اور ہم اسکی صلاحیت نہ رکھتے تھے اور بے شک ہم سب اپنے پروردگار کی طرف لوٹنے والے ہیں۔)

میں نے اونٹنی کی مہار پکڑی اور اس کو ہنکاتے ہوئے چل پڑا۔ میری رفتار بھی تیز تھی اور جوش میں میری آواز بھی بہت بلند ہو گئی۔ اس پر وہ خاتون بولی:

خاتون: وَ اقۡصِدۡ فِىۡ مَشۡيِكَ وَ اغۡضُضۡ مِنۡ صَوۡتِكَ۔ (لقمان:۱۹)

(اپنے چلنے میں اعتدال سے کام لو اور اپنی آواز کو پست رکھو۔)

اب میں آہستہ آہستہ چلنے لگا اور ساتھ ہی حدی خوانی کرنے لگا۔ اس پر کہا۔

خاتون: فَاقْرَءُوا مَاتَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔ (المزمل:۲۰)

(پڑھو جتنی توفیق ہو قرآن سے۔)

مطلب یہ کہ اس حدی خوانی سے بہتر ہے کہ قرآن پاک سے کوئی رکوع پڑھو۔

میں نے کہا: ''اللہ تعالیٰ نے تمہیں بہت سی خوبیاں دی ہیں سب لوگ تم جیسے کس طرح بن جائیں۔اس پر وہ بولی:

خاتون: وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔ (آل عمران:۷)

(یعنی صرف عقل والے ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔)

پھر میں نے چلتے چلتے اس سے پوچھا: ''کیا تمہارا شوہر بھی ہے۔''

خاتون: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ۔ (المائدہ:۱۰۱)

(اے ایمان والو! ایسی چیزوں کے بارے میں مت پوچھو جو اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں ناگوار معلوم ہوں۔)

اب میں خاموش ہو گیا اور چلتے چلتے قافلے کے قریب جا پہنچا، میں نے خاتون سے پوچھا: ''کیا قافلے میں آپ کا کوئی قرابت دار ہے؟ ''

خاتون: اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ (الکہف:۴۶)

(مال اور بیٹے دنیوی زندگی کی زینت ہیں۔)

میں نے سمجھ لیا کہ قافلے میں اس کے بیٹے موجود ہیں۔ میں نے پوچھا: ''کوئی نشانی ہو تو بتاؤ تا کہ میں ان کو تلاش کروں۔''

خاتون: وَعَلٰمٰتٍ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ۔ (النحل:۱۶)

(یعنی علامتیں ہیں اور ستارے ہی سے وہ راستہ پاتے ہیں۔)

میں سمجھ گیا کہ اس کے بیٹے قافلے کے رہبر ہیں۔ چنانچہ میں اونٹنی کی مہار پکڑے ہوئے قافلے میں چکر لگانے لگا اور اس سے کہا کہ اپنے بیٹوں کو ڈھونڈ لے۔

خاتون: وَ اتَّخَذَ اللّٰہُ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًا۔ (النساء:۱۲۵)

(اور بنایا اللہ نے ابراہیمؑ کو دوست۔)

كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا۔ (النساء:۱۶۴)

(اور اللہ نے بات کی موسیٰؑ سے اچھی طرح۔)

يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ۔ (مریم:۱۲)

(اے یحییٰ پکڑ لو کتاب کو مضبوطی سے۔)

مطلب یہ کہ تم ابراہیم، موسیٰ اور یحییٰ کے نام لے کر آواز دو۔

یہ سن کر میں نے زور سے آواز دی، یا ابراہیم یا موسیٰ یا یحییٰ۔ فوراً تین خوبصورت نوجوان ایک خیمے سے نکلے اور بڑے عزت و احترام کے ساتھ اپنی والدہ کو اونٹنی سے اتارا۔ جب ہم سب اطمینان سے بیٹھ گئے۔

خاتون نے اپنے بیٹوں سے مخاطب ہو کر یہ آیت پڑھی: فَابْعَثُوْا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَا اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ۔ (الکہف:۱۹)

(اب اپنے میں سے کسی کو یہ روپیہ دے کر شہر بھیجو پھر وہ تحقیق کرے کہ کون سا کھانا زیادہ پاکیزہ ہے سو اس میں سے تمہارے لئے کچھ کھانا لے آئے۔)

یہ سنتے ہی ان میں سے ایک نوجوان دوڑا گیا اور قریبی شہر سے کچھ کھانا خریدلایا۔ وہ کھانا میرے سامنے رکھا گیا۔

خاتون: كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْئًا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِی الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ۔

(الحآقہ: ۲۴)

(یعنی خوشگواری کے ساتھ کھاؤ پیو بہ سبب ان اعمال کے جو تم نے پچھلے دنوں میں کئے ہیں۔)

مجھ سے نہ رہا گیا اور میں نے نوجوان سے کہا: ''جب تک تم مجھے اس خاتون کی حقیقت نہ بتلاؤ گے میں کھانے کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔''

نوجوان نے کہا: ''یہ ہماری والدہ ہیں اور ان کی پچھلے چالیس سال سے یہی کیفیت ہے۔ اس عرصے میں انہوں نے کوئی لفظ آیاتِ کلام پاک کے سوا زبان سے نہیں نکالا۔ یہ پابندی انہوں نے اپنے اوپر اس لئے لگائی ہے کہ کوئی ایسا لفظ زبان سے نہ نکل جائے جس کی قیامت کے دن باز پرس ہو۔''

میں نے کہا: **ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔** (الجمعہ: ۴)

ف: سبحان اللہ! بالفاظ قرآنی کیسا عمدہ مکالمہ ہے جو خاتون کی کمال حفظ کے ساتھ کمال فصاحت و بلاغت پر دال ہے۔ فجز اھما اللہ تعالیٰ۔ (مرتب)

وفات: اندازہ ہے کہ آپ کی وفات دوسری صدی ہجری میں ہوئی ہوگی۔ رحمھا اللہ تعالیٰ۔

(تاریخ اسلام کی چار سو باکمال خواتین ص: ۱۲۴)

مکرمہ بی بی شعوانہؒ متوفاۃ دوسری صدی ھ

فضل وکمال: دوسری صدی ہجری میں نہایت پاکباز اور خدا رسیدہ خاتون گزری ہیں، ایران کی رہنے والی تھیں۔ان کا مستقل قیام شہر اُبلہ میں تھا۔نہایت عابدہ اورزاہدہ تھیں۔اللہ تعالیٰ نے خوش الحانی کی نعمت بدرجۂ وافر عطا کی تھی۔ قرآن حکیم کی تلاوت ایسی پرسوز آواز میں کرتی تھیں کہ سننے والوں پر رقت طاری ہوجاتی تھی۔ان کے مواعظ وخطبات بھی نہایت مؤثر ہوتے تھےاوران کی مجالسِ وعظ میں بڑے بڑے زہاد اور عباد حاضر ہوا کرتے تھے۔نہایت رقیق القلب تھیں اور یادِ خدا میں اکثر رویا کرتی تھیں۔

ارشادات:

ایک مرتبہ لوگوں نے کہا: ’’آپ اس قدر نہ رویا کریں مبادا آنکھوں کو نقصان پہنچ جائے گا۔‘‘

فرمایا: ’’دنیا میں رو رو کر اندھا ہوجانا اس سے بہتر ہے کہ دوزخ کا عذاب اندھا کردے۔‘‘

پھر فرمایا: ’’جو آنکھ اپنے محبوب کے دیدار سے محروم ہےاور پھراس کے دیدار کی مشتاق بھی ہے بغیر گریہ وزاری کے اچھی معلوم نہیں ہوتی۔‘‘

ایک روایت میں ہے کہ لوگ انہیں رونے سے منع کرتے تو کہتیں:

’’کاش خوفِ خدا سے روتے روتے میں اندھی ہوجاؤں، اتنا روؤں کہ

آنسو خشک ہوجائیں پھر خون روؤں یہاں تک کہ میرے جسم میں خون کا ایک قطرہ تک نہ رہے۔''

ف: خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی دعا فرمائی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: **اللھم ارزقنی عینین ھطالتین تسقیان القلب بذروف الدمع من خشیتک قبل ان تکون الدموع دماً والاضراس جمراً۔**

(کنز العمال رقم:۳۶۶۱، مناجات مقبول ص:۶۵)

ترجمہ: اے اللہ! نصیب کر مجھے آنکھیں برسنے والی کہ سیراب کریں دل کو بہتے ہوئے آنسوؤں سے تیرے خوف سے قبل اس کے کہ ہوجائیں آنسو خون اور داڑھیں انگارے۔

ایک مرتبہ حضرت فضیل بن عیاضؒ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دعا کیلئے درخواست کی۔ اس وقت حضرت شعوانہؒ بہت ضعیف العمر ہوچکی تھیں۔ انہوں نے حضرت فضیلؒ سے مخاطب ہوکر فرمایا:

''کیوں بھائی کیا تمہارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی ایسا واسطہ ہے کہ اگر میں دعا کروں تو قبول ہوجائے۔ کوئی ایسی بات ہو تو بتادو جو قبولیت کا سبب بن جائے۔''

یہ سن کر حضرت فضیلؒ خوف خدا سے کانپنے لگے اور پھر چیخ مار کر بے ہوش ہوگئے۔

حضرت شعوانہؒ کے یہ تین اقوال بہت مشہور ہیں:

(۱) خدا کی محبت کا پیاسا کبھی سیراب نہیں ہوسکتا۔

(۲) جو آنکھ اپنے محبوب ومطلوب کے دیدار سے محروم ہو اس کا روتے رہنا ہی بہتر ہے۔

(۳) جو خود نہ روسکتا ہو اس کو رونے والوں پر رحم کھانا چاہیئے۔ اسلئے کہ وہ اپنی بدنصیبی اور گناہوں پر روتے ہیں۔

ف: یقیناً اللہ تعالیٰ کی نظر میں وہ آنکھ قابل قدر ہے، جو خوف الٰہی سے روئے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے کہ خوب روؤ اور اگر نہ روسکو تو رونے والوں کی جیسی شکل ہی بنالو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ (مرتب)

وفات: اندازہ ہے کہ آپ کی وفات دوسری صدی ہجری میں ہوئی ہوگی۔ رحمہا اللہ تعالیٰ۔

(تاریخ اسلام کی چارسو باکمال خواتین ص: ۱۳۳، بحوالہ ارباب ِطریقت)

مکرمہ بی بی ام احسانؒ متوفاۃ دوسری صدی ھ

تعارف: ان کا شمار دوسری صدی ہجری کی کامل عارفات میں ہوتا ہے۔کوفہ کی رہنے والی تھیں اور زہد وعبادت میں اپنی نظیر آپ تھیں۔ان کے عم زاد اور قبیلہ کے دوسرے لوگ بہت آسودہ حال تھے لیکن وہ بہت سادہ زندگی گزارتی تھیں۔ امام سفیان ثوریؒ ان کے ہم عصر تھے۔وہ اکثر ان کی باتیں سننے کیلئے ان کے مکان پر جایا کرتے تھے۔وہ کہتے ہیں کہ میں نے ام احسانؒ کے گھر میں ایک بورے کے سوا کبھی کچھ نہ دیکھا۔ایک روایت میں ہے کہ ان کے صاحبزادے بھی بڑے خوشحال تھے لیکن انہوں نے کبھی کسی سے کچھ نہیں مانگا اور ایک معمولی حجرے میں زاہدانہ زندگی گزاردی۔

شان استغناء: ایک دفعہ امام سفیان ثوریؒ نے ان سے کہا:

"اے ام احسانؒ! اگر آپ کے چچا زاد بھائیوں (یا صاحبزادوں) کو آپ کے حالات کی اطلاع دی جائے تو مجھے یقین ہے کہ وہ آپ کیلئے آرام وآسائش کا سامان مہیا کرنے میں دریغ نہ کریں گے۔"

یہ سن کر ام احسانؒ کے چہرے پر تکدر کے آثار نمودار ہوئے اور انہوں نے فرمایا:

"اے سفیان! تمہاری قدر اس کلمہ نے میری نظروں

میں کم کردی۔ ذرا خیال تو کرو کہ وہ ذات بابرکات جو دنیا کی ہر شے کی خالق اور مالک ہے اس سے تو میں نے دنیا کی کسی چیز کا سوال نہیں کیا پھر بھلا ان لوگوں سے کیسے سوال کرسکتی ہوں جو خود صاحبِ احتیاج ہیں۔ اللہ کی قسم مجھے ایک لمحہ کیلئے بھی یہ منظور نہیں کہ اللہ کی یاد سے غافل ہوجاؤں اور کسی اور چیز کی طرف دھیان دوں۔‘‘

امام سفیان ثوریؒ کی اس تنبیہ پر چیخیں نکل گئیں اور انہوں نے رقت آمیز لہجے میں فرمایا: ’’اے ام احسانؒ! آپ واقعی اللہ کی خاص بندی ہیں۔‘‘

وفات: امید کی جاتی ہے کہ آپ کی وفات دوسری صدی ہجری میں ہوئی ہوگی۔ رحمہا اللہ تعالیٰ۔

(تاریخ اسلام کی چارسو باکمال خواتین ص: ۱۵۵، بحوالہ نفحات الانس)

مکرمہ والدہ امام اعظم ابوحنیفہؒ متوفاۃ ۱۳۰ کے بعد

تعارف: امام اعظم ابوحنیفہؒ کے والدین بہت نیک تھے امام صاحب ان کے لئے ہمیشہ دعا کرتے تھے، خاص طور سے اپنی والدہ ماجدہ کا بیحد احترام وتعظیم کرتے تھے ان کی دلداری ودلجوئی میں لگے رہتے تھے، فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے اعمال کے تین حصہ کئے ہیں، ایک حصہ اپنے لئے، ایک تہائی اپنے والدین کیلئے، اور ایک تہائی اپنے استاد حماد کیلئے۔

امام صاحبؒ کو والدہ کی خدمت کا زیادہ موقع ملا، امام صاحبؒ اپنی والدہ کی کوئی بات نہیں ٹالتے تھے۔ حتیٰ کہ عمر بن فرر کی مجلس درس میں جاتے تو والدہ کو سواری میں لے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کی والدہ نے کسی بات کی قسم کھائی اور اس کے بارے میں اپنے بیٹے سے فتویٰ پوچھا مگر ان کے جواب سے مطمئن نہیں ہوئیں اور کہا کہ جب تک زرعہؒ سے دریافت نہیں کروگے مجھے اطمینان نہیں ہوگا، امام صاحبؒ والدہ کو لیکر زرعہ واعظؒ کے پاس گئے اور والدہ نے خود ان سے فتویٰ پوچھا، انہوں نے کہا فقیہ کوفہ آپ کے ساتھ ہے، میں کیا فتویٰ دوں۔

امام صاحبؒ نے والدہ کے احترام میں زرعہ واعظؒ سے کہا کہ میں فتویٰ بتاتا ہوں اور آپ فتویٰ دے دیں، چنانچہ ایسا ہوا اور والدہ راضی اور مطمئن ہوگئیں۔

امیر کوفہ یزید بن عمر بن ہبیرہ نے امام صاحب کو عہدۂ قضا پیش کیا اور

انکار پر ایک سو دس درے مارے ۔آپ کہتے تھے کہ مجھے اس سزا سے اتنی تکلیف نہیں ہوئی، جتنی اس حادثے کی وجہ سے والدہ کے رنج وغم سے ہوئی، والدہ نے کہا نعمان! جس علم کی وجہ سے تم کو یہ دن دیکھنا پڑا اس سے ترک تعلق کرلو۔ میں نے کہا، کہ اگر میں اس علم سے دنیا حاصل کرنا چاہتا تو بہت زیادہ حاصل کرلیتا، میں نے یہ علم صرف اللہ کے رضا جوئی اور اپنی نجات کے لئے حاصل کیا ہے۔

وفات: آپ کے والد کا انتقال پہلے ہو چکا تھا اور ۱۳۰ ھ کے بعد آپ کی والدہ فوت ہوئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(خواتین اسلام کی دینی وعلمی خدمات ص: ۹۴)

مکرمہ والدہ امام مالکؒ متوفاۃ دوسری صدی سنہ ھ

تعارف: امام دارالہجرت حضرت امام مالکؒ کی والدہ ماجدہ کا نام عالیہ بنت شریک بن عبدالرحمٰن بن شریک ازدی ہے۔ بڑی عاقلہ فاضلہ خاتون تھیں۔

امام مالک کی والدہ نے اپنے بیٹے مالکؒ کی تعلیم وتربیت پر خاص توجہ کی۔ امام صاحبؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنی ماں سے کہا کہ میں علم دین حاصل کروں گا تو کہا کہ آؤ تم کو علماء کا لباس پہنا دوں، پھر مجھ کو انکے کپڑے پہنائے میرے سر پر طویلہ (سیاہ لمبی ٹوپی) رکھی، اس کے اوپر عمامہ باندھا اور کہا:

اذهب الیٰ ربیعة فتعلم من ادبه قبل علمه۔ (ربیعۃ الرائےؒ کی مجلس میں جاؤ اور ان کے علم سے پہلے ان کے اخلاق وآداب سیکھو۔)

ف: سبحان اللہ! کیا خوب نصیحت فرمائی جو آب زر سے لکھے جانے کے لائق ہے۔ (مرتب)

ایک روایت میں ہے کہ ماں نے کہا:

اذهب فاکتب الاٰن۔ (اب جاؤ حدیث لکھو، پڑھو۔)

اس وقت امام ربیعۃ الرائےؒ کا حلقۂ درس مسجد نبوی میں قائم ہوتا تھا اور مدینہ کے اعیان واشراف ان کے حلقہ میں جمع ہوتے تھے، وہ امام مالکؒ کے پہلے شیخ اور استاد ہیں، والدہ کی نگاہِ انتخاب ان پر پڑی، اور لڑکا ان کی مجلس سے امام اسلام بن کر اٹھا۔ (خواتین اسلام کی دینی وعلمی خدمات ص:۷۸)

وفات: حضرت امام مالکؒ کی وفات ۱۷۹ھ میں ہوئی اس سے اندازہ لگایا جاتا ہے کہ آپ کی والدہ کی وفات ان سے قبل اسی صدی ہجری میں ہوئی ہوگی۔ نوراللہ مرقدھما۔

مکرمہ والدہ امام اوزاعیؒ متوفاۃ دوسری صدی ھ

تعارف: شیخ الاسلام امام اوزاعیؒ کا نام عبدالرحمٰن بن عمرو بن محمد اوزاعیؒ ہے، ان کا فقہی مسلک تیسری صدی تک جاری رہا، ۸۰ر ہزار مسائل کے جوابات زبانی دیئے، عالم ربانی تھے اور یہ سب ان کی والدہ ماجدہ کی تعلیم وتربیت کا نتیجہ تھا، یتیم تھے، ماں نے ان کی پرورش کی اور شیخ الاسلام کے مرتبہ کو پہنچایا۔ ان کے حال میں لکھا ہے کہ: **ولد ببعلبک وربی یتیما فقیراً فی حجر امه تعجز الملوک ان تودب اولادها فی نفسه۔**

بعلبک میں پیدا ہوئے اپنی ماں کی گود میں یتیمی کی حالت میں پرورش پائی اور جیسا ادب ماں نے سکھایا ویسا ادب سلاطین اپنی اولاد کو سکھانے سے عاجز ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ امام اوزاعیؒ بعلبک میں پیدا ہوئے، مقام کرک میں نشو ونما پائی، اس کے بعد ان کی والدہ ان کو بیروت لے گئیں اور وہیں انتقال فرمایا۔ امام اوزاعیؒ کے بڑے مناقب وفضائل ہیں۔

(خواتین اسلام کی دینی وعلمی خدمات ص: ۸۰)

ف: اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کے جیسے فضائل سے بہرہ ور فرمائے۔ آمین (مرتب)

وفات: حضرت امام اوزاعیؒ کی وفات ۱۵۷ھ میں ہوئی۔ اس سے اندازہ لگایا جاتا ہے کہ آپ کی والدہ کی بھی وفات دوسری صدی ہجری ہی میں ہوئی ہوگی۔ رحمہا اللہ تعالیٰ۔

مکرمہ والدہ امام اسماعیل ابن علیہؒ متوفاۃ دوسری صدی ھ

تعارف: ریحانۃ الفقہاء والمحدثین امام اسماعیل بن ابراہیم بن مقسم بصریؒ اپنی ماں کی نسبت سے ابن علیہ کی کنیت سے مشہور ہیں، ان کے دادا سندھ کے علاقہ قیقان (گیگان قلات) کے قیدی بن کر عبد الرحمٰن بن اسد بن قطبہ اسدی کے غلام ہوئے اور والد ابراہیمؒ کوفہ میں کپڑے کی تجارت کرتے تھے اسی سلسلہ میں وہ بصرہ آتے جاتے تھے وہیں بصرہ میں علیہ بن حسانؒ سے شادی کرلی جو بنی شیبان کی باندی تھیں اس کے بارے میں ابن سعدؒ طبقات کبریٰ میں لکھتے ہیں کہ:

وكانت امراة نبيلةً عاقلة برزة لهادار بالعوقة تعرف بهاو كان صالح المرى وغيره من وجوه البصرة وفقهاءها يدخلون عليها فتبرز لهم وتحادثهم وتسائلهم۔

وہ بڑی محترم، عقل مند، ممتاز عورت تھیں۔ بصرہ کے محلہ عوقہ میں ان کا مکان ان کے نام سے مشہور تھا اور حضرت صالح مری اور بصرہ کے اعیان واشراف اور فقہاء ان کے یہاں جایا کرتے تھے اور وہ نکل کر ان سے دینی وعلمی مسائل میں گفتگو کرتی تھیں۔

اسی عالمہ فاضلہ ماں کے بطن سے سنہ ۱۱۰ھ میں امام اسماعیل بصریؒ پیدا ہوئے جس نے ان کو اپنی پرورش اور تعلیم وتربیت سے فقہاء ومحدثین کا صدر نشین بنایا۔ مشہور محدث عبد الوارث کا بیان ہے کہ علیہ بنت حسانؒ اپنے لڑکے اسمٰعیل کو میرے پاس لائیں، یہ بصرہ کا حسین ترین لڑکا تھا، اور کہا کہ:

هذا ابني يكون معك و ياخذ باخلاقك۔

یہ میرا بیٹا آپ کے پاس رہے گا، اور آپ سے اخلاق سیکھے گا۔

ف: غور فرمایئے ایک عورت نے یہ نہیں کہا کہ آپ کے علوم کو سیکھے گا بلکہ کہا کہ اخلاق کو سیکھے گا اس سے اخلاق کی کیسی کچھ عظمت و اہمیت معلوم ہوئی جس سے آج کل غفلت برتی جارہی ہے۔ العیاذ باللہ۔ (مرتب)

میں اس لڑکے کو اپنے ساتھ رکھتا تھا اور جب اہل علم کی مجلس کے پاس سے گذرتا تو اس کو پہلے بھیج دیتا۔ اس کے بعد میں مجلس کے شیخ کے پاس جاتا تھا۔

امام عبدالوارثؒ نے اپنے شاگرد کی تعلیم و تربیت اس طور سے کی کہ اہل علم کی نظر میں شاگرد استاد سے بڑھ گیا۔

فخرج ابن علية و اهل البصره لا يشكون انه اثبت من عبد الوارث۔

جب ابن علیہؒ اپنے شیخ عبدالوارثؒ کی مجلس سے نکلتے تو اہل بصرہ شک نہیں کرتے تھے کہ وہ علم حدیث میں عبدالوارث سے زیادہ ثقہ ہیں۔

جس معاشرہ میں غلام اور باندی تک علم دین کا اتنا بلند ذوق رکھتے ہوں اس میں علمی و دینی زندگی کس قدر بلند رہی ہوگی، امام اسماعیل بن علیہؒ تین بھائی تھے۔ اسماعیل، حماد، محمد اور تینوں اپنی ماں کی نسبت سے ابن علیہ کے نام سے مشہور تھے بلکہ ان کی اولاد بھی اسی نام اور کنیت سے مشہور تھی۔ تینوں بھائی اپنے زمانہ کے مشاہیر علماء و فضلاء میں تھے اور ماں کی زیر تربیت سب اعلیٰ مرتبہ کو پہنچے۔

وفات: امید ہے کہ آپ کی وفات دوسری صدی ہجری میں ہوئی ہوگی۔ رحمہا اللہ تعالیٰ۔

(خواتین اسلام کی دینی و علمی خدمات ص:۸۱)

مکرمہ والدہ امام شافعیؒ متوفاۃ دوسری صدی سنہ ھ

تعارف: حضرت امام شافعیؒ کا نام محمد بن ادریس بن عباس ہے، والدہ ماجدہ کا نام فاطمہ بنت عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالبؓ ہے، ان کا بیان ہے کہ جس زمانہ میں شافعیؒ شکم مادر میں تھے، میں نے خواب دیکھا کہ مشتری ستارہ میرے جسم سے نکلا اور مصر میں گیا جس کی روشنی ہر شہر میں پہنچی، اس کی تعبیر بیان کی گئی کہ ان کے بطن سے ایسا عالم پیدا ہوگا جس کا علم مصر سے تمام شہروں میں عام ہوگا۔

امام صاحبؒ یتیم تھے ان کے والد کا انتقال پیدائش سے پہلے یا بعد میں ہو چکا تھا، ان کی والدہ نے پرورش اور تعلیم وتربیت کا اہتمام کیا۔ امام صاحبؒ کا بیان ہے کہ میں یتیم تھا، والدہ میری کفالت کرتی تھیں۔ میں ۱۵۰ سنہ ھ میں ملک شام کے شہر غزہ میں پیدا ہوا، دوسال کی عمر میں مکہ لایا گیا۔

دوسری روایت میں ہے کہ میں عسقلان میں پیدا ہوا، میری والدہ مجھ کو مکہ لائیں، میری والدہ کے پاس رقم نہیں تھی اور مکہ میں مکتب کے معلم کی خدمت نہیں کرسکتا تھا، اس کی عدم موجودگی میں بچوں کو سبق پڑھا دیتا تھا اور وہ مجھے مفت تعلیم دینے پر راضی ہوگیا، میں علماء کی مجلس میں احادیث اور مسائل سن کر یاد کر لیتا تھا۔ میری ماں کے پاس اتنے پیسے نہیں تھے کہ کاغذ پر لکھ سکوں، ادھر ادھر سے ہڈیاں، ٹھیکرے اور کھجور کے پتے چن کر ان پر احادیث وغیرہ لکھ لیا کرتا تھا،

یمن کا سفر درپیش ہوا، تو میری ماں کے پاس اتنی رقم نہیں تھی کہ سفر کی تیاری کروں اور کپڑے وغیرہ بنواؤں، اس لئے ماں کی ایک چادر سولہ دینار میں رہن رکھ کر سامان سفر مہیا کیا۔

ف: سبحان اللہ! حضرت امام شافعیؒ اس قدر ضیق وتنگی میں بھی علم حاصل کر کے امام وقت ہو گئے۔ **ذٰلک فضل اللہ**۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ صحیح علم تو جہد ومشقت ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے آج بھی سبھی بچوں کو محنت ومشقت سے علم حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ (مرتب)

وفات: اندازہ ہے کہ آپ کی وفات دوسری صدی ہجری میں ہوئی ہوگی۔ رحمہا اللہ تعالیٰ۔

(خواتین اسلام کی دینی وعلمی خدمات ص: ۸۳)

مکرمہ والدہ امام شعبہ بن حجاجؒ متوفاۃ دوسری صدی سنہ ھ

تعارف: امام شعبہ بن حجاج واسطی بصریؒ نے حضرت انس بن مالکؓ اور حضرت عمر بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی زیارت کا شرف پایا ہے اور چارسو تابعین سے حدیث کی روایت کی ہے۔ان کی والدہ محترمہ عالمہ فاضلہ تھیں۔اور اپنے بیٹے کی تعلیم پر خصوصی نظر رکھتی تھیں۔امام شعبہؒ کا بیان ہے کہ:

قالت لی امی ھاھنا امراۃ تحدث عن عائشۃ فاذھب فاسمع منھا۔

میری ماں نے بتایا ہے کہ یہاں ایک عورت حضرت عائشہؓ سے حدیث کی روایت کرتی ہے تم جا کر اس سے حدیث سن لو۔اور والدہ کی ہدایت کے مطابق میں نے اس عورت کے یہاں جا کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیثیں سنیں اور والدہ کو بتایا کہ میں نے اس عورت کے یہاں جا کر احادیث کا سمع کرلیا۔تو انہوں نے کہا **لا یسالک اللہ** یعنی اللہ تعالیٰ اب تم سے علم دین میں کوتاہی کا سوال نہیں کرے گا۔جس بیٹے کی ماں حدیث میں اتنی وسیع نظر رکھتی ہو اس کا بیٹا کیوں نہ امامت کے درجہ کو پہنچے گا۔بقول امام احمد بن حنبلؒ شعبہ رجال کے علم اور حدیث کی بصیرت میں امت واحدہ، اور بقول سفیان ثوریؒ امیر المومنینؒ فی الحدیث تھے۔ (خواتین اسلام کی دینی وعلمی خدمات ص:۸۲)

وفات: امام شعبہؒ کی وفات ۱۶۰ سنہ ھ میں ہوئی اس سے اندازہ لگایا جاتا ہے کہ آپ کی والدہ کی بھی وفات دوسری صدی ہجری میں ہوئی ہوگی۔رحمہا اللہ تعالیٰ۔

مکرمہ والدہ امام الاوقصؒ متوفاۃ دوسری صدی ھ

تعارف: قاضی مکہ حضرت محمد بن عبدالرحمٰن الاوقصؒ کا واقعہ عجیب ہے، ان کی گردن ان کے بدن میں گھسی ہوئی تھی، اور دونوں مونڈھے نکلے ہوئے تھے، قد پست تھا، شکل وصورت بھی کچھ ایسی ہی تھی ان کی والدہ بڑی عاقلہ، فاضلہ خاتون تھیں، اپنے اس لڑکے کے بارے میں ان کو بڑی فکر رہا کرتی تھی، ایک مرتبہ انہوں نے کہا:

یابنی لا تکون فی قوم الا کنت المضحوک منه المسخور به فعلیک بطلب العلم فإنه یر فعک۔

ترجمہ: اے بیٹے! تم جس جماعت میں جاؤ گے تو لوگ تمہاری ہنسی اڑائیں گے، اس لئے تم علم حاصل کرو، وہ تم کو سربلند کردے گا۔

دوسری روایت میں امام اوقصؒ کا بیان ہے کہ:

فقالت لی امی، وکانت عاقلة، یا بنی انک خلقت خلقة لاتصلح لمبا شرة الفتیان فعلیک بالدین فانه یتم النقیصة ویرفع الخسیسة فنفعنی اللہ بقولها وتعلمت الفقه فصرت قاضیاً۔

ترجمہ: میری ماں سمجھدار تھیں، انہوں نے کہا کہ بیٹے! تمہاری خلقت ایسی ہے کہ جوانوں میں تم نبھ نہیں سکتے ہو اس لئے علم دین حاصل کرو، وہ کمی کو پورا کردے گا اور حقارت کو ختم کردے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بات سے مجھے نفع

پہنچایا، میں نے فقہ اور دین کا علم حاصل کیا اور قاضی بن گیا۔

امام اوقصؒ بیس سال تک مکہ مکرمہ میں قاضی رہے، ان کے رعب وداب و شان وشوکت کا یہ حال تھا کہ فیصلہ چاہنے والا ان کے سامنے کانپتا تھا، ایک مرتبہ وہ دعا کررہے تھے اور کہتے تھے: **اللھم اعتق رقبتی من النار** (اے اللہ میری گردن کو نارِ جہنم سے بچا)۔ایک منچلی عورت یہ جملہ سن کر بولی: **یا ابن اخی، فای رقبۃ لک؟** (اے بھتیجے! تیری گردن ہی کہاں ہے)۔

(خواتین اسلام کی دینی وعلمی خدمات ص:۸۷)

وفات: حضرت امام الاوقص کی وفات ۱۶۹ھ میں ہوئی ہے۔اس سے اندازہ لگایا جاتا ہے کہ آپ کی والدہ کا انتقال بھی دوسری صدی ہجری میں ہوا ہوگا۔ رحمہا اللہ تعالیٰ۔

مکرمہ بی بی مریم بصریہؒ متوفاۃ ۱۳۵ھ

فضل وکمال: دوسری یا تیسری صدی ہجری میں شہرۂ آفاق عارفہ گذری ہیں۔ حضرت رابعہ بصریہؒ کی ہم وطن اور ہم عصر تھیں۔نہایت عبادت گزار اور اللہ سے ڈرنے والی خاتون تھیں۔معرفت الٰہی کا ذکر ہوتا تو ان کو کئی بار غش آجاتا۔

فرمایا کرتی تھیں کہ جب سے میں نے آیت وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنِ سنی ہے، روزی کے فکر سے بے نیاز ہوگئی ہوں اور کبھی اس کی تلاش میں زحمت نہیں اٹھائی ہے۔

ان کی وفات کا واقعہ بہت عجیب ہے کہتے ہیں ایک مجلس میں چند اہل دل عشقِ الٰہی کی باتیں کررہے تھے۔مریمؒ بھی موجود تھیں۔ان پر اس گفتگو کا ایسا اثر ہوا کہ زہرہ (پتّہ) پھٹ گیا اور وہ جاں بحق ہوگئیں۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔

وفات: یہ واقعہ حضرت رابعہ بصریہؒ کی وفات (۱۳۵ھ) کے کچھ دن بعد پیش آیا۔رحمہا اللہ تعالیٰ۔

(تاریخ اسلام کی چارسو باکمال خواتین ص:۱۴۰،بحوالہ نفحات الانس)

مکرمہ حضرت نفیسہ بنت حسنؒ متوفاة ۲۰۸ھ

نسب وولادت: حضرت نفیسہؒ بنت حسنؒ کا شمار دوسری صدی ہجری کی سر آمد روزگار عالمات وعارفات میں ہوتا ہے۔ وہ حضرت حسن بن زیدؒ بن حسنؓ بن علیؓ بن ابی طالب کی صاحبزادی اور حضرت اسحٰقؒ بن جعفر صادقؒ بن محمدؒ بن باقرؒ بن علی زین العابدینؓ بن حسینؓ بن علیؓ کی اہلیہ تھیں۔ ۱۴۵ھ (بروایت دیگر ۱۳۴ھ) میں پیدا ہوئیں۔

تعلیم وتربیت: اہل بیت کے تقویٰ شعار گھرانے میں پلیں بڑھیں اور جملہ محاسنِ اخلاق کا پیکر جمیل بن گئیں۔ سب سے پہلے قرآن پاک حفظ کیا۔ پھر تفسیر حدیث اور دوسرے علوم دینی میں کمال حاصل کیا۔ اس کے بعد اپنا بیشتر وقت عبادت وریاضت میں گزارنے لگیں۔ سن بلوغت کو پہنچیں تو ان کی شادی اپنے ابن عم اسحٰقؒ بن جعفر صادقؒ سے ہوگئی وہ بھی نہایت عابد وزاہد نوجوان تھے۔ انہوں نے مدت تک مدینہ منورہ اور مکہ معظّمہ میں قیام کیا، اس دوران بے شمار تشنگان علم نے ان کی جوئے علم سے اپنی پیاس بجھائی اور وہ ''نفیسۃ العلم والمعرفت'' کے لقب سے مشہور ہوگئیں۔

فضل وکمال: چند سال کے بعد وہ اپنے شوہر نامدار کے ساتھ مدینہ منورہ سے مصر چلی گئیں اور وہیں مستقل اقامت اختیار کر لی۔ مصر جا کر ان کی عبادت وریاضت میں اور اضافہ ہوگیا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ صائمۃ الدہر اور قائمۃ اللیل

تھیں۔ خشیت الٰہی سے ہر وقت لرزاں وترساں رہتی تھیں ۔ زبان اکثر توبہ واستغفار میں مشغول رہتی تھی ۔نماز تہجد کا خاص التزام تھا۔ زندگی میں تیس مرتبہ حج بیت اللہ کا شرف حاصل کیا۔ حج کے موقع پر مسجد حرام میں داخل ہوکر خانۂ کعبہ کا طواف کرتیں تو تلبیہ کے وقت زاروقطار روتی جاتیں پھر غلاف کعبہ کے ساتھ لپٹ کر خوب روتیں اور نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ یہ دعا مانگتیں۔

''الٰہی تو ہی میرا آقا ومولا ہے میں ناچیز بندی تیری رضا چاہتی ہوں۔تو مجھے ایسا کردے کہ میں تیری رضا پر راضی رہوں۔''

حضرت امام شافعیؒ سیدہ نفیسہؒ کے ہمعصر تھے وہ اکثر ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور مختلف علمی مسائل پر گفتگو کرتے ۔ایک روایت یہ بھی ہے کہ امام موصوفؒ نے علم حدیث میں سیدہ نفیسہؒ سے استفاضہ کیا۔ دونوں ایک دوسرے کے مرتبہ شناس اور قدردان تھے۔ امام شافعیؒ نے ۲۰۴ھ میں اپنی وفات سے پہلے وصیت کی کہ میرا جنازہ سیدہ نفیسہؒ کے گھر کے سامنے سے گزارا جائے ۔ چنانچہ جب ان کا جنازہ سیدہ کے گھر کے سامنے پہنچا تو انہوں نے گھر کے اندر ان کی نماز جنازہ پڑھی۔

حضرت نفیسہؒ سے بہت سی کرامات منسوب ہیں کہا جاتا ہے کہ ان کے علم وفضل زہد واتقا اور کرامات کی وجہ سے اہل مصر ان کے بہت معتقد تھے اور آج تک ان کی عقیدت کا یہی عالم ہے۔

وفات: ۲۰۸ھ میں حضرت نفیسہؒ نے وفات پائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ تو ان کے شوہر نے ارادہ کیا کہ سیدہ کی میت مدینہ لے جاکر دفن کریں لیکن اہل مصر

روروکر پریشان ہوگئے۔ بار بار حضرت اسحٰقؒ سے التجائیں کرتے تھے کہ سیدہ کی میت کو مصر سے نہ لے جائیں۔ آخر انہوں نے ان کی درخواست قبول کرلی اور سیدہ نفیسہؒ کی آخری آرامگاہ قاہرہ کے قریب بنائی گئی۔ ان کا مزار ''مشہد نفیسہؒ'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس پر سیدہ نفیسہؒ کے عقیدتمندوں کا ہجوم رہتا ہے۔

حضرت نفیسہؒ کی وفات کا واقعہ بھی بڑا ایمان افروز ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ رمضان المبارک کے مہینے میں قرآن پاک کی تلاوت کررہی تھیں کہ اچانک ضعف غالب ہوا اور نبض ڈوبنے لگی۔ سب نے اصرار کیا کہ روزہ توڑ ڈالیں لیکن انہوں نے فرمایا، تیس سال سے میری یہ آرزو تھی کہ میں روزے کی حالت میں اپنے خالق کے حضور جاؤں، اب یہ آرزو پوری ہونے کو ہے تو روزہ کیوں توڑ دوں۔ یہ فرما کر قرآن کریم کی آیات پڑھتے پڑھتے جاں جاں آفریں کے سپرد کردی۔ اناللہ و انا الیہ راجعون۔ رحمہا اللہ تعالیٰ، نوراللہ مرقدہ۔

(تاریخ اسلام کی چارسو باکمال خواتین ص: ۱۲۲،

بحوالہ مشاہیر نسواں، ابن خلکان وغیرہ)

مکرمہ بی بی ام محمدؒ متوفاۃ ۳۱۲ھ

فضل وکمال: شیخ المشائخ شیخ الاسلام ابوعبداللہ محمد بن حنیفؒ (المتوفی ۳۳۱ھ) کی والدہ ماجدہ تھیں۔ زہد وعبادت میں یگانۂ روزگار تھیں۔ مولانا عبدالرحمن جامی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو اولیاء اللہ میں شمار کیا ہے۔

ان کا وطنِ مالوف شیراز تھا، وہاں سے اپنے فرزند حضرت ابوعبداللہؒ کے ساتھ مکّہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کا سفر کیا۔ تذکرہ نگاروں نے ان کے بہت سے مجاہدات اور مکاشفات کا ذکر کیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت ابوعبداللہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں شب بیداری کیا کرتے تھے کہ شاید ان کو لیلۃ القدر نصیب ہوجائے۔

آپ کی عبادت: ایک رات وہ اسی طرح بالاخانے میں جاگ کر ذکر الٰہی کررہے تھے کہ ان کی والدہ (ام محمد) نے جو گھر کے اندرونی حصے میں قبلہ رو بیٹھ کر عبادت الٰہی میں مشغول تھیں، آواز دی: ’’اے محمد! اے فرزند! آنچہ تو آنجا مے طلبی اینجا ست‘‘ اے محمد! اے بیٹے! جس چیز کا تو وہاں طلب گار ہے وہ یہاں ہے۔

شیخ ابوعبداللہؒ یہ سن کر بالاخانے سے نیچے اترے تو دیکھا کہ انوارِ لیلۃ القدر سے ان کی والدہ کا حجرہ بقعۂ نور بنا ہوا ہے۔ اسی وقت والدہ کے قدموں پر گر پڑے۔ خود فرماتے ہیں کہ اس دن سے مجھے اپنی والدہ کی حقیقی قدر معلوم ہوئی۔

وفات: بی بی ام محمدؒ نے ۳۱۲ھ ہجری میں وفات پائی رحمہا اللہ تعالیٰ۔

(تاریخ اسلام کی چارسو باکمال خواتین ص: ۱۸۰)

مکرمہ ملکہ زبیدہؒ متوفاۃ ۲۱۶؁ھ

نام ونسب وولادت: ام جعفر زبیدہ پانچویں عباسی خلیفہ ہارون الرشیدؒ (۱۷۰؁ھ تا ۱۹۳؁ھ) کی ملکہ تھیں۔ان کے والد کا نام جعفر تھا جو دوسرے عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور (۱۳۶؁ھ تا ۱۵۸؁ھ) کے بیٹے تھے۔زبیدہ (۱۴۵؁ھ مطابق ۶۲۷؁ء) میں موصل میں پیدا ہوئیں۔اس وقت ان کے والد موصل کے گورنر تھے۔انہوں نے اپنی بیٹی کا نام امۃ العزیز رکھا اور بڑے ناز ونعم سے ان کی پرورش کی۔امۃ العزیز نے ابھی زندگی کی پانچ ہی بہاریں دیکھی تھیں کہ ۱۵۰؁ھ مطابق ۷۶۷؁ء میں جعفر کا انتقال ہوگیا اور وہ یتیم ہوگئیں۔دادا ابوجعفر منصور نے انہیں بغداد بلالیا۔ننھی امۃ العزیز بڑی خوبصورت بچی تھیں۔دادا نے ان کی تروتازہ رنگت کی وجہ سے ان کا نام زبیدہ رکھ دیا۔(زبیدہ، زبدۃ کا اسم تصغیر ہے جس کا مطلب ہے ملائی، مکھن یا گیندے کا پھول)۔یہ نام اتنا عزیز ہوا کہ لوگ ان کے اصل نام امۃ العزیز کو بالکل بھول گئے۔

تعلیم وتربیت: ابوجعفر منصور نے اپنی پیاری پوتی کی تعلیم وتربیت کا خاص اہتمام کیا اور اس کام کے لئے نہایت لائق اور فاضل استاد مقرر کئے۔زبیدہ بڑی سلیم الفطرت اور ذہین بچی تھیں انہوں نے بڑے ذوق وشوق سے تعلیم حاصل کی۔اسی عمر میں ان کو قرآن کریم اور احادیث نبوی سے دلی اور روحانی تعلق پیدا ہوگیا جو عمر بھر قائم رہا۔دوسرے علوم دینی اور عربی ادب میں بھی انہوں نے بڑی

دسترس حاصل کرلی۔ جوان ہوئیں تو حسن صورت کے علاوہ حسن سیرت سے بھی آراستہ تھیں اور علم وفضل کے اعتبار سے بھی بہت بلند مقام رکھتی تھیں۔

نکاح: ۱۶۵ھ میں زبیدہ کے چچا مہدی نے جو ابوجعفر منصورؒ کے بعد خلیفہ بن چکے تھے، ان کی شادی اپنے بیٹے ہارون الرشیدؒ سے کردی۔ یہ شادی شاہانہ شان وشوکت کے ساتھ انجام پائی۔ مہدی کے بعد زبیدہؒ کے شوہر کے بڑے بھائی ہادی خلیفہ بنے۔ اس نے ۱۷۰ھ مطابق ۷۸۶ء میں وفات پائی تو ہارون الرشیدؒ مسند خلافت پر بیٹھے اور زبیدہ کو ایک وسیع وعریض سلطنت کی خاتون اول ہونے کی عزت حاصل ہوگئی۔ ہارون الرشیدؒ کا تیئیس سالہ دورِ خلافت ملکہ زبیدہ کے انتہائی عروج کا زمانہ ہے۔ اگرچہ عام طور پر وہ امور مملکت میں براہ راست دخل نہ دیتی تھیں لیکن ان کے اثر واقتدار کی کوئی حد ونہایت نہیں تھی۔

فضل وکمال: زبیدہؒ بڑی خوش پوش، رحمدل اور مخیر اور علم دوست خاتون تھیں۔ ایک طرف تو ان کے جاہ وحشم کا یہ حال تھا کہ ان کا ایک ایک جوڑا ہزاروں دینار میں تیار ہوتا تھا، ان کی جوتیاں ہیروں اور موتیوں سے مزیّن ہوتی تھیں، ان کے محل میں عنبر کی شمعیں جلتی تھیں، ان کے باورچی خانے میں یومیہ خرچ دس ہزار درہم تھا اور سینکڑوں لوگ ان کے دسترخوان پر پرورش پاتے تھے اور دوسری طرف ان کی دینداری کی کیفیت یہ تھی کہ ان کے حرم میں ۱۰۰ کنیزیں قرآن کریم کی حافظہ تھیں جو باری باری نہایت خوش الحانی سے قرآن حکیم کی تلاوت کرتی رہتی تھیں۔ اس طرح ان کا محل ذکر الٰہی سے معمور رہتا تھا۔ علماء وشعراء کی بھی بڑی قدردان تھیں اور بعض کو مستقل وظیفے دیتی تھیں۔ وہ نماز روزے کی سختی

سے پابند تھیں۔ عمر بھر عذر شرعی کے بغیر نہ کبھی کوئی نماز قضا کی اور نہ کوئی روزہ چھوٹا۔ زندگی میں کئی بار حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی۔ ان میں ایک پاپیادہ حج بھی شامل تھا۔

ف: سبحان اللہ! کیا ہی عجیب ریاضت تھی جو صنف نازک شہزادی کیلئے یقیناً محیر العقول تھی۔ ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ (مرتب)

کارنامے: ان کو رفاہِ عامہ کے کاموں سے بھی بے انتہا دلچسپی تھی اور ان پر بے دریغ روپیہ صرف کرتی رہتی تھیں۔ عراق سے مکہ معظّمہ کو جو راستہ جاتا تھا اس پر حاجیوں اور مسافروں کیلئے موزوں مقامات پر سرائیں بنوائیں اور کنوئیں کھدوائیں۔ یہ راستہ تیز ہواؤں اور آندھیوں کی وجہ سے اکثر ریت سے بھر جاتا تھا اور مسافر صحرا میں اِدھر اُدھر بھٹکتے پھرتے تھے۔ ملکہ زبیدہ نے لاکھوں دینار صرف کر کے راستے کے دونوں طرف پتھر کی مضبوط دیواریں بنوادیں تاکہ کسی کو راستہ معلوم کرنے میں دقت پیش نہ آئے۔ ملکہ نے صرف کثیر سے کئی مسجدیں بنوائیں۔ علاوہ ازیں ایک نہر "عرعار" کوہ لبنان سے بیروت تک بنوائی جس کے پل آج تک "قناطر زبیدہ" کے نام سے مشہور ہیں۔

"انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا" میں ہے کہ ملکہ زبیدہ نے تبدیل آب وہوا کیلئے سرزمین ایران میں ایک پرفضا مقام پسند کر کے وہاں شہر تبریز آباد کیا۔ سید امیر علیؒ کا بیان ہے کہ مصر کا قدیم شہر اسکندریہ جو دوسری صدی ہجری میں قریب قریب بالکل اجڑ گیا تھا، ملکہ زبیدہ کے حکم سے اس کو از سرِ نو تعمیر کیا گیا۔

نہر زبیدہ کی تعمیر: ملکہ زبیدہ کا سب سے بڑا کارنامہ جو اس کا نام قیامت تک

زندہ رکھے گا، ''نہر زبیدہ'' کی تعمیر ہے۔ ہارون الرشیدؒ کے دور خلافت سے کئی سال پہلے مکہ معظّمہ میں پانی کی قلت پیدا ہوگئی تھی اور حاجیوں کو سخت تکلیف اٹھانی پڑتی تھی۔ ایک دفعہ تو مکہ میں پانی کا ایسا قحط ہوا کہ ایک مشکیزہ دس درہم میں اور بڑی مشکیزہ ایک اشرفی میں ملتی تھی۔ ملکہ زبیدہؒ کو جب حجاج اور اہل مکہ کی مصیبت کا علم ہوا تو اس نے پختہ ارادہ کرلیا کہ کوئی ایسا مستقل انتظام کریں گے جس سے مکے والوں کو پانی برابر پہنچتا رہے اور ہر سال لاکھوں حاجیوں کو بھی پانی خوب ملتا رہے۔ انہوں نے کھدائی اور تعمیرات کے بڑے بڑے ماہروں کو طلب کیا اور انہیں حکم دیا کہ مکہ معظّمہ کے نواحی علاقے میں چشمے تلاش کریں۔ ان ماہرین نے بڑی دوڑ دھوپ کے بعد ملکہ کو اطلاع دی کہ انہوں نے دو جگہوں پر ایسے چشمے ابلتے دیکھے ہیں۔ ایک چشمہ تو مکہ معظّمہ سے پچیس میل کے فاصلے پر طائف کے راستے میں ہے اور دوسرا چشمہ کرا کی پہاڑیوں میں نعمان نام کی ایک وادی میں ہے لیکن ان چشموں کا پانی مکہ معظّمہ تک لے جانا بہت مشکل ہے کیونکہ راستے میں متعدد پہاڑیاں ہیں۔ نیک دل ملکہ نے حکم دیا کہ جس طرح بھی ہوسکے ان چشموں کا پانی مکہ معظّمہ تک پہنچانے کیلئے ایک نہر کھودو۔ اس کام پر خواہ کتنا روپیہ خرچ ہوجائے اس کی کچھ پروانہ کرو اگر کوئی مزدور ایک کدال مارنے کی اجرت ایک اشرفی بھی مانگے تو اس کو دے دو۔

ملکہ کا حکم ملتے ہی انجینئروں نے بے شمار کاریگروں اور مزدوروں کی مدد سے نہر کھودنے کا کام شروع کر دیا۔ یہ لوگ مسلسل تین سال تک دن رات پہاڑیاں کاٹنے اور نہر بنانے میں مشغول رہے۔ آخر اللہ نے ان کی محنت شاقہ کو

بارآور کیا اور نہر تیار ہوگئی۔اس کام پر ملکہ کے سترہ لاکھ طلائی دینار خرچ ہوئے۔
جب اخراجات کا حساب ملکہ کے سامنے پیش کیا گیا تو وہ دریائے دجلہ کے کنارے اپنے محل میں بیٹھی تھیں انہوں نے حساب کے کاغذات پر سرسری نظر بھی نہ ڈالی اور سب کو یہ کہہ کر دریا میں ڈال دیا کہ میں نے اس حساب کو ''حساب کے دن'' کے لئے چھوڑ دیا کیونکہ یہ کام میں نے اللہ کو راضی کرنے کیلئے کیا ہے۔
اگر میرے ذمہ کسی کا کچھ دینار آتا ہو وہ مجھ سے لے لے اور اگر میرے کسی کے ذمہ کچھ باقی ہوں تو میں نے اس کو معاف کیا۔پھر ملکہ نے نہر کی تعمیر میں حصہ لینے والے تمام ماہرین، کاریگروں اور مزدوروں کو دل کھول کر انعام دیا اور بڑی خوشی منائی۔ فی الحقیقت دونوں چشموں سے دو الگ الگ نہریں نکالی گئیں، آگے چل کر یہ دونوں نہریں ایک دوسرے سے مل گئیں اور پھر یہی ایک نہر عرفات تک چلی گئی۔اسی نہر کا نام نہر زبیدہ ہے۔ پہاڑوں کے اندر جگہ جگہ حوض بھی بنائے گئے تاکہ بارش کا پانی بھی ان حوضوں میں جمع ہوکر نہروں میں شامل ہوتا رہے۔
نہروں کی گزرگاہ کو ایسے مسالے سے بنایا گیا ہے کہ پانی زمین کے اندر جذب نہیں ہونے پاتا اس علاقے میں اکثر ریت کے طوفان آتے رہتے ہیں اس لئے نہروں کو اوپر سے پاٹ دیا گیا۔تاکہ ریت ان میں گرنے نہ پائے۔شروع شروع میں ''نہر زبیدہ'' کا نام ''عین المشاش'' تھا لیکن اللہ کو زبیدہ کے نام کو دوام بخشنا تھا اس لئے بعد میں وہ انہی کے نام سے مشہور ہوگئی ۔ یہ نہر مکہ معظّمہ سے چند میل دور جبل عرفات کے ساتھ ساتھ بہتی ہوئی ایک مقام ''چاہ زبیدہ'' پر ختم ہوجاتی ہے۔وہاں تک اس کی کل لمبائی ۳۳/ ہزار میٹر ہے۔ملکہ کی خواہش

تھی کہ نہر خاص مکہ معظّمہ شہر تک پہنچ جائے لیکن کوئی ایسی رکاوٹ پیش آ گئی کہ اسے ''چاہِ زبیدہ'' تک ہی ختم کرنا پڑا۔ پھر بھی اہل مکہ کو اس سے بڑا آرام ہو گیا کیونکہ چاہِ زبیدہ سے مکہ تک پانی مختلف طریقوں سے شہر میں آتا رہتا تھا۔ نہر پر پانی کی تقسیم کے لئے جگہ جگہ حوض اور کنوئیں بنے ہوئے ہیں۔

وفات: اس نیک دل خاتون نے یکم جمادی الاولیٰ ۲۱۶ سنہ ھ مطابق ۱۸۳۱ سنہ ء کو بغداد میں وفات پائی۔ رحمھا اللہ تعالیٰ، نور اللہ مرقدھا۔

(تاریخ اسلام کی چارسو باکمال خواتین ص: ۱۴۹،

بحوالہ مشاہیر نسواں، اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد: ۱، المامون وغیرہ)

مکرمہ بی بی فاطمہ نیشاپوریؒ متوفاۃ ۲۲۳ھ

فضل وکمال: بی بی فاطمہؒ خراسان (ایران) کے شہر نیشاپور کی رہنے والی تھیں۔معرفت الٰہی میں انہیں کمال حاصل تھا۔حضرت بایزید بسطامیؒ اور حضرت ذوالنون مصریؒ جیسے بزرگوں نے ان کے فضائل وکمالات کا اعتراف کیا ہے۔

بی بی فاطمہؒ طویل مدت تک بیت اللہ شریف میں مقیم رہیں۔اس دوران خانۂ کعبہ کی جو خدمت بن پڑتی تھی کرتی تھیں۔اس زمانے میں ان سے بڑے بڑے علماء اور اولیاء نے کسب فیض کیا۔انہیں قرآن کریم کی تفسیر اور مطالب بیان کرنے میں ایسا کمال حاصل تھا کہ جو سنتا تھا عش عش کر کے اٹھتا تھا۔عبادت الٰہی سے اس قدر شغف تھا کہ فرض نمازوں کے علاوہ ساری ساری رات نوافل پڑھنے میں گزار دیتی تھیں۔لباس بہت معمولی ہوتا تھا۔اسی طرح کھانا بھی بالکل سادہ ہوتا تھا وہ بھی شاید ہی کبھی پیٹ بھر کھایا ہو۔عقیدت مند بہترین ملبوسات اور کھانے پیش کرتے مگر وہ سب غریبوں اور حاجت مندوں میں تقسیم کر دیتی تھیں۔وہ لوگوں کو تلقین کیا کرتی تھیں کہ تمہارے ہر عمل میں خلوص کارفرما ہونا چاہئے۔تمہارا ہر کام اللہ کی رضا کیلئے ہو اور اسے کرتے وقت تمہیں یقین ہونا چاہئے کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

ف: سبحان اللہ! کیا ہی خوب نصیحت فرماتی تھیں، جو ہر شخص کیلئے واجب العمل ہے۔ **فجزاھا اللہ احسن الجزاء۔(مرتب)**

حضرت بایزید بسطامیؒ کا بیان ہے کہ میں نے اپنی ساری زندگی میں ایک باکمال خاتون دیکھی ہے اور وہ فاطمہ نیشاپوریؒ ہیں۔جس مقام اور مسئلہ کے بارے میں ان سے گفتگو کی،ان کو اس سے آگاہ پایا۔

ف: معلوم ہوا کہ ظاہری و باطنی جملہ علوم ومعارف سے اچھی طرح بہرہ ور تھیں۔**ذٰلک فضل اللہ یو تیہ من یشاء۔**(مرتب)

بی بی فاطمہؒ کو اگر کبھی سفر کا اتفاق پیش آتا تو وہ بالعموم بیت المقدس کا سفر ہوتا تھا۔وہ بیت المقدس جا کر وہاں سے واپس مکہ معظّمہ آجاتیں اور کسی جگہ ان کا دل نہ لگتا تھا۔

وفات: اس عارفہ نے ۲۲۳ھ میں وفات پائی۔نوراللہ مرقدھا۔

(تاریخ اسلام کی چارسو باکمال خواتین ص:۱۱۸،

بحوالہ نفحات الانس،شرف النساء)

مکرمہ حضرت جوہر براثیہؒ متوفاۃ ۲۹۷ھ

نام وولادت: تیسری صدی ہجری کی بڑی نامور عارفہ گزری ہیں۔ ۲۳۰ھ میں بغداد میں پیدا ہوئیں۔

تعلیم: غالباً ابتدائی زندگی کے دور میں کسی عباسی خلیفہ کی کنیز تھیں۔ ایک دن کسی درسگاہ کے قریب سے گزر ہوا، وہاں ایک بزرگ بڑے وقار اور تمکنت کے ساتھ بڑے دلنشین انداز میں بہت سے طلبہ کو درس حدیث دے رہے تھے۔

حضرت جوہرؒ کے قدم وہیں زمین پر گڑ گئے۔ دیر تک سماع حدیث کرتی رہیں۔ آگے بڑھیں تو جامع مسجد آ گئی، وہاں بھی ایک نورانی صورت کے محدث طلبہ کو حدیث کا درس دے رہے تھے اور کئی طلبہ حدیثیں لکھ رہے تھے۔ حضرت جوہر براثیہؒ ایمان افروز مناظر سے بہت متاثر ہوئیں اور ان کے دل کی دنیا بدل گئی۔ واپس محل میں پہونچیں تو سکوت اختیار کرلیا۔ وقت کا بیشتر حصہ عبادت الٰہی میں گزارنے لگیں۔ بلا ضرورت ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکالتی تھیں۔ دوسری کنیزیں ان کو بہت چھیڑتی تھیں مگر وہ خاموش رہتی تھیں۔ آخر ایک دن انہوں نے بہت اصرار کے ساتھ ان سے سکوت کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے فرمایا:

''میں اللہ کی کنیز ہوں اور اسی کے احکام کی اطاعت کرنا میرا فرض ہے۔''

''انہوں نے کہا خلیفہ کو کیا جواب دوگی۔''

فرمایا: ''یہی جو تم کو دیا ہے۔''

رفتہ رفتہ ان کی عبادت گزاری اور سکوت کی خبر خلیفہ تک پہنچ گئی، اس نے انہیں فوراً آزاد کردیا۔

ف: سبحان اللہ! یہ خلیفہ کی کیسی فہم وفراست کی علامت ہے جس کی آج کل سخت ضرورت ہے تاکہ سلطنت کا انتظام بخوبی انجام پائے۔ **ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔** (مرتب)

اب انہوں نے حدیث کی تعلیم حاصل کی اور پھر اپنے آپ کو خدمتِ حدیث اور عبادت الٰہی کیلئے وقف کردیا۔ سنت نبوی علی صاحبھا الصلوٰۃ والسلام کی پیروی میں حضرت ابوعبداللہ برانیؒ سے نکاح کرلیا۔ وہ اس زمانے کے ایک بڑے محدث، فقیہ اور متقی بزرگ تھے۔

دنیا سے بے رغبتی: حضرت جوہرؒ براثیہؒ دولتِ دنیا سے بالکل بے نیاز تھیں۔ ایک دفعہ خلیفہ نے انہیں دس ہزار دینار کی تھیلی بھیجی۔ انہوں نے یہ کہہ کر لینے سے انکار کردیا کہ دنیا کا مال دل میں تکبر اور رعونت پیدا کرتا ہے۔ مجھے اس کی ضرورت نہیں۔

ف: سبحان اللہ! یہ تھی دنیا کی معرفت جس سے بچ کر آخرت کی راہ لی۔ اور وہاں کی نعمتوں سے بہرہ ور ہوئیں۔ **فللہ الحمد والمنہ۔** (مرتب)

خلیفہ نے اب انہیں بیس ہزار دینار بھیجے اور کہلا بھیجا کہ انہیں رکھ لیں اور غربا ومساکین میں تقسیم کردیں۔ مگر حضرت جوہرؒ نے یہ بھی قبول نہ کیے اور لانے والے قاصد سے کہا کہ امیر المومنین سے کہنا، میں ایک گوشہ نشین عورت ہوں مجھے معلوم نہیں ان دیناروں کا مستحق کون ہے اور غیر مستحق کون، اگر میں نے کسی غیر

مستحق کو دے دیئے تو آخرت میں اللہ کو کیا جواب دوں گی؟ بہتر یہی ہے کہ امیر المؤمنین انہیں خود مستحقین میں تقسیم کر دیں۔

ایک مرتبہ خلیفہ نے پیغام بھیجا کہ قصر خلافت میں قدم رنجہ فرمائیں تا کہ ہمیں آپ کی خدمت کا موقع ملے اور حصولِ برکت بھی نصیب ہو۔ انہوں نے جواب میں کہلا بھیجا کہ قصرِ خلافت اور فقیر کی کٹیا میں بڑا فرق ہے میں اپنی کٹیا سے اٹھ کر قصر میں جاؤں تو آپ کے عیش و راحت میں خلل پڑے گا۔ مجھے یہاں ہی پڑا رہنے دیں۔ ایک دفعہ والئ بغداد کی اہلیہ خود ان کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور انہیں اپنے گھر لے جانا چاہا مگر وہ اس کے ساتھ جانے پر رضا مند نہ ہوئیں اور فرمایا، میں ایک سیدھی سادی عورت ہوں اور اس کٹیا میں اپنے جیسے لوگوں کے درمیان رہنا ہی مجھے پسند ہے جو اطمینان قلب مجھے یہاں میسر ہے کسی دوسری جگہ نہیں مل سکتا۔

وفات: حضرت جوہر براثیہؒ نے ۲۷۰ھ میں وفات پائی۔ نور اللہ مرقدھا۔

(تاریخ اسلام کی چار سو باکمال خواتین ص، ۱۷۱،

بحوالہ تذکارِ عارفات، مولانا محمد اسحاق بھٹی)

مکرمہ والدہ امام بخاریؒ متوفاۃ تیسری صدی ھ

تعارف: شیخ الاسلام والمسلمین امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ یتیم تھے، والدہ ماجدہ نے ان کی تعلیم وتربیت پر پوری توجہ دی اور بچپن ہی میں ان کو تحصیل علم کا شوق دلایا۔ ان کی ولادت ۱۹۴ھ میں ہوئی۔ اور گیارہ بارہ سال کی عمر میں حدیث کا پہلا سماع ۲۰۵ھ میں کیا اور بچپن ہی میں حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کی کتابیں زبانی یاد کرلیں اور اپنے شہر کے محدثین محمد بن سلاّمؒ، محمد بن عبداللہ مسندیؒ، محمد بن یوسف بیکندیؒ سے حدیث کی روایت کی اور ستر ہزار احادیث یاد کرلیں، سلیم بن مجاہدؒ کا بیان ہے کہ ایک دن میں محمد بن سلاّمؒ کی مجلسِ درس میں ذرا دیر سے پہنچا تو انھوں نے کہا کہ اگر تم پہلے آجاتے تو ایک بچے کو دیکھتے جس نے ستر ہزار احادیث کو زبانی یاد کررکھا ہے۔ اس کے بعد میں نے محمد بن اسماعیلؒ سے مل کر پوچھا کہ تم ہی کہتے ہو کہ مجھے ستر ہزار احادیث یاد ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں، بلکہ اس سے بھی زیادہ۔

امام بخاریؒ اپنے شہر کے علماء ومحدثین سے تحصیل علم کے بعد اپنی والدہ اور بہن کے ساتھ علمی سفر پر نکلے۔ امام ذہبیؒ نے لکھا ہے:

ونشأ یتیماً ورحل مع امّه واخته سنة عشر ومائتین بعد ان سمع روایات بلده۔

امام بخاریؒ نے بحالت یتیمی نشو ونما پائی اور ۲۱۰ھ میں اپنے شہر کی

احادیث پڑھنے کے بعد اپنی ماں اور بہن کے ساتھ علمی سفر پر نکلے۔

اس وقت امام صاحب کی عمر پندرہ، سولہ سال کی تھی، اور اٹھارہ سال کی عمر میں ''التاریخ الکبیر'' تصنیف فرمائی، ان کا بیان ہے کہ جب میں اٹھارہویں سال میں داخل ہوا تو صحابہ اور تابعین کے قضایا و اقوال کی تدوین کرنے لگا، اسی زمانہ میں ''کتاب التاریخ'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر شریف کے پاس چاندنی راتوں میں تصنیف کی۔

ایک روایت میں ہے کہ امام صاحبؒ نے اپنی والدہ اور بڑے بھائی احمد کے ساتھ حج کیا، حج کے بعد بھائی وطن چلے گئے اور امام صاحبؒ تحصیل علم کرنے لگے۔

امام بخاریؒ کی تصانیف میں '' الجامع الصحیح '' اور '' التاریخ الکبیر'' شاہکار ہیں اور ''صحیح بخاری'' تو ''اصح الکتب بعد کتاب اللہ'' مانی گئی ہے اور یہ ان کی والدہ ماجدہ کی توجہ کا فیض ہے کہ ان کا یتیم لڑکا امیر المؤمنین فی الحدیث کے مرتبہ کو پہنچا۔

وفات: اندازہ یہ ہے کہ آپ کا انتقال تیسری صدی ہجری میں ہوا ہوگا۔ رحمہا اللہ تعالیٰ۔

(خواتین اسلام کی دینی وعلمی خدمات ص:۸۶)

مکرمہ والدہ امام احمد بن حنبلؒ متوفاۃ تیسری صدی ھ

تعارف: حضرت امام احمد بن حنبل شیبانی بغدادیؒ کی والدہ کا نام صفیہ بنت میمونہ بنت عبد الملک شیبانیؒ تھا۔ امام صاحب تین سال کی عمر میں یتیم ہو گئے تھے۔ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد اور دادا کو نہیں دیکھا، میری والدہ نے میری پرورش کی۔

امام صاحبؒ کی والدہ نے اپنے یتیم بچے کو بڑے اہتمام اور پیار محبت سے تعلیم و تربیت دی حتیٰ کہ اس زمانے کے امراء اس پر رشک کرنے لگے، ابو سراجؒ کا بیان ہے کہ میرے والد، احمد بن حنبلؒ کے حسن سیرت و شرافت کو دیکھ کر تعجب کرتے تھے، اور کہتے تھے کہ میں اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت پر کافی دولت خرچ کرتا ہوں، ان کیلئے معلّم و مؤدّب کا انتظام کرتا ہوں تا کہ وہ ادب سیکھیں۔ مگر نامراد ہو رہا ہوں، اور یہ احمد بن حنبلؒ یتیم لڑکا ہے، دیکھو کیسا اچھا چل رہا ہے۔

امام صاحبؒ کی والدہ جب تک زندہ رہیں اپنے بیٹے کی ہر طرح خبر گیری کرتی رہیں اور ان کی شفقت و محبت ہر حال میں ان کے شاملِ حال رہیں۔ ۱۸۶ھ میں جب امام صاحبؒ کی عمر بائیس سال کی تھی، دریائے دجلہ میں زبردست سیلاب آیا، ان ہی ایام میں ملک رے کے محدث جریر بن عبد الحمید بغداد آئے امام صاحبؒ کے ساتھی اس سیلاب میں تحصیل حدیث کیلئے ان کے پاس گئے مگر امام صاحبؒ کی ماں نے جانے کی اجازت نہیں دی تو نہیں جا سکے۔

اسی طرح جب امام صاحبؒ صبح کو اندھیرے میں کسی محدث کی مجلس میں جانا چاہتے تو والدہ غایت شفقت ومحبت سے روک دیتی تھیں۔ امام صاحبؒ کا بیان ہے کہ بسا اوقات میں منہ اندھیرے حدیث کی تعلیم کیلئے نکلنا چاہتا تھا تو میری والدہ میرے کپڑے پکڑ کر کہتی تھیں کہ صبح ہونے دو، اس کے باوجود میں اندھیرے ہی میں ابوبکر بن عیاشؒ کی مجلس درس میں پہنچ جاتا تھا۔

امام صاحبؒ بھی اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ نہایت ادب واحترام وسعادت مندی سے پیش آتے تھے۔

ایک مرتبہ امام صاحبؒ کی والدہ کے پاس کپڑے نہیں تھے، اسی زمانے میں زکوٰۃ کی رقم آئی تو یہ کہہ کر واپس کردی کہ لوگوں کے مال کے میل کچیل سے عریانی بہتر ہے، کچھ دن یہاں رہ کر کوچ کرنا ہے۔

وفات: اندازہ ہے کہ آپ کی والدہ کی وفات تیسری صدی ہجری میں ہوئی ہوگی۔ رحمہا اللہ تعالیٰ۔

(خواتین اسلام کی دینی وعلمی خدمات ص: ۸۴)

مکرمہ مضغہ، مخہ، زبدہؒ متوفیات تیسری صدی ہ

اخوات حضرت بشر حافیؒ متوفی ۲۲۷ھ

تعارف: حضرت مضغہؒ، حضرت مخہؒ اور حضرت زبدہؒ تینوں مشہور عابد و زاہد حضرت بشر حافیؒ کی بہنیں تھیں۔ عبادت وتقویٰ میں مشہور تھیں، مضغہ سب سے بڑی تھیں۔ ان کا انتقال حضرت بشر حافیؒ سے پہلے ہوا تھا۔ جب ان کا انتقال ہوا تو بشر حافیؒ نے بہت تکلیف محسوس کیا اور خوب روئے، ان سے ان کے اتنے زیادہ رونے کی وجہ پوچھی گئی تو فرمایا کہ میں نے کسی کتاب میں پڑھا ہے کہ جب بندہ اپنے رب کے عمل میں کوتاہی کرتا ہے تو اس کی مانوس چیز اٹھا لیجاتی ہے اور میری یہ بہن میری انیسہ تھی۔

حضرت زبدہؒ کی کنیت اُم علی تھی۔ حضرت زبدہؒ نے فرمایا کہ بندوں پہ گناہ کرنا زیادہ گراں ہونا چاہیئے اور توبہ کرنا سہل تو کیوں نہ اخف کے ذریعہ اثقل کو دفع کر دیا جائے۔ (صفۃ الصفوہ، ج۲،ص ۵۲۶)

ایک واقعہ: امام احمد بن حنبلؒ کے صاحبزادے عبداللہ کا بیان ہے کہ ایک دن میں والد کے ساتھ مکان میں موجود تھا، کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا، والد کے حکم پر میں نے دروازہ کھولا تو ایک عورت کھڑی تھی، اس نے کہا کہ میں امام صاحب سے ملنا چاہتی ہوں، تم اجازت لے لو۔ پھر اجازت ملنے کے بعد اندر آ کر سلام کیا اور کہا کہ ابوعبداللہ! میں رات کو چراغ کی روشنی میں سوت کاتتی ہوں، بعض

اوقات چراغ بجھ جاتا ہے تو چاندنی میں کاتتی ہوں، تو ایسی حالت میں مجھ کو چراغ اور چاند کی روشنی میں کاتتے ہوئے دھاگے کی اجرت میں فرق کرنا چاہئے؟ امام صاحب نے کہا کہ اگر تم کو فرق معلوم ہوتا ہو تو اس کو ظاہر کر دو۔ پھر اس عورت نے پوچھا کہ مریض کا تکلیف کی وجہ سے رونا کیا شکوہ ہے؟ امام صاحب نے کہا کہ میرے خیال میں یہ شکوہ نہیں ہے۔ اس کے بعد وہ چلی گئی۔

قابل عبرت سوال: عبداللہ کہتے ہیں کہ والد صاحب نے کہا کہ میں نے کسی شخص سے اس قسم کا مسئلہ معلوم کرتے ہوئے نہیں سنا ہے، تم جاؤ دیکھو، یہ عورت کہاں جاتی ہے؟ تو میں نے دیکھا کہ وہ بشر بن حارث کے مکان میں گئی، وہ انکی بہن تھی، واپس آ کر والد صاحب کو بتایا تو فرمایا کہ بشر حافیؒ کی بہن کے سوا ایسی عورت ہونا محال ہے۔

ف: سبحان اللہ! یہ واقعہ بہت ہی عبرت و نصیحت سے بھرا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مردوں اور عورتوں کو اس کو سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین وما ذٰلک علی اللہ بعزیز۔ (مرتب)

وفات: مضغہ کی وفات تو بشر حافیؒ متوفی ۲۲۷ھ سے پہلے ہوئی۔ امید ہے کہ تیسری صدی ہجری میں سب کی وفات ہوئی ہوگی۔ رحمھن اللہ تعالیٰ۔

(خواتین اسلام کی دینی و علمی خدمات ص: ۱۲۰

مؤلفہ: حضرت مولانا قاضی اطہر صاحبؒ مبارکپوری)

مکرمہ حضرت آمنہ رملیہؒ متوفاۃ تیسری صدی ھ

نام وولادت: حضرت آمنہ رملیہؒ کا شمار دوسری یا تیسری صدی ہجری کی جلیل القدر عالمات وعارفات میں ہوتا ہے۔تقریباً ۱۶۳ھ میں بغداد کے ایک نواحی شہر رملہ میں پیدا ہوئیں۔

تعلیم وتربیت: بچپن ہی سے بہت ذہین اور علم حاصل کرنے کی شائق تھیں، لیکن والدین بہت غریب تھے وہ ان کی تعلیم کا کوئی خاص اہتمام نہ کرسکے البتہ گھر پر جو معمولی تعلیم دے سکتے تھے دے دی۔ جب ذرا بڑی ہوئیں تو اپنی والدہ کے ساتھ حج کیلئے مکہ معظّمہ گئیں۔اس زمانے میں ایک بزرگ عالمِ دین مسجد حرام میں درس دیا کرتے تھے۔حضرت آمنہؒ ان کے حلقۂ درس میں شامل ہوگئیں اور ایک عرصہ تک ان سے قرآن وحدیث کا علم حاصل کرتی رہیں۔جب وہ وفات پاگئے تو حضرت آمنہؒ مدینہ منورہ چلی گئیں جہاں امام مالکؒ نے مسند درس بچھا رکھی تھی۔حضرت آمنہؒ مدت تک ان سے علم حاصل کرتی رہیں اور بہت سی احادیث زبانی یاد کرلیں۔حافظ ابن عبد البرؒ کے اندازے کے مطابق ان سے مروی احادیث کی تعداد سو کے لگ بھگ ہے۔

اس کے بعد وہ دوبارہ مکہ معظّمہ گئیں اور امام شافعیؒ سے علم فقہ کی تحصیل کی۔اس وقت ان کی عمر تقریباً چھتیس سال کی ہوچکی تھی۔جب امام شافعیؒ مصر تشریف لے گئے تو وہ کوفہ پہنچ گئیں جہاں بہت سے علماء وفضلاء موجود تھے۔

حضرت آمنہؒ نے بڑے شوق وذوق سے ان سے بھی کسب فیض کیا اور تمام علم وفضل میں یکتائے روزگار ہو گئیں۔

حلقۂ درس: جب کوفہ سے وطن واپس گئیں تو ان کے علم وفضل کا چرچا دور دور تک پھیل چکا تھا۔ انہوں نے مخلوق خدا کو فیض پہنچانے کی خاطر اپنا حلقۂ درس قائم کیا تو لوگ تحصیل علم کیلئے جوق در جوق ان کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ بڑے بڑے علماء بھی سماعت حدیث کیلئے ان کے درس میں شریک ہوتے تھے۔ ۲۰۹ھ میں انہیں بغداد جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں ایک درویش کامل کی توجہ سے ان کی زندگی میں انقلاب برپا ہو گیا۔ اپنا تمام مال واسباب راہ خدا میں دے دیا اور درویشانہ زندگی اختیار کر لی۔ آپ ہر وقت عبادت الٰہی اور گریہ وزاری میں مشغول رہتی تھیں۔ اسی حالت میں سات حج پیادہ پا کئے۔ ان کے زہد وتقویٰ اور عبادت وریاضت کی بناء پر لوگ ان کو خاصان خدا میں شمار کرتے تھے اور ان کا حد سے زیادہ احترام کرتے تھے۔ ان کی جلالتِ قدر کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ اس دور کے ایک عظیم المرتبت ولی اللہ بشر حافیؒ (المتوفی ۲۲۷ھ) کبھی کبھی ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ اسی طرح اہل سنت والجماعۃ کے چوتھے امام حضرت امام احمد بن حنبلؒ (المتوفی ۲۴۱ھ) بھی ان کی عظمت وجلالت کے معترف تھے۔

ف: سبحان اللہ! ایک عورت کا یہ مقام کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ جیسا محدث اعظم اور بشر حافیؒ جیسا ولی کامل ان کی خدمت میں زیارت واستفاضہ کیلئے تشریف لے جاتے تھے۔ یقیناً باطنی دولت کا یہی حق ہے کہ جس گلی وکوچے میں

اس کی خوشبو آئے وہاں جانا ہی چاہئے۔ خواہ اس کے حامل مرد ہوں یا عورت۔ جیسا کہ اگر کسی گلی میں معلوم ہو کہ وہاں کوئی عطر شامہ بیچتا ہے مگر بیچنے والی عورت ہے تو کیا کوئی طالب عطر وہاں جانے سے گریز کرے گا، ہرگز نہیں، بلکہ مشقت ومشکل سے وہاں جا کر دستیاب کرے گا۔ (مرتب)

بشر حافیؒ کی عیادت: ایک دفعہ بشر حافیؒ بیمار ہوئے تو حضرت آمنہؒ ان کی عیادت کیلئے تشریف لے گئیں۔ اتفاق سے امام احمد بن حنبلؒ بھی وہاں تشریف لے آئے۔ انہوں نے حضرت بشرؒ سے پوچھا: یہ کون ہیں۔ انہوں نے جواب دیا یہ آمنہ رملیہؒ ہیں، میری عیادت کو آئی ہیں۔

امام صاحبؒ نے ان کی شہرت سن رکھی تھی۔ اب انھیں قریب پا کر بہت خوش ہوئے اور حضرت بشرؒ سے فرمایا:

''ان سے کہئے یہ میرے لئے دعا کریں۔''

حضرت بشر حافیؒ نے حضرت آمنہؒ سے عرض کیا:

''یہ احمد بن حنبلؒ ہیں، آپ سے دعا کے خواستگار ہیں۔''

حضرت آمنہؒ نے ہاتھ اٹھا کر نہایت خشوع وخضوع سے دعا مانگی۔

''اے اللہ! احمد بن حنبلؒ اور بشرؒ دونوں جہنم کی آگ سے پناہ مانگتے ہیں، تو سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے، ان کو اس آگ سے محفوظ رکھ۔''

ف: اس سے بڑھ کر دعا ہو ہی کیا سکتی ہے۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فمن زحزح عن النار وادخل الجنہ فقد فاز (یعنی جو جہنم سے بچا دیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا یقیناً وہ کامیاب ہو گیا)۔ اللہ تعالیٰ ہم سب گنہگاروں کے حق

میں بھی یہ اہم واعلیٰ دعا کو قبول فرما کرشاد کام فرمائے۔آمین۔ وما ذٰلک علی اللہ بعزیز۔ (مرتب)

شانِ استغناء: ایک دفعہ کسی رئیس نے دس ہزار اشرفیاں ان کی نذر کرنا چاہا۔ انہوں نے لینے سے انکار کر دیا۔ جب اس نے بہت اصرار کیا تو رکھ لیں لیکن ان کو ہاتھ نہ لگایا اور شہر میں منادی کروادی کہ جس کو روپے کی ضرورت ہو وہ آ کر مجھ سے لے جائے۔ چنانچہ حاجت مند لوگ آتے تھے اور بقدر ضرورت ان سے رقم لے جاتے تھے۔ شام ہوتے ہوتے انہوں نے تمام اشرفیاں تقسیم کر دیں حالانکہ اس دن بھی ان کے گھر میں کھانے کیلئے کوئی چیز نہ تھی۔

حضرت بشر حافیؒ فرماتے ہیں کہ آمنہؒ کا معمول تھا کہ نصف شب کو بیدار ہو جاتیں اور صبح تک نہایت خشوع وخضوع سے عبادت الٰہی میں مشغول رہتیں۔

آپ کی دعا: ایک دفعہ میں نے انہیں یہ دعا مانگتے سنا:

> ''اے خالق ارض وسماء تیری نعمتیں بے حد وحساب ہیں لیکن کس قدر ظالم ہیں وہ لوگ جو ان کی قدر نہیں کرتے۔ تو ارحم الراحمین ہے مگر دنیا تجھ کو بھولی ہوئی ہے۔
>
> اے میرے پیارے آقا! میری عزت تیرے ہی ہاتھ ہے۔ قیامت کے دن سب کے سامنے مجھے رسوا نہ کرنا اگر ایسا کیا تو لوگ یہی کہیں گے کہ اللہ نے اپنی بندی کو رسوا کیا جو اس سے محبت کرتی تھی۔ اے میرے پیارے آقا! تجھ کو یہ بات یقیناً گوارا نہ ہوگی۔ اگر تو نے اس کو گوارا کیا تو میں ہرگز ہرگز اسے

گوارا نہ کروں گی کہ لوگ تجھے الزام دیں۔‘‘

ف: سبحان اللہ! کیا ہی مقام ناز میں یہ دعا فرما رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کے حق میں بھی قبول فرمائے۔ آمین۔ (مرتب)

ایک مرتبہ انہوں نے حضرت بشرؒ سے فرمایا: ’’اے بشر! میں تو سوتی ہوں مگر میرا دل بیدار رہتا ہے۔‘‘

ان کا دستور تھا کہ کسی کے یہاں کھانا نہ کھاتیں کہ مبادا اس میں مال حرام یا کسی مشکوک چیز کا کوئی جز شامل ہو البتہ کسی کے بارے میں یقین ہوتا کہ وہ متقی اور پرہیزگار ہے تو اس کے یہاں کا کھانا کھا لیتیں۔

وفات: ان کا سال وفات کسی کتاب میں درج نہیں ہے۔ لیکن ان کا شمار تیسری صدی ہجری میں کیا جاتا ہے۔ رحمہا اللہ تعالیٰ۔

(تاریخ اسلام کی چارسو باکمال خواتین ص:۱۶۰)

مکرمہ بی بی امۃ الجلیلؒ متوفاۃ تیسری صدی ھ

فضل وکمال: طبقاتِ شعرانی میں ہے کہ امۃ الجلیلؒ عرب کی پارسا اور خدا رسیدہ خواتین میں سے تھیں۔ ایک مرتبہ اس عہد کے ارباب سلوک میں یہ بحث چھڑی کہ ''ولایت'' کے معنیٰ کیا ہیں۔ سب نے اپنی اپنی رائے دی، لیکن ان آراء میں اختلاف تھا۔ آخر یہ قرار پایا کہ امۃ الجلیلؒ سے اس کے معنیٰ پوچھے جائیں۔ چنانچہ جب ان کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا گیا تو انھوں نے فرمایا:

''ولی وہ ہے جو ہر وقت اللہ کی یاد میں مشغول رہے اور زخارف (دنیا کی زیب وزینت) دنیا سے مطلق دل نہ لگائے بلکہ کسی وقت بھی اس کی توجہ ماسوا کی طرف نہ جائے۔''

ف: ولی کی جو تعریف امۃ الجلیل نے کی ہے اس کو ہر شخص کو پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے، خاص طور سے اہل سلوک وتصوف کو۔

پھر انھوں نے ارباب سلوک سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''جب کوئی تم سے کہے کہ فلاں ولی یادِ حق کو چھوڑ کر کسی اور کام میں مشغول ہے تو ہرگز اس کی ولایت کا یقین نہ کرنا۔''

وفات: اندازہ ہے کہ ان کی وفات تیسری صدی ہجری میں ہوئی ہوگی۔ نور اللہ مرقدھا۔

(تاریخ اسلام کی چار سو باکمال خواتین ص: ۱۶۵، بحوالہ نفحات الانس)

مکرمہ ام عباسؒ متوفاۃ تیسری صدی ھ

تعارف: ساتویں عباسی خلیفہ مامون الرشیدؒ (۱۹۸ھ تا ۲۱۸ھ مطابق ۸۱۳ء تا ۸۳۳ء) کی بیگم تھیں، نہایت ذہین وفطین اور عالمہ فاضلہ خاتون تھیں۔ شعر وشاعری میں بھی درک رکھتی تھیں۔ اگرچہ ان کی پرورش خالص بدویانہ (صحرائی) ماحول میں ہوئی تھی مگر قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا تعلق صحرائی علاقے میں بودوباش رکھنے والے کسی علمی اور دینی گھرانے سے تھا ان کی تعلیم وتربیت بہت عمدگی سے کی گئی تھی۔ یہی سبب تھا کہ عنفوانِ شباب کو پہنچنے تک ان کو علم الانساب سے گہری واقفیت ہوگئی تھی جس نے مامون الرشیدؒ کو ان سے شادی کرنے پر آمادہ کیا۔

فصاحت وبلاغت کا واقعہ: عربی ادب کی بعض کتابوں میں یہ واقعہ مزے لے لے کر بیان کیا گیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے:

مامون الرشیدؒ ایک دن اپنے چند محافظوں کو ساتھ لے کر شکار اور سیر وتفریح کیلئے نکلا۔ چلتے چلتے شہر سے دور صحرا میں پہنچ گیا وہاں کسی جانور کے پیچھے گھوڑا اڈالا اور اپنے ساتھیوں سے بچھڑ گیا۔ شکار تو ہاتھ نہ آیا البتہ ایک چشمے (یا دریائے فرات) کے قریب ایک دوشیزہ کو دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔ اس حسین وجمیل دوشیزہ کے چہرے بشرے سے معلوم ہوتا تھا کہ کسی اچھے عرب خاندان سے تعلق رکھتی ہے اس کے کندھے پر پانی کا مشکیزہ تھا جس کے بوجھ تلے دبی جارہی تھی۔ نشیب سے فراز پر آتے ہوئے مشکیزہ سنبھالنا اس کیلئے مشکل ہوگیا اور اس نے مدد کے لئے اپنے

باپ کو آواز دی۔

يَا اَبَتِ اَدْرِكْ فَاهَا۔ فَقَدْ غَلَبَنِىْ فُوْهَا۔ لَا طَاقَةَ لِىْ بِفِيْهَا۔

ترجمہ: ابا دوڑ کر آؤ اور مشکیزے کا منہ تھام لو اس کے دہانے پر میرا زور نہیں چلتا اور یہ میرے قابو سے باہر ہوا جاتا ہے۔

مامون الرشید سے مکالمہ: اس کا باپ کہیں دور تھا اس نے بیٹی کی آواز نہ سنی البتہ مامون الرشیدؒ یہ فصیح وبلیغ جملہ سن کر پھڑک اٹھا اور دوشیزہ کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا پھر اس سے مخاطب ہو کر کہا:

''اے لڑکی تم تو بہت خوب عربی بولتی ہو۔''

دوشیزہ: ''کیا میں عرب کی رہنے والی نہیں ہوں۔''

مامون: ''تمہارا تعلق کس قبیلے سے ہے۔''

دوشیزہ: ''بنی قضاعہ سے۔''

مامون: ''بنی قضاعہ کی کس شاخ سے۔''

دوشیزہ: ''بنی کلب سے۔''

مامون: ''ایسے قبیلے میں تم کیوں پیدا ہوئی۔''

دوشیزہ: ''کیوں میرے قبیلے کو کیا ہوا؟ وہ تو بڑی عزت والا ہے اس پر کوئی الزام نہیں۔ مہمان نواز اور تلوار کا دھنی ہے، مگر اے شخص تم کس قبیلے سے ہو۔''

مامون: ''کیا تم کو انساب سے واقفیت ہے۔''

دوشیزہ: ''ہاں خوب واقفیت ہے۔''

مامون: ''میں بنو مضر سے ہوں۔''

دوشیزہ: ’’لیکن کونسا مضر۔‘‘

مامون: ’’جوحسب ونسب کے اعتبار سے سب سے معزز اور معظم ہے۔‘‘

دوشیزہ: ’’میں سمجھ گئی تم بنو کنانہ سے ہو لیکن کنانہ کی کس شاخ سے۔‘‘

مامون: ’’جس کے فرزند سب سے شریف اور بردبار ہوتے ہیں۔‘‘

دوشیزہ ’’(ہنس کر) اچھا تو تم قریش سے ہو لیکن قریش کے کس خاندان سے۔‘‘

مامون: ’’جس کا ذکر سب سے اونچا اور جس کا فخر بے مثال ہے۔‘‘

دوشیزہ: ’’خدا کی قسم! تم بنی ہاشم سے ہو لیکن بنی ہاشم کے کس گھرانے سے۔‘‘

مامون: ’’جس کے گھر سب سے بلند، جس کا قبیلہ سب سے اشرف جس سے اعداء ہاشم ہیبت زدہ تھے۔‘‘

دوشیزہ نے یہ سن کر ادب سے سر جھکایا اور کہا: **السلام علیکم یا امیر المؤمنین۔**‘‘

نکاح کا پیغام: مامون الرشیدؒ اس دوشیزہ کی وسعتِ معلومات، حاضر جوابی ذہانت اور اشعار سن کر ششدر رہ گیا اور انہوں نے ان کو اپنی ملکہ بنانے کا ارادہ کرلیا۔ واپس آکر انہوں نے اس دوشیزہ کے والدین کو اس کیلئے پیغام بھیجا جو انہوں نے فوراً قبول کرلیا۔ یوں وہ دوشیزہ شاہی حرم میں داخل ہوگئی۔ اسی کے بطن سے مامون الرشیدؒ کا بیٹا عباس پیدا ہوا۔ مامون الرشیدؒ بہترین علمی اور ادبی ذوق رکھتے تھے اس لئے وہ ام عباس کی بہت قدر کرتے تھے اور اکثر ان سے علمی گفتگو کیا کرتے تھے۔

وفات: صحیح تاریخ وفات معلوم نہیں ہوسکی۔ اندازہ ہے کہ تیسری صدی ہجری میں وفات ہوئی ہوگی۔ رحمہا اللہ تعالیٰ۔ (تاریخ اسلام کی چار سو باکمال خواتین ص:۱۶۹)

مکرمہ بی بی ام علیؒ متوفاۃ تیسری صدی ھ

تعارف: بی بی ام علیؒ تیسری صدی ہجری میں بہت بڑی عارفہ گزری ہیں۔ وہ مشہور ولی اللہ شیخ احمد خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ کی حرمِ محترم تھیں۔ ان کے والدین بہت مالدار تھے اور انہوں نے اپنی بیٹی کیلئے بے انتہاء دولت چھوڑی لیکن مخیر بیٹی نے سب خدا کی راہ میں لٹادی اور اپنے عابدوزاہد شوہر کے ساتھ قناعت کی زندگی اختیار کی۔

بی بی ام علیؒ، حضرت بایزید بسطامیؒ اور شیخ ابو حفصؒ کی ہم عصر تھیں۔ ان دونوں بزرگوں نے ان سے کسب فیض کیا۔ حضرت بایزیدؒ فرمایا کرتے تھے:

''جو شخص تصوف کے میدان میں قدم رکھنا چاہتا ہے اسے چاہئے کہ اپنے اندر ام علیؒ جیسی کیفیت اور ہمت پیدا کرے۔''

ف: اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔ آمین

شیخ ابو حفصؒ کہتے ہیں کہ جب تک میں نے ام علیؒ زوجہ احمد خضرویہؒ کی باتیں نہیں سنی تھیں، میں عورتوں کی جنس کو ہی حقیر سمجھتا تھا اور ان سے باتیں کرنا مکروہ جانتا تھا مگر جب ام علیؒ کی باتیں سنیں تو مجھے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنی نعمتِ معرفت سے جسے چاہتا ہے نوازتا ہے۔ اس میں مرد یا عورت کی کوئی تخصیص نہیں۔

ف: بیشک بہت ہی معرفت کی بات ارشاد فرمائی۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ۔ (مرتب)

ارشادات:

حضرت ام علیؒ کے بہت سے مقولے صوفیۂ کرام میں مشہور ہیں ان میں

سے دو مقولے یہ ہیں:

(۱) حاجت کا پورا نہ ہونا بے عزت ہونے سے بہتر ہے۔ (یعنی سوال کر کے بے عزت ہونے سے بہتر ہے)

(۲) اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اپنے انعامات کی بارش کی لیکن وہ اس کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ تب اس نے مصیبتوں اور سختیوں میں مبتلا کیا اور وہ اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ صرف اس لئے کیا کہ اس کو اپنے بندوں سے محبت ہے۔

وفات: آپکی وفات تیسری صدی ہجری میں ہوئی۔ رحمہا اللہ تعالیٰ۔

(تاریخ اسلام کی چار سو باکمال خواتین: ص ۱۷۵ بحوالہ نفحات الانس)

مکرمہ بی بی ام ہارونؒ متوفاۃ تیسری صدی سنہ ھ

فضل وکمال: صاحبِ ''طبقاتِ شعرانی'' کا بیان ہے کہ یہ خاتون نہایت عبادت گزار اور خدا رسیدہ تھیں۔ ہر وقت یادِ الٰہی میں مشغول رہتی تھیں اور ہمیشہ سوکھی روٹی پر گزارہ کرتی تھیں۔

رات کی تاریکی میں اپنے خالق ومالک کی عبادت کرنے میں انہیں خاص لطف حاصل ہوتا۔ جب سپیدۂ سحر نمودار ہوتا تو فرماتیں:

''ہائے دوری ہوگئ''

مطلب یہ کہ رات کی تنہائی میں اپنے خالق کی عبادت کرنے میں جو لطف حاصل ہوتا ہے وہ دن کے وقت نہیں ہوتا۔

ان کی خودرفتگی کا یہ عالم تھا کہ بیس برس تک سر میں نہ تیل ڈالا اور نہ کنگھی کی لیکن ان کے بال اس قدر صاف اور چمکیلے تھے کہ دوسری خواتین ان پر رشک کرتی تھیں۔

خوف آخرت: انہیں قیامت کا خوف ہر وقت دامن گیر رہتا۔ ایک دفعہ دنیا و مافیہا سے بے خبر چلی جارہی تھیں کہ کسی کی آواز کانوں میں پڑی:

''اس کو پکڑلو''

یہ سنتے ہی غش کھا کر گر پڑیں۔ لوگوں نے اٹھایا اور ہوش میں لائے تو فرمایا:

''میں نے سمجھا قیامت آ گئی اور میرے لیے حکم ہوا کہ اس عورت کو پکڑ لو اسی لیے میں بے ہوش ہوگئی۔''

کرامت: ایک روایت میں ہے کہ ایک دن بی بی ام ہارونؒ جنگل میں بیٹھی تھیں کہ ایک شیر وہاں آ نکلا۔ انہوں نے شیر سے مخاطب ہو کر کہا:

''اے شیر! اگر میرے گوشت سے اللہ تعالیٰ نے تیری روزی مقدر کی ہے تو آؤ اور مجھے کھا جاؤ، یہ سنتے ہی شیر نے منہ موڑ لیا اور چلا گیا۔

بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ وہ اکثر جنگل کی طرف نکل جایا کرتی تھیں اور اس قسم کا واقعہ انہیں بارہا پیش آیا لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کسی شیر یا دوسرے درندے سے ان کو نقصان پہنچا ہو۔ سب ان کو دیکھ کر اپنا رخ دوسری طرف کر لیتے تھے۔

وفات: اندازہ ہے کہ آپ کی وفات تیسری صدی ہجری میں ہوئی ہوگی۔ رحمہا اللہ تعالیٰ۔

(تاریخ اسلام کی چار سو باکمال خواتین ص: ۱۷۸

بحوالہ مشاہیر نسواں باکمال عورتیں)

مکرمہ فاطمہ بنت عبد الرحمنؒ متوفاۃ ۳۱۲ھ

تعارف: فاطمہ بنت عبد الرحمن حرانیہ کا لقب ''صوفیہ'' ہے، کنیت ان کی ام محمد ہے۔ آپ کی ولادت بغداد میں ہوئی۔ کم عمری ہی میں مصر منتقل ہو گئیں اور اپنے والد سے روایت کرتی ہیں، اور آپ کے بھتیجے عبد الرحمٰن ابن قاسمؒ نے آپ سے روایت کیا ہے۔ ان کے احسان و تصوف کے بارے میں خطیب بغدادی اور ابن جوزی کا بیان ہے کہ وہ ''صوفیہ'' کے لقب سے مشہور تھیں کیونکہ صوف (اونی کمبل) ہی پہنتی تھیں۔ اور ساٹھ سال سے زائد مدت تک اپنے مصلیٰ پر بلا بستر کے سوئی تھیں۔

ف: یہ وہ اللہ والیاں تھیں جن کے نفوس قدسیہ کی برکت سے خواتین اسلام میں زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت کی روح پیدا ہوئی ہے، ان عابدات، زاہدات اور صوفیات نے اپنی ہم جنسوں میں بڑا کام کیا ہے اور ان کی رباطوں اور خانقاہوں میں بھی تزکیۂ نفس، اخلاقی تربیت اور اصلاح حال کا کام ہوا ہے اور ان کے چشمۂ فیض سے احسان و تصوف اور اخلاص و روحانیت کے دھارے بہے ہیں۔ (مرتب)

وفات: آپ کی وفات ۳۱۲ھ میں ہوئی۔ ۸۰/سال سے زائد عمر پائی۔ رحمہا اللہ تعالیٰ۔

(تاریخ بغداد ج: ۱۴ ص: ۴۴۲۔ خواتین اسلام کی دینی علمی خدمات)

مکرمہ خلدیہ بنت جعفرؒ متوفاۃ چوتھی صدی ھ

تعارف: خلدیہ بنت جعفر بن محمد بن نصیر بن قاسم خلدیؒ عابدہ زاہدہ، عالمہ تھیں، خطیب بغدادی نے ابوالفتح منصور بن ربیعہؒ کے واسطہ سے ان سے روایت کی ہے کہ حضرت ابراہیم خواصؒ کا بیان ہے کہ میں نے دس سے زائد مشائخ کو اس بات پر متفق پایا ہے۔

ان کا یہ فرمان بہت مشہور ہے:

ان القصص فی الاصل بدعة و نعمت البدعة هی الرّحمة تنزل فی مجالسهم و الدموع تذرف من برکة الفاظهم وتنفر القلوب عن المعاصی بتخویفهم۔ (تاریخ بغداد ج: ۱۴،ص: ۴۴۴)

ترجمہ: قصہ گوئی دراصل بدعت ہے (مگر وہ قصے جو رقت وخشیت کے موجب ہوں) وہ اچھی بدعت ہے کیونکہ مشائخ کی مجالس میں برکت نازل ہوتی ہے، ان کے بیان والفاظ کی برکت سے آنسو جاری ہوتے ہیں اوران کی ترہیب وتخویف سے لوگوں کے دل گناہ سے نفرت کرتے ہیں۔

وفات: علامہ ذہبیؒ نے سیر اعلام النبلاء میں آپ کے والد جعفرؒ کی تاریخ وفات ۳۴۸ھ لکھا ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاتا ہے کہ آپ کی والدہ کی وفات بھی چوتھی صدی ہجری میں ہوئی ہوگی۔ رحمہا اللہ تعالیٰ۔

(خواتین اسلام کی دینی وعلمی خدمات ص: ۱۲۴)

مکرمہ بی بی مریم اندلسیہؒ متوفاۃ چوتھی صدی ھ

تعارف: ان کا شمار چوتھی صدی ہجری کی یگانۂ روزگار عالمات میں ہوتا ہے۔ والد کا نام ابویعقوب انصاریؒ تھا۔ اندلس (ہسپانیہ) کے شہر شلب کی رہنے والی تھیں مگر وہاں کی سکونت ترک کر کے اشبیلیہ میں مستقل اقامت اختیار کر لی تھی۔ جملہ علومِ دینی و دنیوی میں درجۂ تبحر رکھتی تھیں۔ انہوں نے اشبیلیہ میں ایک درسگاہ قائم کی تھی۔ جس میں علم کا شوق رکھنے والی خواتین دور دور سے آ کر ان سے تعلیم حاصل کرتی تھیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اشبیلیہ کے بڑے اونچے خاندانوں کی لڑکیاں بی بی مریمؒ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے میں فخر محسوس کرتی تھیں۔ وہ ان کو بڑی محنت اور توجہ سے دینی علوم کے علاوہ معانی، بدیع، شعر اور ادب کی تعلیم بھی دیا کرتی تھیں۔ چنانچہ جو خواتین ان کی درسگاہ سے فارغ التحصیل ہو کر نکلتی تھیں اکثر بڑے اعلیٰ اور معزز خاندانوں میں ان کے رشتے ہو جاتے تھے۔

بی بی مریمؒ نے حج بیت اللہ کی سعادت بھی حاصل کی اس لئے لوگ ان کو حاجہ بھی کہتے تھے۔ بی بی مریمؒ نہ صرف ایک اونچے درجے کی عالمہ تھیں بلکہ ایک سچی مومنہ بھی تھیں اور بڑی سختی سے احکامِ شریعت کی پابندی کرتی تھیں۔ اسی لئے سارے ملک میں ان کا بے حد احترام کیا جاتا تھا۔ وہ شعر و سخن کا بھی نہایت عمدہ ذوق رکھتی تھیں۔

وفات: بی بی مریمؒ نے طویل عمر پا کر چوتھی صدی ہجری کے آغاز میں انتقال کیا۔ نور اللہ مرقدھا۔ (تاریخ اسلام کی چار سو با کمال خواتین ص:۱۹۱، بحوالہ مشاہیر نسواں)

مکرمہ سیدہ فاطمہؒ ام الخیر متوفاۃ پانچویں صدی ھ

تعارف: سیدہ فاطمہ، پیران پیر سیدنا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ تھیں۔نہایت پاکباز، عابدہ زاہدہ اور خدارسیدہ خاتون تھیں۔

حکمت سے بھری نصیحت: حضرت شیخ ابھی کم سن ہی تھے کہ سایۂ پدری سے محروم ہو گئے۔ والدہ ماجدہ نے بڑے صبر اور حوصلے سے کام لیا اور اپنے چار پانچ سالہ فرزند کی تعلیم وتربیت اورنگرانی پر خاص توجہ دی۔اسی توجہ کا نتیجہ تھا کہ سیدنا شیخ عبدالقادرؒ ایک مثالی جوانِ صالح بنے۔ابتدائی تعلیم انہوں نے مقامی مکتب میں حاصل کی۔اٹھارہ سال کی عمر میں مزید تعلیم کے لیے بغداد جانے کا ارادہ کیا۔اس مقصد کے لیے والدہ ماجدہ سے اجازت طلب کی۔انہوں نے باچشم پرنم اپنے لختِ جگر کے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا، میرے نورِ بصر تیری جدائی تو ایک لمحہ کے لیے بھی مجھ سے برداشت نہیں ہو سکتی لیکن جس مبارک مقصد کے لیے تم بغداد جانا چاہتے ہو میں اس کے راستے میں حائل نہ ہوں گی۔حصول علم ایک مقدس فریضہ ہے، میری دعا ہے کہ تم تمام علوم میں درجہ کمال حاصل کرو میں تو شاید اب جیتے جی تمہاری صورت نہ دیکھ سکوں گی مگر میری دعائیں ہر حال میں تمہارے ساتھ رہیں گی۔

پھر فرمایا، تمہارے والدِ مرحوم کے ترکہ میں سے اسی دینار میرے پاس ہیں، چالیس دینار تمہارے بھائی کے لیے رکھتی ہوں اور چالیس زادِراہ کے لیے تمہارے سپرد کرتی ہوں۔

پھر سیدہ فاطمہؒ نے یہ چالیس دینار شیخ عبدالقادرؒ کی بغل کے نیچے ان کی گدڑی میں سی دیئے۔ جب وہ گھر سے رخصت ہونے لگے تو ان سے فرمایا: ''میرے پیارے بچے! میرے آخری نصیحت سن لو۔ اسے کبھی نہ بھولنا وہ یہ ہے کہ ہمیشہ سچ بولنا اور خواہ کچھ بھی ہو جائے جھوٹ کے نزدیک بھی نہ پھٹکنا۔''

سعادت مند فرزند نے بادیدۂ گریاں عرض کیا:

''اماں جان! میں سچے دل سے وعدہ کرتا ہوں کہ ہمیشہ آپ کی نصیحت پر عمل کروں گا۔''

سیدہ فاطمہؒ نے اپنے نورالعین کو گلے لگالیا اور پھر ایک آہِ سرد کھینچ کر فرمایا:

''جاؤ تمہیں اللہ کے سپرد کیا وہی تمہارا حافظ و ناصر ہے۔''

صدق گوئی کا نفع: والدہ ماجدہ سے رخصت ہو کر شیخ عبدالقادرؒ بغداد جانے والے ایک قافلے کے ساتھ ہولیے۔ اس زمانے میں طویل بیابانی راستوں میں تنہا سفر کرنا ممکن نہ تھا۔ لوگ قافلے بنا کر سفر کرتے تھے اور اپنی حفاظت کا مقدور بھر اہتمام کرتے تھے پھر بھی رہزنوں کا خطرہ ہر وقت دامنگیر رہتا تھا۔ شیخ عبدالقادرؒ کا قافلہ جب ہمدان سے آگے ترتنک کے سنسان کوہستانی علاقے میں پہنچا تو ساٹھ قزاقوں کے ایک جتھے نے قافلے پر حملہ کر دیا اور اہلِ قافلہ کا سب مال واسباب لوٹ لیا۔ شیخ عبدالقادرؒ ایک طرف کھڑے تھے کہ ایک ڈاکو نے ان سے پوچھا:

''اے لڑکے تمہارے پاس بھی کچھ ہے؟''

انہوں نے بلاخوف وہراس اطمینان سے جواب دیا، ہاں میرے پاس چالیس دینار ہیں۔ ان کی ظاہری حالت دیکھ کر ڈاکو کو ان کی بات پر یقین نہ آیا

اور وہ ان پر ایک نگاہِ استہزا ڈالتا ہوا چلا گیا۔ پھر ایک دوسرے ڈاکو نے ان سے یہی سوال کیا۔ انہوں نے اس کو بھی وہی جواب دیا۔ یہ ڈاکو بھی ان کی بات کو ہنسی میں اڑا کر چلا گیا۔ شدہ شدہ یہ بات ڈاکوؤں کے سردار احمد بدوی تک پہنچی، اس نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ اس لڑکے کو پکڑ کر میرے پاس لاؤ۔ ڈاکوؤں نے سید صاحب کو پکڑ کر احمد بدوی کے سامنے پیش کیا تو اس نے ان سے پوچھا:

''لڑکے سچ سچ بتا تیرے پاس کیا ہے؟''

انہوں نے بے دھڑک جواب دیا: ''میں پہلے بھی تیرے دو ساتھیوں کو بتا چکا ہوں کہ میرے پاس چالیس دینار ہیں۔''

سردار نے کہا: ''کہاں ہیں نکال کر دکھاؤ۔''

حضرت نے فرمایا، میری بغل کے نیچے گدڑی میں سلے ہوئے ہیں۔ سردار نے گدڑی کو ادھیڑ کر دیکھا تو اس میں سے واقعی چالیس دینار نکل آئے۔ سردار اور اس کے ساتھی یہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ سردار نے استعجاب کے عالم میں کہا:

''لڑکے تمہیں معلوم ہے کہ ہم ڈاکو ہیں لیکن پھر بھی تم نے دیناروں کا بھید ہم پر ظاہر کر دیا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟''

حضرت نے فرمایا: ''میری پاکباز والدہ نے گھر سے رخصت ہوتے وقت مجھے نصیحت کی تھی کہ ہمیشہ سچ بولنا۔ بھلا ان چالیس دیناروں کی خاطر میں والدہ کی نصیحت کیسے فراموش کر دیتا۔''

یہ سن کر سردار پر رِقّت طاری ہوگئی اور وہ روتے ہوئے بولا:

’’آہ! اے بچے تم نے اپنی ماں سے کئے ہوئے وعدے کا اتنا پاس رکھا۔ حیف ہے مجھ پر کہ اتنے سالوں سے اپنے خالق کا عہد توڑ رہا ہوں۔ اے بچے آج سے میں اس کام سے توبہ کرتا ہوں۔‘‘

دوسرے ڈاکوؤں نے بھی اپنے سردار کا ساتھ دیا۔ لوٹا ہوا تمام مال قافلے والوں کو واپس کر دیا اور اس کے بعد نیکی اور پرہیز گاری کی زندگی اختیار کر لی۔

وفات: سیدہ فاطمہؒ کے بارے میں سب تذکرے خاموش ہیں۔ البتہ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے حضرت شیخ عبدالقادرؒ کے زمانۂ تعلیم میں ان کی غیر حاضری ہی میں کسی وقت وفات پائی۔ اندازہ ہے کہ پانچویں صدی ہجری کا زمانہ ہوگا۔ رحمہا اللہ تعالیٰ۔

(تاریخ اسلام کی چار سو باکمال خواتین ص: ۲۰۲،
بحوالہ غبطۃ الناظر، نفحات الانس، اخبار الاخیار، تذکرہ سیدنا غوث اعظم)

مکرمہ فخر النساء شہدہؒ متوفاۃ ۵۷۴ھ

نام ونسب وولادت: چھٹی صدی ہجری میں شہرۂ آفاق محدثہ وکاتبہ ہوئی ہیں۔ والد کا نام ابونصر احمد بن عمر الابری تھا۔ وہ اپنے دور کے ایک ممتاز عالمِ دین تھے۔ شہدہؒ ۴۸۴ھ ہجری میں ایران کے شہر دینور میں پیدا ہوئیں۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی ۔فنِ خوشنویسی (کتابت) بھی انہیں سے سیکھا اور اس میں ایسی مہارت حاصل کی کہ اس دور کے بڑے بڑے خوشنویس ان کے کمالِ فن کا اعتراف کرتے تھے۔ والد صاحب نے حدیث اور دوسرے علوم کی اعلیٰ تعلیم انہیں اس دور کے کئی نامور علماء ابوعبداللہ حسن بن احمد نعمانیؒ، ابوبکر محمد بن احمد الشاشیؒ، احمد بن عبدالقادر یوسفیؒ اور ابوالحسینؒ وغیرہم سے دلوائی اس طرح جملہ علوم میں انہیں درجہ تبحر حاصل ہوگیا۔ ان کے والد خود ہی یا عباسی خلیفہ کے بلانے پر دینور سے نقلِ سکونت کر کے بغداد آ گئے تھے۔ اس لئے شہدہؒ نے عمر کا زیادہ حصہ بغداد ہی میں گزارا۔

شادی: والد نے ان کی شادی اپنے ایک سعادت مند شاگرد علی بن محمد سے کردی۔ وہ اگر چہ غریب تھے لیکن بہت نیک اور لائق تھے اسی لئے میاں بیوی کی ازدواجی زندگی نہایت خوشگوار تھی۔

تدریسی خدمت: شہدہؒ کو علمِ حدیث میں اتنی شہرت حاصل ہوئی کہ تشنگانِ علم دور دور سے جوق در جوق ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور ان کے خوانِ

علم سے ریزہ چینی کرنا اپنے لئے سعادت اور فخر کا باعث سمجھتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے درس میں بڑے بڑے شیوخ حاضر ہوتے تھے اور ان سے سندِ عالی حاصل کرتے تھے۔ شہدہؒ حدیث کے علاوہ تاریخ اور زبان ادب پر بھی ایسی عمدہ تقریریں کرتی تھیں کہ سننے والوں کے دلوں پر نقش ہوجاتی تھیں۔ اپنے علم وفضل، خوشنویسی اور خطیبانہ صلاحیتوں کی بناء پر وہ لوگوں میں ''فخر النسا'' کے معزز لقب سے مشہور ہوگئی تھیں۔ شادی کے پینتالیس برس بعد ان کے شوہر نے وفات پائی۔ انہوں نے یہ صدمہ بڑے صبر اور حوصلے سے برداشت کیا اور اپنے آپ کو ہمہ تن درس وتدریس کیلئے وقف کردیا۔ خلیفہ مستضی بامراللہ عباسی (۵۶۶ھ تا ۵۷۵ھ) نے ان کے فضل وکمال کی شہرت سنی تو ان کو ایک بہت بڑی جاگیر عطا کی تاکہ وہ یکسوئی کے ساتھ اشاعتِ علم میں مشغول رہ سکیں۔ شہدہؒ نے اس کی آمدنی سے دریائے دجلہ کے کنارے ایک عظیم الشان درس گاہ بنوائی جس میں سینکڑوں طلبہ تعلیم حاصل کرتے تھے۔ ان کے تمام اخراجات شہدہؒ خود برداشت کرتی تھیں۔

شہدہؒ آخری دم تک درس وتدریس میں مشغول رہیں۔

وفات: ۵۷۴ھ میں نوے سال سے زیادہ عمر پاکر بغداد میں اس عالمِ ناپائدار سے رحلت کی۔ نمازِ جنازہ ''جامع القصر'' بغداد میں ادا کی گئی۔ جنازہ میں عام لوگوں کے علاوہ بڑے بڑے علماء اور عمائدِ سلطنت بھی شریک ہوئے۔ نور اللہ مرقدھا۔

محدث ابن جوزیؒ کہتے ہیں ''شہدہؒ بڑی صالح عبادت گزار خاتون تھیں''۔

(تاریخ اسلام کی چارسو باکمال خواتین ص: ۲۵۲، بحوالہ ابنِ خلکان۔ سید امیر علی وغیرہ)

مکرمہ بی بی تقیہ شامیہؒ متوفاۃ ۵۷۹ھ

نام وولادت: ان کی کنیت ام علی تھی۔ چھٹی صدی ہجری میں شام کی نامی گرامی شاعرہ اور عالمہ ہوئیں۔ شہر دمشق میں صفر ۵۰۵ھ میں پیدا ہوئیں۔ باپ کا نام ابوالفرج تھا۔

فضل وکمال: بی بی تقیہؒ نے تمام علومِ متداولہ خصوصاً علم حدیث میں کامل دسترس حاصل کی۔ انہوں نے وطن سے باہر جا کر بھی کئی فضلاء زمانہ سے استفاضہ کیا۔ ان میں علامہ ابوطاہر احمد بن محمد سلفی اصفہانیؒ کا نام خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔ وہ نہایت باعصمت اور پاکدامن خاتون تھیں۔ اور ان کی پاکدامنی کا عام چرچا تھا۔ سالہا سال تک لوگوں کو حدیث کا درس دیتی رہیں۔

شعر وشاعری میں ان کو درجۂ کمال حاصل تھا۔ بہت سے شعرائے وقت کے ساتھ ان کے شاعرانہ مناظرے بھی ہوئے۔

وفات: بی بی تقیہ نے ۵۷۹ھ میں وفات پائی۔ رحمہا اللہ تعالیٰ۔

(تاریخ اسلام کی چارسو باکمال خواتین ص:۲۵۶،

بحوالہ ابن خلکان)

مکرمہ رضیع خاتون متوفاة ۵۸۱ھ

نام ونسب: معین الدین انار کی بیٹی اور سلطان نور الدین محمود زنگیؒ(۱) کی بیگم تھیں۔

''دائرۂ معارف اسلامیہ'' میں ہے کہ ان کا اصل نام ''خاتون'' تھا لیکن بعض مؤرخین نے وثوق کے ساتھ ان کا نام رضیع خاتون لکھا ہے، سلطان نور الدین محمودؒ سے ان کی شادی ۵۴۱ھ میں ہوئی۔

اخلاق: وہ نہایت اعلیٰ سیرت اور کردار کی مالک تھیں۔ گھر کا سارا کام کاج اپنے ہاتھ سے کرتی تھیں اور سلطان جو معمولی رقم دیتے اسی سے گھر کا خرچہ چلاتی تھیں۔ ایک دفعہ انہوں نے سلطان سے کہا کہ آپ جو کچھ مجھے دیتے ہیں اس سے گھر کا خرچہ بمشکل پورا ہوتا ہے اس لئے میرے نفقہ میں کچھ اضافہ کر دیجئے۔

آپ کے شوہر کی ایمانداری: سلطان نے خشمگیں ہو کر جواب دیا:

''میرے پاس تین دکانوں کے کرایہ کی آمدنی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ تم کو اسی قدر آمدنی پر گزر اوقات کرنی ہوگی۔ خدا کی قسم میں تمہاری خاطر اپنے پیٹ کو دوزخ کی آگ سے نہیں بھروں گا۔ اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ میرے قبضے میں بڑے بڑے ملک اور ان کے خزانے ہیں تو سمجھ لو کہ یہ سب کچھ عام مسلمانوں کا ہے میں تو صرف ان کا خزانچی ہوں۔ مجھے مطلق اختیار نہیں ہے کہ سرکاری خزانہ کو اپنی ذات یا اپنے اہل وعیال پر صرف کروں۔ یہ مال دشمنانِ خدا کے خلاف جہاد یا

---

(۱) آپ کے حالات وکمالات اقوال سلف جلد سوم میں ملاحظہ کریں۔ (مرتب)

مسلمانوں کی بہبود کے کاموں کیلئے وقف ہے۔ حمص کی تین دکانیں میں تمہیں ہبہ کردیتا ہوں۔ تمہیں اختیار ہے کہ خواہ ان کو فروخت کرڈالو یا ان کا کرایہ وصول کرتی رہو۔"

بیگم بھی بڑی باخدا خاتون تھیں، سلطان کا جواب سن کر خاموش ہوگئیں اور پھر زندگی بھر ان سے اپنے نفقہ میں اضافہ کا مطالبہ نہ کیا۔

رضیع خاتون کے بطن سے سلطان نورالدین کے صرف دو بچے ہوئے، ایک لڑکا اور ایک لڑکی۔ لڑکے کا نام اسمٰعیل تھا اور لڑکی کا نام شمس النساء تھا۔ سلطان نورالدین ملکہ رضیع خاتون کے بڑے قدردان تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں ان کے سوا کسی دوسری عورت سے شادی نہیں کی۔ ان کی وفات (۵۶۹ھ مطابق ۱۱۷۳ء) کے تین سال بعد ۵۷۲ھ مطابق ۱۱۷۶ء میں رضیع خاتون نے سلطان ایوبیؒ سے نکاح ثانی کرلیا۔

تعلیم مدرسہ: رضیع خاتون بہت مخیّر اور معارف پرور بی بی تھیں۔ اگر چہ ان کے گھریلو اخراجات محدود تھے لیکن رفاہ عامہ کے کاموں کیلئے ان کو سرکاری خزانے سے رقم مل جاتی تھی چنانچہ انہوں نے دمشق میں ایک عالی شان مدرسہ تعمیر کرایا جو ان کے نام کی نسبت سے خاتونیہ کہلایا۔ یہ مدرسہ بعد میں حوادث زمانہ کی نذر ہوگیا۔ دمشق کے باب النصر کے باہر اس نے ایک خانقاہ بھی تعمیر کرائی تھی۔

وفات: اس نیک بی بی نے محرم ۵۸۱ھ مطابق ۱۱۷۵ء میں وفات پائی۔ رحمہا اللہ تعالیٰ۔ (تاریخ اسلام کی چارسو باکمال خواتین ص: ۲۳۴،)

مکرمہ بی بی فاطمہؒ بنت المثنیٰ متوفاۃ چھٹی صدی سنہ ھ

تعارف: چھٹی صدی ہجری میں بہت خدار سیدہ خاتون گزری ہیں۔ ان کی عظمت کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ شیخ اکبر محی الدین[ا] ابن عربی نے سالہا سال ان کی خدمت کی اور ان سے اکتساب فیض کیا۔ انہوں نے اپنی کتاب ''فتوحات مکیہ'' میں لکھا ہے:

> ''میں نے سالہا سال حضرت فاطمہ کی خدمت کی ہے اس وقت ان کا سن ۹۵ رسال سے بھی اوپر تھا لیکن مجھ کو ان کے چہرے کی طرف دیکھنے سے شرم محسوس ہوتی تھی کیونکہ ان کی صحت ایسی عمدہ تھی کہ چہرے سے تروتازگی کے باعث وہ چودہ سال کی دوشیزہ معلوم ہوتی تھیں۔''

ملفوظ: ابن عربی کہتے ہیں کہ ایک دفعہ فاطمہؒ مجھ سے مخاطب ہوئیں اور فرمایا:

''میں حیران ہوں کہ لوگ خدا کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں اور پھر روتے ہیں۔ اللہ سے قربت اور محبت تو یہ ہے کہ وہ جس حال میں رکھے وہ اس میں خوش رہیں، رونا کیسا، کیوں بیٹا تیرا کیا خیال ہے؟

میں نے عرض کیا کہ آپ کا فرمانا بجا اور درست ہے۔

ا۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کے حالات اقوال سلف جلد سوم میں تفصیل کے ساتھ درج کئے گئے ہیں۔ (مرتب)

کرامت: ایک دن ایک عورت بی بی فاطمہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میرا شوہر یہاں سے بہت دور ایک شہر میں ہے اور اگر وہ زیادہ عرصہ وہاں رہا تو مجھے ڈر ہے کہ وہ دوسرا نکاح کر لے گا۔ آپ دعا کریں کہ وہ یہاں آجائے۔''

بی بی فاطمہؒ نے کہا ''بہت اچھا'' یہ کہہ کر انہوں سورۂ فاتحہ پڑھنی شروع کردی۔ ابنِ عَرَبی بھی ان کے پاس موجود تھے کہ ایک صورت فاطمہ کے سامنے آئی انہوں نے اس سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''فلاں شہر میں جاؤ اور اس عورت کے خاوند کو یہاں لے آؤ۔''

ابن عربیؒ کہتے ہیں کہ تھوڑی ہی مدت کے بعد اس عورت کا خاوند واپس آگیا۔ حضرت فاطمہؒ کے سورۂ فاتحہ پڑھنے اور اس شخص کے آنے میں صرف اتنی دیر لگی جتنی اس مسافت کو معمولاً طے کرنے میں لگتی تھی۔ انہوں نے یہ خیال بھی ظاہر کیا کہ سورۂ فاتحہ کے ذریعے کئی مؤکلات حضرت فاطمہؒ کے تابع تھے۔

وفات: آپ کی وفات چھٹی صدی ہجری میں ہوئی۔ رحمھا اللہ تعالیٰ۔

(تاریخ اسلام کی چار سو باکمال خواتین ص:۲۳۱، بحوالہ مشاہیر نسواں وغیرہ)

مکرمہ عصمۃ خاتون متوفاۃ ۵۸۱ھ

تعارف: الملک الناصر سلطان صلاح الدین یوسف ایوبیؒ کی بیگم تھیں۔ بعض نے ان کا نام عصمیہ خاتون لکھا ہے۔ نہایت نیک فطرت، دانش مند، علم دوست اور مخیرہ خاتون تھیں۔ اپنے اولوالعزم اور صاحب خیر شوہر کی طرح رفاہ عامہ کے کاموں میں بہت دلچسپی لیتی تھیں۔

عہد صلاح الدین کا نامور مؤرخ اور ادیب عماد کاتب (عماد الدین محمد بن محمد الکاتب اصفہانی المتوفی ۵۹۰ھ) عصمۃ خاتون کے ذکر میں لکھتا ہے:

آپکی یادگار: ''وہ فیاضی میں نہایت دلیر تھیں۔ فقراء کے مواجب مقرر کر رکھے تھے۔ فقیہوں اور زاہدوں کیلئے مہمان سرائیں اور مدرسے جاری کئے۔ معلمین کی تنخواہیں مقرر کیں۔ طلبہ کو کھانا اور لباس ان کے یہاں سے ملتا تھا۔ دمشق میں حمام سرکسی کے پاس محلہ حجر الذہب میں مشہور درسگاہ اور بڑی سرائے باب النصر کے باہر مہمان خانہ اسی نیک خاتون کے نام سے مشہور ہیں۔ اس کے وقف کئے ہوئے مکانات اور انعامات سے مدت دراز تک لوگوں نے فائدہ اٹھایا۔''

اس نیک بی بی نے اپنے صرفہ سے کئی مسجدیں بھی تعمیر کرائیں جو آج تک اس کا نام زندہ رکھے ہوئے ہیں۔

وفات: آپ کی وفات ذی قعدہ ۵۸۱ھ میں ہوئی۔ رحمہا اللہ تعالیٰ۔

(تاریخ اسلام کی چارسو باکمال خواتین ص: ۲۴۰، بحوالہ حیاتِ صلاح الدین)

مکرمہ بی بی مَن میلؒ متوفاۃ چھٹی صدی سنہ ھ

تعارف: حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیریؒ کے خلیفہ اعظم حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ (المتوفی ۶۳۳ سنہ ھ) کی دایہ تھیں اور ان ہی نے خواجہ بختیار کاکیؒ کو ان کے زمانہ طفولیت میں اپنا دودھ پلایا تھا۔ اس نسبت سے وہ خواجہ صاحبؒ کی رضاعی ماں تھیں۔ ان کا تعلق ماوراء النہر (وسطِ ایشیا) کے ایک شہر اوش کے ایک شریف خاندان سے تھا۔ خواجہ بختیار کاکیؒ اسی شہر میں پیدا ہوئے تھے۔ بی بی مَن میل کا مکان خواجہ صاحبؒ کے والدین کے پڑوس میں تھا۔ وہ بڑی نیک سیرت اور خدا ترس خاتون تھیں۔ اپنا بیش تر وقت عبادت و ریاضت میں گزارتی تھیں۔ اصل نام کچھ اور ہوگا مگر ہندوستان میں وہ مَن میل (دلوں کو جوڑنے والی) کے لقب یا نام سے مشہور ہوئیں۔

حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ عنفوانِ شباب میں حضرت خواجہ اجمیریؒ کے دامنِ ارادت سے وابستہ ہوگئے اور ان سے خرقۂ خلافت حاصل کیا، پھر طویل عرصہ تک ریاضت ومجاہدہ اور سیاحت میں گزارا۔ اس اثناء میں خواجہ اجمیریؒ ہندوستان تشریف لا چکے تھے۔ خواجہ بختیار کاکیؒ بھی مرشدِ گرامی کی خدمت میں ہندوستان پہنچ گئے۔ حضرت خواجۂ خواجگانؒ نے تو اجمیر میں مستقل اقامت اختیار کی اور حضرت بختیار کاکیؒ کو اپنا خلیفۂ اعظم بنا کر دہلی بھیج دیا۔ وہ دہلی اور اس کے نواحی علاقے میں تبلیغِ اسلام اور سلسلۂ چشتیہ کے فروغ کے ذمہ دار تھے۔

خرقۂ خلافت: بی بی من میل اس وقت باحیات تھیں۔خواجہ بختیار کا کیؒ ان کے مرتبہ شناس تھے۔انہوں نے ان کواوش سے دہلی بلالیااورخرقۂ خلافت [1] دے کر دہلی کی مستورات کی ہدایت کیلئے مامور فرمایا۔انہوں نے اپنے فرائض بڑے ہی تندہی سے انجام دئے اور ہزارہا خواتین ان سے کسب فیض کر کے صاحب کمال ہوگئیں۔حضرت خواجہ بختیار کا کیؒ ان کا بے حد احترام کرتے تھےاوراپنے گھر کا ساراانتظام ان کے سپرد کرر کھا تھا۔بی بی من میلؒ پردہ کی سخت پابند تھیں۔وہ نہ کبھی گھر سے باہر نکلتی تھیں اورنہ کبھی گھر کے مردانے حصے میں قدم رکھتی تھیں۔

ف: معلوم ہوا کہ عورتوں کوبھی خلافت اور بیعت کرنے کی اجازت دیجا سکتی ہے،تاکہ عورتوں میں بھی یہ سلسلۂ باطنی جاری وساری رہے۔(مرتب)

وفات: بی بی من میلؒ نے غالباً چھٹی صدی ہجری کے آغاز میں وفات پائی۔ ان کا مزار دہلی میں خواجہ بختیار کا کیؒ کے مزار کے متصل مسجد کہنہ کے مقابل واقع ہے۔نوراللہ مراقدھما۔

(تاریخ اسلام کی چارسو باکمال خواتین ص:۲۴۲،

بحوالہ تذکرہ اولیائے ہند)

مکرمہ تاج النساءؒ متوفاۃ ۶۱۱ سنہ ھ

تعارف: نام تاج النساء بنت رستم اصبہانیہ ہے، کنیت ام ایمن الواعظہ ہے۔ مکہ مکرمہ میں مجاورت واقامت اختیار کر کے موت تک مقیم رہیں۔ حالانکہ آپ بغداد کی باشندہ تھیں، آپ کو شیختہ الحرم کہا جاتا تھا۔ پوری زندگی آپ نے زہد وتصوف میں گزارا۔ آپ نے بخاری شریف اپنے والد صاحب اور شیخ ابوطالب ابن خفیرؒ سے سماعت کیا، ان کے علاوہ آپ کو شیخ ابو منصورؒ اور شیخ ابو قاسم ابن سمرقندیؒ سے بھی اجازت حاصل ہے۔ بقول امام تقی الدین فاسی مکیؒ: **وکانت مقدمة الصوفية به۔** (العقد الثمین: ج/۸، ص/۱۹۲)

ترجمہ: وہ مکہ مکرمہ کی صوفیہ میں سب سے آگے تھیں۔

ف: اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری مستورات کو بھی ایسی صفات حسنہ کی نعمت سے نوازے۔ تاکہ آج بھی سارا معاشرہ پر کیف ہوجائے اور باطنی سلسلہ جاری ہوجائے۔ آمین۔ (مرتب)

وفات: آپ کی وفات ۶۱۱ سنہ ھ میں مکۃ المکرمہ میں ہوئی۔ رحمہا اللہ تعالیٰ۔

(فوات الوفیات،

خواتین اسلام کی دینی وعلمی خدمات)

مکرمہ زینب بنت شیخ احمد[1] رفاعیؒ متوفاۃ ۶۳۰ھ

فضل وکمال: زینب بنت شیخ احمد رفاعیؒ نے اپنے والد کے سلسلہ رفاعیہ سے منسلک رہ کر پوری زندگی زہد وتقویٰ میں بسر کی، نہایت نیک عابدہ، زاہدہ اور صالحہ خاتون تھیں، تصوف میں ان کا بڑا مقام تھا، اسی کے ساتھ قرآن حفظ کیا اور حدیث کی روایت کی۔ اور فقہ وفتویٰ میں کمال حاصل کیا۔ ان سے ان کی اولاد نے طریقت کی تعلیم وتربیت پائی۔

ف: الحمد للہ! ان پردہ نشینان علم وفضل نے وعظ وتذکیر اور خطابت کے ذریعہ خواتین اسلام کے ایمان وعمل کو تازگی اور رونق بخشی ہے اور ان کے ذریعہ مسلم خانوادوں اور کنبوں کی بڑی اصلاح ہوئی ہے، ان محدثات وفقیہات اور عالمات میں بڑی آن بان کی واعظہ اور خطیبہ بھی گزری ہیں، جن کی ذات سے عام عورتوں کو بہت زیادہ فیض پہونچا ہے، وہ عورتوں کے مخصوص اجتماعات میں جا کر وعظ کرتی تھیں۔ فجزاھن اللہ تعالیٰ۔ (مرتب)

وفات: ساری عمر زہد وتقویٰ میں گزار کر ۶۳۰ھ میں انتقال کیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ رحمہا اللہ تعالیٰ۔

(خواتین اسلام کی دینی وعلمی خدمات ص: ۱۴۰)

---

[1] شیخ احمد کبیر رفاعیؒ متوفی ۵۷۸ھ کے حالات وکمالات اور ارشادات تفصیل کے ساتھ ''اقوال سلف جلد سوم'' میں نقل کئے گئے ہیں۔ جس کا دل چاہے وہ اصل کتاب کا مطالعہ کرے۔ (مرتب)

مکرمہ بی بی اسماء شامیہؒ متوفاۃ ۶۳۳ھ

فضل وکمال: دمشق کے ایک نامور سردار محمد بن حصری کی صاحبزادی تھیں۔ انہوں نے اپنے وقت کے کئی نامور علماء سے علم حدیث حاصل کیا۔ نامور محدث مکی بن علانؒ سے بھی حدیث کی چند کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد خود مسند درس پر بیٹھیں اور مدت دراز تک درس وتدریس میں مشغول رہیں۔ زندگی میں بارہا حج بیت اللہ کا شرف حاصل کیا۔ دستِ سخاوت بہت کشادہ تھا۔ اپنا مال بے دریغ راہِ خدا میں لٹاتی رہتی تھیں۔

ف: اس سے عورتوں کو نصیحت حاصل کرنی چاہئے۔ واللہ الموفق (مرتب)

ایک مشہور شاعر ابن الوردی نے بی بی اسماءؒ کی شان میں یہ شعر کہے ہیں۔

کَذَالِکَ فَلْتَکُنْ اُخْتُ بْنِ حَصْرِی تَفُوْقُ عَلَی النِّسَآءِ صَبِیاً وَّشَیْبًا

ابن حصری کی بہن کو ایسا ہی ہونا چاہئے، کہ وہ طفولیت اور بڑھاپے میں عورتوں پر سبقت لے گئیں۔

طِرَازُ الْقَوْمِ اُنْثٰی مِثْلُ ھٰذا وَمَا التَّانِیْثُ لِاسْمِ الشَّمْسِ عَیْبًا

ایسی ہی عورت قوم کے لئے نمونہ ہوتی ہے۔ اور شمس میں تانیث کوئی عیب نہیں۔

ف: یعنی شمس عربی زبان میں مؤنث استعمال ہوتا ہے۔ مگر اس کا مؤنث ہونا اسماء شامیہؒ کے فضل وکمال میں کوئی قادح نہیں ہے۔ چونکہ وہ خود علم وفضل میں کمال حاصل کر چکی تھیں۔ (مرتب) (تاریخ اسلام کی چارسو باکمال خواتین ص:۲۸۷)

وفات: ذی الحجہ ۶۳۳ھ میں وفات پائی۔ رحمہا اللہ تعالیٰ۔

مکرمہ بی بی سارہؒ متوفاۃ ۶۳۸ھ

فضل وکمال: حضرت شیخ نظام الدینؒ ابوالمؤیدؒ (المتوفی ۶۷۳ھ) کی والدہ تھیں۔ حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ سے بہت عقیدت رکھتی تھیں۔ انہوں نے ان کو اپنی منہ بولی بہن بنا رکھا تھا۔ وہ صرف عارفہ ہی نہیں تھیں بلکہ بڑی عالمہ فاضلہ بھی تھیں اور علم فقہ میں درجۂ تبحر رکھتی تھیں۔ ایک دفعہ خشک سالی کی وجہ سے دلی میں قحط پڑ گیا اور غلہ اس قدر مہنگا ہو گیا کہ کسی غریب کیلئے اس کا خریدنا ممکن نہ رہا۔ دلی کے لوگ جمع ہو کر شیخ نظام الدینؒ ابوالمؤیدؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت انہوں نے اپنی آستین سے کپڑے کا ایک ٹکڑا نکالا۔ ایک تار اس میں سے جدا کیا۔ اور پھر اس تار کو آسمان کی طرف کر کے کہا:

> ''الٰہی یہ تار اس بزرگ خاتون کے کپڑے کا ہے جس نے ساری عمر کسی نامحرم مرد کی طرف نہیں دیکھا، اس کے طفیل اور بحرمت اس جذبۂ عبودیت کے جو وہ تیرے ساتھ رکھتی تھیں۔ ہمیں بارانِ رحمت سے نواز ورنہ میں جنگلوں میں زندگی بسر کروں گا اور پھر کبھی آبادی میں قدم نہیں رکھوں گا۔''

اللہ نے ان کی دعا کو شرف قبولیت بخشا، اسی وقت آسمان پر سیاہ بادل چھا گئے اور اس قدر بارش ہوئی کہ میدان اور جنگل پانی سے بھر گئے اور سیلاب کی سی کیفیت پیدا ہو گئی۔

لوگوں نے شیخ نظام الدینؒ ابوالمؤیدؒ سے پوچھا: ''حضرت یہ کپڑا کس کا تھا اور کیسا تھا کہ جس کے تار کا واسطہ دے کر آپ نے اللہ سے دعا کی؟''

انہوں نے فرمایا: ''یہ کپڑا حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے دامن کا ہے جو انہوں نے میری والدہ کو عنایت فرمایا تھا۔ وہ اس کو اپنے سر پر رکھ کر عبادت کیا کرتی تھیں۔''

وفات: بی بی سارہؒ نے ۶۳۸ھ میں اس دنیائے فانی سے کوچ کیا۔ ان کا مزار حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار (واقع دلی) کے متصل ہے۔ نوراللہ مرقدھما۔

(تاریخ اسلام کی چار سو باکمال خواتین ص: ۲۹۷،

بحوالہ خزینۃ الاصفیاء تذکرہ اولیائے ہند)

مکرمہ بی بی ام الخیرؒ جمال النساء متوفاۃ ۶۴۰ھ

فضل وکمال: بی بی ام الخیرؒ بغداد میں پیدا ہوئیں اور علم وفضل کے اعتبار سے آسمانِ شہرت پر آفتاب بن کر چمکیں ۔ ان کے تبحر علمی کی وجہ سے لوگ ان کو ''جمال النساء'' کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ انہوں نے ابن البطیؒ، ابو المظفر کاغذیؒ اور شجاع الحربیؒ جیسے بلند پایہ علماء سے علمِ حدیث حاصل کیا۔ پھر خود مسند درس بچھائی اور سینکڑوں لوگوں کو حدیث کی تعلیم دی۔

ف: سبحان اللہ! کیسی سعادت سے مشرف ہوئیں جو لائق صد رشک ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو توفیق عطا فرمائے۔آمین۔(مرتب)

آپ کے تلامذہ: ان سے کسب فیض کرنے والوں میں فاطمہؒ بنت سلیمان، ابن شحنہؒ، ابن سعدہؒ، اسمٰعیل بن عساکرؒ، اور قاضی تقی الدین سلیمانؒ جیسے نامور محدثین کے نام شامل ہیں۔

فضل وکمال کے علاوہ بی بی ام الخیرؒ زہد واتقا میں بھی بڑی شہرت رکھتی تھیں۔انہوں نے حج کیلئے بارہا مکہ معظّمہ کا سفر کیا۔

وفات: ۶۴۰ھ میں وفات پائی۔نور اللہ مرقدھا۔

(تاریخ اسلام کی چارسو باکمال خواتین ص:۳۰۲،بحوالہ تذکرہ الخواتین)

مکرمہ ضیفہ خاتون متوفاۃ ۶۴۰ سنہ ھ

نسب وولادت: الملک الناصر سلطان صلاح الدین یوسف ایوبیؒ فاتح بیت المقدس کے بھائی الملک العادل سیف الدین ابی بکر بن ایوب کی صاحبزادی تھیں۔ بعض نے ان کا نام صَفُیَہ بھی لکھا ہے لیکن عام طور پر وہ ضیفہ خاتون ہی کے نام سے مشہور ہیں۔ اس سلسلے میں یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ۵۸۱ سنہ ھ یا ۵۸۲ سنہ ھ میں جب وہ پیدا ہوئیں تو ان کے والد کے پاس کوئی بہت بڑی شخصیت مہمان کے طور پر قیام پذیر تھی۔ مہمان کو عربی میں ضَیف کہا جاتا ہے۔ اسی نسبت سے نومولودہ بچی کا نام ضیفہ رکھ دیا گیا۔ اس زمانے میں الملک العادل قلعۂ حلب کا حکمران تھا جو فتح کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے اس کے سپرد کیا تھا۔ بعد میں سلطان نے الملک العادل کی جگہ اپنے بیٹے الملک الظاہر غیاث الدین غازی کو حلب کا حکمران مقرر کیا۔ اسی الملک الظاہر غازی سے ضیفہ خاتون کی شادی ہوئی۔ یہ الملک الظاہر غازی کی دوسری شادی تھی اس سے پہلے اس کی شادی ضیفہ خاتون کی ایک بہن غازیہ سے ہوئی تھی اس کی وفات کے بعد ضیفہ خاتون الملک الظاہر غازی کے عقد نکاح میں آئیں۔ اس طرح وہ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کی بہو بن گئیں۔

تخت نشینی: الملک الظاہر ۶۱۳ سنہ ھ میں فوت ہو گیا اور اس کی جگہ الملک العزیز غیاث الدین محمد حلب کا حکمران بنا۔ ۶۳۴ سنہ ھ میں ضیفہ خاتون کے فرزند الملک

العزیز غیاث الدین محمد نے وفات پائی تو اس کی جگہ الملک الناصر صلاح الدین یوسف (ثانی) تخت کا وارث قرار پایا۔ اس وقت اس کی عمر صرف سات برس کی تھی، اس لئے ضیفہ خاتون نابالغ وارثِ تخت کی جگہ حکمران قرار پائیں۔

کارنامے: وہ بڑی نیک دل مخیّرہ اور مدبّرہ خاتون تھیں ۔ اور المَلِکَۃُ الرَّحِیمَۃُ، عِصمَۃُ الدّین وَ الدُّنیا (مہربان ملکہ، دین و دنیا کی عصمت) کے القاب سے یاد کی جاتی تھیں۔ انہوں نے حکومت کا انتظام نہایت خوش اسلوبی سے چلایا اور بہت سے رفاہی ادارے بھی قائم کئے۔ ان میں سے ایک مدرسہ، ایک مسجد، ایک خانقاہ حلب میں آج تک موجود ہیں۔ مؤرخین نے ان کے آثارِ باقیہ میں مدرسۃ الفردوس اور خانقاہ فرافِرَ ۃ کا ذکر خصوصیت سے کیا ہے۔

وفات: ملکہ ضیفہ خاتون نے ۱۱/جمادی الاولیٰ ۶۴۰ھ کو وفات پائی، انہیں قلعہ حلب کے اندر ان کے بیٹے الملک العزیز غیاث الدین محمد کے پہلو میں سپرد خاک کیا گیا۔ نور اللہ مرقدھا۔

(تاریخ اسلام کی چارسو باکمال خواتین ص:۲۶۱،

بحوالہ اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ۔ ۱۲)

مکرمہ آسیہ مقدسیہؒ متوفاۃ ۶۴۰ھ

تعارف: سیف ابن مجدؒ کی والدہ، امام حافظ ضیاء الدین مقدسیؒ کی بہن اور شیخ مجد الدین عیسیٰؒ کی زوجہ آسیہ مقدسیہ اپنے زمانہ کی مشہور عابدات میں تھیں، دین ودیانت اور خیر وصلاح میں بہت آگے تھیں، کتاب المشتبہ میں ان کے بارے میں ہے: ''**من العوابد حفظت القرآن العزیز توصف بالدین والخیر والصلاح ولھاوردومافی زمانھامثلھا۔**'' (العقد الثمین ج:۸،ص:۲۸۷)

ترجمہ: وہ عابدات میں تھیں، ساتھ ہی قرآن کی حافظہ، دین ودیانت اور صلاح وتقویٰ میں مشہور، اور اوراد ووظائف کی پابند اور اپنے زمانہ میں بے مثال خاتون تھیں۔

حافظ زکریا نے فرمایا کہ اس زمانہ میں ان جیسا کوئی نہیں۔ قیام اللیل چھوڑنا ان کو کبھی گوارا نہ ہوتا تھا۔

ف: اسی کی برکت سے تو ولایت کے مقام بلند تک پہونچیں۔ واللہ الموفق (مرتب)

یہ وہ بنات اسلام ہیں جن کا وجود مسعود دینی علوم وفنون اور اسلامی اعمال کے ہر میدان میں نمایاں رہا ہے، اور اسلامی زندگی کا کوئی گوشہ ان سے خالی نہیں ہے، حتیٰ کہ زہد وتصوف اور خانقاہی زندگی میں بھی ان کی ذات بڑی پُرکشش نظر آتی ہے اور اس میں انہوں نے عورتوں کے ساتھ مردوں کی بھی خدمت کی ہے۔

وفات: آپ کی وفات ۶۴۰ھ میں ہوئی۔ رحمہا اللہ تعالیٰ۔

(العبر ج:۲،ص:۲۶۔ خواتین اسلام کی دینی وعلمی خدمات)

مکرمہ بی بی شیرینؒ بنت عبداللہ ہندیہ متوفاۃ ۶۴۰ھ

فضل وکمال: ساتویں صدی ہجری کے ایک نامور محدث امام ابن بندنیجیؒ کی مولاۃ تھیں۔ وطنِ مولوف ہند تھا۔ وہ اپنے محدثانہ اور عالمانہ جاہ وجلال کی وجہ سے موالی وممالیک علماء میں ممتاز مقام ومرتبہ رکھتی تھیں۔ ایک زبردست محدث کی مولاۃ ہونے کی بناء پر علم وفضل سے خاص نسبت رکھتی تھیں۔ انہوں نے بڑی محنت سے علمِ حدیث کی تحصیل کی۔ اور عبدالمنعم بن کلیبؒ سے حدیث کی سماعت کی۔ پھر خود مسند درس بچھائی اور بے شمار لوگوں کو اپنے فیضانِ علمی سے بہرہ یاب کیا۔

ان کے ارشد تلامذہ میں علامہ ابرقوہیؒ اور ابوالفتح مُرّ بنؒ حاجب کے نام خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ علامہ ابرقوہیؒ ان کے خاص الخاص شاگرد تھے اس لئے وہ ''مشیخۃ الابرقوہیؒ '' کے لقب سے مشہور ہوئیں۔

ف: سبحان اللہ! ایک عورت کو کیسی سعادت حاصل تھی۔ **ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ (مرتب)**

وفات: بی بی شیرینؒ نے ۶۴۰ھ میں وفات پائی۔ رحمہا اللہ تعالیٰ۔

(تاریخ اسلام کی چارسو باکمال خواتین ص: ۲۸۴،

بحوالہ خلافت عباسیہ اور ہندوستان از قاضی اطہر مبارکپوری)

مکرمہ امۃ الحکم عائشہؒ متوفاۃ ۶۴۱ ؁ھ

تعارف: امۃ الحکم عائشہ بنت محمد ابن علی البغدادیہ ''الواعظہ'' کے لقب سے مشہور تھیں اور عورتوں میں وعظ کہتی تھیں۔ ان کو تصوف وسلوک سے بھی کافی مناسبت تھی۔ آپ کو شیخ ابوالحسن ابن غبرہؒ اور شیخ عبدالقادرؒ سے اجازت حاصل ہے۔

امام ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ: **وكانت صالحة تعظ النساء۔**

(العبر: ج/۵،ص/۱۶۸)

ترجمہ: وہ نہایت بزرگ تھیں، عورتوں کو وعظ سناتی تھیں۔

ف: جب عورتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اپنی صلاح وفلاح کے ساتھ ساتھ دوسری خواتین کی بھی فکر کرتی ہیں اور ان میں وعظ ونصیحت کا سلسلہ جاری رکھتی ہیں تو معاشرے کے اندر رشدوصلاح کا شیوع ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آج بھی ایسی عورتیں پیدا فرمادے، جو یہ خدمت انجام دیں اور معاشرہ میں صلاح پیدا ہو۔ آمین۔ (مرتب)

وفات: آپ کی وفات جمادی الاولیٰ ۶۴۱ ؁ھ میں ہوئی۔ رحمھا اللہ تعالیٰ۔

(تاریخ بغداد ج:۸،ص:۲۴۰۔ تاریخ اسلام کی دینی وعلمی خدمات ص:۱۳۱)

مکرمہ بی بی قرسم خاتونؒ متوفاۃ ۶۴۳ھ

(والدہ حضرت بابا فرید[1] الدین گنج شکرؒ)

فضل وکمال: مولانا وجیہ الدین خجوندیؒ کی صاحبزادی، شیخ جمال الدین سلیمانؒ کی اہلیہ اور شیخ الشیوخ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کی والدہ ماجدہ تھیں۔ نہایت عابدہ زاہدہ اور مستجاب الدعوات خاتون تھیں۔ اکثر تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ کثرتِ عبادت کی بدولت ان کو درجۂ ولایت حاصل ہوگیا تھا۔

آپ کی کرامت: حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاءؒ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رات کو بی بی قرسم خاتونؒ نمازِ تہجد میں مشغول تھیں کہ ایک چور گھر میں گھس آیا۔

بی بی صاحبہؒ کی نظر اس پر پڑی تو وہ فوراً نورِ بصارت سے محروم ہوگیا۔ اب اس نے گریہ وزاری شروع کردی اور کہنے لگا، جس نیک بخت کی دہشت اور بددعا سے میری بینائی سلب ہوئی ہے، میں اس سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر میری بینائی پھر واپس آجائے تو میں عمر بھر چوری نہیں کروں گا۔

بی بی صاحبہؒ کو اس کی گریہ وزاری اور فریاد پر رحم آگیا۔ انہوں نے اس کی بینائی کیلئے بارگاہ الٰہی میں دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور چور کی بصارت عود کر آئی۔ اسی وقت بی بی صاحبہؒ کے قدموں پر گر پڑا۔ معافی کا

[1] حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کے حالات وکمالات اقوال سلف جلد سوم میں ملاحظہ کریں۔ (مرتب)

خواستگار ہوا اور توبہ کر کے رخصت ہوا۔ صبح کو اپنے اہل وعیال کے ہمراہ بی بی صاحبہؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اہل وعیال سمیت مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ بی بی صاحبہؒ نے اس کا اسلامی نام عبداللہ رکھا۔ اس نے قبول اسلام کے بعد کثرتِ مجاہدات وریاضات کی بدولت درجۂ ولایت حاصل کیا۔ اس کو بی بی صاحبہؒ کے خاندان کی طرف سے چاولے مشائخ کا لقب عطا ہوا اور قصبہ کھوتوال (شیخ جمال الدین سلیمانؒ کی جائے سکونت) اسی کے نام پر چاولے مشائخ مشہور ہو گیا۔

وفات: آپ کی وفات ۶۴۳ھ میں ہوئی۔ رحمہا اللہ تعالیٰ۔

(تاریخ اسلام کی چارسو باکمال خواتین ص:۲۸۹،

بحوالہ تاریخ فرشتہ، تذکرہ اولیائے ہند، خزینۃ الاصفیا)

مکرمہ بی بی زلیخاؒ متوفاۃ ۶۴۸ھ

(والدہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ)

فضل وکمال: آپ سلطان المشائخ حضرت خواجہ محمد نظام الدین اولیاءؒ محبوب الٰہی کی والدہ ماجدہ تھیں۔ غالباً بدایوں کی رہنے والی تھیں۔ سلطان المشائخ نے ابھی عمر کی پانچ ہی بہاریں دیکھی تھیں کہ ان کے والد ماجد سید احمد رحمۃ اللہ علیہ فوت ہوگئے۔ بی بی زلیخاؒ نے اپنے سرتاج کی وفات پر بڑے صبر اور حوصلہ سے کام لیا اور سوت کات کات کر اپنے لختِ جگر کی پرورش کرنے لگیں۔ وہ بڑی جلیل القدر خاتون تھیں اور زہد وتقویٰ کے اعتبار سے اپنے وقت کی رابعہ بصریہؒ تھیں۔ شوہر کی وفات کے بعد ان پر پیغمبری وقت (پریشانی کا وقت) آپڑا لیکن انہوں نے کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانا گوارا نہ کیا۔ سوت کی فروخت سے معمولی آمدنی ہوتی تھی۔

ف: اسی پر گذر بسر کرتی تھیں۔ (مرتب)

فاقہ کے وقت تسلی کے کلمات: ماں بیٹے اسی میں صبر وشکر سے گزارہ کر لیتے تھے لیکن کبھی کبھی ان پر فاقہ بھی آجاتا۔ اس دن بی بی زلیخاؒ سعادت مند بیٹے سے فرماتیں:

''بابا محمد! آج ہم لوگ خدا کے مہمان ہیں۔''

شروع شروع میں نوعمر فرزند والدہ کے ارشاد کا مطلب نہ سمجھ سکے۔ جب

سمجھے تو اس میں لذت محسوس کرنے لگے۔ خود فرماتے ہیں کہ میں کئی کئی دن فاقہ کے انتظار میں رہتا کہ اس دن والدہ صاحبہ مجھ سے فرمائیں:

''بابا محمد ہم لوگ آج خدا کے مہمان ہیں۔''

فرزند کی تعلیم وتربیت: بی بی زلیخاؒ نے صاحبزادے کی تعلیم وتربیت پر خاص توجہ دی اور ان کو تعلیم کیلئے بدایوں کے نامور عالم مولانا سید علاؤ الدین اصولیؒ کے سپرد کیا۔ انہوں نے بڑی توجہ اور محنت سے سلطان المشائخ کو تعلیم دی۔ چند سال بعد جب وہ فارغ التحصیل ہوگئے تو بی بی زلیخاؒ نے شہر کے علماء ومشائخ کو بلا کر جلسۂ دستار بندی منعقد فرمایا۔

بی بی زلیخاؒ اپنے پیارے فرزند کا تحصیلِ علم میں انہماک دیکھتی تھیں تو خوش ہو کر انہیں دعائیں دیتی تھیں۔ وہ صاحبِ نسبت اور مستجاب الدعوات خاتون تھیں۔ خشیتِ الٰہی کے غلبہ سے ہر وقت روتی رہتی تھیں۔ ابھی سلطان المشائخؒ نے اپنی تعلیم مکمل نہیں کی تھی کہ بیمار ہوگئیں۔ بیماری نے اتنی شدت اختیار کی کہ کھانا پینا چھوٹ گیا اور انہیں یقین ہوگیا کہ اب خالقِ حقیقی کی طرف سے بلاوا آنا ہی چاہتا ہے۔ سلطان المشائخؒ جمادی الاخریٰ کا چاند دیکھ کر سلام کیلئے والدہ ماجدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو بی بی صاحبہؒ کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

''میرے بچے آئندہ ماہ کس کے سلام کیلئے آؤ گے اور کس سے دعائیں لوگے۔''

سلطان المشائخؒ بے تاب ہوگئے اور رو کر کہا: ''اماں جان! ہم آپ کے

بغیر کیسے جئیں گے۔'' بی بی صاحبہؒ نے انہیں تسلی دی اور فرمایا: ''اس وقت جا کر سو رہو، اور صبح آنا''۔

سلطان المشائخ ؒ نے رات نہایت بے چینی سے گزاری۔ علی الصباح والدہ ماجدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے اپنے محبوب فرزند کا دایاں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور آسمان کی طرف منہ کر کے کہا:

''الٰہی یہ بے کس یتیم اب تیرے حوالے ہے'' یہ کہا اور جان، جان آفریں کے سپرد کر دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

وفات: یہ واقعہ جمادی الاخریٰ ۶۴۸ سنہ ھ کا ہے۔ ان کا مزار دلی میں شیخ نجیب الدین متوکلؒ کے مزار کے قریب موجود ہے۔ نور اللہ مرقدھا۔

سلطان المشائخؒ اپنی والدہ کی جلالتِ قدر کا حال اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ان کو زندگی میں جب بھی کوئی مہم پیش آتی تو اس کا انجام کار ان کو خواب میں کھل جاتا تھا۔ (تاریخ اسلام کی چار سو باکمال خواتین ص:۲۹۹، بحوالہ خزینۃ الاصفیا)

ف: اللہ جل شانہ وعم نوالہ نے عورتوں کو کیسی کیسی نعمتوں اور کرامتوں سے نوازا جس کی وجہ سے وہ دنیا میں مردوں کیلئے قابل رشک ہوگئیں۔ اور آخرت کا معاملہ اللہ ہی جانے کہ کس کس کے ساتھ کیا کیا انعام واکرام کا معاملہ ہوگا۔ (مرتب)

مکرمہ بی بی عائشہ المنّوبیّہ متوفاۃ ۶۵۳ھ

فضل وکمال: عائشۃ المنوبیہؒ تیونس کی ایک پاکیزہ زاہدہ کا نام ہے جو ساتویں صدی ہجری میں گذری ہیں۔ ان کا پورا نام عائشہ بنت عمران بن الحجاج سلیمانؒ تھا۔ وہ منوبہ کی رہنے والی تھیں۔

وہ تیونس میں عام طور پر ''السیدہ'' کے لقب سے مشہور تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ صغرسنی ہی میں ان سے چند ایسی کرامات کا ظہور ہوا کہ لوگوں کو ان سے عقیدت ہوگئی۔ جب وہ سن رشد کو پہنچیں تو ان کے والدین نے ان کی شادی ان کے حقیقی عم زاد سے کرنی چاہی لیکن وہ دنیا کے دھندوں میں نہیں پڑنا چاہتی تھیں اس لئے شادی سے انکار کردیا اور تیونس جاکر ایک قیسریہ (ایک قسم کی کارواں سرائے) میں مقیم ہوگئیں۔ یہ قیسریہ جنوب مشرق میں باب الفلاق کے باہر واقع تھی۔ (باب الفلاق بعد میں باب الگرجانی کے نام سے مشہور ہوا)۔ ایک مشہور روایت کے مطابق بی بی عائشہ منوبیہؒ نے تصوف کی تعلیم صوفی شیخ ابوالحسن شاذلیؒ سے حاصل کی۔ وقت کا بیشتر حصہ عبادتِ الٰہی میں گزارتی تھیں اور اپنی روزی کپڑا بُن کر کماتی تھیں۔

وفات: ۱۶/شوال المکرم ۶۵۳ھ یا ۲۱/رجب المرجب ۶۵۵ھ کو وفات پائی اور باب الگرجانی کے قبرستان میں مدفون ہوئیں۔ نوراللہ مرقدھا۔ اس زمانے میں اس قبرستان کا نام ''باب الشرف'' تھا۔ (چارسو باکمال خواتین ص:۲۵۸)

مکرمہ بی بی فاطمہ صائمہؒ متوفاۃ ۶۹۶ھ

فضل وکمال: حضرت خواجہ قطب الدین[1] بختیار کا کیؒ کے دامنِ ارادت سے وابستہ تھیں اور شیخ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ (مرید وخلیفہ خواجہ بختیار کا کیؒ) کی دینی بہن تھیں۔ نہایت عابدہ وزاہدہ تھیں۔ روزے بہت کثرت سے رکھتی تھیں اس لئے صائمہ (روزے رکھنے والی) مشہور ہوگئی تھیں۔ اپنی بیٹی کی طرح بابا فریدؒ ان کی بابت بھی فرمایا کرتے تھے کہ اگر عورت خلافت کی اہل ہوتی تو میں فاطمہ صائمہ کو اپنی خلافت دیتا۔ وہ سوت کات کر اپنی روزی پیدا کرتی تھیں۔ انہوں نے سوت کات کر اپنے مرشد خواجہ بختیار کا کیؒ کے مزار کا غلاف تیار کیا تھا۔ یہ غلاف اب تک محفوظ ہے اور عیدِ بقر کے دن حضرت خواجہ صاحبؒ کے مزار پر چڑھایا جاتا ہے۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ مشائخ کا مذاق عورتوں کو خلافت دینے اور نہ دینے کے سلسلے میں مختلف رہا ہے۔ وللناس فیما یعشقون مذاہب۔ (مرتب)

وفات: ۱۸؍شعبان ۶۹۶ھ کو وفات پائی۔ مزار پرانی دلی میں ہے۔ نوراللہ مرقدھا۔ (تاریخ اسلام کی چارسو باکمال خواتین ص: ۲۸۵ بحوالہ مسلمان خواتین کی دینی اور علمی خدمات)

---

[1] حضرت خواجہ صاحبؒ کے تفصیلی حالات وکمالات اقوال سلف جلد سوم میں ملاحظہ کریں۔ (مرتب)

مکرمہ بی بی خدیجہؒ بنت عبدالرحمٰنؒ متوفاۃ ساتویں صدی ھ

فضل وکمال: ساتویں صدی ہجری کے ایک مشہور فقیہ ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن الحسن بن عبداللہ النوریؒ کی صاحبزادی تھیں۔ مولانا ابوالقاسم عبدالرحمٰنؒ کو تعلیم و تعلم کے ساتھ جہاد کا بھی بہت شوق تھا۔ وہ ۶۴۸ھ میں جنگِ دمیاط میں اسلامی فوج کے ایک مجاہد کی حیثیت سے صلیبی لشکر کے خلاف سر بکف ہو کر لڑے اور اسی معرکہ میں شہادت پائی۔ بی بی خدیجہؒ نے اسی مجاہد باپ کے زیر سایہ تربیت پائی تھی۔ وہ تمام مروجہ علوم بالخصوص حدیث میں درجۂ تبحر رکھتی تھیں، ایک زمانہ ان کے علم وفضل کا معترف تھا۔ ان کی علمی قابلیت کی وجہ سے لوگ ان کو ام الفضل کہہ کر پکارتے تھے اور یہی ان کی کنیت مشہور ہوگئی تھی۔

ف: ماشاءاللہ! بی بی خدیجہؒ نے ایسی محنت کی اور ایسا علمی وعملی کمال حاصل کیا کہ مخلوق ان کو ام الفضل کہنے پر مجبور ہوگئی۔ (مرتب)

وفات: بی بی خدیجہؒ نے اپنی تمام زندگی مصر میں گزاری اور وہیں ساتویں صدی ہجری میں سفر آخرت اختیار کیا۔ رحمہا اللہ تعالیٰ۔

(تاریخ اسلام کی چار سو باکمال خواتین ص: ۲۶۸، بحوالہ تذکرۃ الخواتین)

مکرمہ بی بی سلیمہ سلطان متوفاۃ ساتویں صدی ھ

(زوجہ سلطان ناصرالدین محمود)

تعارف: خاندان غلاماں کے آٹھویں فرمانروائے ہند سلطان ناصرالدین محمود (۶۴۳ھ مطابق ۱۲۴۶ء تا ۶۶۴ھ مطابق ۱۲۶۵ء) کی بیگم تھیں۔ سلطان مذکور بڑا پرہیزگار اور درویش خو بادشاہ تھا۔ وہ اپنی روزی خارج وقت میں قرآن مجید لکھ کر کماتا تھا اور اپنی ذاتی ضرورتوں کیلئے سرکاری خزانے سے کچھ نہیں لیتا تھا۔ قرآن مجید کی کتابت کی آمدنی کچھ زیادہ نہیں ہوتی تھی اس لئے اس کی گھریلو زندگی بڑی غریبانہ تھی۔ اس کے گھر میں کوئی خادمہ یا باورچن نہیں تھی اور گھر کا سارا کام کاج اس کی ملکہ کو خود کرنا پڑتا تھا۔ سلیمہ سلطان ایک بڑے سردار الغ خان (غیاث الدین بلبن) کی بیٹی تھیں جو آگے چل کر خود ہندوستان کا بادشاہ بنا اور ۶۶۴ھ مطابق ۱۲۶۵ء سے لے کر ۶۸۸ھ مطابق ۱۲۸۹ء تک حکومت کی۔ تختِ حکومت پر بیٹھنے سے پہلے بھی اس کے دبدبہ وحشمت اور شان وشوکت کی کوئی حد نہ تھی۔ چنانچہ سلیمہ سلطان نے بڑے نازونعم میں پرورش پائی مگر اپنے درویش صفت شوہر کی پرہیزگاری اور قناعت کو دیکھتے ہوئے اس نے اپنی طبیعت کو بھی اسی سانچے میں ڈھال لیا تھا۔ پھر بھی کبھی کبھی اس کو اپنا ماضی یاد آجاتا تھا۔ ایک دن انہوں نے شوہر سے کہا کہ ''میں نے اپنے باپ کے گھر میں کبھی روٹی نہیں پکائی تھی لیکن یہاں مجھے خود روٹی پکانی پڑتی ہے۔ کئی دفعہ میرے

ہاتھ جل چکے ہیں اوران میں چھالے پڑ چکے ہیں آپ میرے لئے ایک خادمہ کا بندوبست کردیں''۔

ملکہ کی بات سن کر بادشاہ رونے لگا پھراس نے کہا:

''بیگم یہ دنیا گزر جانے والی ہے یہاں اس تکلیف کو برداشت کر کے صبر کرو۔ قیامت کے دن اللہ تم کواس کا اچھا بدلہ دے گا۔ میری آمدنی بہت معمولی ہے اور میں ایک غریب آدمی ہوں اس لئے تمہارے لئے کسی خادمہ کا انتظام کرنا ممکن نہیں۔ رہا سرکاری خزانہ تواس پر رعایا کا حق ہے میں اس کا مالک نہیں''۔

سلیمہ سلطان شوہر کی بات سن کر خاموش ہوگئیں اور عمر بھر گھر کا سارا کام ہنسی خوشی کرتی رہیں۔ کبھی حرف شکایت زبان پر نہ لائیں۔

ف: یقیناً اللہ تعالی کے قول **الرجال قوامون علی النساء** کی رو سے عورتوں کو ایسا ہی اپنے شوہروں کا مطیع وفرمابردار ہونا چاہئے، اور مردوں کو بھی اللہ تعالی کے قول **وعاشروھن بالمعروف** کی رو سے عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرنا چاہئے۔ **ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء**۔ (مرتب)

(تاریخ اسلام کی چارسو باکمال خواتین ص: ۲۷۳

ہندوستان کی بزمِ رفتہ کی سچی کہانیاں وغیرہ)

مکرمہ بی بی حافظہ جمالؒ متوفاۃ ساتویں صدی ھ

(دختر خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ)

تعارف: حضرت خواجۂ خواجگان معین الدین[1] حسن سنجری چشتی اجمیریؒ (وفات ۶۳۳ھ) کی دختر نیک اختر تھیں۔ وہ بی بی امۃ اللہؒ کے بطن سے تھیں۔ بی بی حافظہ جمالؒ نہایت پارسا، دائم الصوم اور قائم اللیل خاتون تھیں۔ وہ اپنے والدِ گرامی کی مرید تھیں۔ ان کو خود خواجۂ خواجگان نے خرقۂ خلافت عطا فرمایا تھا اور ہدایت فرمائی کہ خواتین کی اصلاح پر توجہ دیں۔ چنانچہ بی بی حافظہ جمالؒ اپنے وقت کا بیشتر حصہ خواتین کو تعلیم دینے میں صرف کرتی تھیں ان کی وجہ سے ہزاروں خواتین کو نہ صرف ہدایت نصیب ہوئی بلکہ ان میں سے بہت سی بیبیوں نے اللہ سے لو لگا کر عارفات میں شامل ہونے کا شرف حاصل کیا۔

وفات: بی بی صاحبہؒ کی شادی شیخ رضی الدینؒ سے ہوئی۔ وہ مدت العمر اجمیر میں رہیں اور وہیں ساتویں صدی ہجری میں وفات پائی۔ ان کا مزار اجمیر میں ہے۔ (تاریخ اسلام کی چار سو باکمال خواتین ص: ۲۸۲)

ف: غور فرمایئے کہ خواجہ صاحبؒ نے اپنی صاحبزادی کو خرقۂ خلافت سے نوازا تھا۔ اور عورتوں میں کام کرنے کی ہدایت فرمائی تھی مگر اس وقت اس کا رواج ہی ختم ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس سلسلہ کو جاری فرمائے، آمین۔ (مرتب)

---

[1] خواجہ صاحب کے حالات و کمالات اقوال سلف جلد سوم میں ملاحظہ کریں۔ (مرتب)

مکرمہ بی بی خدیجہؒ بنت قیمؒ متوفاۃ ۶۹۹ھ

ولادت وتعلیم: ساتویں صدی ہجری میں، بغداد میں ایک نامور فاضلہ گزری ہیں۔ ۶۰۸ھ میں پیدا ہوئیں۔ بچپن ہی سے علم حاصل کرنے کا بہت شوق تھا۔ والد نے ان کے شوق اور علمی استعداد کو دیکھتے ہوئے حصولِ علم میں ان کی بہت حوصلہ افزائی کی۔ بی بی خدیجہؒ نے بہت جلد کتابت (خوشنویسی) اور قرأت میں درجۂ کمال حاصل کرلیا۔ بغداد میں وہ کریمہ محدثہؒ اور ابن شیرازیؒ کی مجالسِ درس میں شریک ہوئیں۔ پھر مصر جا کر ابن الخمیزیؒ اور علی بن المختار عامریؒ سے تمام مروّجہ علوم کی تکمیل کی۔

مسند درس: اس کے بعد انہوں نے خود مسند درس بچھائی اور برسوں درس وتدریس اور وعظ وہدایت میں مشغول رہیں۔ کہا جاتا ہے کہ بے شمار خواتین ان کی درسگاہ میں آتیں اور وہ ان کے سامنے نہایت فصیح وبلیغ وعظ کہتیں۔ کئی سال تک تبوک اور دمشق میں بھی مقیم رہیں اور لوگوں کو حدیث کا درس دیتی رہیں۔ ادبیات میں بھی ان کو خاص امتیاز حاصل تھا۔ چنانچہ ''مقامات حریری'' کی تشریح ایسی عمدگی سے کرتی تھیں کہ بڑے بڑے علماء ان سے استفاضہ کرتے تھے اور یہ کتاب پڑھنے کیلئے بطورِ خاص ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔

وفات: ۹۱ر سال کی شاندار زندگی گزارنے کے بعد بی بی خدیجہؒ نے ۶۹۹ھ میں وفات پائی۔ رحمہا اللہ تعالیٰ۔ (تاریخ اسلام کی چارسو باکمال خواتین ص:۲۶۶)

مکرمہ بی بی زینبؒ بنت عبدالرحمٰن متوفاۃ ۷۱۰ھ

نام ونسب: بیت المقدس کی رہنے والی تھیں۔نسب نامہ یہ ہے۔

زینبؒ بنت عبدالرحمٰن بن احمد بن عبدالملک بن عثمان بن عبداللہ بن سعید بن مفلح بن ہبۃ اللہ بن نمیرؒ ہے۔

فضل وکمال: اپنے دور کی نامور محدثہ تھیں۔انہوں نے علامہ ابراہیم بن خلیلؒ اور بعض دوسرے محدثین سے حدیث کی اجازت لی اور پھر طویل مدت تک خود درس وتدریس میں مشغول رہیں۔ ان کے شاگردوں میں علامہ صلاح الدین الصفدیؒ کا نام بھی لیا جاتا ہے۔

ف: ماشاءاللہ! آپ نے خود اپنی محنت ومشقت سے علم حدیث میں مہارت حاصل کی اور اس کی اجازت سے بھی مشرف ہوئیں۔ اور اپنے زمانے کی محدثات میں شمار ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ آج بھی توفیق ارزانی فرمائے تاکہ اس دور کی خواتین بھی محدثات میں شمار کی جائیں۔ واللہ الموفق۔(مرتب)

وفات: بی بی زینبؒ نے ۷۱۰ھ میں وفات پائی۔رحمہا اللہ تعالیٰ۔

(تاریخ اسلام کی چارسو باکمال خواتین ص:۱۰۷،بحوالہ مشاہیر النساء)

مکرمہ بی بی فاطمہؒ بنت عباسؒ متوفاۃ ۱۴ے۷ھ

نام ونسب وولادت: فاطمہ نام تھا اور کنیت اُمِ زینب تھی۔ والد کا نام عباس بغدادی تھا۔ بغداد میں پیدا ہوئیں اور وہیں سن شعور کو پہنچیں۔

تعلیم وتربیت: والد نے بڑے اہتمام سے ان کی تعلیم وتربیت کی۔ چنانچہ وہ جملہ علوم وفنون میں طاق (ماہر) ہوگئیں خصوصاً علمِ فقہ میں بڑا نام پیدا کیا۔ پھر کچھ ایسے حالات پیدا ہوئے کہ وہ مصر چلی گئیں۔ وہاں کے فرمانروا کی بیٹی تذکار خاتون نے دل وجان سے ان کی پذیرائی کی اور ۶۸۴ھ میں ان کیلئے ایک خانقاہ ''رباط البغدادیہ'' کے نام سے بنوائی۔

فضل وکمال: ام زینبؒ نے اس خانقاہ کو اپنا مسکن اور درسگاہ بنالیا۔ وہ قلیل معاش پر قناعت کرتی تھیں اور اپنا وقت درس اور وعظ وہدایت میں گزارتی تھیں۔

ف: ماشاءاللہ! ام زینبؒ نے وہ کارنامہ انجام دیا جو سبھی مردوں اور عورتوں کو انجام دینا چاہئے۔ ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ (مرتب)

مصر اور شام کی بے شمار خواتین ان کی خدمت میں حاضر ہوتیں اور ان کے چشمۂ علم سے سیراب ہوتی تھیں۔ جس کو بھی ان کی چند روز صحبت نصیب ہوجاتی تھی وہ عمر بھر کیلئے اس کو اپنا سرمایۂ افتخار سمجھتی تھی۔

وفات: اُمِّ زینب فاطمہؒ نے ۱۴ے۷ھ میں وفات پائی۔ رحمہا اللہ تعالیٰ۔

(تاریخ اسلام کی چارسو باکمال خواتین ص:۲۶، بحوالہ مقریزی)

مکرمہ بی بی حبیبہ محدثہؒ متوفاۃ ۷۴۳ھ

فضل وکمال: حبیبہؒ بنت عبد الرحمٰن بن محمد بن ابراہیم بن احمد بن عبد الرحمٰن بن اسمٰعیل بن منصور مقدسی۔ آٹھویں صدی ہجری میں یگانۂ روزگار محدثہ گزری ہیں۔ علم حدیث انہوں نے شیخ تقی الدینؒ بن ابی الفہم البلدانیؒ اور خطیب مروانؒ جیسے اساتذہ کے علاوہ انہوں نے اسکندریہ کے محدث سبط حافظ سلفیؒ بغداد کے محدث بن ابی بکر الزغبیؒ اور فضل اللہ بن عبد الرزاقؒ سے بھی اجازت حاصل کیا۔ تحصیلِ علم سے فارغ ہونے کے بعد انہوں نے درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا اور زندگی کا بیشتر حصہ اسی مقدس کام میں گزارا۔ ان کا حافظہ غضب کا تھا سینکڑوں حدیثیں زبانی یاد تھیں۔ ان سے بڑے بڑے علماء نے حدیث کا علم حاصل کیا۔ ان میں علامہ صلاح الدین الصفدیؒ جیسے مشہور عالم بھی شامل تھے۔ انہوں نے ۷۲۸ھ میں بی بی حبیبہؒ سے حدیث کی اجازت حاصل کی تھی۔ اس کا ذکر انہوں نے اپنی تصنیف ''اعیان العصر واعوان النصر'' میں بھی کیا ہے۔

وفات: بی بی حبیبہؒ نے شعبان ۷۴۳ھ میں وفات پائی۔ نور اللہ مرقدھا۔

(تاریخ اسلام کی چارسو باکمال خواتین ص: ۳۰۴، بحوالہ مشاہیر نسواں)

مکرمہ بی بی عائشہؒ بنت مسلم حرانیؒ متوفاۃ ۷۳۶ھ

نام وولادت: بی بی عائشہؒ حران کی رہنے والی تھیں۔ ۶۴۷ھ میں پیدا ہوئیں۔

فضل وکمال: بچپن ہی سے علم حاصل کرنے کا بے حد شوق تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ذہن رسا سے بھی نوازا تھا۔ والد نے حوصلہ افزائی کی اور ان کو اپنے دور کے بڑے بڑے علماء سے تعلیم دلائی۔ انہوں نے اپنے ذہنِ رسا کی بدولت فقہ اور حدیث میں کامل دستگاہ پیدا کی اور پھر سالہا سال تک درس وتدریس میں مشغول رہ کر خلقِ خدا کو فائدہ پہنچایا۔ خود ان کے ایک بھائی محاسنؒ بن مسلم نے ان سے علم حدیث سیکھا اور مرتبۂ کمال کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ نے بی بی عائشہؒ کو بہت اچھی صحت سے نوازا تھا۔

ف: معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں عورتوں نے محنت ومشقت کر کے علم حدیث سیکھا اور درس وتدریس کا مشغلہ اپنایا، اور طالبین صادقین کو سیراب کیا۔ **ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ (مرتب)**

وفات: انہوں نے ۹۰ر سال کی عمر پائی اور ۷۳۶ھ میں فوت ہوئیں۔ رحمہا اللہ تعالیٰ۔

(تاریخ اسلام کی چار سو باکمال خواتین ص: ۲۵۹، بحوالہ مشاہیر النساء)

مکرمہ تمن آغا بیگمؒ متوفاۃ نویں صدی ھ

فضل وکمال: امیر تیمور گورگان کی زوجہ تھیں۔ بہت نیک دل اور مخیر خاتون تھیں۔جس زمانے میں ان کا شوہر اسلامی ممالک کو زیروزبر کرنے اور خلقِ خدا کا قتلِ عام کرنے میں مصروف تھا، یہ نیک خاتون سمرقند میں مقیم تھیں اور وہ اپنے آپ کو مخلوقِ خدا کی خدمت اور رفاہِ عامہ کے کاموں میں ہمہ تن وقف کر رکھا تھا۔ اس کا دستِ سخاوت بہت کشادہ تھا، اور بے شمار غرباء ومساکین اس کے دسترخوان پر پرورش پا رہے تھے۔ انہوں نے سمرقند میں ایک عالی شان بیمارستان (اسپتال) تعمیر کرایا۔جس میں ہر حیثیت کے مریضوں کا علاج کیا جاتا تھا۔دواؤں اور خوراک پر صرف ہونے والا تمام خرچ تمن آغا بیگم کی طرف سے دیا جاتا تھا۔علاوہ ازیں انہوں نے ایک بہت بڑا لنگر خانہ (غریب خانہ یا محتاج گھر) بھی سمرقند میں بنوایا۔اس میں سینکڑوں غریبوں اور محتاجوں کی نگہداشت اور پرورش کی جاتی تھی۔

ف: یہ تھی توفیق صدقۂ جاریہ کا جس کا ثواب ان کو ہمیشہ ہمیش ملتا رہے گا۔(مرتب)

۱۹ رشعبان ۸۰۱ھ کو امیر تیمور اپنی مہم سے فارغ ہوکر سمرقند واپس آیا تو اس نے ان دونوں عمارتوں کا معائنہ کیا۔

وفات: آپ کا سال وفات معلوم نہیں ہاں قرین قیاس ہے کہ نویں صدی ہجری میں وفات ہوئی ہوگی۔رحمہا اللہ تعالیٰ۔ (تاریخ اسلام کی چارسو باکمال خواتین ص:۳۰۷)

مکرمہ بی بی بلقیسؒ بنت محمدؒ متوفاۃ ۸۴۱ھ

نسب وولادت: محمد بن بدر الدین بلقینی بن سراج الدینؒ کی صاحبزادی تھیں۔ اندازاً ۸۰۷ھ میں پیدا ہوئیں۔ ان کے پردادا علامہ سراج الدینؒ، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے استاذ تھے۔

فضل وکمال: گوان کے خاندان کے سب لوگ اہل علم وفضل تھے۔ مگر فضل وکمال میں جوشہرت بی بی بلقیسؒ کو حاصل ہوئی اور کسی کو نہ ہوئی۔ وہ علم و دانش اور زہد وتقویٰ میں اپنی مثال آپ تھیں۔ حافظ ابنِ حجرؒ نے ان کے بارے میں کہا ہے کہ:

''یہ مقدس بی بی مشائخِ طریقت میں شمار کی جاتی ہیں۔''

عمر کے آخری چند سال انہوں نے اپنے آپ کو یکسر عبادتِ الٰہی کیلئے وقف کردیا تھا۔ یہ عرصہ انہوں نے راہِ سلوک وایقان اور طریق کے مقامات طے کرنے کیلئے سخت زہد وریاضت میں گزارا۔

ف: اللہ تعالیٰ اس زمانے کی خواتین کو بھی اس کی توفیق دے کہ مقامات سلوک طے کرنے کی سعادت حاصل کریں۔ آمین۔ (مرتب)

وفات: وہ تقریباً ساٹھ سال تک اس عالمِ ناپائدار میں رہیں اور ذی قعدہ ۸۴۱ھ میں فوت ہوئیں۔ رحمہا اللہ تعالیٰ۔

(تاریخ اسلام کی چارسو باکمال خواتین ص: ۳۶۲ بحوالہ مشاہیر نسواں)

مکرمہ بی بی خدیجہؒ بنت عبدالرحمٰنؒ متوفاۃ ۸۷۰ھ

نام ونسب مع ولادت: عبدالرحمٰنؒ بن احمد بن عبدالعزیز بن قاسم بن شہید الناطقؒ کی دختر نیک اختر تھیں۔ ۷۹۰ھ میں پیدا ہوئیں۔

فضل وکمال: اپنے وقت کے بڑے بڑے علماء سے علمِ حدیث حاصل کیا اور فارغ التحصیل ہوکر خود مجلسِ درس قائم کی۔ بے شمار لوگ ان کے چشمۂ علم سے سیراب ہوئے۔ ان میں سے بعض نے عالمِ حدیث کی حیثیت سے بڑی شہرت حاصل کی۔

ف: وہ کیسی خوش قسمت خاتون تھیں جنھوں نے اپنے گھریلو ضروریات سے فارغ ہوکر درس وتدریس کا وہ اہم فریضہ انجام دیا جو اس زمانہ میں مفقود ہوگیا ہے۔ لیکن اس وقت علماء کرام نے اسکی طرف توجہ کیا ہے، چنانچہ انہوں نے بچیوں کی تعلیم وتربیت کیلئے ادارے قائم کرنا شروع کردیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے قبول فرمائے۔ اور مقصد کے مطابق کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اوراس تعلیم نسواں کے نیک نتائج سے سرفراز فرمائے آمین۔ (مرتب)

وفات: بی بی خدیجہؒ ۸۷۰ھ میں عالم بقا کی طرف رحلت فرمائیں۔ رحمہا اللہ تعالیٰ۔

(تاریخ اسلام کی چارسو باکمال خواتین ص: ۳۵۷،

بحوالہ مشاہیر النساء)

مکرمہ بی بی مریمؒ بنت علیؒ متوفاۃ ۸۹۱ھ

نام ونسب: ان کی کنیت ام ہانی تھی۔نور الدین ابوالحسن علیؒ بن قاضی القضاۃ تقی الدین عبدالرحمٰن بن عبدالمومن ہورینی شافعی کی صاحبزادی اور علامہ سیف الدین حنفیؒ کی والدہ تھیں۔

ولادت: باختلاف روایت ۷۷۰ھ یا ۷۷۸ھ میں پیدا ہوئیں۔

فضل وکمال: اوائل عمر ہی میں علم وفضل کے آثار ان کی پیشانی سے ہویدا تھے۔بچپن ہی میں انہوں نے قرآن حکیم اور نحو کی مشہور کتاب ''ملحہ'' اور فقہ شافعی کی مشہور کتاب ''مختصر ابی شجاع'' کو حفظ کرلیا اور رفتہ رفتہ نحو، فقہ اور حدیث میں مہارت پیدا کر کے دین کی اشاعت میں مشغول ہوگئیں۔

ان کے تلامذہ میں علامہ جلال الدین سیوطیؒ جیسے نابغۂ روزگار عالم کا نام بھی شامل ہے۔(ماشاءاللہ، مبارک ہو)

آپکی شاعری: شعر وشاعری میں بھی درک رکھتی تھیں۔عربی کا ایک مشہور شعر ملاحظہ ہو ؎

اذاکنت لا تدری وغیرک یدری
اذا جنّ لیل هل تعیش الی الفجر

''جب تو نہیں جانتا اور تیرا غیر (اللہ تعالیٰ) جانتا ہے کہ جب رات کی تاریکی چھا جائے تو تو فجر تک زندہ رہے گا یا نہیں۔''

اس شعر پر انہوں نے یہ اشعار تضمین کئے ہیں:

فکن حامدا لله شاکرا فضله　　علی سائر الاحوال فی السر والجهر

اللہ کی حمد اور اس کے فضل کا شکر کر ہر حال میں ظاہر میں اور باطن میں۔

وکن ساجدا لله مادمت قادراً　　لعلک تعطی بالسیادة والفخر

جہاں تک ہو سکے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر شاید تجھ کو بزرگی اور فخر عنایت ہو۔

فیا ایها الانسان لا تک جاهلا　　واعلم بان الله هو الکاشف الضّر

اے انسان جہالت چھوڑ دے اور سمجھ لے کہ اللہ ہی مصیبت دور کرتا ہے۔

حلیم کریم خالق الخلق کلّهم　　ورازقهم من غیر مل ولا ضجر

حلم وکرم والا سب کا پروردگار ہے بلا تکلیف اور تنگی کے رزق دیتا ہے۔

وصل علی المختار اشرف خلقه　　علیه سلام الله فی لیل والفجر

اور درود بھیج ان کی مخلوقات کے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر، اور ان پر رات دن اللہ کی رحمت ہو۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ف: ماشاء اللہ کیا ہی خوب تضمین فرمائی۔ فجزاہا اللہ تعالیٰ احسن الجزاء (مرتب)

وفات: بی بی امِّ ہانی مریمؒ نے ۸۹۱ھ میں وفات پائی۔ رحمہا اللہ تعالیٰ۔

(تاریخ اسلام کی چار سو باکمال خواتین ص: ۳۶۰،

بحوالہ تذکرۃ الخواتین۔ مشاہیر النسواں)

مکرمہ ملکہ عائشہؒ ام ابوعبداللہ محمد متوفاۃ نویں صدی ھ

فضل وکمال: غرناطہ (اندلس یعنی اسپین) کے آخری بادشاہ ابوعبداللہ محمد یازدہمؒ کی ماں کا نام ملکۂ عائشہ ہے۔ بڑی نیک، غیرت منداور بہادر خاتون تھیں۔ جب ابوعبداللہ نے ۸۹۷ھ میں غرناطہ کی حکومت عیسائیوں کے حوالے کردی اور آہ وزاری کرتا ہوا وہاں سے رخصت ہوا تو بی بی عائشہؒ نے جو ہمیشہ اپنے بیٹے کو عیسائیوں کے خلاف جہاد کرنے پر آمادہ کرتی رہتی تھیں۔مگر آج اس کو ان الفاظ میں ملامت کرتی ہیں:

شریف ماں کی نالائق لڑکے کو نصیحت

''اے پست فطرت تو اس قابل نہ تھا کہ تیرا عرب کی شریف نسل سے تعلق ہوتا۔ افسوس کہ میرے ذریعے سے تجھے اس عظیم قوم کا فرد بننے کی عزت حاصل ہوئی۔ مجھے شرم آتی ہے کہ تجھ جیسے بے حس اور نامرد کو اپنا بیٹا کہوں۔ اگر میں تیری جگہ اینٹ پتھر جنتی تو اچھا ہوتا۔''

اے بے شرم! اپنے اس وطنِ عزیز کیلئے گریہ وزاری کر جس کو تو مردوں کی طرح دشمنوں سے نہیں بچا سکتا۔

اے بے حیا بزدل خوب رو عورتوں کی طرح واویلا کر۔''

ف: سلطنت اندلس کا زوال: اندلس (اسپین) کے بادشاہ ابوعبداللہ

نے ۱۲ ؍ربیع الاول ۸۹۷ھ مطابق ۱۴۹۲ء میں جب عیسائیوں سے صلح کر کے کنجیاں حوالہ کرنے کے بعد محل سے نکل گیا تو جب اس کی نظر قصر حمراء کے صلیب پہ پڑی تو بیساختہ زاروقطار رونے لگا، تو اس موقع پر اس کی ماں نے کہا ’’کہ جب تو باوجود مرد سپاہی پیشہ ہونے کے اپنے ملک کو بچا نہ سکا تو اب مثل عورتوں کے ایک گمشدہ چیز پر رونے سے کیا فائدہ؟ ‘‘اور ماں نے یہ بھی کہا کہ ’’یہ بلاء تم پر اس لئے آئی کہ تم نے اپنے باپ کو حکومت سے بیدخل کر کے ستایا اور درویش کو قتل کیا تو اس کا خمیازہ تو بھگتنا ہی پڑے گا‘‘۔

اس سے معلوم ہوا کہ بعض گناہوں کی سزا اللہ تعالیٰ دنیا میں دیگر مجرموں کو ذلیل اور رسوا کر دیتے ہیں اسلئے والدین اور اولیاء اللہ کی دلسوزی سے اپنے آپ کو بچانا چاہیے۔ واللہ الموفق۔ (مرتب)

سلطنت مغلیہ کا زوال: اسی طرح کی داستان ہندوستان میں زوال سلطنت مغلیہ کی بھی ہے کہ شاہ عبد العزیز دہلویؒ جیسے محدث پر ان کے ہم عصروں اور حکومت کے کارپردازوں نے طرح طرح کے جوروستم کے وہ پہاڑ توڑے کہ **الامان والحفیظ**۔

کبھی مکان ضبط کر کے مع اہل وعیال شہر بدر کر دیا جاتا، تو کبھی زہر پلایا جاتا، اور کبھی حد سے آگے بڑھ کر چھپکلی کا ابٹن مل دیا جاتا تھا وغیرہ وغیرہ۔

اور رہے سلطنت مغلیہ کے ناخلف سلاطین تو وہ عیش وعشرت میں مست تھے۔ صاحب زہد وتقویٰ بزرگ اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ کا پوتا جہاندار شاہ نے تو حکومت کی باگ وڈور ایک ناچنے والی عورت لعل کنور کے ہاتھ میں دے

دی تھی۔اس کے چشمِ ابرو کے اشاروں پہ لوگوں کی قسمتیں بنتی اور بگڑتی تھیں۔ چنانچہ ایک دن لعل کنور نے جہاندار شاہ سے کہا کہ میں نے کبھی ڈوبتی کشتی میں آدمیوں کی جو حالت ہوتی ہے وہ نہیں دیکھی، حکم شاہی ہوا کہ یہ خواہش پوری کر کے دکھا دی جائے۔ چنانچہ جب کشتی میں ڈوبنے والوں کو دیکھا تو یہ دونوں قاسی القلب ہنسنے لگے۔العیاذ باللہ۔اور میں تو سمجھتا ہوں کہ اسی نالائق نے اپنی اسی قساوت قلبی کی بناء پر ظاہری کشتی ہی نہیں بلکہ پوری سلطنت مغلیہ کی کشتی کو ڈبو دیا۔انا للہ و انا الیہ راجعون۔اللہ تعالیٰ ایسے ناخلفوں سے حفاظت فرمائے، یقیناً ایسے ہی نالائق اولاد اس آیت کے صحیح مصداق ہیں۔**فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا**۔(مریم:۵۹)

ترجمہ: پھر ان کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہوئے جنھوں نے نماز کو برباد کیا اور خواہشوں کی پیروی کی، سو یہ لوگ عنقریب خرابی دیکھیں گے۔(مرتب)

وفات: اندازہ یہ ہے کہ آپ کی وفات نویں صدی ہجری میں ہوئی ہوگی۔رحمھا اللہ تعالیٰ ونور اللہ مرقدھا۔ (تاریخ اسلام کی چار سو باکمال خواتین ص: ۶۳۳، بحوالہ مشاہیر النساء)

اللہ تعالیٰ ایسی زیرک، جری و بلند حوصلہ عورتیں پیدا فرماتا رہے جو امت کے لئے بابرکت ثابت ہوں۔(محمد قمر الزمان)

مکرمہ بی بی خدیجہؒ بنت احمدؒ متوفاۃ نویں صدی ھ

نسب وولادت: نویں صدی ہجری میں حدیث کی یگانۂ روزگار عالمہ گزری ہیں۔شیخ شہاب الدین احمدؒ بن خَلَف بن عبدالعزیز بدران الحسنیؒ کی صاحبزادی تھیں۔ ۷۹۸ھ میں پیدا ہوئیں۔

تعلیم وتدریس: ابھی دو برس کی بچی تھیں کہ والدین ان کو علامہ جوہریؒ اور علامہ منصفیؒ کے درس میں لے گئے۔ یہ دونوں اپنے دور کے بلند پایہ محدث تھے۔اس زمانے میں لوگ بچوں کو اس طرح کے عالموں کی خدمت میں بھیجنا فخر وسعادت کا باعث سمجھتے تھے۔ان دونوں نے بچی کے سر پر دستِ شفقت پھیرا اوراس کیلئے دعائے خیروبرکت کی۔

بی بی خدیجہؒ نے ذرا ہوش سنبھالا تو وہ ہمہ تن تحصیلِ علم میں مشغول ہوگئیں۔ جلد ہی انہوں نے جملہ علومِ دینی بالخصوص علمِ حدیث میں درجہ تبحر حاصل کرلیا۔ پھراپنی درس گاہ قائم کی اورسالہا سال تک اپنے چشمۂ علم سے تشنگانِ علم کو سیراب کرتی رہیں۔ان کی جلالت قدر کا اندازہ اس بات سے کیا جاتا ہے کہ امام جلال الدین سیوطیؒ جیسے نابغۂ روزگار نے بھی ان سے حدیث کا درس لیا۔

وفات: اندازہ یہ ہے کہ آپ کی وفات نویں صدی ہجری میں ہوئی ہوگی۔ رحمہا اللہ تعالیٰ۔

(تاریخ اسلام کی چارسو با کمال خواتین ص: ۳۶۴،بحوالہ مشاہیر نسواں)

مکرمہ بی بی سلمیٰ بنت شمس الدین متوفاۃ نویں صدی ھ

(دختر علامہ شمس الدین جزری)

فضل وکمال: ان کا شمار نویں صدی ہجری کی شہرۂ آفاق عالمات میں ہوتا ہے۔ امام القراء علامہ شمس الدین جزری کی صاحبزادی تھیں۔ وہ اپنے وقت میں فنِ قرأت وتجوید کے سب سے بڑے ماہر سمجھے جاتے تھے۔انہوں نے اپنی لختِ جگر سلمیٰ کو جملہ دینی علوم بالخصوص قرأت وتجوید کی تعلیم بڑی محنت اور توجہ سے دی یہاں تک کہ وہ اس فن میں یگانۂ روزگار ہوگئیں۔ ان کو نہ صرف سبعہ قرأت بلکہ عشرہ قرأت پر بھی عبور حاصل تھا۔قرآن کریم کی حافظہ تھیں اور پورا قرآن پاک ہر قرأت کے مطابق سنا سکتی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے والد کے بعد کوئی دوسرا قاری قرأت اور تجوید کے فن میں ان کی برابری کا دعویٰ نہیں کرسکتا تھا۔

ف: سبحان اللہ! آپ اپنے والد محترم کی صحیح جانشین صاحبزادی ہوئیں۔ **ذٰلک فضل اللہ یو تیہ من یشاء۔** (مرتب)

وفات: امید کی جاتی ہے کہ آپ کی وفات نویں صدی ہجری میں ہوئی ہوگی۔رحمہا اللہ تعالیٰ۔

(تاریخ اسلام کی چارسو باکمال خواتین ص:۳۶۸،

بحوالہ مسلمان خواتین کی دینی اور علمی خدمات)

مکرمہ بی بی عائشہؒ بنت یوسفؒ الباعونی متوفاۃ ۹۲۲ھ

تعارف: بی بی عائشہ الباعونیؒ کا شمار دسویں صدی ہجری کی یگانۂ روزگار عالمات وفاضلات میں ہوتا ہے۔ ان کے والد یوسفؒ بن احمدؒ الباعونی (ولادت ۸۰۵ھ مطابق ۱۴۰۳ء وفات ۸۸۰ھ مطابق ۱۴۷۵ء) دمشق کے قاضی تھے۔ بڑے عالم وفاضل اور متقی آدمی تھے۔ انتظامی امور میں ان کو بڑی مہارت حاصل تھی۔ انہوں نے دمشق میں ''مارستان (شفاخانہ) اور نورالدینؒ'' کے نظم ونسق میں نہایت مفید اصلاحات کیں۔ اس کی عمارت میں نئے حصے تعمیر کرائے اور اس کے اوقاف میں اضافہ کردیا۔

قاضی یوسفؒ نظم ونثر دونوں پر بڑی قدرت رکھتے تھے۔ انہوں نے کچھ کتابیں بھی تصنیف کیں جس میں امام نوویؒ کی ''منہاج'' کو نظم کا جامہ پہنانا بھی شامل ہے۔

تعلیم وتربیت: بی بی عائشہؒ اسی علامہ دہر باپ کے گھر نویں صدی ہجری کے وسط میں بمقام دمشق پیدا ہوئیں۔ بچپن سے ہی بے حد ذہین وفطین تھیں۔ آٹھ سال کی عمر میں قرآنِ پاک حفظ کرلیا اور فاضل باپ کے زیر سایہ نہایت اعلیٰ تعلیم وتربیت پائیں۔ وہ قاہرہ میں عرصہ تک حدیث وفقہ اور دوسرے علوم دینی کی تحصیل کرتی رہیں اور وہاں سے درس افتاء کی باقاعدہ سند لی۔

علمی میدان: تحصیلِ علم سے فارغ ہونے کے بعد وہ علمی اور ادبی سرگرمیوں میں مشغول ہوگئیں اور جلد ہی ان کے علم وعرفان اور شعروادب میں دستگاہِ کامل کی

سارے عالمِ اسلام میں دھوم مچ گئی وہ ایک اونچے درجے کی عالمہ اور قادر الکلام شاعرہ تھیں۔کوئی بڑے سے بڑا شاعر یا عالم ان کو شعر وسخن یا علم کے کسی شعبے میں مرعوب نہیں کرسکتا تھا۔اپنے آپ پر اس قدر اعتماد تھا کہ مصر کے ایک نامور عالم عبدالرحیم العباسیؒ سے مدت تک نظم میں خط وکتابت کرتی رہیں۔

ان کو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی محبت اور عقیدت تھی۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایک معرکہ آرا نعتیہ قصیدہ لکھا جس کا نام ''الفتح المبین فی مدح الامینؐ '' رکھا۔اس کی شرح بھی انہوں نے خود ہی لکھی۔

تصانیف: اس کے علاوہ ان کی دوسری تصنیفات یہ ہیں:

(۱) کتاب اللوامع الشریفہ والآثار المنیفہ۔

(۲) الفتح الخفی (ان دونوں کتابوں کا موضوع تصوف ہے)

(۳) مولد النبیؐ (اس کا کچھ حصہ نظم میں اور کچھ حصہ نثر میں ہے)

(۴) الاشارات الخفیۃ فی المنازل العلیۃ (الہروی کے رسالۂ تصوف ''منازل السائرین'' کا خلاصہ ہے۔)

(۵) خلاصۃ القول البدیع فی الصلوٰۃ علی الحبیب،للسخاویؒ۔

(۶) المعجزات والخصائص النبویہ (منظوم) اصل کتاب امام سیوطیؒ کی ہے، بی بی عائشہؒ نے اس کو نظم کا جامہ پہنایا۔

وفات: بی بی عائشہؒ شادی شدہ اور صاحبِ اولاد تھیں۔انہوں نے ۹۲۲ھ مطابق ۱۵۱۶ء میں بمقام دمشق وفات پائی۔نور اللہ مرقدھا۔

(تاریخ اسلام کی چارسو باکمال خواتین ص:۳۰۷،بحوالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۳۔مشاہیر نسواں)

مکرمہ بدیعۃ الحبیبہؒ متوفاۃ دسویں صدی ھ

فضل وکمال: مکہ معظّمہ کی رہنے والی تھیں۔ ان کا زمانہ دسویں صدی ہجری کا ہے۔ زہد وتقویٰ اور عبادت وریاضت میں اپنی مثال آپ تھیں۔ کسی چیز کو حرام یا مکروہ ہونے کے بارے میں شک پڑ جاتا تو اس کو چھوتی تک نہیں تھیں۔ ایک مرتبہ انہیں معلوم ہوا کہ مکہ معظّمہ میں بجیلہ (افریقہ) سے گوشت اور پھل درآمد کئے جاتے ہیں لیکن وہاں کے لوگ اپنی بیٹیوں کو وراثت میں حصہ نہیں دیتے اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی صریح نافرمانی کرتے ہیں۔ بی بی بدیعہؒ نے یہ سن کر بجیلہ سے منگوائے جانے والے گوشت اور پھلوں کا استعمال بالکل ترک کر دیا۔ اس کے بعد وہ تیس سال زندہ رہیں لیکن ان چیزوں کو ہاتھ نہیں لگایا۔

ف: ماشاء اللہ! کیسا تقویٰ کا حال تھا جو لائحہ عمل بنانے کے لائق ہے۔ **ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔** مگر افسوس کہ وراثت کے سلسلہ میں عام طور سے کوتاہی ہو رہی ہے، جس کا نتیجہ بے برکتی و بے اطمینانی ہے، العیاذ باللہ۔ (مرتب)

وفات: اندازہ یہ ہے کہ آپ کی وفات دسویں صدی ہجری میں ہوئی۔ رحمہا اللہ تعالیٰ۔

(تاریخ اسلام کی چار سو باکمال خواتین ص: ۲۷۳،

بحوالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۳۔ مشاہیر نسواں)

مکرمہ بی بی فاطمہ بنت عبدالقادرؒ متوفاۃ ۱۰۱۶ھ

نسب وولادت: حضرت مخدوم میراں محمد شاہ موجِ دریا بخاریؒ کی اہلیہ تھیں۔ وہ حضرت بی بی کلاں کے لقب سے مشہور تھیں۔ بی بی فاطمہؒ پیرِ پیران سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی اولاد سے تھیں۔ ان کے دادا حضرت سید محمد غوث بالا پیر گیلانیؒ تھے۔ والد سید عبدالقادر گیلانیؒ ثالث المعروف بہ سید جیون تھے۔

فضل وکمال: بی بی فاطمہؒ نہایت عبادت گزار اور متقی خاتون تھیں۔ ان کا شمار اپنے وقت کی عارفات میں ہوتا ہے۔ مشہور مصنف پیر غلام دستگیر نامی مرحوم نے اپنی کتاب ''بزرگانِ لاہور'' میں لکھا ہے کہ ایک دن بی بی صاحبہؒ نے اپنی چادر دھوکر دھوپ میں ڈالنی چاہی لیکن عصر کا وقت تھا اور دھوپ گھر میں صرف بیری کے درخت کی چوٹی پر تھی۔

کرامت: انہوں نے اس درخت سے مخاطب ہوکر فرمایا:

''اے درخت اپنی ٹہنیاں جھکادے تاکہ میں اپنی چادر ان پر ڈال کر خشک کرسکوں۔''

ٹہنیاں فوراً نیچی ہوگئیں، بی بی صاحبہ نے اپنی چادر ان پر ڈال دی اور وہ پھر بلند ہوگئیں۔

کچھ دیر بعد حضرت موجِ دریاؒ گھر تشریف لائے اور چادر کو درخت پر پڑا پایا تو سمجھ گئے کہ بی بی صاحبہؒ نے درخت پر چڑھ کر یہ کام کیا ہے۔ انہوں نے

غصہ میں آ کر بی بی صاحبہؒ سے باز پرس کی تو انہوں نے قسم کھا کر بتایا کہ میں درخت پر نہیں چڑھی بلکہ خود درخت نے ٹہنیاں جھکا دیں۔ حضرت موجِ دریاؒ نے فرمایا تو پھر اسی طرح درخت سے چادر اتار دو۔ چنانچہ بی بی صاحبہ نے درخت سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''اے درخت اب اپنا سر جھکا لے تا کہ میں اپنی چادر اس سے اتارلوں۔''

درخت کی ٹہنیاں فوراً نیچی ہوگئیں۔ اور بی بی صاحبہؒ نے اپنی چادر ان سے کھینچ لی۔

اس طرح اور بھی کئی کرامات بی بی صاحبہؒ سے منسوب ہیں۔

ف: مردوں کی طرف تو بہت سی کرامات منسوب ہیں پس اگر عورتوں سے بھی کرامات کا ظہور ہو جائے تو کیا مضائقہ۔ اسلئے کہ کرامات کا ظہور حق ہے اس میں مردوں اور عورتوں میں کوئی فرق نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنے انعامات وکرامات سے نواز دیتا ہے۔ **ذٰلک فضل اللہ یو تیہ من یشاء** (مرتب)

وفات: بی بی فاطمہؒ نے ۱۰۱۶ھ مطابق ۱۶۰۷ء میں وفات پائی اور اپنے شوہر نامدار کے مزار سے کچھ فاصلے پر مدفون ہوئیں۔ لیک روڈ (لاہور) پر ان کی قبر اب بھی موجود ہے۔ بی بی فاطمہؒ کے بطن سے حضرت موجِ دریاؒ کے دو فرزند پیدا ہوئے، سید صفی الدینؒ اور سید بہاؤ الدینؒ۔ دونوں علم وفضل اور زہد واتقا کے اعتبار سے درجۂ کمال پر فائز تھے۔

(تاریخ اسلام کی چار سو باکمال خواتین ص: ۳۷۳، بحوالہ تاریخ اوچ۔ نقوش لاہور نمبر)

مکرمہ شہزادی جہاں آرا بیگمؒ متوفاة ۱۰۹۲ھ

(دختر شاہجہاں بادشاہ)

نام ونسب وولادت: شہاب الدین محمد شاہجہاں بادشاہ (۱۰۳۷ھ تا ۱۰۶۸ھ) کی بیوی ارجمند بانو (ممتاز محل) کی سب سے پہلی بیٹی تھیں۔ ۲۱ رصفر ۱۰۲۳ھ مطابق ۲/ اپریل ۱۶۱۴ء کو پیدا ہوئیں۔ بیگم صاحب، بادشاہ بیگم اور فاطمۃ الزماں القاب تھے۔

فضل وکمال: ان کی تعلیم وتربیت نہایت اعلیٰ پیمانے پر ہوئی۔ چنانچہ وہ نہ صرف جملہ علومِ دینی میں ممتاز ہوگئیں بلکہ ذوقِ شعروادب کے اعتبار سے بھی بہت بلند مقام حاصل کیا۔ نہایت فیاض، غرباء پرور اور علماء وشعراء کی قدردان تھیں۔ اگرچہ انہوں نے عمر بھر شادی نہیں کی لیکن روزمرہ کی زندگی میں احکامِ شریعت کی سختی سے پابندی کرتی تھیں۔ رفاہِ عامہ کے کاموں میں بھی بہت دلچسپی لیتی تھیں اور ان کے دست کرم سے بے شمار غرباء اور حاجت مند وظیفہ پاتے تھے۔ عبادتِ الٰہی اور خلق خدا کی خدمت کے سوا انہیں اور کوئی شوق نہ تھا۔ جہاں آرا بیگمؒ کی لیاقت اور گونا گوں صلاحیتوں کی بناء پر شاہجہاں ان کو بے حد عزیز جانتا تھا۔ شاہجہاں کو تخت نشین ہوئے ابھی چار سال بھی نہ گزرے تھے کہ ۱۰۴۰ھ مطابق ۱۶۳۱ء میں اس کی چہیتی بیگم ارجمند بانو (ممتاز محل) فوت ہوگئیں۔ اب بادشاہ نے شاہی محل کا سارا نظام جہاں آراؒ کے سپرد کردیا۔ شہزادی کو بھی اپنے شفیق باپ سے بے پناہ محبت

تھی۔ وہ تمام کھانے اپنی نگرانی میں تیار کرواتیں اور جب تک خود چکھ نہ لیتیں انہیں بادشاہ کے دستر خوان پر نہیں چنا جاتا تھا۔

حیاء کا عالم: جہاں آرا بہت باحیا اور پردے کی پابند تھیں۔ ایک دفعہ وہ رات کو بادشاہ سے رخصت ہو کر اپنی خواب گاہ کی طرف جا رہی تھیں کہ ان کا دامن کافوری شمع سے الجھ گیا اور ان کے کپڑے کو آگ لگ گئی۔ شہزادی نے اس شرم سے کہ دوسرے لوگ آکر کہیں اس کے جسم کا کوئی حصہ نہ دیکھ لیں شور وغل نہ کیا۔ اتفاق سے ان کی چار لونڈیوں نے جو کچھ فاصلے پر ان کے پیچھے آرہی تھیں ان کو آگ کے شعلوں میں لپٹا ہوا دیکھ لیا۔ انہوں نے دوڑ کر آگ بجھانے کی کوشش کی۔ آگ بجھاتے بجھاتے بھی شہزادی کے ہاتھ اور بازو جل گئے اور دو لونڈیاں بھی بری طرح جھلس گئیں۔ اس صدمہ سے شہزادی کو غش آگیا۔ بادشاہ کو خبر ہوئی تو وہ فرطِ غم سے نڈھال ہو گیا۔ اس نے دور دور سے ماہرین فن جراح اور طبیب طلب کئے اور ان کو شہزادی کے علاج پر مامور کیا۔ اس نے چار ماہ تک سلطنت کا کام کاج نہیں کیا، ہر وقت مصلے پر بیٹھ کر شہزادی کی صحت یابی کی دعائیں مانگتا رہتا تھا۔ اس دوران شہزادی کے بھائیوں نے بھی اپنی پیاری بہن کی خبر گیری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ آخر عارف نامی ایک جراح کے علاج سے شہزادی کو شفا ہو گئی۔

سنہ ۱۰۵۳ھ مطابق سنہ ۱۶۴۳ء میں جہاں آرا بیگمؒ نے قلعہ آگرہ کے صدر دروازے کے متصل ایک عالی شان جامع مسجد بنوانی شروع کی۔ اس کی تعمیر پر پانچ لاکھ روپیہ صرف ہوا اور یہ سنہ ۱۰۵۸ھ مطابق سنہ ۱۶۴۸ء میں مکمل ہوئی۔ اس کے بعد شہزادی نے ایک مدرسہ بھی قائم کیا جو بہت عرصہ تک نہایت کامیابی سے

چلتا رہا۔اب بھی یہ کسی نہ کسی صورت میں قائم ہے۔مسجد کے گرد اگرد دوکانوں کی آمدنی مسجد اور مدرسے کیلئے وقف ہے۔

تصوف سے لگاؤ: جہاں آرا بیگم کی علم دوستی، سخن فہمی اور علماء وشعراء نوازی کے بہت سے واقعات مشہور ہیں۔ان کو صوفیۂ کرام سے بے حد عقیدت تھی، ابتدا میں وہ حضرت ملا شاہ قادریؒ کی مرید تھیں۔بعد میں سلسلۂ چشتیہ میں بیعت کرلی۔وہ وقتاً فوقتاً حصول برکت ودعا کیلئے اپنے دور کے اہل اللہ کی خدمت میں بھی حاضر ہوتی رہتی تھیں۔شہزادی نے دو کتابیں بھی تصنیف کیں۔پہلی کتاب ''مونس الارواح'' میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ اور ان کے اکابر خلفاء کے سوانح حیات ہیں اور دوسری کتاب میں حضرت ملا شاہ قادریؒ کے نامکمل سوانح حیات ہے۔

اس کتاب کے آخر میں اپنی خودنوشت سرگزشت میں وہ لکھتی ہیں کہ:

''میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے مجھ سے کوئی فرض نماز قضا نہیں ہوئی۔میں ہمیشہ نفلی روزے رکھتی رہی تاکہ جوانی کا جوش اور نفسانی خواہشات مرتی رہیں''۔

شہزادی عمر بھر اپنے والد کی نہایت فرماں بردار اور اطاعت گزار رہی۔ شہزادی جہاں آرا بیگم ایک خوش گو شاعرہ بھی تھیں۔

وفات: جہاں آرا بیگم نے ۱۰۹۲ھ مطابق ۱۶۸۱ء میں وفات پائی۔انہوں نے اپنی زندگی ہی میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی درگاہ کے احاطے میں اپنی لئے ایک سادہ سا مقبرہ بنوالیا تھا۔چنانچہ اسی میں سپردِ خاک کی گئیں۔ان کی لحد پر

یہ شعر کندہ ہے جس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ یہ ان ہی کا کہا ہوا شعر ہے ؎

بغیر سبزہ نپوشد کسے مزارِ مرا   کہ قبر پوشِ غریباں ہمیں گیاہ بس است

یعنی کوئی شخص سبز گھاس کے سوا اور کسی چیز سے میری قبر کو نہ چھپائے۔ کیونکہ غریبوں کی قبر کو چھپانے کیلئے یہی گھاس کافی ہے۔

اورنگ زیب عالمگیرؒ ان کی وفات کے وقت دکن میں تھے۔ انہیں جب بہن کی رحلت کی خبر ہوئی تو بے اختیار رو پڑے۔ کہا جاتا ہے کہ بیگم آرا نے تین کروڑ روپئے کی جائداد چھوڑی، جو ان کی وصیت کے مطابق حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی درگاہ کے خدام میں تقسیم کردی گئی۔ نور اللہ مرقدھما۔

(تاریخ اسلام کی چار سو باکمال خواتین ص: ۲۴۴، بحوالہ مشاہیر نسواں)

مکرمہ شہزادی روشن آرا بیگمؒ متوفاۃ گیارہویں صدی سنہ ھ

(دختر شاہجہاں بادشاہ)

نسب وولادت: شہاب الدین محمد شاہجہاں بادشاہ کی صاحبزادی تھیں۔ ۲؍ رمضان المبارک ۱۰۲۶ھ مطابق ۱۶۱۷ء کو ملکہ ارجمند بانو (ممتاز محل) کے بطن سے پیدا ہوئیں۔ جہاں آرا بیگم اس کی حقیقی بڑی بہن تھیں۔

فضل وکمال: جہاں آرا بیگم کی طرح ان کی تعلیم وتربیت بھی بڑے اہتمام سے ہوئی۔ چنانچہ جملہ علوم وفنون اور تدبیر وسیاست میں یکتائے روزگار ہوگئیں۔ فنِ کتابت میں تو وہ اپنا جواب آپ تھیں۔ ان کا خط اتنا پاکیزہ تھا کہ اسے دیکھ کر آنکھیں روشن ہوجاتی تھیں۔ انہوں نے بھی جہاں آرا بیگم کی طرح ساری عمر شادی نہیں کی۔ والد کی طرف سے ان کو ایک بڑی جاگیر ملی ہوئی تھی اور معقول وظیفہ بھی ملتا تھا۔ وہ اپنی دولت کا بیشتر حصہ غریبوں مسکینوں اور محتاجوں پر صرف کردیتی تھیں۔

عالمگیر کے ساتھ خیرخواہی: روشن آرا بیگم بہت دیندار اور صحیح العقیدہ خاتون تھیں۔ یہی سبب تھا کہ ان کو سب بھائیوں میں اورنگ زیب (عالمگیرؒ) سے زیادہ محبت تھی اور وہ ان کی دل وجان سے خیرخواہ تھیں۔ جب ان کے بھائیوں (داراشکوہ، مراد، شجاع اور اورنگ زیب) کے درمیان تخت نشینی کا جھگڑا پیدا ہوا تو انہوں نے ہر موقع پر اورنگ زیبؒ کا ساتھ دیا۔ شاہجہاں کے دربار

میں اورنگ زیبؒ کے خلاف جو سازشیں ہوتی تھیں وہ ان سے اورنگ زیبؒ کو آگاہ کردیا کرتی تھیں۔ معرکۂ ساموگڈھ کے بعد اورنگ زیبؒ نے شاہجہاں کو معزول کرکے قلعہ آگرہ میں نظر بند کیا تو باپ نے بیٹے کو ملاقات کیلئے بلا بھیجا۔ اس موقع پر قلعہ کے اندر دارا شکوہ اور اس کے حامیوں نے یہ منصوبہ بنایا کہ جب اورنگ زیبؒ قلعہ کے اندر داخل ہوں تو چند مسلح عورتیں ان پر حملہ کرکے گرفتار کرلیں یا قتل کردیں۔ شہزادی روشن آرا بیگمؒ نے اس منصوبے سے اورنگ زیبؒ کو آگاہ کردیا اور وہ اس جال میں پھنسنے سے بچ گئے۔ اکثر مؤرخین نے لکھا ہے کہ روشن آرا بیگمؒ کی مخلصانہ خیرخواہی اور بیدار مغزی نے اورنگ زیبؒ کو بہت فائدہ پہنچایا اور وہ اپنے مخالفین کے عزائم کو ناکام بنا کر تخت وتاج حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ بلاشبہ یہ کامیابی ان کی اپنی تدبیر وسیاست اور عزم وہمت کی بھی مرہونِ مِنّت تھی، یہی سبب تھا کہ اورنگ زیب عالمگیرؒ ان کو بہت عزیز رکھتے تھے۔

شہزادی روشن آرا بیگمؒ نے رفاہِ عامہ کے سلسلے میں بھی بہت سے کام کئے لیکن اب ان کا کوئی نشان باقی نہیں رہا۔

وفات: اندازہ ہے کہ آپ کی وفات گیارہویں صدی ہجری میں ہوئی ہوگی۔ نور اللہ مرقدھا۔

(تاریخ اسلام کی چارسو باکمال خواتین ص:۴۵۰، بحوالہ مشاہیر نسواں وغیرہ)

مکرمہ حافظہ مریمؒ متوفاۃ بارہویں صدی سنہ ھ

تعارف: اورنگ زیب عالمگیرؒ کے معتمد عنایت اللہ خان کی والدہ اور مرزا شکر اللہ خاں کشمیری کی زوجہ تھیں۔ ان کا خاندان نیشا پور سے ہجرت کر کے ہندوستان آیا تھا۔ یہ خاندان علم و فضل کے اعتبار سے نہایت ممتاز مقام رکھتا تھا۔ بی بی مریمؒ قرآن حکیم کی حافظہ ہونے کے علاوہ دوسرے دینی علوم میں کافی دسترس رکھتی تھیں۔

زیب النساء کی تعلیمی خدمت: چنانچہ عالمگیرؒ نے حافظہ مریم کو اپنی لختِ جگر زیب النساء کا اتالیق مقرر کیا۔ اس وقت شہزادی کی عمر چار سال چار ماہ اور چار دن کی تھی۔ حافظہ مریمؒ نے شہزادی کو خوب جی لگا کر پڑھایا اور پونے چار سال کے عرصے میں اسے سارا قرآن مجید حفظ کرا دیا۔ اس کے علاوہ انہوں نے زیب النساء کو دینیات کی بعض ابتدائی کتابیں بھی پڑھائیں۔ جب اورنگ زیب عالمگیرؒ کو شہزادی کے قرآن پاک حفظ کرنے کی اطلاع ہوئی تو ان کو بے انتہا خوشی ہوئی۔ انہوں نے زیب النساء کو تیس ہزار اشرفیاں عنایت کیں اور حافظہ مریمؒ کو بھی مالا مال کر دیا۔

وفات: اندازہ ہے کہ آپ کی وفات بارہویں صدی ہجری میں ہوئی ہوگی۔ رحمہا اللہ تعالیٰ۔

(تاریخ اسلام کی چار سو باکمال ص:۱۷۴، بحوالہ مآثر عالمگیریؒ، دائرہ معارف اسلامیہ)

مکرمہ حافظہ شہزادی زیب النساء متوفاۃ ۱۱۱۴؁ھ

(دختر اورنگ زیب عالمگیرؒ)

نام ونسب وولادت: فرمانروائے ہند محی الدین اورنگ زیب عالمگیرؒ (۱۰۶۹؁ھ مطابق ۱۶۵۹؁ء تا ۱۱۱۸؁ھ مطابق ۱۷۰۷؁ء) کی سب سے بڑی اولاد تھیں۔ عالمگیرؒ کی شہزادگی کے زمانے میں باختلافِ روایت ۱۰/ یا ۲۰/شوال المکرم ۱۰۴۷؁ھ مطابق ۲۵/فروری یا ۷/مارچ ۱۶۳۸؁ء کو دولت آباد (دکن) میں پیدا ہوئیں۔ ان کا نام زیب النساء ان کے دادا شاہجہاں نے رکھا۔

تعلیم وتربیت: زیب النساء کی تعلیم وتربیت نہایت اعلیٰ پیمانے پر ہوئی۔ جب وہ چار سال چار مہینہ اور چار دن کی ہوئیں تو دیندار باپ نے اسلامی طریقہ کے مطابق ان کی بسم اللہ کرائی اور حافظہ مریمؒ کو ان کی اتالیق مقرر کیا۔ حافظہ مریمؒ (اہلیہ مرزا شکر اللہ کشمیری) بڑی فاضلہ خاتون تھیں اور دینیات میں کافی دستگاہ رکھتی تھیں۔ انہوں نے زیب النساءؒ کو بڑی توجہ اور محنت سے تعلیم دی۔ شہزادی بہت ذہین وفطین تھیں انہوں نے آٹھ سال کی عمر کو پہنچتے پہنچتے سارا قرآن پاک حفظ کرلیا اور دینیات کی دوسری ابتدائی کتابیں بھی پڑھ لیں۔ اورنگ زیبؒ کو اطلاع ہوئی تو ان کو بے حد مسرت ہوئی۔ انہوں نے اپنی ہونہار بیٹی کو تیس ہزار اشرفیاں بطور انعام دیں اور حافظہ مریمؒ کو بھی مال ودولت سے نہال کردیا۔

ف: سبحان اللہ! کیسی سعادت کی بات ہے کہ آٹھ سال کی عمر میں حفظ قرآن پاک مکمل کرلیا۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی خوبیوں سے اللہ تعالیٰ نے نوازا تھا۔ **ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔** (مرتب)

اس کے بعد شہزادیؒ نے علم الصرف اور علم النحو کی تحصیل ملا احمد جیون امیٹھویؒ (استاذ اورنگ زیب عالمگیرؒ) سے کی اور کچھ دوسری دینی کتابیں بھی ان سے پڑھیں۔ پھر شہزادی کو ملا سعید اشرف ماژندانیؒ کی شاگردہ بنایا گیا۔ ملا موصوف اس دور کے یگانۂ روزگار عالم، ادیب، شاعر اور بہت اونچے درجے کے خوشنویس تھے۔ انہوں نے چودہ سال تک ان کو نہ صرف حدیث، فقہ اور دوسرے علوم کی تعلیم دی بلکہ خوشنویسی بھی سکھائی اور ان میں شعر وادب کا ذوق بھی پیدا کیا۔

فضل وکمال: تمام مورخین اور تذکرہ نگار اس بات پر متفق ہیں کہ شہزادی زیب النساء عربی اور فارسی میں نہایت اعلیٰ استعداد رکھتی تھیں اور علم وادب سے دلی لگاؤ رکھتی تھیں۔ طبیعت نکتہ رس پائی تھی۔ شعر خوب سمجھتی تھیں اور خود بھی کبھی کبھی مشق سخن کرتی تھیں۔ وہ علماء اور شعراء کی بہت قدرشناس تھیں اور اکثر انہیں انعام واکرام سے نوازتی رہتی تھیں۔

ف: جیسا کہ آپ کی فصاحت وبلاغت کا واقعہ حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ سنایا کرتے تھے، اسی کو تالیفات مصلح الامت جلد سوم سے نقل کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں۔ (مرتب)

زیب النساءؒ کی فصاحت وبلاغت کا واقعہ: ایک دفعہ شاہِ ایران کی

زبان سے بے ساختہ ایک مصرع موزوں ہوگیا۔ ع

در ابلق کسے کم دیدہ موجود

اس پر بادشاہ نے دوسرا مصرع لگانا چاہا مگر نہ بن سکا تو اس نے دوسرے شعراء کو حکم دیا کہ اس پر مصرع لگاؤ۔ سب حیرت میں رہ گئے۔ کیونکہ کوئی معنیٰ خیز مضمون ہوتو اس کو پورا کیا جائے، اس میں کوئی معنویت نہیں کیونکہ اس کا مطلب ہے کہ ''چتکبرا موتی کسی نے کم دیکھا ہوگا''۔ غرض شعراء ایران نے کہا کہ یہ مصرع بے تکا ہے۔ اس پر کوئی کیا مصرع لگا سکتا ہے۔ شاہ ایران کو یہ جواب ناگوار ہوا کہ ہمارے مصرع کی ان لوگوں نے بے قدری کی، تو اس نے ہندوستان کے بادشاہ اورنگ زیبؒ کو خط لکھا کہ وہاں کے شعراء سے اس پر دوسرا مصرع لگانے کی فرمائش کی جائے۔ ایران کے شعراء اس سے عاجز ہو گئے ہیں۔ عالمگیرؒ نے شعراء کو اس کی اطلاع دی۔ یہاں بھی سب کے سب حیران رہ گئے کہ اس بے تکے مضمون کو کون پورا کرے۔ عالمگیرؒ کی لڑکی زیب النساء بھی شاعرہ تھیں ان کو جو اس مصرع کی خبر پہنچی تو وہ بھی سوچ میں پڑ گئیں کہ اس کو کس طرح پورا کیا جائے۔ اتفاقاً ایک دن صبح کو شہزادی سرمہ لگا رہی تھی وہ کسی قدر تیز لگا اور آنکھ سے ایک قطرہ آنسو ٹپکا جس میں سرمہ کی کچھ سیاہی تھی اور کچھ سفیدی۔ اور آنسو کو موتی سے تشبیہ دیا ہی کرتے ہیں تو فوراً ان کا ذہن شاہ ایران کے مصرع کی طرف گیا اور اس پر دوسرا مصرع لگا کر اس طرح شعر کو پورا کر دیا۔

در ابلق کسے کم دیدہ موجود مگر اشک بتانِ سرمہ آلود

یعنی کسی نے چتکبرا موتی کم دیکھا ہوگا بجز سرمہ آلود معشوقوں کے آنسو کے۔

شہزادی نے فوراً عالمگیرؒ کو اطلاع کی، عالمگیرؒ بہت خوش ہوئے کہ جس مصرع کی تکمیل سے شعرائے ایران عاجز ہو گئے تھے خوشی کی بات ہے کہ میری لڑکی نے اس کو پورا کر دیا اور ایسا پورا کیا کہ یہ پہلا مصرع بھی جو بے معنیٰ تھا بامعنیٰ ہوگیا۔ عالمگیرؒ نے شاہِ ایران کو خط کے ذریعہ اس کی اطلاع دی، وہ خوشی کے مارے اچھل پڑا کیونکہ اسے تو اپنے مصرع کے ناتمام رہ جانے سے رنج تھا خصوصاً جب کہ شعراء نے اس کو بے معنیٰ قرار دے کر ٹھکرا دیا تھا۔ اب اس نے تمام شعراء ایران کو جمع کیا اور کہا کہ تم نے ہمارے مصرع کو بے معنیٰ کہہ کر واپس کر دیا تھا تو ہندوستان کے ایک شاعر نے اس کو پورا کر دیا۔ پھر اس نے پورا شعر سنایا۔

در ابلق کسے کم دیدہ موجود مگر اشک بتانِ سرمہ آلود

شعراء سب کے سب حیران ہو گئے کہ واقعی شاعر نے کمال کیا۔ اب سب نے درخواست کی کہ ہم اس شاعر کی زیارت کرنا چاہتے ہیں۔ شاہِ ایران نے حضرت عالمگیرؒ کے پاس شکریہ کا خط لکھا اور یہ بھی لکھا کہ شاعر کو ایران بھیج دیا جائے، یہاں سب اس کی زیارت کے مشتاق ہیں۔ عالمگیرؒ نے وہ خط اور انعام لے کر زیب النساء کے پاس آ کر ناگواری سے کہا کہ لو یہ بادشاہ کا خط ہے وہ تم کو بلا رہے ہیں۔ اب بتلاؤ میں بادشاہ کو کیا جواب دوں۔ شہزادی نے کہا کہ آپ پریشان نہ ہوں۔ میری طرف سے ان کو جواب میں یہ شعر لکھ کر بھیج دیجئے۔

در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگ گل ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

یعنی میں اپنے کلام میں اس طرح مخفی ہوں جیسے پھول کی خوشبو اس کی پنکھڑیوں میں پنہاں ہوتی ہے۔ جو شخص مجھے دیکھنے کی خواہش رکھتا ہو وہ میرے

کلام میں مجھ کو دیکھ لے۔

زیب النساء کا تخلص بھی مخفی تھا اور اس شعر میں اس لفظ سے اپنے پردہ نشین ہونے کی طرف بھی اشارہ کر دیا۔

عالمگیرؒ نے یہی شعر لکھ کر بھیج دیا جس سے شاہِ ایران کو معلوم ہو گیا کہ شاعر پردہ نشین عورت ہے اس لئے آنے سے معذور ہے۔(مرتب)

(ماخوذ از تالیفات مصلح الامتؒ جلد سوم ص: ۳۲۴)

علامہ شبلی نعمانیؒ نے اپنے ایک مقالے میں زیب النساء کے بارے میں لکھا ہے کہ:

''فارسی زبان دانی میں کمال رکھتی تھیں۔ نستعلیق، نسخ اور شکستہ خط نہایت عمدہ لکھتی تھیں۔ خود صاحبِ تصنیف گزری ہیں لیکن ان کی تصنیفات سے آج کوئی چیز موجود نہیں۔''

رمضان ۱۰۶۹ھ مطابق ۱۶۵۹ء میں اورنگ زیب عالمگیرؒ نے تخت و تاج کے دوسرے تمام دعوے داروں کو مغلوب کر کے تاج شاہی سر پر رکھا تو زیب النساء نے موقع پر ان کی خدمت میں ایک بیش بہا نذر پیش کی جسے بادشاہ نے قبول کر لیا اور شہزادی کو چار لاکھ روپے کا انعام مرحمت فرمایا۔ اس سے اگلے سال جشنِ تخت نشینی کے موقع پر شہزادی نے پھر نذر پیش کی۔ بادشاہ نے اسے بھی قبول فرما لیا اور شہزادی کو بہت سا زر و جواہر عطا کیا۔

زیب النساء عام طور پر علمی اور ادبی مشاغل میں مصروف رہتی تھیں۔ اور ملکی سیاست سے الگ تھلگ رہتی تھیں۔

معمولات: شہزادی نہایت عفیف اور پارسا خاتون تھیں اور احکامِ شریعت کی سختی سے پابندی کرتی تھیں ۔ سیرت و کردار کے اعتبار سے نہایت بلند مقام رکھتی تھیں ۔ ہمیشہ سادہ اور سفید لباس پہنتی تھیں ۔ زیب و زینت کا مطلق شوق نہ تھا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ جب سے انہوں نے ہوش سنبھالا کوئی نماز قضا نہیں ہوئی بلکہ نوافل و مستحب بھی بڑے ذوق وشوق سے ادا کرتی تھیں ۔ ان کی فیاضی کی تو کوئی حد و نہایت نہیں تھی ۔ اربابِ کمال کی قدردانی اور سرپرستی کے علاوہ انہوں نے بے شمار غریب لڑکیوں، بیوہ عورتوں، یتیم بچوں اور محتاجوں کے وظیفے مقرر کر رکھے تھے۔

وفات: شہزادی زیب النساء نے ماہ محرم ۱۱۱۴ھ مطابق ۱۷۰۲ء میں دلی میں وفات پائی ۔ اس وقت ان کی عمر صرف سڑسٹھ سال کی تھی ۔ زیب النساءؒ کو جہاں آرا بیگم کے متروکہ باغ سی ہزاری واقع دلی میں دفن کیا گیا اور اس پر شاندار مقبرہ تعمیر کیا گیا۔ نور اللہ مرقدھا۔

(تاریخ اسلام کی چارسو باکمال خواتین ص: ۴۶۲، بحوالہ مآثر عالمگیریؒ)

مکرمہ دختر حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ متوفاۃ تیرہویں صدی ھ

تعارف: یہ خاتون بڑی عالمہ فاضلہ تھیں۔انہوں نے جملہ علوم دینی اپنے والد گرامی سے حاصل کئے تھے اور قرآن وحدیث اور فقہ میں درجۂ تبحر حاصل کرلیا تھا۔ان کی شادی مولانا مفتی عبدالقیوم بڈھانویؒ سے ہوئی تھی جو سید احمد شہید بریلویؒ کے خلیفۂ اول مولانا عبدالحی بڈھانویؒ کے فرزند تھے۔مولانا عبدالقیومؒ بڑے متبحر عالم تھے۔اورعوام کے علاوہ خواص میں بھی ان کو بڑی عزت واحترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔۱۲۷۱ھ میں نواب شاہجہاں بیگم والیۂ بھوپال کی شادی نواب باقی محمد خانؒ سے ہوئی تو نکاح پڑھانے کیلئے مولانا عبدالقیومؒ ہی کو بلایا گیا تھا۔والیۂ بھوپال نے ان کے علم وفضل کو دیکھتے ہوئے انہیں ریاست کا مفتیٔ اعظم مقرر کردیا۔

فضل وکمال: مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اپنی کتاب ''خواتین اور دین کی خدمت'' میں اپنے استاد مولانا حیدر حسین خان صاحبؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

> ''ان (مولانا عبدالقیوم صاحبؒ) کے پاس جب کوئی مقدمہ آتا اور اس میں کوئی فیصلہ نہیں کر پاتے اور اس فکر میں پڑ جاتے کہ اس مسئلہ کا شرعی حکم کیا ہے تو کہتے ابھی آتا ہوں اور گھر میں جا کر اہلیہ سے جو حضرت شاہ اسحاق صاحبؒ کی صاحبزادی

تھیں، پوچھتے، کیا آپ نے اپنے والد صاحب سے کوئی روایت سنی ہے یا اس مسئلہ میں آپ کے علم میں کوئی بات ہے؟ اس کے بعد آکر فیصلہ کرتے اور بعض اوقات تو بلا تکلف کہہ دیتے کہ ذرا بیوی صاحبہ سے پوچھ آؤں۔''

جس خاتون سے بھوپال کے مفتی اعظم پیچیدہ دینی مسائل میں مشورہ کرتے ہوں اس کے علم وفضل کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ بیشک۔

وفات: اندازہ ہے کہ آپ کی وفات تیرہویں صدی ہجری میں ہوئی ہوگی۔ رحمھا اللہ تعالیٰ۔

(تاریخ اسلام کی چارسو باکمال خواتین ص: ۵۳۲، بحوالہ مسلمان خواتین کی دینی اور علمی خدمات)

مکرمہ گلبدن باجیؒ متوفاۃ تیرہویں صدی ھ

تعارف: شاہ ایران فتح علی شاہ قاچار (۱۲۱۱ھ تا ۱۲۵۰ھ مطابق ۱۷۹۶ء تا ۱۸۳۴ء) کی والدہ آسیہ خانم (وفات ۱۲۱۳ھ مطابق ۱۷۹۸ء) کی کنیز تھیں۔ آسیہ خانم کے فیضِ صحبت سے بہت دیندار اور دیانت دار ہوگئی تھیں۔ جب آسیہ خانم نے وفات پائی تو بادشاہ نے خدامِ حرم سے کہا کہ والدہ مرحومہ کی جگہ کسی ایسی خاتون کو مقرر کر دو جو ان کی طرح مقررہ نقد وجنس ہر سال غربا و مساکین اور ملازمین حرم میں تقسیم کر دیا کرے۔ انہوں نے گلبدن باجیؒ کو اس کام کیلئے منتخب کیا۔ گلبدن باجیؒ نے یہ کام ایسے انصاف اور دیانت داری سے کیا کہ سارے ملک میں ان کی ایمان داری کی دھوم مچ گئی۔

دیانت: ان کے لین دین سے کیا خدام اور کیا تجار، سب خوش تھے۔ وہ کروڑوں کا لین دین کرتی تھیں، کیا مجال کہ ایک پیسہ بھی ہیرا پھیری ہو جائے۔ بادشاہ نے ان کی کارگزاری سے خوش ہو کر انہیں ''خازن الدولہ'' کا خطاب دیا اور ان سے شادی کر کے بادشاہ بیگم بنا دیا۔

ف: مگر آج اس تقسیم کے سلسلہ میں نہایت خیانت اور بے انصافی سے کام لیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی اصلاح فرمائے، آمین۔ (مرتب)

وفات: اندازہ یہ ہے کہ آپ نے تیرہویں صدی ہجری میں وفات پائی ہوگی۔ رحمھا اللہ تعالیٰ۔ (تاریخ اسلام کی چارسو باکمال خواتین ص: ۵۴۰، بحوالہ تذکرۃ الخواتین)

مکرمہ بادشاہ بیگم دہلویؒ متوفاۃ تیرہویں صدی ھ

فضل وکمال: تیرہویں صدی ہجری میں یگانۂ روزگار خطاطہ ہوئی ہیں۔فن کتابت (خوشنویسی) انہوں نے اپنے دور کے وحید العصر خوشنویس استاد محمد امیر پنجہ کش دہلویؒ سے سیکھا۔ ان کی کتابت دیکھ کر آنکھیں روشن ہوجاتی تھیں۔ سلطنت مغلیہ کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر نے ان کے ہاتھ کی تحریریں دیکھیں تو دنگ رہ گئے اوران کو نادرِقلم کا خطاب دیا۔ایک بلند پایہ خطاطہ ہونے کے علاوہ وہ اچھی عالمہ اورشاعرہ بھی تھیں اورفنِ طب میں بھی دسترس رکھتی تھیں۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ محنت ومشقت کر کے کسی بھی مقام کو حاصل کیا جاسکتا ہے۔جیسا کہ بادشاہ بیگم دہلویؒ نے بلند پایہ خطاب حاصل کیا۔ **ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔** (مرتب)

وفات: اندازہ ہے کہ ان کی وفات تیرہویں صدی ہجری میں ہوئی ہوگی۔ نوراللہ مرقدھا۔

(تاریخ اسلام کی چارسو باکمال خواتین ص:۵۷۸،
بحوالہ مسلمان خواتین کی دینی اورعلمی خدمات)

مکرمہ صولت النساء بیگمؒ متوفاۃ تیرہویں صدی ھ

فضل وکمال: مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ ہندوستانیوں کی جنگ آزادی ۱۲۷۳ھ مطابق ۱۸۵۷ء کے ایک عظیم مجاہد تھے۔ جنگ آزادی (جسے انگریزوں نے غدر کا نام دیا) بوجوہ کامیاب نہ ہوسکی تو مولانا ہندوستان سے ہجرت کرکے حجاز چلے گئے۔ وہاں انہوں نے ایک دینی مدرسہ قائم کرنے کا ارادہ کیا مگر وسائل کا فقدان تھا۔ اتفاق سے اسی زمانے میں سلطان ٹیپو شہیدؒ کے خاندان کی ایک مخیرہ خاتون صولت النساء بیگمؒ کلکتہ سے حج بیت اللہ کیلئے مکہ معظّمہ پہنچیں۔ ان کے سامنے مدرسہ کی تجویز پیش کی گئی تو انہوں نے اس کی پرزور تائید کی اور تیس ہزار روپیہ کی خطیر رقم (جو آج کل کے کئی لاکھ روپئے کے برابر ہوتی ہے) مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی خدمت میں پیش کردی۔ مولاناؒ نے مدرسہ قائم کرکے اس کا نام اس مخیرہ خاتون کے نام پر ''مدرسہ صولتیہ'' رکھا۔ یہ مدرسہ آج تک قائم ہے اوراس سے لاکھوں طالبانِ علم اب تک فیض یاب ہوچکے ہیں۔

ف: اس مدرسے میں کئی بار حاضر ہونے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ مگر توسیع حرم کی وجہ سے اب مدرسہ مکہ کے کنارے منتقل کردیا گیا ہے۔ اس کے ناظم مکرم مولانا حشیم صاحب ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کے فیض کو عام فرمائے، آمین۔ (مرتب)

وفات: اندازہ ہے کہ آپ کی وفات تیرہویں صدی ہجری میں ہوئی ہوگی۔ رحمہا اللہ تعالیٰ۔ (تاریخ اسلام کی چارسو باکمال خواتین ص:۵۷۹)

مکرمہ بی بی شمس النساءؒ متوفاۃ ۱۳۰۸ھ

فضل وکمال: حیدرآباد دکن کی رہنے والی تھیں۔ جملہ علوم دینی میں یکتائے زمانہ تھیں۔عربی اور فارسی دونوں زبانوں پر مکمل عبور حاصل تھا۔قرآن کی تفسیر اورعلوم دینی میں ماہرانہ دستگاہ رکھتی تھیں۔حدیث کی جملہ مسانید پر گہری نظر تھی۔ اکثرعورتوں کے مجمع میں وعظ وہدایت کیا کرتی تھیں۔زندگی کے آخری سالوں میں انہوں نے اپنا بیشتر وقت وعظ وہدایت ہی میں گزارا۔

ف: ماشاءاللہ! بی بی شمس النساءؒ نے جملہ علوم دینی میں مہارت تامہ حاصل کرکے اپنی زندگی کے بیشتر اوقات کو وعظ ونصیحت میں صرف کرکے اپنے بعد کی آنے والی عورتوں کیلئے ایک مثال قائم کردیا۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو عبرت ونصیحت حاصل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے،آمین۔ **وما ذٰلک علی اللہ بعزیز۔** (مرتب)

وفات: ۱۳۰۸ھ مطابق ۱۸۹۰ء میں وفات پائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(تاریخ اسلام کی چارسو باکمال خواتین ص:۵۷۹،

بحوالہ مسلمان خواتین کی دینی اورعلمی خدمات)

مکرمہ بی بی لحاظ النساءؒ متوفاۃ ۱۳۰۹ھ

فضل وکمال: ان کا شمار تیرہویں صدی ہجری کی ممتاز اہل علم خواتین میں ہوتا ہے۔ان کو علم حدیث سے بہت لگاؤ تھا۔ پہلے بھوپال میں وہاں کے ایک نامور عالم مولانا محمد بشیر سہسوانیؒ سے حدیث پڑھیں۔ پھر دلی جاکر شیخ الکل میاں نذیر حسین محدث دہلویؒ کے درس میں شریک ہوئیں اور فن کی تکمیل کے بعد سند حاصل کی۔اس وقت ان کی عمر صرف انیس برس کی تھی۔اس کے بعد انہوں نے تمام عمر علم حدیث کی اشاعت میں گزاری۔

ف: ماشاءاللہ! بہت ہی خوش نصیب تھیں کہ صغرِ سنی میں ہی تدریس اور اشاعت حدیث میں مصروف ہوئیں،اور اس سلسلہ کو تاوفات جاری رکھا۔اللہ تعالیٰ ان کی جملہ خدمات کو ان کیلئے صدقۂ جاریہ بنائے۔اور ہماری بچیوں کو بھی اس کی توفیق مرحمت فرمائے تاکہ یہ سلسلہ تاقیامت قائم رہے۔واللہ ولی التوفیق۔(مرتب)

وفات: ۱۳۰۹ھ میں سفر آخرت اختیار کیا۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔

(تاریخ اسلام کی چارسو باکمال خواتین ص:۵۷۶،

بحوالہ مسلمان خواتین کی دینی وعلمی خدمات)

مکرمہ عائشہ تیموریہؒ متوفاۃ ۱۳۲۰ھ

فضل وکمال: مصر کی نامور شاعرہ تھیں۔ ۱۲۵۶ھ مطابق ۱۸۴۰ء میں پیدا ہوئیں اور دینی ودنیوی علوم کی تعلیم پا کر علمی وادبی اعتبار سے بہت اونچا مقام حاصل کرلیا۔ ان کو عربی، فارسی اور ترکی تینوں زبان میں مکمل عبور حاصل تھا۔ عربی زبان میں مشق سخن کرتی تھیں۔ کلام نہایت دلکش اور فصیح وبلیغ ہوتا تھا۔ ان کا دیوان ''حلیۃ الطراز'' کے نام سے چھپ چکا ہے۔ ان کے ایک قصیدے نے بڑی شہرت پائی۔ اس قصیدے کا مطلع ہے: ع

بید العفاف اصون عرضی

یعنی عفت کے ہاتھ سے اپنی آبرو کی حفاظت کرتی ہوں۔

ف: آج بھی جو لڑکیاں دنیاوی تعلیم میں محنت کررہی ہیں وہ اپنا مطلوب پا جارہی ہیں اور بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہورہی ہیں۔ لہٰذا اگر یہی لڑکیاں دینی تعلیم میں بھی محنت کریں گی تو یقیناً اس میں بھی درجۂ کمال پر پہنچیں گی۔ یعنی کوئی مفسرہ ہوگی تو کوئی محدثہ، کوئی فقہ میں کمال حاصل کرے گی تو کوئی سلوک وطریقت میں۔ اللہ تعالیٰ سب کو توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ (مرتب)

وفات: عائشہ تیموریہؒ نے ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۹۰۲ء میں وفات پائی۔ رحمہا اللہ تعالیٰ، نور اللہ مرقدھا۔

(تاریخ اسلام کی چارسو باکمال خواتین ص: ۵۳۸)

مکرمہ بی بی صفیہ صاحبہؒ متوفاۃ ۱۳۳۶ھ

(والدہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب بانی جماعت تبلیغ)

تعارف: آپ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ (بانی جماعت تبلیغ) اور حضرت مولانا یحییٰ صاحب کی والدہ تھیں۔ آپ نہایت صالحہ وعابدہ اور ولی صفت خاتون تھیں۔ آپ نے قرآن مجید شادی کے بعد مولانا یحییٰ صاحبؒ سے حفظ کیا تھا۔

ولادت: آپ کی ولادت رمضان المبارک ۱۲۶۹ھ میں ہوئی۔

معمولات: آپ کثیر الوظائف والا وراد تھیں۔ چنانچہ آپ کا معمول رمضان شریف میں روزانہ ایک قرآن مجید ختم کرنے اور دس پارے مزید پڑھنے کا تھا، اس طرح ہر رمضان میں ۴۰ رمرتبہ قرآن مجید ختم کرتی تھیں، رمضان کے علاوہ امور خانہ داری کے ساتھ روزانہ کے معمولات یہ تھے:

درود شریف پانچ ہزار مرتبہ (۵۰۰۰)۔

اسم ذات پانچ ہزار مرتبہ (۵۰۰۰)۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم انیس سو مرتبہ (۱۹۰۰) یا گیارہ سو مرتبہ (۱۱۰۰)۔

لا الہ الا اللہ بارہ سو مرتبہ (۱۲۰۰)۔

یا حیّ یا قیُّوم دو سو مرتبہ (۲۰۰)۔

حسبیَ اللہ و نعم الوکیل پانچ سو مرتبہ (۵۰۰)۔

سبحان اللہ دو سو مرتبہ (۲۰۰)۔ الحمد للہ دو سو مرتبہ (۲۰۰)۔

استغفار پانچ سو مرتبہ (۵۰۰)۔

اُفَوِّضُ اَمرِی اِلی اللہ سو مرتبہ (۱۰۰)۔

حَسْبُنَا اللّٰہ دو سو مرتبہ (۲۰۰)۔

ربِّ اَنّی مَغْلوبٌ فَانتَصِر سو مرتبہ (۱۰۰)۔

رَبِّ مَسَّنِیَ الضُّر سو مرتبہ (۱۰۰)۔

لا الٰہ اِلّا انت سُبحَانک اِنِّی کُنت مِنَ الظّٰلِمین سو مرتبہ (۱۰۰)۔

ان کے علاوہ قرآن مجید کی ایک منزل روزانہ تلاوت کا معمول تھا۔

(افریقہ وخدمات فقیہ الامتؒ: ۱۵۳)

ف: غور فرمایئے کہ ایک عورت کا امور خانہ داری میں مشغولیت کے باوجود اپنے وظائف واوراد کی پابندی معمولی بات نہیں ہے بلکہ یہ ان کی ولایت وبزرگی کی علامت ہے۔ تو کیا اس میں اس زمانہ کی عورتوں کے لئے نصیحت نہیں ہے؟ یقیناً ہے۔ اس لئے عورتوں کو اس طرف سبقت کرنی چاہئے اور مردوں سے بازی لے جانا چاہئے۔ اسی آغوش تربیت کی برکت سے حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کو ایسی امتیازی شان حاصل ہوئی۔ فجزاھما اللہ تعالیٰ۔ (مرتب)

وفات: آپ کی وفات ۱۳۳۶ھ میں کاندھلہ میں ہوئی۔ اور وہیں مدفون ہوئیں۔ نور اللہ مرقدھا۔

(سیرت مولانا یحییٰؒ ص: ۶۴)

مکرمہ بی اماں آبادی بیگمؒ متوفاۃ ۱۳۴۳ھ

(والدہ مجاہد آزادی مولانا محمد علیؒ وشوکت علی رحمہا اللہ)

نام وولادت: محترمہ آبادی بیگم جنھوں نے تاریخ میں ''بی اماں'' کے نام سے شہرت پائی۔ ایک سچی مومنہ اور نہایت عظیم خاتون تھیں۔ انھوں نے اسلامی حمیت، حب الوطنی، جرأت، بے خوفی، ایثار وقربانی اور جذبۂ حریت کے جونقوش صفحۂ تاریخ پر ثبت کئے وہ ان کا نام ابدالآباد تک زندہ رکھیں گے۔

بی اماں ۱۸۵۲ء میں پیدا ہوئیں۔ ان کے والد نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں دین اور وطن کی خاطر بھر پور حصہ لیا اور پھر ہمیشہ کیلئے روپوش ہوگئے۔(شاید کسی لڑائی میں شہادت پائی)۔

تعلیم وتربیت: اس وقت بی اماں کی عمر صرف پانچ برس کی تھی۔ باپ کا سایہ سر سے اٹھ جانے کی وجہ سے وہ معمولی تعلیم ہی حاصل کرسکیں لیکن دین اور وطن کی محبت کا گہرا جذبہ انہیں ورثے میں ملا۔ان کی شادی دربارِ رامپور کے ایک معزز ومقتدر افسر عبدالعلی خان سے ہوئی۔ان سے سات بچے ہوئے (چھ بیٹے اور ایک بیٹی)۔اگست ۱۸۸۰ء میں ان کے شوہر عبدالعلی خان نے بعارضہ ہیضہ وفات پائی اور بی اماںؒ صرف اٹھائیس سال کی عمر میں بیوہ ہوگئیں۔انہوں نے یہ جانکاہ صدمہ بڑے حوصلے سے برداشت کیا اور اپنے آپ کو ہمہ تن بچوں کی تعلیم وتربیت کیلئے وقف کردیا۔ ان بچوں میں سے (مولانا) محمد علیؒ اور (مولانا)

شوکت علیؒ آسمانِ شہرت پر آفتاب بن کر چمکے۔ وہ سربلندئ اسلام اور آزادئ وطن کیلئے سرفروشانہ جدوجہد کرنے والے عظیم رہنماؤں میں شمار ہوئے اور ''علی برادران'' کے نام سے شہرت پائی۔ اگرچہ بی اماںؒ ذاتی طور پر بھی بڑے اونچے کردار کی حامل تھیں لیکن ان کو ملک گیر شہرت اپنے ان دونوں فرزند کے بدولت ہی حاصل ہوئی۔

بچوں کی تربیت: بی اماںؒ کسی بڑی جائیداد کی مالک نہیں تھیں لیکن انہوں نے اپنے محدود وسائل میں بچوں کو اچھی سے اچھی تعلیم دلائی۔ محمد علیؒ اور شوکت علیؒ انٹرنس پاس کر چکے تو ان کو اعلیٰ تعلیم کیلئے علی گڈھ بھیجا۔ بچوں کے چچا نے انگریزی تعلیم کی مخالفت کی تو انہوں نے چپکے چپکے اپنے زیور بیچ کر تعلیم جاری رکھی۔ بچوں کا انگریزی تعلیم دلانے کا مطلب یہ نہیں تھا کہ بی اماں بچوں کی دینی تعلیم سے غافل ہو گئی تھیں۔ انہوں نے ان کو نہ صرف دینی تعلیم دلائی بلکہ ان کے دلوں میں دین سے گہرا لگاؤ بھی پیدا کیا۔ وہ خود بھی نماز روزے کی پابند تھیں اور اپنی اولاد سے بھی اس کی پابندی کراتی تھیں۔ وہ اپنے بچوں کی کڑی نگرانی کرتی تھیں کسی بچے کی مجال نہ تھی کہ ماں کا حکم ٹال دے۔ بڑے ہو کر بھی وہ ہمیشہ اماں کے اطاعت گزار رہے۔ ۱۸۹۸ء میں بی اماںؒ نے مولانا محمد علیؒ کو مزید اعلیٰ تعلیم کیلئے انگلستان بھیجا۔ وہاں سے واپس آ کر انہوں نے اور بڑے بھائی شوکت علیؒ نے کچھ عرصہ ریاست بڑودہ کی ملازمت کی اس کے بعد جب دونوں بھائیوں نے ملکی سیاست میں بھرپور حصہ لینا شروع کیا تو بی اماں کی دعائیں بھی ان کے شامل حال رہیں۔

مولانا محمد علیؒ وغیرہ کی گرفتاری: وسط ستمبر ۱۹۲۱ء میں مولانا محمد علیؒ، مولانا شوکت علیؒ اور کچھ دوسرے مسلمان رہنماؤں کو حکومت نے گرفتار کرلیا اور ان پر مقدمہ چلانے کا حکم دیا۔ اس مقدمے کی سماعت کراچی کے خالق دینا ہال میں ۲۶ ستمبر ۱۹۲۱ھ کو شروع ہوئی اور یکم اکتوبر ۱۹۲۱ء تک جاری رہی۔ اسی زمانے میں کسی صاحبِ دل نے ''صدائے خاتون'' کے نام سے ایک نظم لکھی تھی جس کو ہم بغرض اختصار حذف کرتے ہیں۔ بطور نمونہ دو شعر ملاحظہ ہو۔

صدائے خاتون

بولیں اماں محمد علی کی   جان بیٹا خلافت پہ دے دو
ساتھ تیرے ہے شوکت علی بھی   جان بیٹا خلافت پہ دے دو

حوصلہ مند خاتون: بی اماںؒ نے اپنے پیارے فرزندوں کی قید کا زمانہ بڑے صبر اور حوصلے سے گزارا۔ ایک دفعہ یہ خبر مشہور ہوگئی کہ مولانا محمد علی (بعض دوسرے لوگوں کی طرح) معافی مانگ کر جیل سے رہا ہوجائیں گے۔ بی اماںؒ نے یہ خبر سنی تو غضبناک ہوگئیں اور بولیں: ''نہیں ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ محمد علی اسلام کا سپوت ہے وہ انگریزوں سے معافی مانگنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا اور اگر اس نے یہ حرکت کی تو میرے بوڑھے ہاتھوں میں ابھی اتنی طاقت ہے کہ میں اس کا گلا گھونٹ دوں۔ ایسی زندگی جس سے اسلام پر حرف آئے، لعنت ہے۔''

بی اماںؒ اپنے لباس کیلئے خود سوت کاتا کرتی تھیں۔ ان کا لباس لمبے کرتے، چوڑی دار پاجامے اور ایک دوپٹے پر مشتمل ہوتا تھا۔ بوڑھی اور کمزور

ہونے کے باوجود وہ شہر شہر جاکر تقریریں کرتیں۔ ان کی تقریروں کا موضوع صرف اسلام اور آزادی ہوتا تھا۔ وہ اکثر کہا کرتی تھیں:

''دنیا کے تمام مسلمان مجھے ایسے ہی عزیز ہیں جیسے محمد علی اور شوکت علی۔''

۱۹۲۳ء میں جامعہ ملیہ دہلی میں حکیم اجمل خانؒ کی صدارت میں ایک جلسہ منعقد ہوا۔ بی اماںؒ نے اس میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

''بیٹو! میں نے برقع اتار دیا ہے اس لئے کہ اس ملک میں اب کسی کی آبرو باقی نہیں رہی۔ میں نے ۱۸۵۷ء میں اپنے جھنڈے کو لال قلعہ سے اترتے دیکھا ہے۔ اب میری تمنا ہے کہ بدیسی جھنڈے کو لال قلعے سے اترتے دیکھوں۔''

بی اماںؒ نماز روزے کی پابند تھیں۔ سفر ہو یا حضر پنجگانہ نمازوں کے علاوہ تہجد کی نماز بھی باقاعدگی سے پڑھتیں۔ دینی کتابیں اور اخبارات دوسروں سے پڑھوا کر سنا کرتی تھیں۔

وفات: ۱۱/ مارچ ۱۹۲۴ء مطابق ۱۳۴۳ھ کو بی اماں کو اپنی پیاری پوتی آمنہ بنت مولانا محمد علی کی موت کا صدمہ جھیلنا پڑا۔ اس کے چند ماہ بعد ۱۲/ اور ۱۳/ نومبر ۱۹۲۴ء کی درمیانی شب کو ۲/ بج کر ۱۰/ منٹ پر وہ خود بھی خالقِ حقیقی کے حضور پہنچ گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ رحمھا اللہ تعالیٰ۔

(تاریخ اسلام کی چار سو باکمال خواتین ص: ۵۹۸، بحوالہ سیرۃ محمد علی۔ ''العلم'' کراچی اپریل تا جون ۱۹۸۴ء اکتوبر تا دسمبر ۸۴ء، مسلمان خواتین کی دینی و علمی خدمات)

مکرمہ سیدہ اماں بی (عزیز النساء بیگمؒ) متوفاة ۱۳۶۲ھ

نسب وولادت: سیدہ اماں بی برصغیر کے یگانۂ روزگار عالمِ دین اور طبیب مولانا حکیم سید برکات احمد ٹونکیؒ کی اہلیہ تھیں۔ بڑی عالمہ، فاضلہ، دیندار، مخیرہ اور نیکدل خاتون تھیں۔ ان کا اصل نام تو عزیز النساء بیگم تھا مگر وہ ''اماں'' اور ''بی'' کے لقب سے مشہور تھیں۔ ۱۲۸۶ھ مطابق ۱۸۶۹ء میں پیدا ہوئیں۔

تعلیم وتربیت: عربی اور فارسی کی ابتدائی تعلیم اپنے نانا مولانا سید علی احمد محدثؒ سے (جو شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے شاگرد تھے) حاصل کی۔ اس کے بعد مزید تعلیم بھی گھر ہی میں ہوئی جیسا کہ اس زمانے میں شریف گھرانوں میں دستور تھا۔ عربی میں اتنی استعداد حاصل ہوگئی تھی کہ قرآنِ حکیم کی آیات کا ترجمہ بخوبی کر لیتی تھیں۔ مطالعہ کا فطری ذوق تھا۔ تفسیر، حدیث اور طب وغیرہ کی کتابیں اکثر زیرِ مطالعہ رہتی تھیں۔ شادی میں انہیں جو جہیز ملا ان میں بہت سی دینی اور اخلاقی کتابیں بھی تھیں۔ ان میں سے کچھ کے نام یہ ہیں:

تفسیر عزیزی، تفسیر الحمد سید احمد شہیدؒ، مشارق الانوار، موضح القرآن، نصیحۃ المسلمین، راہِ نجات، سر الشہادتین، گلزارِ جنت، آثارِ محشر، طبِ نبوی، علاج الغرباء۔

ان کا یہ ذخیرۂ کتب جزدانوں میں بندھا رہتا تھا۔ ان کا معمول تھا کہ ہر روز تلاوتِ قرآن کے بعد ان میں سے ایک دو کتابوں کا مطالعہ بھی باقاعدگی سے کرتی تھیں۔

ف: ماشاءاللہ! کیا ہی خوب معمولات تھے، اللہ تعالیٰ ہم سب مردوں وعورتوں کواس پر عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے، آمین۔ (مرتب)

قرآن سے شغف: فجر کی نماز کے بعد تقریباً دو گھنٹے تلاوت اور مطالعۂ کتب کیلئے وقف تھے۔ تلاوتِ قرآن کے ساتھ شاہ عبدالقادر دہلویؒ کے ترجمۂ قرآن (موضح القرآن) کا مطالعہ بھی پابندی سے کرتی تھیں۔ ان کے پوتے حکیم سید محمود احمد برکاتی صاحبؒ کا بیان ہے کہ ''کئی تفاسیر بھی مسلسل ''اماں'' کے مطالعے میں رہتیں اور اپنے ذخیرۂ کتب کی کتابوں کا بیشتر مواد (کثرتِ مطالعہ کی بناء پر) ان کو زبانی یاد ہو گیا تھا۔ ''نصیحۃ المسلمین'' پوری یاد تھی، ''مثنوی جہادیہ'' بھی مکمل ازبر تھی اور ہمیں بھی یاد کراتی تھیں۔ کبھی امنگ اٹھتی تو مثنوی جہادیہ کے اشعار بلند آواز سے پڑھتیں یا ہم لوگ ان سے سنانے کی فرمائش کرتے تو خوش ہوتیں اور سناتیں۔ قرآنِ کریم کی تلاوت بالجہر نہیں کرتی تھیں کوئی اور کرتا تو منع کرتیں کہ دوسرے گناہ گار ہوں گے۔ مطلب یہ تھا کہ حکم ہے کہ قرآن پڑھا جائے تو سنو مگر دوسرے مصروفیت یا بے توجہی کی بناء پر سن نہیں سکیں گے تو گناہ گار ہوں گے۔

ف: سبحان اللہ! کیسی رعایت تھی۔ (مرتب)

آپ کی مجلس: مغرب کی نماز کے بعد اماں بیؒ کے پاس محلے اور شہر کی بہت سی خواتین آجاتیں۔ کچھ دینی مسائل دریافت کرنے، کچھ خانگی معاملات میں مشورہ کیلئے اور کچھ علاج کیلئے۔ اماں بی ہر ایک کو مطمئن کر کے بھیجتیں۔ بچوں کے اکثر امراض کیلئے دوائیں تیار کر کے پاس رکھتی تھیں۔ خمیرہ مروارید ہمیشہ تیار رہتا۔ یہ خمیرہ اور دوائیں وغیرہ ضرورت مندوں میں تقسیم ہوتی رہتی تھیں۔

خدمت خلق: اماں بی کو اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وطن کے لوگوں سے بڑی عقیدت تھی۔ جب بھی کوئی عرب ٹونک آتا تو عام طور پر اس کا قیام اس سرائے (رباط الحکیم) میں ہوتا جو مولانا حکیم سید برکات احمدؒ نے ٹونک میں مہمانوں (بالخصوص عربوں) کیلئے بنوائی تھی۔ اس کے طعام و آرام کا انتظام اماں بی اپنے ذمہ لے لیتیں، جب وہ رخصت ہونے لگتا تو اس کی خدمت میں نذرانہ بھی پیش کرتیں۔

علم دوستی: اماں بیؒ کی کتابِ سیرت کا سب سے درخشاں باب ان کی علم دوستی اور طالبانِ علم کی خدمت اور سرپرستی ہے۔ جب تک ان کے شوہر نامدار حکیم سید برکات احمدؒ نے مدرسۂ خلیلیہ قائم نہیں کیا اس وقت تک انہوں نے اپنے مکان کا بڑا حصہ طلبہ کے قیام کیلئے وقف کر رکھا تھا۔ وہ خود اپنے متعلقین کے ساتھ مکان کے چھوٹے حصے میں رہتی تھیں۔ یہ طلبہ تحصیل علم کیلئے دور دور سے مولانا حکیم سید برکات احمدؒ کی خدمت میں ٹونک آتے تھے۔ بالعموم ایک وقت میں ان کی تعداد ساٹھ ستر کے لگ بھگ ہوتی تھی۔ ان سب کو کھانا حکیم صاحبؒ کی طرف سے دیا جاتا تھا۔ اس کھانے کی تیاری کا اہتمام اور طلبہ کی خاطر مدارات اماں بی نے اپنے ذمہ لے رکھی تھی۔ وہ ان طلبہ کو اپنے بچوں کی طرح سمجھتی تھیں اور ان کے ناز نخرے خوش دلی سے برداشت کرتی تھیں۔ بعض اوقات طلبہ کی نازک مزاجی کی یہ کیفیت ہوتی کہ کھانا آنے میں ذرا سی دیر ہو جاتی یا سالن میں نمک کی کمی بیشی ہو جاتی تو کھانا اٹھا کر پھینک دیتے تھے۔ اماں بی کو علم ہوتا تو وہ غصہ میں آنے کے بجائے طلبہ کو منانے کی کوشش کرتیں۔ کبھی کوئی ملازم طلبہ کی شکایت کرتا تو اس کو سمجھاتیں: ’’نیک بخت! تجھے یہ خیال نہیں کہ یہ لڑکے کتنی دور سے،

دوسرے ملکوں سے دین کا علم حاصل کرنے کیلئے آئے ہیں ان میں سے ہر ایک اپنے ماں باپ کا لاڈلا ہوگا۔ آج یہ پردیس میں ہیں، تمہارے بس میں ہیں چار دن کی چڑیاں ہیں۔ کل اپنے گھر سدھاریں گے تو تمہیں کیا یاد کریں گے۔''

مشہور عالم دین اور مصنف مولانا مناظر احسن گیلانیؒ اپنے آٹھ سالہ قیام ٹونک کا مشاہدہ بیان کرتے ہوئے اماں بی کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''(حضرت (مولانا سید برکات احمدؒ) کی یہ بیوی صاحبہ ان گرامی قدر خواتین میں سے ہیں جنہوں نے علم دین کی خدمت میں اپنے کو شوہر کا دستِ راست ثابت کیا۔ بیوی صاحبہ نے حضرت کے تمام علمی مہمانوں کی خاطر مدارات کی۔ نہ صرف ان کے قیام وطعام کا تیس پینتیس برس تک انتظام کیا بلکہ سچ یہ ہے کہ انہوں نے ان بچوں کو مہربان ماں کی طرح پالا۔ یہ مبالغہ نہیں ہے کہ بعض دفعہ ان غریب الدیار طلبہ کے مصارف کیلئے بیوی صاحبہ کو اپنے زیور خفیہ طور پر فروخت کر دینے پڑے۔ اگر وہ نہ ہوتیں تو برکاتی سلسلہ کو آبادیوں میں ہم نہ پاسکتے۔''

ف: ماشاء اللہ! اماں بی کی طلبہ سے یہ محبت اور ان کی ناز برداری عورتوں اور مردوں کیلئے قابل رشک ہے۔ (مرتب)

وفات: رمضان المبارک ۱۳۶۲ھ مطابق ستمبر ۱۹۴۳ء میں یہ عظیم خاتون خالقِ حقیقی کے حضور پہنچ گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(تاریخ اسلام کی چارسو باکمال خواتین ص: ۷۰۰)

مکرمہ صاحبزادی احمدی بیگمؒ متوفاۃ چودہویں صدی ھ

(سلطان ٹیپوؒ کی پڑپوتی)

تعارف: والیٔ میسور سلطان ٹیپوؒ کی شہادت (۱۲۱۴ھ مطابق ۱۷۹۹ء) کے بعد ان کے خاندان کو انگریزوں نے کلکتہ میں نظر بند کر دیا تھا۔ اس خاندان کے ایک فرد مرزا نقی علیؒ تھے جو سلطان ٹیپو شہیدؒ کے پوتے تھے۔ صاحبزادی احمدی بیگمؒ انہیں مرزا نقی علیؒ کی بیٹی تھیں۔ ان کی پرورش بڑے ناز ونعم سے ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی تعلیم وتربیت کا ایسا اہتمام کیا گیا کہ وہ ایک سچی مسلمان بنیں اور مشرقی اقدار پر کاربند رہیں۔ چنانچہ وہ نہایت اعلیٰ اخلاق وکردار کی مالک بنیں۔ ان کی شادی بنگال کے مشہور سہروردی خاندان میں ہوئی۔ خاوند کا نام (علامہ سر) عبداللہ المامون سہروردی تھا۔

آپ کا فضل وکمال: صاحبزدای کے میکے میں سارا کام کاج ملازم کرتے تھے اور اہل خانہ تنکا بھی نہ توڑتے تھے لیکن سسرال میں بالکل مختلف ماحول تھا۔ ملازم تو یہاں بھی تھے لیکن خانہ داری کا بیشتر کام خواتین کو خود کرنا پڑتا تھا۔ صاحبزادی صاحبہ نے خوش دلی کے ساتھ اپنے آپ کو نئے ماحول میں ڈھال لیا اور گھر کا کام کاج خود انجام دینے لگیں۔ وہ بڑی دیندار اور پرہیزگار خاتون تھیں۔ ایک مرتبہ ان کے شوہر (عبداللہ مامون) ان کو اپنے ساتھ انگلستان لے گئے۔ جب تک وہاں مقیم رہیں کبھی کسی حرام اور مشکوک چیز کو دستر خوان کے

قریب آنے نہ دیا اور مسلسل انڈوں اور توس پر گزارہ کرتی رہیں۔صبر وقناعت اورعزم وہمت بھی ان کی کتاب اخلاق کے روشن ابواب تھے۔ پہلے شوہر کا انتقال ہوا پھر والد نے وفات پائی مگر انہوں نے بڑے عزم اور حوصلے سے کام لیا اور زندگی کے معمولات پہلے کی طرح انجام دیتی رہیں۔ملک تقسیم ہوا اور مملکتِ پاکستان کا قیام عمل میں آیا تو وہ ہندوستان سے ہجرت کر کے ڈھاکہ آئیں۔ان کی سابقہ زندگی شاندار حویلیوں میں گزری تھی لیکن ڈھاکہ میں انہیں صرف دو کمروں کا مکان ملا۔اسی میں باقی زندگی صبر وشکر کے ساتھ گزار دی۔کبھی زبان پر شکوہ وشکایت کا ایک لفظ تک نہ آیا ہمیشہ راضی برضا رہیں۔

وفات: آپ کی وفات چودھویں صدی ہجری میں ہوئی ہوگی۔رحمہا اللہ تعالیٰ۔

(تاریخ اسلام کی چار سو باکمال خواتین ص:۶۱۵،بحوالہ نیک بیبیاں)

مکرمہ بی بی مقبول النساء بیگمؒ متوفاۃ چودھویں صدی ھ

تعارف: نامور سیاسی رہنما جناب حسین شہید سہروردی مرحوم کی نانی اور ڈاکٹر شائستہ اکرام اللہ سہروردی کی دادی تھیں۔ ان کی شادی بحر العلوم مولانا عبید اللہ العبیدیؒ سہروردی پرنسپل (سپرنٹنڈنٹ) مدرسہ عالیہ ڈھاکہ سے ہوئی۔ وہ اردو اور فارسی کے بلند پایہ مصنف اور غزل گو شاعر تھے۔

بچوں کی تربیت: مولانا عبید اللہ عبیدیؒ ۱۸۸۵ء میں اکاون برس کی عمر میں فوت ہو گئے۔ انہوں نے اپنے پیچھے کئی بچے چھوڑے۔ ان کی پرورش اور تربیت کا سارا بوجھ بی بی مقبول النساء بیگم پر آن پڑا۔ ان کے دیور نے مرحوم بھائی کی اولاد کی کفالت کرنا چاہی مگر انہوں نے یہ بات منظور نہ کی۔ وہ بڑی عالمہ فاضلہ، خوددار، دانا اور حوصلہ مند خاتون تھیں۔ انہوں نے اپنی وسیع حویلی فروخت کر دی اور چھوٹے سے مکان میں منتقل ہو گئیں۔ بی بی مقبول النساء بیگم نے اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کس طرح کی، اس کی کیفیت ان کی لائق پوتی بیگم شائستہ اکرام اللہ نے اس طرح بیان کی ہے۔

''اماں اولاد کی سخت نگرانی کرتی تھیں قطعاً کوئی نرمی نہیں برتتی تھیں یہ مجال نہ تھی کہ کوئی بچہ غروبِ آفتاب سے قبل گھر نہ آجائے۔ شام کو بچوں کو جمع کر کے وہ تذکرۃ الانبیاء اور دوسری مذہبی کتابیں سنایا کرتی تھیں۔ جب وہ بڑے ہو جاتے تھے تو ان کو فارسی زبان پڑھاتی تھیں۔ فردوسی کا شاہنامہ پڑھاتی تھیں۔ اسلامی

تاریخ کے واقعات سناتی تھیں ۔صحت زبان کا ان کو بہت خیال تھا۔ بچوں کے شین قاف درست کرتی تھیں ۔ یہی وجہ ہے کہ ڈھاکہ کے قریب ایک گاؤں میدنی پور میں رہنے والے بچے فصیح اردو بولتے تھے جو کسی طرح لکھنؤ کی زبان سے کم نہیں ہوتی تھی ۔ وہ ان کے عادات و اخلاق کو بھی سنوارتی تھیں ۔ اس تربیت کا اثر یہ تھا کہ جب بڑے ہوکر ان کے بچے مزید تعلیم کیلئے انگلستان گئے تو مجال کیا کہ کسی بچے نے سگریٹ کو ہاتھ بھی لگایا ہو۔اس تربیت کا یہ اثر تھا کہ اولاد اپنی ماں کی عزت اس طرح کرتی تھی جس طرح ایک مخلص مرید اپنے مرشد کی کرتا ہے۔''

ف: ماشاءاللہ! ماں کی تربیت کا کیا ہی خوب اثر تھا، آج تو باپ بھی ایسی تربیت کا خیال نہیں کرتے جس کی وجہ سے آج وبال ہی وبال ہے۔ العیاذ باللہ۔(مرتب)

وفات: اندازہ ہے کہ آپ کی وفات چودہویں صدی ہجری میں ہوئی ہوگی ۔ نوراللہ مرقدہا۔

(تاریخ اسلام کی چارسو باکمال خواتین ص:٦١٦، بحوالہ نیک بیبیاں)

مکرمہ سیدہ فاطمہ بیس بیؒ متوفاۃ چودہویں صدی سنہ ھ

بی بی صاحبہ حضرت مولانا محمد ظاہر صاحب (جو حضرتؒ کے خلیفۂ خاص تھے) کی صاحبزادی تھیں، دینداری، تقویٰ اور پرہیز گاری میں خاندان میں ممتاز اوراس کے علاوہ دینی تعلیم اور عقل وشعور میں بلند مقام رکھتی تھیں۔ان کے قابل فخر صاحبزادے مولانا حکیم سید فخر الدین خیالی جو مولانا سید عبدالحی الحسنیؒ سابق ناظم ندوۃ العلماء کے والد بزرگوار تھے ان کے متعلق ''تذکرۂ ابرار'' میں لکھتے ہیں:

میری والدہ ماجدہ اپنے والد بزرگوار کی تربیت یافتہ تھیں، ابتدائی شعور سے وفات تک فرائض اور سنن کے علاوہ اوابین، چاشت، اشراق، شش عید، عشرۂ محرم اور ذی الحجہ اور دیگر ایام کے روزے ان کے معمولات میں داخل تھے، نیز تلاوت قرآن مجید، فقہ وحدیث کی کتابوں کا مطالعہ، دلائل الخیرات، حزب الاعظم، حزب البحر اور دوسری کتابوں کا ورد پورے اہتمام سے فرماتی تھیں۔

امور خانہ داری، حسن انتظام، کھانے پکانے کا سلیقہ، عورتوں اور چھوٹے بچوں کے علاج ومعالجہ میں بھی انکو ملکہ تھا، اعزّہ کے ساتھ حسن سلوک اور محتاجوں اور غریبوں کے ساتھ ہمدردی اور غمخواری، اصابت رائے، وجاہت رعب اور اطمینان قلب میں اللہ تعالی نے ان کو بڑا حصہ عطا فرمایا تھا۔ (مرتبہ مولانا سید عبداللہ حسنی)

وفات: اندازہ ہے کہ آپ کی وفات چودہویں صدی ہجری میں ہوئی ہوگی۔ رحمہا اللہ تعالیٰ۔

مکرمہ سیدہ خیر النساء بہترؒ[1] متوفاۃ ۱۳۸۸ھ

نام ونسب: سیدہ خیر النساء، بہتر صاحبہ جو مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی والدہ صاحبہ ہیں اور شیخ وقت حضرت شاہ ضیاء النبیؒ کی صاحبزادی ہیں۔

ولادت: ۱۳۰۵ھ مطابق ۱۸۷۸ء میں پیدا ہوئیں، حضرت شاہ صاحبؒ کو اپنی اولاد میں سب سے زیادہ محبت اور مناسبت انہیں سے تھی۔

فرماتیں کہ والد صاحبؒ کے پاس جب کوئی اچھی کتاب آتی تو مجھے دیکھنے کو دیتے اور مجھ سے تذکرہ کرتے، یہی انکی سب سے بڑی خاطر اور محبت کی نشانی تھی۔

دعا سے شغف: آپ کو دعا سے خاص شغف وتعلق تھا، عموماً ان کی ساری زندگی دعا اور مناجات میں گذری، ماثور دُعائیں، منظوم مناجاتیں بیٹھے بیٹھے، سوتے جاگتے ہر فکر وتردّد کے موقع پر پڑھتی تھیں۔ ان کا شعر بالکل حسب حال اوران کے اصل ذوق کی ترجمانی کرتا ہے۔ ؎

تیرا شیوہ کرم ہے اور میری عادت گدائی کی
نہ ٹوٹے آس اے مولا! تیرے در کے فقیروں کی

اوران کے یہ اشعار انکی اضطراری کیفیت کو ظاہر کرتے ہیں۔ ؎

کون سی سرکار ہے جس کا ہے سب کو آسرا
کون سا دربار ہے جس میں ہے ہر کوئی کھڑا

---

[1] مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے مرتب کیا ہے۔ (مرتب)

کون سا وہ شاہ ہے جس کا ہے ہر کوئی گدا

کون سا در ہے نہ جس در سے کوئی خالی پھرا

آج اسی سرکار سے میں بھی تو پا کر شاد ہوں

آج اسی دربار سے میں بھی تو خوش ہو کر پھروں

ف: سبحان اللہ! کیسی رقت آمیز دعائیں ہیں، اللہ تعالیٰ ضرور قبولیت سے نوازیں گے۔ (مرتب)

نکاح: ۱۹۰۴ء میں مولانا عبدالحی صاحبؒ سابق ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے نکاح ہو گیا، خود وہ تحریر کرتی ہیں، یہ گھر میرے لئے جنت اور خدمت میرے لئے رحمت تھی، گویا میں سایۂ رحمت میں آ گئی، نہ کوئی فکر کرتی اور نہ کوئی غم، ہر گھڑی شکر میں گزرنے لگے۔

کس زباں سے کروں میں شکر ادا — تیرے انعام و لُطف بے حد کا

تو نے مجھ کو کیا بنی آدم — اشرف الخلق اکرم العالم

غرض یہ زمانہ ہر طرح سے فرحت و مسرّت اور خیر و برکت کے ساتھ گزر رہا تھا کہ اچانک ۲؍فروری ۱۹۲۳ء کو مولانا عبدالحی صاحبؒ کا انتقال ہو گیا، وہ خود اس واقعہ کے بارے میں تحریر کرتی ہیں کہ میں اپنے مالک حقیقی کی رضا پر راضی ہو گئی، مگر یہ غم جُدائی ایسا نہ تھا کہ برداشت کر لیتی، یہ بھی اس کی رحمت اور حکمت تھی کہ جو مجھے اپنی خوشی پر راضی رکھا، ورنہ جو بھی حالت ہو جاتی کم تھی، ایسے مونس رفیق کا یک بیک نظر سے غائب ہو جانا قیامت سے کم نہ تھا مگر درحقیقت یہ واقعہ میرے لئے ہلاکت و مصیبت نہیں بلکہ سراسر رحمت اور ذریعہ

عنایت تھا کہ بجائے ہلاکت و بربادی کے مجھے اپنے سایۂ رحمت میں لے لیا اور میرا سچا مونس و غمخوار و مددگار رہو کر ہر موقع پر ساتھ دینے لگا۔

عبادت سے تعلق: اپنے شوہر کے انتقال کے بعد ہمہ تن اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف متوجہ ہو گئیں، شب میں اہتمام سے تہجد پڑھتی تھیں۔

صبح نماز پڑھ کر سب کو جگانا شروع کردیتی تھیں، جو اٹھنے میں تساہلی کرتا تو بہت ناراض ہوتیں اور جو نماز کے بعد سو جاتا تو اس پر خفا ہوتیں، کہتی تھیں: جو ہمارے گھر میں سوئے وہ نماز کے لئے ضرور اٹھے ورنہ یہاں نہ سوئے۔

خواب: مخدومہ محترمہ کو خوابوں سے خاص مناسبت تھی، اچھے اور معنی خیز خواب دیکھتیں اور تعبیر میں بھی پورا درک تھا، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کے شرف و سعادت سے خواب میں بہرہ مند ہو چکی تھیں۔

اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک صاحبزادہ گرامی قدر مولانا علی میاں صاحب ندویؒ سے متعلق بھی بہت سے مبشّرات خواب میں دیکھ چکی تھیں، جو باقاعدہ انہوں نے تحریر بھی کر لئے تھے۔

نصائح: ان کا ایسا دینی ذہن بن چکا تھا کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو وقتاً فوقتاً جو خطوط ارسال کئے ان سے ان کی پوری عکّاسی ہوتی ہے، ایک خط میں تحریر فرماتی ہیں کہ علی! دنیا کی حالت انتہائی خطرناک ہے، اس وقت عربی تعلیم حاصل کرنے والوں کا عقیدہ ٹھیک نہیں تو انگریزی دانوں سے کیا اُمید، علی! اگرچہ لوگوں کا عقیدہ ہے کہ انگریزی والے مرتبہ حاصل کر رہے ہیں، کوئی ڈپٹی ہو رہا

ہے تو کوئی جج، کم از کم بیرسٹر اور وکیل ہونا تو ضروری ہے مگر میں بالکل اس کے خلاف ہوں، میں انگریزی دانوں کو جاہل اور اس علم کو بے سود اور بالکل بیکار سمجھتی ہوں، علی! اگر میرے سو (۱۰۰) اولادیں ہوتیں تو میں انہیں یہی تعلیم دیتی، اب تم ہی ہو، اللہ تعالیٰ میری خوش نیتی کا پھل دے کہ سو (۱۰۰) کی خوبیاں تم سے حاصل ہوں اور میں دارین میں سُرخرو اور نیک نام اور صاحبِ اولاد کہلاؤں۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔ ۲۵ جون ۱۹۴۷ء کو حج کی سعادت حاصل ہوئی۔

ف: مندرجہ بالا نصائح کی طرف عورتوں کو خاص توجہ کی ضرورت ہے کہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی والدہ ماجدہ بھی تو عورت ہی تھیں، ان کو بھی اپنی اولاد سے محبت تھی مگر اپنے اکلوتے فرزند ارجمند کو علم دین پڑھنے کی کیسی ترغیب دے رہی ہیں اور اس کی افادیت وعظمت کو کتنے شاندار الفاظ میں بیان فرما رہی ہیں جو یقیناً ان کے قوت ایمان اور نہایت تقوی کی علامت ہے۔ (مرتب)

چنانچہ اسی تعلیم وتربیت کا تو یہ نتیجہ ہے کہ آج حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کے علم وعمل سے سارا عالم فیضیاب ہو رہا ہے، **کثّر اللہ امثالھم۔**

وفات: آپ کا انتقال ۶ / جمادی الثانی ۱۳۸۸ھ میں ہوا۔ رحمہا اللہ تعالیٰ۔

سیدہ اَمۃ اللہ تسنیم[1] صاحبہؒ متوفاة ۱۳۹۶ھ

نام ونسب وولادت: حضرت مولانا سید عبدالحی صاحبؒ کی صاحبزادی اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی کی ہمشیرہ محترمہ ہیں، ۱۸/جون ۱۹۰۸ء مطابق ۱۳۲۶ھ بروز جمعرات ان کی ولادت ہوئی۔

علمی شغف: چونکہ علمی گھرانے سے تعلق تھا اور گھر میں ہمہ وقت علمی فضا چھائی رہتی تھی، اور خود ان کے والد صاحب عظیم مصنّفوں میں سے تھے اس لئے کتب بینی کا بیحد ذوق وشوق تھا، کوئی چھپی ہوئی چیز سامنے آجائے تو اس کو پڑھے بغیر چھوڑ نہیں سکتی تھیں، اس طرح ان کے اندر پڑھنے اور لکھنے کا شوق بڑھتا رہا، اور اپنی محنت، ذوق وشوق اور اہل علم گھرانے اور اہل علم حضرات کی صحبت کا اثر یہ ہوا کہ ان کا قلم اچھا خاصہ رواں ہوگیا، اسی زمانہ میں انہوں نے (میری بے زبان استانیاں) کے نام سے ایک مضمون تحریر کیا، جو اس وقت کے سنجیدہ رسالہ ’’خواتین مسلمہ‘‘ میں چھپا۔

ریاض الصالحین کا ترجمہ: ان کے سب سے بڑے بھائی ڈاکٹر عبدالعلی صاحبؒ نے ایک نسخہ مزید تجویز کیا کہ وہ مشہور ومقبول امام نوویؒ کی کتاب ریاض الصالحین کا اردو میں ترجمہ کردیں جو ابھی تک نہیں ہوا تھا، انہوں نے زادِ سفر کے نام سے اس کا ترجمہ ذیلی عنوانات اور تشریحی نوٹ کے ساتھ مکمل کردیا۔ اللہ تعالیٰ

---

[1] مرتّبہ: مولانا سید عبداللہ حسنیؒ استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔ (مرتب)

نے اس ترجمہ کو ایسا مقبول کیا کہ اب تک اس کے دسیوں ایڈیشن نکل چکے ہیں،
۱۹۷۴ء میں اللہ تعالی نے حج کی سعادت نصیب فرمائی۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی تحریر فرماتے ہیں کہ: انکی کتاب
زندگی کا سب سے قیمتی سبق اور سب سے نورانی عنوان، ان کا دردِ دل، ذوقِ دعا، ان کے دل کی بے تابی، ان کی آنکھوں کی اشک باری اور ان کی دن رات کی آہ وزاری ہے جو ظاہراً تو ان کے خصوصی حالات کا نتیجہ، لیکن حقیقتاً ان کے اظہار بندگی کے لئے سامان غیبی، ان کی ترقی اور رفع درجات کا بہانہ ہے، ذرا ایک مرتبہ رُخصت ہونے سے پہلے یہ اشعار تو پڑھئے کہ کس دل سے نکلے ہیں:

دریائے رحمت میں کیسا تلاطم پیدا کیا ہوگا آج بھی دل کے ساکن سمندر میں تلاطم پیدا کرنے کے لئے کافی ہیں۔

مناجات

کب سے کھڑی ہوں یارب امید کے سہارے
یہ دن نہ جانے میں نے کس طرح سے گزارے

بے چین و مضطرب دل جا کر کسے پُکارے
وہ کون ہے جو حالت بگڑی ہوئی سنبھالے

ہے باب یہ کرم کا خالی نہ پھیر یارب
دینا اگر تجھے ہے پھر کیوں ہے دیر یارب

کُنجِ قفس سے بدتر اپنا ہے آشیانہ
اس قید بے کسی میں گزرا ہے اک زمانہ

مغموم دل پر یارب لازم ہے رحم کھانا
کرتی ہوں میں شکایت تُجھ سے یہ عاجزانہ

بارالم ہے دل پر طاقت نہیں ہے دل میں
کیونکر ہو صبر مجھ سے ہمت نہیں ہے دل میں

اس نظم کے دو شعر دل تھام کر اور سن لیجئے:

کب سے لئے کھڑی ہوں میں کاسۂ گدائی
اب تک نہ ملا مجھ کو اور شام ہونے آئی

اور دوسرا شعر یہ ہے، اور کون بڑے سے بڑا صاحب علم اور صاحبِ درد ہے جو اس شعر کو پڑھ کر بندگی اور عاجزی کا مزانہ لے ؎

بندہ نواز ! میری منت کی لاج رکھ لے
میری نہیں تو اپنی رحمت کی لاج رکھ لے

ایک شعر اور سنئے: ؎

عمر گذری ہے تیرے دربار میں آئے ہوئے
گڑ گڑا کے مانگتے اور ہاتھ پھیلائے ہوئے

ملفوظات

(۱) ماؤں کو تاکید کرتی تھیں: کہ اپنی بچیوں اور بچوں کو پہلے دین کی ہر بات سے واقف کرادو، قصہ کہانیاں بھی کہو تو اس کا لحاظ رکھو کہ کوئی غلط بات نہ کہو۔

(۲) فرماتی تھیں: کہ پہلے اپنے میں اچھائیاں پیدا کرو پھر دوسرے کو نصیحت کرو۔

(۳) فرماتی تھیں: پہلے دین کی باتیں بتاتیں پھر سنتیں پھر عورتوں سے فرماتیں: یہ سب اسے (بچہ کو) خود سے نہیں آ گیا ہے، یہ سب بتانے سے آیا ہے ،اسی طرح اگر آپ اپنے بچوں کو بتائیں تو کون بچہ ہوگا جو نہ سیکھ سکے۔

(۴) فرماتی تھیں: جو چیز تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پسند ہو اس سے کبھی انکار نہ کیا کرو۔

(۵) فرماتی تھیں: کہ علم حاصل کرلو، مجھے دیکھو کہ میں نے کس طرح عربی پڑھی، اپنے شوق سے پڑھی، جس سے موقع ملا اس سے پڑھا، بھائی صاحب سے (مولانا عبدالعلی صاحب) علی سے (مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ تعالی) اور جو ملا اس سے پڑھا۔

وفات: اللہ تعالیٰ کی رحمت کا فیصلہ ہوا کہ اپنی اس عاجز، درماندہ، دردمند، پُرسوز بندی کو اس دارُالمحن سے اس جوار رحمت میں بُلالے جس کے مکینوں کے لئے اس کا ارشاد ہے: **لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔**

۲۸؍جنوری ۱۹۷۶ء مطابق ۱۳۹۶ھ کو انتقال ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ رحمہا اللہ تعالیٰ۔

سیدہ امۃ العزیزؒ[۱] صاحبہؒ متوفیہ ۱۴۱۶ھ

نام ونسب وولادت: مولانا حکیم سید عبدالحی صاحبؒ (سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی) بڑی صاحبزادی اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندویؒ کی بڑی ہمشیرہ ہیں آپ کی ولادت ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۹۰۵ء میں رائے بریلی میں ہوئی اور تکیہ شاہ علم اللہؒ کے روحانی ماحول میں آنکھیں کھولیں، نانا حضرت سید شاہ ضیاء النبی صاحب شیخ وقت اس وقت تک حیات تھے، اوران کا روحانی فیض جاری وساری تھا، اور خود والد صاحب اور دادا صاحب مولانا حکیم سید فخر الدین خیالیؒ علم وعمل کے جامع اور سلوک ومعرفت کے رمز شناس تھے، ایسے روحانی اور دینی ماحول میں ان کی پرورش ہوئی، تعلیمی مراحل خاندانی روایت کے مطابق گھر میں طے کئے، اور جلد ہی لکھنے پڑھنے کی قابل ہوگئیں، ۳، ۴ کتابیں بھی آپ کے قلم سے سامنے آئیں، مگر طبع نہ ہوسکیں، ماہنامہ ''رضوان'' میں آپ کے مضامین بھی شائع ہوتے رہے۔

خصوصیات: جو بہتر سے بہتر اوصاف ایک شریف خاندانی خاتون میں ہوسکتے تھے، وہ ان کے اندر جمع ہوگئے تھے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندویؒ ''کاروان زندگی'' حصہ ششم میں رقم طراز ہیں ''ہمشیرہ صاحبہ مرحومہ اپنے اسلاف اور خاندانی خصوصیات سے متصف اور ان کی وارث اور نمونہ تھیں،

---

[۱] مرتبہ حضرت مولانا سید محمد واضح صاحبؒ ومولانا سید عبداللہ حسنیؒ اساتذہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

شفقت عام، صلہ رحمی، حسن سلوک، ذکر و عبادت ان کی خاص صفات تھیں۔‘‘

(از: مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی)

چند معمولات اور اقوال

مخدومہ سیدہ امۃ العزیز صاحبہؒ مفید اور کار آمد باتوں سے لوگوں کو نوازتی رہتی تھیں اور آپ کے پاس بیٹھنے والا کچھ لے کر ہی جاتا تھا، کبھی ان کی کار آمد باتیں ماہنامہ ’’رضوان‘‘ میں افادۂ عام کے لئے شائع ہوتی تھیں، ان ہی اقوال میں سے ہے کہ ’’حقیقی سکون نہ دولت میں ہے، نہ لباس و زیور میں، نہ خوبصورتی اور زیب و آرائش میں اور نہ محل میں۔ حقیقی سکون اور چین صرف اللہ تعالیٰ کی یاد سے حاصل ہوتا ہے، اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ یاد رکھو! اللہ تعالیٰ کے ذکر ہی سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔

فرماتی تھیں: وہ بڑا خوش نصیب ہے جس کو دل کا چین نصیب ہوا۔

فرماتی تھیں: وہ مجلس بڑی نامبارک ہے، جس میں سب کچھ ہو مگر خدا کا ذکر نہ ہو۔

دل کی قناعت کو اللہ کا بڑا مقام اور بڑی دولت سمجھتیں۔

فرماتی تھیں: دل کی قناعت سب سے بڑی دولت ہے، جس کو یہ دولت حاصل ہے وہ موتیوں سے تولے جانے کے قابل ہے۔

حرص و ہوس اور خود پرستی کو مہلک ترین بیماری خیال کرتیں۔

فرماتی تھیں: سب سے بڑا اور مہلک مرض حرص و ہوس اور خود پرستی ہے، جس کو یہ روگ لگ گیا، وہ آدمی نہیں جانور سے بدتر ہے، ایسا شخص کبھی بھی چین

سے نہیں رہ سکتا، اور نہ دوسروں کو چین سے زندگی گزارنے دیتا ہے۔

بڑے الحاح وزاری کے ساتھ یہ دعا پڑھتیں، **رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَاوَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ** اور فرماتیں: حضرت آدم وحوّا علیہما السلام نے یہ دعا مانگ کر ہم سب پر کتنا بڑا احسان کیا، انتقال سے چند گھنٹے پہلے بھی یہ دعا آپ کی زبان پر جاری تھی، اور پورے استحضار کے ساتھ، اور ویسے بھی کثرت سے اس دعا کا ورد رکھتیں۔

ایک اور دعا **اَللّٰهُمَّ اهْدِنِىْ فِيْمَنْ هَدَيْتَ وَعَافِنِىْ فِيْمَنْ عَافَيْتَ** الخ۔۔کا بھی کثرت سے پڑھنے کا معمول بنائے رکھا، یہ پوچھے جانے پر کہ اس دعا ہی کا کیوں اہتمام ہے؟ فرماتیں: ہدایت وعافیت جس کو مل گئی اس کا کیا کہنا، یہ دونوں چیزیں سب سے بڑی نعمت ہیں۔

سُبْحَانَ ذِى الْمُلْكِ وَالْمَلَكُوْتِ الخ۔۔والی دعا بھی آپ کی زبان پر کثرت سے جاری رہتی تھی۔

اس طرح ان دعاؤں کے ساتھ آپ پر خشیت کا غلبہ تھا، اور راضی برضا رہنے کی فکر دامن گیر رہتی تھی، یتیموں اور بیواؤں کی آپ کی نگاہ میں خصوصی قدر تھی، ان کے ساتھ بڑا حُسن سُلوک کرتیں۔ (از: مولانا عبداللہ حسنی)

وفات: رمضان شریف کی تیئیسویں شب ۱۴۱۶ھ میں آپ کی وفات ہوئی جب کہ زبان پر کلمہ اللہ بلند آواز سے جاری تھا۔ رحمہا اللہ تعالیٰ۔

بیگمات صالحات ریاست بھوپال

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بھوپال کی ان بیگمات صالحات کا تذکرہ کروں جو حسن نظم اور حسن اخلاق کی پیکر تھیں ان کے حالات میں مرد حکمراں کے لئے عبرت ونصیحت ہے، اور سب کے لئے قابل رشک ہے۔

تاریخ ریاست بھوپال: اس کے متعلق حضرت علامہ سید عابد علی وجدی الحسینی قاضی بھوپال نے کتاب ''تاریخ ریاست بھوپال'' نہایت تحقیق سے اور شستہ زبان میں لکھا ہے۔ لہذا اس سے ضروری اقتباسات جو نہایت بصیرت افروز ہیں، نقل کرنے کی سعی کررہا ہوں، اللہ تعالیٰ آسان فرمائے اور مفید بنائے۔ آمین۔

ریاست بھوپال کی تشکیل: سردار دوست محمد خان ۱۱۰۹ھ تا ۱۱۵۳ھ برطانوی ہند کی ساڑھے چھ سو ریاستوں کے اندر مسلم ریاستوں میں حیدرآباد کے بعد بھوپال کا نمبر تھا جس کی داغ بیل سردار دوست محمد خان افغانی پٹھان نے ڈالی۔ سردار صاحب کے ۳۰؍سالہ مردانہ وار کارناموں کی بنیاد پر ریاست مضبوط بنیاد پر قائم ہوگئی اور ان کی بلند ہمتی کا منصوبہ بصورت ریاست تکمیل پذیر ہوا، اب ان کی کتاب حیات کا آخری ورق الٹنے کا وقت آگیا، ۶۵، ۶۶؍سال کی عمر میں ۱۱۵۳ھ مطابق ۱۷۴۰ء میں انتقال کیا اور اپنے ناقابل تسخیر قلعہ فتح گڑھ میں دفن ہوئے۔ نور اللہ مرقدہ۔

(تاریخ ریاست بھوپال، ص؍۲۷)

نواب گوہر قدسیہ بیگم بھوپالؒ متوفاۃ ۱۲۹۹ھ

نام ونسب وولادت: اصل نام نواب گوہر ہے، ان کے والد نواب غوث محمد خان ابن نواب حیات محمد خان نے قدسیہ کا خطاب دیا۔ گوہر بیگم کی ولادت ۱۲۱۶ھ مطابق ۱۸۰۱ء میں ہوئی۔نواب نظیر محمد خان سے ان کی شادی ہوئی جن سے صرف ایک صاحبزادی سکندر جہاں بیگم پیدا ہوئی تھیں کہ بیوگی کے صدمہ سے ان کو دوچار ہونا پڑا۔ (تاریخ ریاست بھوپال،ص/۵۹)

سیرت قدسی: وہ ایک خدا پرست وانصاف پسند بیگم تھیں، اپنے زمانۂ حکومت میں ہر فریادی کی فریاد بذات خود سنتیں اور دادرسی فرماتیں، ہر شخص کی رسائی بآسانی ان تک ہوجاتی تھی، دفتر انشاء کی روبکاری سے سرکار قدسیہ کے احکام ان کے دستخط سے جاری ہوتے۔ ساری تحریرات اسی دفتر سے بھیجی جاتیں، محکمہ کامداری میں عدالتی اور تحصیل کے فیصلوں کی اپیل ہوتی۔ تحصیلدار کو دیوانی وفوجداری اختیارات محدود پیمانے پر دیئے گئے تھے۔مذہبی مقدمات دارالقضاء میں فیصل ہوتے۔ اپنے ذوق معرفت کی بناء پر خوف خداوندی سے لرزاں وترساں رہتیں۔اگر کوئی اللہ تعالیٰ کا نام یا اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتا تو تھر تھر کانپنے لگتیں، قصوروار کو اکثر معاف کردیتیں، پہرہ کے سپاہیوں سے اکثر پوچھتی رہتیں کہ تمہارے محلے میں مجھ سے کسی کو کوئی تکلیف تو نہیں پہنچی۔ رعایا میں ہندو ومسلمان کو ایک نظر سے دیکھتیں، البتہ مسلمانوں سے مذہبی پابندی پر سختی کی جاتی،

وہ خود بے نمازی کے ہاتھ کا کھانا نہ کھاتیں۔ نماز پنجگانہ کے علاوہ اشراق وچاشت، اوابین، تہجد اور صوفیہ کے اوراد کی مستقل پابند تھیں۔

ف: ماشاء اللہ یہ تھا اللہ تعالیٰ کی عبادت کا ذوق، اس نواب کو جس کے ہاتھ میں اتنا بڑا نظام حکومت تھا، تو ہما وشما کا کیا حال ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے، آمین۔ (مرتب)

مکارم اخلاق اور اکل حلال کا اہتمام: سلسلۂ قادریہ سے متعلق ہونے کی بناء پر ہمیشہ یادالٰہی میں مصروف رہتیں، وہ بہ نفس نفیس دیہات کا دورہ کرتیں اور دیہات کے باشندوں سے خود حالات معلوم کرتیں۔ کاشتکاروں کی آسمانی آفات کے موقع پر لگان معاف کردیتیں، زمینداروں، مہاجروں کو تقریبات میں جوڑے بیڑے دیئے جاتے، ان کے دست کرم سے ہر قوم کے لوگ فیضیاب ہوتے۔ مسافروں کے لئے لنگر خانوں میں پکا ہوا کھانا اور ہندوؤں کے لئے سدابرت سے کچا سامان دیا جاتا۔ وہ اس وقت تک کھانا نہ کھاتیں جب تک ان کے نقیب اس کی اطلاع نہیں دیدیتے کہ شہر کی مسجدوں اور سراؤں میں کوئی بھوکا نہ رہا۔ صدق مقال کے ساتھ اکل حلال کا اہتمام اس قدر تھا کہ خود اپنے ہاتھ سے سوت کاتتیں اور اس کو بیچ کر جو کچھ حاصل ہوتا ان پیسوں سے ان کا کھانا تیار ہوتا جو عموماً جوار کی روٹی اور مسور کی دال ہوتی۔ انھوں نے اپنی جاگیر میں سے باون گاؤں رفاہ عام کے لئے وقف کئے تھے، مسلمانوں کے لئے ۳۸ ر ہزار اور ہندوؤں کے لئے ۳۰ ر ہزار خرچ کیا جاتا تھا، اس عظیم وقف کے مدات دینی تعلیم، مذہبی تبلیغ، واعظوں کا انتظام، حجاج کرام کے لئے سفر خرچ کے مصارف اور عام فقراء ومساکین کی امداد پر مشتمل تھے، رعایا کی راحت

رسانی کے لئے پندرہ لاکھ روپئے ادا کرکے ریلوے جاری کرانے کی منظوری دیدی۔

محکمۂ آب رسانی کے لئے اس وقت کے پانچ لاکھ روپئے وقف کئے اور وصیت کی کہ ریاست میں پانی کا ٹیکس کبھی نہ لیا جائے۔ایک انگریز مسٹر کک کو اس کام کے لئے مقرر کیا، چنانچہ کک صاحب کا بنگلہ زیر کوہ شملہ اس کی یادگار ہے،ان کے مذہبی ذوق کی شاندار اور نورانی یادگار بھوپال کی جامع مسجد ہے جس کی تعمیر ۲۵ ؍سال یعنی ۱۸۲۲ء تا ۱۸۵۷ء میں ہوئی۔ پانچ لاکھ ساٹھ ہزار پانچ سو ایک روپیہ جو اپنی جیب خاص سے انھوں نے ادا کیا۔مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ کی رباطیں ان کے فرد عمل کا صدقہ جاریہ ہیں۔

قدسیہ بیگم نے ۱۳۰۲ھ مطابق ۱۸۲۰ء میں فریضۂ حج کی ادائیگی میں دادودہش، سخاوت وبخشش کا ایسا مظاہرہ فرمایا کہ عرب میں اس کی دھوم مچ گئی تھی چونکہ تدبیر ملکی وموروثی خاندانی دلیری کا جوہر ان کی فطرت میں پنہاں تھا اس لئے متواتر خانہ جنگیوں کے باوجود نظام حکومت میں اس کا کوئی اثر پڑنے نہیں دیا جو ان کی ہمت مردانہ اور سیاسی قابلیت کی دلیل ہے۔ان کی حکمرانی ومعزولی سے کمپنی بہادر کی سامراجی پالیسی عریاں ہوکر سامنے آجاتی ہے کہ اولاً تو عورت سمجھ کر کمپنی نے ان کو تخت نشین کیا تاکہ صنفی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر من مانی کارروائی کی جاسکے، لیکن جب ان کے تدبر کے جوہر کھلے اور تدبیر ملکی میں وہ چاق وچوبند ثابت ہوئیں تو جہانگیر محمد خاں ایک نوعمر نوتجربہ کار کو برسر اقتدار لانے کے لئے بھونڈی سازشیں اختیار کیں لیکن جب ان مکروہ سازشوں کا جال اپنے ناخن تدبر سے توڑ کر رکھ دیا تو پھر کھلے بندوں ایک ولیہ صفت ہمدرد خاتون کو بیجا

زور زبردستی سے معزول کر کے گوشہ نشین ہونے پر مجبور کر دیا۔ حالانکہ ان کی مدبرانہ قابلیت کا اعتراف دوست تو دوست دشمنوں نے بھی کیا ہے۔ چنانچہ میجر ہوگ (افسر افواج بنگال) نے تاریخ بھوپال میں لکھا ہے:

عہد قدسی: بیگم قدسیہ کی عمر بیوگی کے وقت ۱۸ یا ۱۹ رسال کی تھی لیکن ان کی تعلیم با قاعدہ ہوئی تھی، دماغ اتنا اعلیٰ پایا تھا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں ریاست کے کام سنبھالنے اور تمام امور انجام دینے کے قابل ہوگئیں۔‘‘

بہرحال عہد قدسی راعی اور رعایا کے باہمی انس ومحبت کا ایک عرفانی عہد تھا۔ مخلوق خوشحال اور ریاست سرسبز وشاداب تھی۔ خاندانی قضاء وافتاء کا سلسلہ جاری رہا، قاضی یعقوب کے بعد قاضی احمد علی، قاضی ومفتی عبدالقدوس مفتی رہے۔ ریاست سے دست کشی کے بعد اسلام نگر میں قیام اختیار کیا، اپنے ساتھ قاضی ومفتی صاحبان کو بھی لے گئیں اس طرح خاندانی قضاء وافتاء کا سلسلہ ختم ہوگیا۔

بیعت: وہ حضرت غوث گوالیاریؒ کے خاندان کے ایک بزرگ شاہ فریدالدینؒ کی سچی مریدہ تھیں ان کے دور میں معرفت وروحانیت کی شعاعیں پھوٹ کر ریاست میں پھیلیں۔ پیر سید سلطان قادریؒ کے بعد پیر سید معصوم قادریؒ، پیر عثمان قادریؒ کا سلسلہ فیض عام ہوا۔ پیر سید عبداللہ بن سید سلیمان بغدادیؒ بھوپال تشریف لاکر مستقلاً مقیم ہوئے اور جامع مسجد کے سامنے ان کی قیام گاہ (خانقاہ) بنی۔ ریاست کی خوش قسمتی سے مرزا مظہر جانجاناں کے خلیفہ شاہ غلام علی نقشبندیؒ نے اپنے خلیفہ شاہ رؤوف احمد مجددیؒ کو بھوپال کے لئے نامزد کیا اور شاہ صاحبؒ کی تشریف آوری سے معرفت روحانی کی نئی لہر اس خطہ میں پھیلی۔ نواب معز محمد خاںؒ کی ارادت مندی سے

خانقاہ مجددیہ بنی اوراس کے روحانی برکات ہندوسندھ، بلخ وبخاراتک پہنچے۔

ف: بلکہ ترکی میں بھی یہی شاہ غلام علی نقشبندیؒ کا سلسلہ حضرت شیخ محمود آفندی، نقشبندی، مجددی کے ذریعہ جاری وساری ہے **ادامھا اللّٰہ تعالی**۔ اللہ تعالیٰ اس کو بقا عطا فرمائے اور ہم سب کو اس بحر بیکراں سے اوردوسرے سلسلہ کے فیوض وبرکات سے مستفید ومستنیر فرمائے۔آمین۔(مرتب)

بھوپال کے مشہور عالم وصوفی مولانا شاہ ضیاء الدینؒ نے جو براہ راست شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے شاگرداورشاہ ابواللیث نقشبندیؒ کے خلیفہ تھے اس خطہ کو اپنے علوم ومعارف سے عام کرتے ہوئے ایک سوبیس برس کی عمر میں ۱۲۵۰ھ میں وفات پائی۔

عہد قدسی سے اس خطہ میں شعر وادب کی کونپلیں پھوٹیں۔علمی ودینی تصانیف کی داغ بیل ڈالی گئی، بہرحال تاریخ بھوپال کے زریں عہد کا افتتاح عہد قدسی سے ہوا۔خداوندقدوس نے ان کی عبادت گزاری اورمخلوق خدا کے ساتھ رحمدلی وہمدردی کے نتیجہ میں ان کی عمر میں برکت عطا فرمائی چنانچہ نواب قدسیہ بیگم نے اپنی نواسی نواب شاہجہاں بیگم بانی تاج المساجد کے نواسوں نواب نصر اللہ خاں، جرنل عبید اللہ خاں کی خوشیوں کو دیکھا۔

وفات: بالآخر بھوپال کی یہ مادر مشفقہ ۲۴ر محرم الحرام ۱۲۹۹ھ میں رعایائے بھوپال کوسوگوار بنا کر اپنے خدا سے جاملیں، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ اور بڑے باغ کی چہار دیواری کے پردے میں آرام فرما ہیں۔نور اللہ مرقدھا۔

(تاریخ ریاست بھوپال ص ر ۶۹)

نواب سکندر جہاں بیگم بھو پالؒ متوفاۃ ۱۲۸۵ھ

نام ونسب وولادت: نواب نظیر محمد خان کی بیٹی سکندر جہاں بیگم کی ولادت ۱۸۱۸ء مطابق ۱۲۳۳ھ میں ہوئی۔ وہ پندرہ ماہ کی تھیں کہ یتیم ہوگئیں ان کی عرفیت موتی بی بی تھی جس کے بناء پر موتی مسجد، موتی محل، موتی بنگلہ کی تعمیرات ہوئیں۔

تعلیم وتربیت: ابتدائی تعلیم ریاض الدین انصاری نے دی۔ فارسی کے اعلیٰ استادوں نے تعلیم دی اور قرآن کا ترجمہ سرکار قدسیہ نے خود پڑھایا۔ تفسیر واخلاق اور دیگر علوم کا مطالعہ اپنے شوق سے کیا۔ فنون سپہ گری میر حاتم علی اور خادم علی سارنگپوری سے سیکھا اور ملک داری کی تربیت حکیم شہزاد مسیح میاں کرم محمد خان اور راجہ خوشوقت رائے سے حاصل کی۔ نواب جہانگیر محمد خاں سے ان کی شادی ۱۸۲۵ء کے فتنہ پرور ماحول میں ہوئی، اس لئے ان کو بھی اپنی والدہ ماجدہ قدسیہ بیگم کی طرح تخت ریاست تک پہنچنے کے لئے سنگین مراحل سے گزرنا اور سخت آزمائشوں کی بھٹی میں تپنا پڑا اور وہ ان مصیبتوں کی بھٹی میں تپ تپا کر کندن بن کر نکلیں، چونکہ قدرت کا نظام ہے کہ وہ جس کو بلند مرتبہ پر فائز کرنا چاہتی ہے اس کو کڑی آزمائشوں سے گزارتی ہے ع

جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے۔

(تاریخ ریاست بھوپال: ص ۶۳)

اس کے بعد کے حالات دیکھنا چاہیں تو اصل کتاب میں ملاحظہ فرمائیں

اس لئے کہ بصیرت افروز وعبرت آموز ہیں۔

سفرحج وزیارت: ۱۸۶۳ء مطابق ۱۲۸۰ھ میں بیگم صاحبہ کو ان دنیوی سفروں کے ساتھ دینی سفرحج وزیارت کی سعادت حاصل ہوئی، ریاست کی وہ پہلی حکمراں ہیں جنہوں نے تقریباً ایک ہزار افراد کے ساتھ یہ مبارک سفر کیا جن کے اندران کی والدہ قدسیہ بیگم ماموں فوجدار محمد خاں، مدارالمہام مولوی جمیل الدین اور بخشی محمد حسن وغیرہ تھے۔

علم دوستی: وہ پہلی رئیسہ ہیں جنہوں نے بیرون ہندیمن کے عالم فاضل قاضی زین العابدین انصاری اور پھران کے بھائی شیخ حسین عرب محدث بھوپال کو مدعو کیا۔ ان کی خوش قسمتی سے ان کو ایک دیندار مدبر وسیاسی مشیر کی سرپرستی کا فخر حاصل ہوا جن کی ۳۶/سالہ خدمات نے بھوپال جیسی چھوٹی ریاست کو چوٹی کی ریاستوں میں شامل کرایا، ان کی علوم ومعارف کی قدردانی وبیرونی علماء وفضلاء کی عزت افزائی سے ریاست بھوپال کی نیک نامی کا شہرہ عالم اسلامی تک پہنچا وہ تھے مولوی جمال الدین مدارالمہام ان کی قدردانیوں کے نتیجہ میں یمن کے عالم محدث اورولی اللٰہی خاندان کے فرد مفتی شاہ عبدالقیوم (داماد حضرت شاہ اسحاق دہلویؒ نبیرہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ) اور شاہ صاحب کے آخری دور کے شاگرد مولانا حیدر علی صاحب منتہی الکلام نے بھوپال کو رونق بخشی۔ ان کے عہد میں شاہ غلام علی نقشبندیؒ (خلیفہ مرزا مظہر جانجاناںؒ) کے خلیفہ شاہ رؤوف احمد مجددیؒ نے بھوپال تشریف لاکر خانقاہ مجددیہ کے ذریعہ ریاست بھوپال کو روحانیت کا مرکز بنایا۔ مدارالمہام صاحب کی علم پروری، دینداری نے بھوپال میں عالیشان مساجد اور

دینی مدارس تعمیر کرائے۔قدیم علماء کی دینی نایاب کتابوں کی طباعت واشاعت سے ریاست کا شہرہ ہوا۔دور سکندری میں مشہور عالم قاضی عبدالحق صاحب حاشیہ بھوپال اور مفتی محمد ایوب پھلتی، مفتی غلام رسول ناگپوری نے مسند قضاء وافتاء کو زینت بخشی۔ان کے دور حکومت کو تاریخ بھوپال میں وہی مقام حاصل ہے جو مغل میں اکبراعظم یا خلافت ترکی میں سلیمان اعظم کو تھا۔مدارالمہام منشی جمال الدین ریاست کے لئے خلافت عباسیہ کے یحییٰ برمکی یا خوارزم شاہی حکومت کے نظام الملک طوسی ثابت ہوئے۔(تاریخ ریاست بھوپال:ص/۷۴)

عہد سکندری کی اصلاحات: سکندر بیگم پہلی رئیسہ ہیں جنہوں نے تین سال کے عرصہ میں پوری ریاست کا ایک نظام کے ساتھ دورہ کیا جس کے اندر رعایا کے ہر ہر فرد کی براہ راست فریادیں وشکایات سنتیں اور دادرسی کرتیں، اس دورہ کے نتیجہ میں مکمل بندوبست کا انتظام کیا۔اس کی تفصیل اصل کتاب میں ملاحظہ فرمائیں۔(تاریخ ریاست بھوپال:ص/۷۴)

اخلاق وسیرت: سکندر جہاں بیگم کو بچپن سے اصول حکمرانی کی تربیت دی گئی تھی۔اس لئے ان کے اندر فرماں روائی کا شان وشکوہ وفنون سپہ گری کی مہارت سپاہیانہ ومردانہ مزاج تھا۔پرشوکت چہرہ اور قدرتی رعب وداب تھا، دربار میں ان کی پیشانی پر ذرا بل پڑ جاتا تو منشیوں کے ہاتھ سے قلم چھوٹ جاتے، یوں عام حالت میں سیدھی سادھی زندگی، تصنع وبناوٹ سے دور رہتی تھیں، صاف گوئی سے خوش رہتیں، ان کے اندر جفاکشی کا قدرتی مادہ تھا اس لئے اکثر ہتھیار بند رہتیں، نماز کی بیحد پابند، جمعہ وعیدین کی نماز باجماعت ادا کرتیں، علماء وبزرگان دین کی

بیحد معتقد وقدرداں ہر ایک کو السلام علیکم کہکر مخاطب کرتیں۔ انھوں نے ہی سب سے پہلے محکمۂ تاریخ قائم کیا اور ''تاج الاقبال'' بھوپال کی تاریخ لکھی۔ مدارالمہام کی تحریک سے قرآن حکیم کے اردو وفارسی، ترکی وپشتو کے تراجم کرائے اور شائع کراکے مفت تقسیم کرائے لیکن سچی مذہب پرست ہونے کی بناء پر تعصب کی پرچھائیں تک ان کے اندر نہ تھی، ہندو ومسلم کو ایک ہی نظر سے دیکھتیں اور ہر ایک کے ساتھ لطف ومحبت کا معاملہ کرتیں۔

آئین سکندری: اب ان کی کتاب آئین سکندری سے دو دفعات بطور نمونہ کے نقل کر کے سیرت سکندری کو ہی ختم کرتے ہیں۔

(۱) فرماں روا کو لازم ہے کہ دور ونزدیک کے حالات سے بے خبر نہ رہے اور کسی معتبر شخص کو خبر رسانی کے عہدہ پر مقرر کرے اس لئے کہ حکومت کا سارا انتظام خبروں پر موقوف ہے۔

(۲) صاحب فرمان کو لازم ہے کہ ارکان ریاست کے کہنے اور لکھنے پر ہی اکتفا نہ کرے کیونکہ ان کا قول وحی نہیں ہے جس پر خواہ مخواہ عمل کیا جائے بلکہ چھوٹے بڑے کام میں خود تحقیقات کرے۔

ف: سبحان اللہ کیا ہی خوب یہ دو دفعہ ہیں جس پر صاحب نظام کو عمل پیرا ہونا لازم ہے، خواہ وہ دینی ادارہ ہو یا دنیوی۔ (مرتب)

وفات: غرض وہ اپنی رعایا کی ہمدردی ودلسوزی کے ساتھ خدمت کرتی ہوئی ۱۸۶۸ء مطابق ۱۲۸۵ھ میں رہگزار عالم جاوداں ہوئیں اور اپنے باغ باغ فرحت افزا میں دفن کی گئیں۔ نور اللہ مرقدھا۔ (تاریخ ریاست بھوپال: ص/۷۸)

نواب شاہجہاں بیگم بھوپالؒ متوفاۃ ۱۳۱۹ھ

نام ونسب وولادت: نواب جہانگیر محمد خان کی بیٹی شاہجہاں بیگم کی ولادت ۱۲۵۴ھ مطابق ۱۸۳۸ء اسلام نگر میں ہوئی جب کہ ان کی والدہ سکندر جہاں بیگم وہاں مقیم تھیں۔

تعلیم وتربیت: ان کے روشن مستقبل کو دیکھتے ہوئے ان کی والدہ نے تعلیم وتربیت کا خصوصی انتظام کیا، چنانچہ دینی تعلیم کے لئے صاحب منتہی الکلامؒ اور شاہ حبیب احمد مجددیؒ، عبدالکریم انصاریؒ اور مروجہ تعلیم کے لئے منشی رضا حسین نائب معتمد المہام اور دیوان ٹھاکر پرشاد کو مقرر کیا۔ ۶/سال کی عمر تھی کہ ۱۲۶۰ھ میں داغ یتیمی لگا اسی وقت ان کو رئیسہ تسلیم کرلیا گیا جب کہ اختیارات ۲۱/برس میں دیا جانا طے پایا اور یہ کہ شادی ہونے پر ان کے شوہر نواب ہوں گے۔

میاں فوجدار محمد خاںؒ نائب الریاست بنائے گئے، ختم قرآن پر نشرح کی تقریب منائی گئی، ان کو ابتداء ہی سے ملکی امور کے انتظام سے وابستہ کردیا گیا تاکہ آگے چل کر ناتجربہ کاری کا داغ ان کے دامن پر نہ لگ سکے۔ پھر ارکان ریاست کے مشورہ سے باقی محمد خاں کے ساتھ ان کا عقد ۱۲۷۱ھ مطابق ۱۸۵۵ء میں ہوا، امراؤ دولہا کا خطاب ملا، ان کا خاندان بخشی بہادر میاں خاں ریاست کے قدیمی وفادار خاندان سے تھا۔ شاہ عبدالقیوم محدث بھوپال نے خطبہ نکاح پڑھا، ۲۱/برس کی عمر ہونے پر انھوں نے اپنی سعادتمندی سے اپنا

حق ریاست اپنے والدہ سکندر بیگم کو سپرد کردیا اور یکم مئی ۱۸۶۰ء کو ایجنٹ بہادر نے سکندر بیگم کو حکمرانی اور شاہجہاں بیگم کو ولیعہدی کے خلعت عطا کئے۔ نواب سلیمان جہاں بیگم کے انتقال پر مدرسہ سلیمانیہ اور مسجد سلیمانی بنائی گئی۔ امراؤ دولہا ۱۸۶۶ء میں حج وزیارت کے لئے حرمین شریفین گئے، ان کی صحت خراب تھی وہاں طبیعت اور زیادہ بگڑ گئی چند روزہ مصر کا قیام علاج کے لئے کیا لیکن فائدہ نہ ہوا پھر بھوپال واپس ہوکر ہر طرح کے علاج کئے جو کارگر نہ ہوئے اور ۱۲۸۴ھ مطابق ۱۸۶۷ء کو انتقال کر گئے، پھر ۱۸۶۸ء میں سکندر بیگم انتقال کر گئیں۔ چنانچہ خریطۂ شاہی کے ساتھ خلعت حکومت ان کو اور ولیعہد کا خلعت سلطان جہاں بیگم کو مرحمت کئے گئے۔ (تاریخ ریاست بھوپال: ص/۸۰)

نواب صدیق حسن خاں سے نکاح: مدارالمہام منشی جمال الدین چونکہ ان کے استاد و مربی تھے اس لئے اپنے عہدہ جلیلہ پر رہ کر ریاست کی ہمہ جہتی ترقی کے لئے کوشاں رہے، چونکہ مدارالمہام میں مردم شناسی اور جوہر قابل کی قدردانی کا ملکہ بدرجہ اتم موجود تھا اس لئے انھوں نے نواب صدیق حسن خاں کو ریاست میں مہتمم تالیف کی حیثیت سے مقرر کیا پھر وہ مہتمم مدارس ہوئے اور آخر میں بیگم صاحبہ کے میر منشی (چیف سکریٹری) کے منصب عالی تک ترقی کر گئے اور بیگم صاحبہ کے دل پر ایسا نقش قائم کیا کہ مدارالمہام صاحب کے مشورہ اور گورنمنٹ کی اجازت سے ۱۲۸۸ھ مطابق ۱۸۷۱ء میں عقد مسنون کرلیا۔ نواب صاحب، سید اولاد حسن قنوجی خلیفہ سید احمد شہیدؒ کے خلف الرشید اور مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ جیسے بزرگ خاندان سے تھے۔ مدارالمہام نے اولاً اپنی

صاحبزادی سے ان کا عقد کیا جس سے نواب نورالحسن وعلی حسن پیدا ہوئے، دوسرا عقد بیگم صاحبہ سے ہوا۔نواب صاحب زبردست عالم وفاضل اور تینوں زبانوں اردو، فارسی اور عربی کے مصنف تھے اور خود بیگم صاحبہ بھی عالمہ وشاعرہ تھیں اس لئے اس قران السعدین سے بھوپال علماء وفضلاء اور شعراء کا مرکز بن گیا، دہلی اور لکھنؤ سے لٹے پٹے علم وادب کے قافلے یہاں آ کر ٹھہر گئے اور ریاست دہلوی اور لکھنوی تہذیبوں کا سنگم بن گئی۔

نواب صاحب نے انتظام ریاست کے سلسلہ میں ایسی تدابیر اختیار کی کہ حکومت کی پوری باگ ڈوران کے ہاتھ میں آ گئی، در پردہ انھوں نے اپنی تحریک جہاد کا خفیہ منصوبہ چپکے چپکے تیار کیا اور ریاست کے پرانے عہدیداروں کو اپنی حکمت عملی سے چھانٹ کر اپنے معتمد لوگوں کو لا کر بٹھا دیا جس کی وجہ سے اندرون ریاست افراتفری پھیل گئی۔ریاست سے باہر مخالف گورنمنٹ لٹریچر کا جال خاموشی سے پھیلا دیا گیا جب گورنمنٹ کو اس کی سن گن ملی تو سابق ایجنٹ سرلیبل گریفن کو تحقیقات کے لئے بھیج دیا جس کے نتیجہ میں جملہ اختیارات کی مسلوبی اور نوابی سے معزولی عمل میں آئی۔حکومت برطانیہ نے پولٹیکل ایجنٹ کے ہاتھوں ریاست کی باگ ڈور سپرد کر دی، کچھ عرصہ اطمینان کر لینے کے بعد گورنمنٹ نے بیگم صاحبہ کو اختیارات سپرد کئے اسی اثناء میں نواب قدسیہ بیگم کا انتقال ۱۸۸۱ء مطابق ۱۲۹۹ھ میں ہوا، انتقال سے پہلے انھوں نے سارے کاغذات اپنی نواسی کو بھیج دیئے، نواب صاحب اپنی معزولی کے بعد تصنیف وتالیف اور علمی ودینی کاموں میں ہمہ تن مصروف ہو گئے، چنانچہ ہر علم وفن میں

تقریباً تین سو کتابیں ان کی یادگار ہیں، ان دینی علمی کاموں کو انجام دیتے ہوئے ۱۸۹۰ء مطابق ۱۳۰۷ھ میں انتقال فرمایا۔ (ص ر ۸۲)

شاہجہانی نظم حکومت: جیسا کہ لکھا گیا کہ شاہجہاں بیگم کو ابتداء ہی سے حکمرانی کی تربیت دی گئی تھی جب ان کی والدہ حج کو گئیں تو انتظامی کونسل کا ان کو صدر منتخب کیا گیا جس کی وجہ سے ان کو علمی تجربہ بھی ہوا اس لئے صدر نشینی کے تین ماہ بعد ہی انھوں نے پوری ریاست کا دورہ کیا۔ آراضی کی از سر نو پیمائش کرائی جس کی وجہ سے زمین کا رقبہ پہلے سے زیادہ نکلا، پھر زمینوں کی تشخیص کرا کے مالگذاری کی مختلف شرحیں قائم کیں، رئیسوں کی تقریبات کے نذرانوں کو یکسر معاف کر دیا۔ (ص ر ۸۳)

تعلیمی نظام: مدرسہ سلیمانیہ جو علوم مشرقی کا مدرسہ دور سکندری میں قائم ہوا تھا اس کے تعلیمی معیار کو بلند کرنے کے لئے کلکتہ یونیورسٹی سے الحاق کیا اور عصری علوم کا باقاعدہ تعلیمی انتظام کیا گیا ایسے ہی مدرسہ نسواں قائم کیا گیا۔ غریب و نادار طلباء کے لئے وظیفہ مقرر کیا۔ تعلیم کا صنعت سے جوڑ پیدا کرنے کے لئے ایک صنعتی مدرسہ قائم کیا گیا۔ تعلیم کی عمومی اشاعت کے لئے نظارۃ المعارف العمومیہ کے نام سے ایک محکمہ قائم کیا گیا۔ صنعت و حرفت کے فروغ کے لئے کاٹن مل پتلی گھر قائم کیا جس کے اندر روئی کا کام ہوتا تھا اور آٹا بھی پیسا جاتا تھا۔ نواب سکندر بیگم نے لکھا تھا کہ ہندوستانیوں کی ریاست اندھی ہے نہ اس میں ریل ہے نہ تار برقی۔ عہد شاہجہانی میں ریاست بھوپال ریلوے کے ذریعہ پورے ملک سے جڑ گئی۔

شاہجہانی تعمیرات: شاہجہاں بیگم کو شاہجہاں بادشاہ کی ہمنامی کے ساتھ ہم مذاقی کا بھی شرف حاصل تھا ان کے عہد کی عمارات ان کے ذوق تعمیری کی آئینہ دار ہیں۔ ایک مستقل آبادی شاہجہان آباد کے نام سے ۱۸۶۷ء مطابق ۱۲۸۶ھ میں عیدگاہ پہاڑی کے دامن میں بسائی، تمام رعایا کو زمین اور امدادی رقوم دیکر قطار اندر قطار عمارتوں کا سلسلہ قائم کرایا اس نئی آبادی میں فصیل اور چند دروازے جیسے اسلامی دروازہ وغیرہ قائم کیا ان کی خصوصی تعمیری یادگاروں میں تاج محل اور تاج المساجد ہیں۔ (ص/۸۶)

مگر تاج المساجد کی ان کے عہد میں تکمیل نہ ہوسکی تھی، سترہ سال کے بعد مولانا عمران خانؒ سابق مہتمم ندوۃ العلماء نے عوامی چندہ سے اس کی تکمیل کی۔

امور مذہبی کا اہتمام: سب سے پہلے امور مذہبی کے نام سے ایک مستقل محکمہ انھوں نے قائم کیا جس کے ماتحت مساجد میں امام، مؤذن، دربان، جانمازیں اور سردی وگرمی میں پانی کا انتظام کیا گیا۔ موتی مسجد میں روزانہ قرآن پاک کا ختم اور بخاری کے ختم کا سلسلہ صدقۂ جاریہ کے طور پر جاری کیا گیا۔ ایک مطبع شاہجہانی قائم کیا گیا جس کے اندر عمدۃ الاخبار سرکاری گزٹ کے طور پر چھپتا تھا۔ قرآن شریف کے مترجم نسخے جس میں شاہ عبدالقادر صاحب کی ''موضح القرآن''، طبع کراکے لاکھوں نسخے پورے ملک میں مفت تقسیم کئے، اس کے علاوہ نایاب مذہبی کتابیں فتح الباری، تفسیر ابن کثیر، نیل الاوطار، فتح البیان، تفسیر مہائمی، تہذیب نسواں شائع کراکے عالم اسلام میں تحفۃً بھیجا گیا۔ (ص/۹۶)

ف: سبحان اللہ! کیا ہی خوب ایک لائق خاتون نے علم دین کی خدمت انجام

دی۔ جزاھا اللہ تعالیٰ۔مگر افسوس کہ اس زمانہ کے اہل ثروت کو اس کی طرف قطعاً توجہ نہیں، فضولیات میں، تقریبات میں اور ضرورت سے زیادہ تعمیرات میں لاکھوں کروڑوں روپئے خرچ کرتے ہیں مگر اس کار خیر میں معمولی رقم بھی خرچ کرنا بار ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ ہی ہم سب کی اصلاح فرمائے، اور جو جس لائق ہو اس کو علم دین کی خدمت کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین (مرتب)

بہر حال بیگمات بھوپال میں وہ عالمہ، فاضلہ اور شاعرہ خاتون تھیں، اردو میں تاجور اور فارسی میں شیریں تخلص تھا، ان کا دیوان ''تاج الکلام'' اور ایک مثنوی ''صدق البیان'' مطبوعہ ہے، ان کے مزاج میں رحمدلی اور دریادلی کے ساتھ شوقینی وجدت آفرینی کا مادہ ہر چیز میں تھا۔ اگرچہ سکندر بیگم کی طرح ان کا رعب داب نہ تھا لیکن رعایا کے دلوں میں ان کی محبت موجزن تھی وہ اپنی رعایا کو دل وجان سے زیادہ عزیز رکھتیں۔

عہد شاہجہانی کے علماء: ان کے ابتدائی دور میں شیخ زین العابدین یمنیؒ قاضی اور شیخ ایوب پھلتیؒ نائب قاضی تھے۔ پھر ۱۲۹۵ھ میں مولانا بشیر الدین قنوجیؒ قاضی ہوئے پھر ان کے انتقال کے بعد ۱۲۹۶ھ میں شیخ محمد محدث مچھلی شہریؒ قاضی ریاست ہوئے، نواب عبد اللطیف کے دور وزارت میں جب قاضی ومفتی دونوں کا حنفی ہونا طے ہوا تو شیخ ایوب پھلتی قاضی اور مولوی عبد الحق کابلیؒ مفتی ہوئے۔ ۱۳۲۴ھ میں قاضی ایوب صاحب کے انتقال کے بعد مولوی عبد الحق کابلیؒ قاضی و مولانا یحییٰ صاحبؒ مفتی ہوئے۔ دور شاہجہانی میں مشہور محشی مولانا انور علی لکھنویؒ، شیخ حسینؒ عرب، محدث بھوپال ملا لطف اللہؒ خلف ملا سعد اللہ مرادآبادیؒ، ملا نواب

پیشاوریؒ، مولانا سید احمد دہلویؒ صدر مدرس دیوبند، مولانا بشیر احمد فاروقیؒ، مولوی عبدالجبار بردوانیؒ جیسے ارباب علم وفضل سے درس وتدریس کی گرم بازاری رہی، حضرت سید علی رضاؒ المعروف بہ شیریں رقم خلیفہ شاہ ابوسعید مجددیؒ، شاہ خطیب احمدؒ اور شاہ ابواحمد مجددیؒ سے روحانی فیوض وبرکات عام ہوئے۔

نواب صدیق حسن خاںؒ کی دعوتی وتصنیفی خدمات سے بھوپال تحریک جہاد کا مرکز بنا، بہرحال مدارالمہام مولوی جمال الدین صاحبؒ اور نواب صاحبؒ اور شاہجہاں بیگم صاحبہؒ ان تینوں کی قدردانیوں سے تھوڑے ہی عرصہ میں ریاست علماء وفضلاء اور علوم دینی کا مستند مرکز اور شعر وشاعری کی رنگین محفلوں سے ادب کا گہوارہ بن گئی اور بھوپال دہلی اور لکھنؤ کی تہذیبوں کا سنگم بنا۔ تاریخ بھوپال میں ان کا دور دورِ زریں ثابت ہوا۔

وفات: بالآخر اپنے وقت کی حاتم اپنے رعایا کو دادودہش وبخشش کرتی ہوئی کینسر کے مرض میں ۱۹۰۱ء مطابق ۱۳۱۹ھ میں رہ گزار عالم جاویدانی ہوئیں۔ اپنے انتقال سے پہلے آخری فرمان یا وصیت میں تمام رعایا سے معافی مانگی ان کو باغ نشاط افزا (ناریل کھیڑہ) میں دفن کیا گیا۔ رحمھا اللہ ونور اللہ مرقدھا۔

(تاریخ ریاست بھوپال ص؍۹۰)

نواب سلطان جہاں بیگم بھوپالؒ متوفیہ ۱۳۴۸ھ

نام ونسب وولادت: نواب باقی محمد خان کی بیٹی سلطان جہاں بیگم کی ولادت ۲۶/ذیقعدہ ۱۲۷۴ھ ۹/جولائی ۱۸۵۸ء میں بمقام موتی محل ہوئی، والدہ کا نام نواب شاہجہاں بیگم ہے۔ان کی نانی سکندر بیگم نے فرمایا کہ یہ بچی مجھے سات بیٹوں سے زیادہ عزیز ہے۔

تعلیم وتربیت: نانی نے ہی ان کی تعلیم وتربیت کا انتظام کیا۔جب یکم شعبان ۱۲۸۵ھ ۱۶/نومبر ۱۸۶۸ء میں شاہجہاں بیگم فرماں روا ہوئیں تو ان کو ولیعہد ریاست کا خلعت دیا گیا ان کی والدہ نے حکمرانی کی تربیت اس طرح دی کہ میر منشی محمد احمدؒ ریاستی احکام کو اولاً ان کی خدمت میں پیش کرتے جب ان پر صاد کرتیں (یعنی تصدیق کرتیں) تو شاہجہاں بیگم ان احکام کو منظور فرماتیں، قابل اصلاح ہوتے تو اصلاح فرماتیں۔

ان کا نکاح احمد علی خاں سے ہوا، اوران کو سلطان الدولہ کا خطاب ملا۔

نواب سلطان الدولہ سے اولاً ایک صاحبزادی بلقیس جہاں بیگم ۱۸۷۵ء میں پیدا ہوئیں اور بارہ سال کی ہو کر گزر گئیں۔اس کے بعد کئی اولادیں ہوئیں مگر وفات پا گئیں۔سب سے آخر میں چھوٹے صاحبزادے نواب حمید اللہ خاں ۱۸۹۴ء مطابق ۱۳۱۲ھ کی پیدائش ماں باپ کے غمزدہ دلوں کے لئے باعث تسکین بنی۔نواب نصر اللہ خاں اور جنرل عبید اللہ خاں کا عقد سلطان الدولہ کی

بھتیجیوں کے ساتھ ۱۹۰۵ء مطابق ۱۳۱۸ھ میں ہوا جن کا خطبۂ نکاح قاضی عبدالحق صاحب نے پڑھا۔ پھر سرکار عالیہ کے تینوں صاحبزادوں کی شاخ شجر ان کی زندگی میں پھلی پھولی اور پھیلی۔ (تاریخ ریاست بھوپال ص ر ۹۲)

تخت نشینی: سلطان جہاں بیگم کو اپنی والدہ کے سامنے حکمرانی کے ہر طرح کے تجربات سے واقفیت ہوئی اس لئے جب اپنی والدہ کے انتقال پر رئیسہ تسلیم کی گئیں تو ۴ر جولائی ۱۹۰۱ء میں ایجنٹ جنرل کی موجودگی میں رسم تاج پوشی ادا کی گئی اور نواب احمد علی خاں ان کے شوہر کو احتشام الملک عالی جاہ کا خطاب ملا۔

نواب سلطان الدولہ کا حادثہ: سرکار عالیہ اپنی بیدار مغزی و حکمت عملی سے ریاست کی سرسبزی و شادابی، ترقی و خوش حالی کے لئے ابھی منصوبہ تیار کر رہی تھیں کہ اچانک ان کے شوہر نواب سلطان الدولہ کا ۴ر جنوری ۱۹۰۲ء میں انتقال ہو گیا ان کو یہ تلخ جام پینا اور صدمۂ بیوگی سے دوچار ہونا پڑا۔ نواب سلطان الدولہ رفیق حیات ہونے کے ساتھ ان کے سچے مخلص و مشیر بھی تھے۔

عہد سلطانی کا نظم حکمرانی: ان کی والدہ نواب شاہجہاں بیگم کی سخاوت و دریا دلی نے خزانۂ شاہی کو خالی کر دیا تھا اور ان کی طویل علالت کی وجہ سے بددیانت افسروں کی بن آئی تھی۔ جب انھوں نے حکومت کا چارج لیا تو خزانہ میں کل چالیس ہزار روپئے تھے جو تنخواہوں کی ادائیگی کے لئے بھی ناکافی تھے، ظاہر ہے کہ نظام حکومت میں مالیات ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے اس لئے ذرائع آمدنی مالگذاری اور دیگر محصولات کا مسئلہ بنیادی مسئلہ تھا ان کی حقیقت شناس نظر نے اس امر کو محسوس کر لیا کہ ہندوستان ایک زرعی ملک ہے اس کی

معیشت کا دارومدار زراعت کے اچھے قوانین کی تدوین وتنفیذ پر موقوف ہے اس لئے صدر نشینی کے ۳؍سال بعد ہی پنجسالہ بندوبست کے قانون بنائے اور نافذ کئے جس سے آمدنی میں وسعت ہوئی۔اس کے علاوہ حکومت میں اہم اشخاص کو شامل کر کے ریاست کی حکومت کا جمہوری نظام قائم کیا۔

ریاست بھوپال کو سکندر جہاں بیگم نے سب سے پہلے آئینی وقانونی ریاست بنایا پھر شاہجہاں بیگم نے بدلتے ہوئے حالات کے پیش نظر ان قوانین میں تھوڑی بہت ترمیمات کر کے ان کو نافذ کیا، جب سلطان جہاں بیگم آئیں تو انھوں نے ریاست کو جمہوری نظام کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی۔وہ پہلی رئیسہ ہیں جنھوں نے میونسپلٹی کے حقوق رعایا کو عطا کر کے اس کے لئے قواعد بنوائے اور اس کے ماتحت حفظان صحت،آب رسانی اور سڑکوں کی روشنی کے لئے محکمات قائم کئے جن کے اخراجات خزانۂ شاہی سے پورے کئے جاتے تھے۔

خصوصی تعلیمی ترقیاتی کارنامہ: سرکار عالیہ کے قابل قدر کارناموں میں سب سے زیادہ اہم کارنامہ تعلیمی ترقی ہے جو ان کی خصوصی توجہ کا مرکز بنا۔عہد شاہجہانی تک قدیم نظم تعلیم جاری تھا عصری علوم اور انگریزی زبان سے عوام میں نفرت عام تھی،سرکار عالیہ نے قدیم وجدید علوم کا معتدل انداز میں ایسا نصاب جاری کرنا چاہا جو مشرقی علوم کی خوبیوں کے ساتھ نئے مغربی فنون کی ضروریات پر مشتمل ہو،انھوں نے خصوصیت سے صنف نازک (طبقۂ نسواں) میں تعلیم کے پھیلانے کو اپنا نصب العین بنایا جو ہندوستانی سماج میں بے حد پسماندہ ہو چکی تھیں جیسا کہ ایک تقریر میں فرمایا تھا:

’’مجھے یوں تو عامہ ترقی تعلیم کی طرف توجہ ہے اور میں اپنی حکومت کا بڑا فرض اشاعت تعلیم سمجھتی ہوں لیکن تعلیم نسواں کے ساتھ مجھے خاص شغف ہے کیوں کہ میں خود اسی جنس سے ہوں۔‘‘

لیڈی ہارڈنگ کی آمد (۱۹۱۳ء) پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

’’ہندوستان جیسے ملک میں عورتوں اور بچوں کی بھلائی کے کاموں میں سب سے عظیم الشان کام ان کی طبی امداد کے لئے وسائل مہیا کرنا ہے، لڑکیوں کی تربیت میں اس امر کا خصوصیت سے لحاظ رکھا جائے کہ وہ آئندہ زمانہ میں میڈیکل کالج کے لئے تیار ہوں۔‘‘ (ص ۹۸)

سرکار عالیہ کے ذوق تعلیمی کی بناء پر تعلیمات کا بجٹ اس چھوٹی سی ریاست میں اس دور میں ایک لاکھ تک پہنچ گیا تھا پھر ان کا یہ تعلیمی فیض بھوپال تک نہ تھا بلکہ بقول وقار الملک علیا وہ خود موقعہ کی تلاش میں رہتی تھیں۔ چنانچہ لاہور کے زنانہ ہال کی تعمیر میں پانچ ہزار روپئے دیئے۔ علی گڈھ میں تعلیم نسواں کا شعبہ بذات خود چلاتی تھیں۔

وہ پہلی رئیسہ اور خاتون ہیں جو علی گڈھ یونیورسٹی کی دوبار چانسلر ہوئیں۔ وہ ہمیشہ ملک وملت کی اصلاح میں لگی رہتی تھیں۔ ہندوستان کے مسلمان شادی و غمی کی غلط رسوم وروایات کی بناء پر اقتصادی مشکلات کی جس دلدل میں آج تک پھنسے ہوئے ہیں اس محسن ملت نے آج سے ستر سال پہلے اس کی طرف توجہ دلائی تھی چنانچہ ان کی وہ تقریر جو پرنس آف ویلز کی آمد پر فروری ۱۹۱۰ء میں کی، اس حقیقت کی آئینہ دار ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ:

شادی بیاہ کی بیجا رسموں کی اصلاح: ''مجھے ایک عرصہ سے اس امر کا یقین ہے کہ اگر مسلمانوں کی تقریبات میں بیجا رسموں کی اصلاح ہو جائے تو بڑی حد تک افلاس کی مصیبت دور ہو جائے گی اور گناہوں، بداخلاقیوں سے جو ان رسومات کا لازمی نتیجہ ہے نجات ملے گی، میں نے جہاں تک غور کیا ہے ان فضول اور غیر شرعی مراسم کا میلان عورتوں میں بہت زیادہ ہے، اگر عورتیں ان رسومات کو مٹانا چاہیں تو بآسانی مٹا سکتی ہیں۔ میرا خیال ویقین نیا نہیں ہے میری والدہ شاہجہاں بیگم کا بھی اسی پر عملدرآمد تھا چنانچہ تم میں سے بعض نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوگا کہ میری شادی میں کوئی فضول اور نامشروع رسم ادا نہیں کی گئی اور حتی الامکان وہ دوسروں میں بھی اس کی کوشش کرتی تھیں، مسلمانوں میں اس وقت جو رسمیں جاری ہیں ان میں سے بہت کچھ ایسی ہیں جو غیر اقوام کے میل جول سے پیدا ہو گئیں اور بالآخر قومی رسمیں بن گئیں۔ چنانچہ سرکار عالیہ غریب لڑکیوں کی شادیاں خود اپنے مصارف سے کرتیں اور مناسب وضروری جہیز بھی اپنے ہاتھ سے دیتیں۔ (ص/۱۰۱)

ف: سبحان اللہ! کیسی مدبرہ رئیسہ تھیں جو ان کی صلاحیت پر دال ہے۔ مگر افسوس کہ عورتوں میں یہ سلیقہ کہاں بلکہ مردوں میں بھی اس کا شعور ناپید ہے۔ فیا ویلاہ ویا حسرتاہ (مرتب)

سرکار عالیہ کی قومی وملی خدمات: اگرچہ سرکار عالیہ کی شہرت بھوپال کی رئیسہ ہونے کی حیثیت سے ہے۔ لیکن وہ اپنے سینے میں ایک مخلص کا دردمند دل بھی رکھتی تھیں جو ان کی ہر تحریر وتقریر سے نمایاں ہے وہ اردو، فارسی، انگریزی

اور پشتو زبان میں بڑی روانی سے تقریر کرتی تھیں، ان کی تقاریر کا مجموعہ ''خطبات سلطانی'' اور ''سلک شاہوار'' میں شائع ہوا ہے۔علامہ شبلی نے جس کا شاندار لفظوں میں اعتراف کیا ہے۔علامہ لکھتے ہیں کہ:

''مجھ کو حکمرانانِ اسلام میں سے متعدد روساء اور والیان ملک کی خدمت میں حاضر ہونے کا اتفاق ہوا ہے ان سے گفتگو اور ہمکلامی کی نوبت آئی ہے لیکن میں بغیر کسی رواداری اور تعلق کے اس بات کے کہنے پر مجبور ہوں کہ میں نے کسی رئیسہ یا والیٔ ملک کو اس قدر وسیع المعلومات، خوش تقریر، فصیح اللسان، نکتہ سنج اور دقیقہ رس نہیں دیکھا۔ وہ (سلطان جہاں بیگم) تقریر فرمارہی تھیں اور میں محو حیرت تھا کہ کیا دہلی اور لکھنؤ کی سرزمین کے علاوہ کسی اور جگہ کا آدمی بھی ایسی شستہ اور فصیح اردو کے بولنے پر قادر ہوسکتا ہے وہ مختلف علمی اور انتظامی امور پر گفتگو کررہی تھیں اور میں سوچتا تھا کہ مخدرات اور حجلہ نشین بھی اس قدر معلومات حاصل کرسکتی ہیں۔''

سرکار عالیہ تحریر وخطابت کے اعتبار سے اپنے وقت کی بہترین مقررہ تھیں اسی طرح اعلیٰ درجہ کی مصنفہ بھی تھیں، تاریخ ومعاشرۂ انسانی کے موضوعات پر ان کی کتابیں احوال زمانہ کی صحیح تشخیص واصلاح پر مشتمل ہیں۔ (ص/۱۰۹)

وہ اہل علم اور اہل قلم کی بیحد قدرداں تھیں، چنانچہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکمیل میں ان کا بڑا ہاتھ ہے جس پر علامہ شبلیؒ کا مشہور قطعہ ہے۔؎

مصارف کی طرف سے مطمئن ہوں میں بہر صورت
کہ ابر فیض سلطانِ جہاں بیگم زرافشاں ہے

رہی تالیف وتنقید روایت ہائے تاریخی
تو اس کے واسطے حاضر مرا دل ہے مری جاں ہے
غرض دو ہاتھ ہیں اس کام کی تکمیل میں شامل
کہ جن میں اک فقیر بے نوا ہے ایک سلطاں ہے

اسی طرح دارالمصنفین کی بنیاد ان کے دست کرم سے پڑی۔ ''سیرت عائشہؓ'' پر علامہ سید سلیمان ندویؒ کو گرانقدر ہدیہ پیش کیا اس کے علاوہ دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلماء اور انجمن ترقی اردو کے لئے ان کا دست سخاوت کشادہ رہتا تھا۔ (ص/۱۰۴)

سرکار عالیہ کے اسفار: سرکار عالیہ ولی عہدی کے دور میں اپنی والدہ کے ساتھ ۱۸۷۵ء میں دربار کلکتہ، پھر دربار قیصری ۱۸۷۷ء میں ساتھ رہیں، پھر رئیسہ ہونے کے بعد دہلی دربار کا سفر اور آگرہ کے دربار روساء ہند میں شرکت کی۔ مشہور عالم دہلی دربار میں امیر کابل سے پشتو زبان میں تبادلۂ خیال کیا تو امیر صاحب نے فرمایا ؎

نہ انجیر شد نام ہر میوۂ نہ مثل زبیدہ است ہر بیوۂ

یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ سرکار عالیہ اپنے قومی وملی سفروں میں ہمیشہ برقعہ ونقاب میں ملبوس رہتی تھیں، ہندوستان سے لے کر لندن تک قومی وملی خدمات میں ان کے لئے پردہ رکاوٹ نہ بنا۔ (ص/۱۰۴)

زیارت حرمین شریفین: پھر ۱۹۰۴ء میں اپنے صاحبزادگان اور عمائد ریاست کے ایک بڑے قافلہ کے ساتھ حرمین شریفین کا سفر کیا۔ ترکی گورنمنٹ

نے آپ کا استقبال اور ہر طرح کے آرام و آسائش کا انتظام کیا، حج سے واپسی پر حکومت ہند نے توپوں سے سلامی دی پھر جارج پنجم کی تاج پوشی کے موقع پر یوروپ کا سفر کیا۔ ملکہ سے ملاقات کی، لندن کی سیر کے بعد جنیوا میں ٹھہریں پھر بڈا، پسٹ سردیا بلغاریہ ہوتی ہوئی استنبول پہنچیں جہاں شاہی مہمان کی حیثیت سے ٹھہریں، خلیفۂ اسلام نے موئے مبارک کا تحفہ دیا اسی طرح ملک کے مختلف مقامات کے سفروں کے علاوہ آخری سفر ۱۹۲۶ء میں ہوا۔ (ص/۱۰۵)

سرکار عالیہ کا خصوصی کارنامہ: اصلاح نسواں کے سلسلہ میں ان کا خصوصی کارنامہ یہ ہے کہ غریب مسلمان عورتیں اپنے جاہل اور ناواقفِ شرع شوہروں کے ہاتھوں طرح طرح کے مظالم اور مصائب کی شکار اور بہت سی سخت وکٹھن معاشی ومعاشرتی مشکلات میں گرفتار تھیں سرکار عالیہ نے ان مشکلات کے حل کے لئے مشاہیر علمائے ہندکو ریاست میں مدعو کر کے شرعی وفقہی روشنی میں تحفظ حقوق زوجین کے نام سے ایک مسودہ تیار کرایا جس کے اندر ایسے ظالم شوہروں سے چھٹکارہ حاصل کرنے کے لئے دفعات مرتب کی گئیں اوران کا اجرا سب سے پہلے ریاست بھوپال میں کرایا پھر اسی مسودہ کی بنیاد پر علمائے ہند کی کوششوں سے شریعت بل پارلیمنٹ میں پیش ہوا جس نے کاظمی ایکٹ کے نام سے شہرت پائی۔ اگر چہ لیگ وکانگریس کی کشمکش سے وہ بل ناقص طور پر منظور ہوا لیکن اس سے عورتوں کی بہت سی پریشانیوں کو دور کرنے میں مدد ملی۔ بہر حال اس قانون کے وضع کرانے کا سہرا سرکار عالیہ کے سر ہے، بہر حال نواب سلطان جہاں بیگم کی ذات گرامی بقول علامہ سید سلیمان ندویؒ ایک مثالی تھی، ان کی

وفات پر علامہ کا مضمون ان کی کتاب سیرت کا آخری باب ہے۔

عالیہ حضرت نہ صرف اسلام بلکہ مشرق کی وہ آخری تاجدار خاتون ہیں جن کے کارناموں پر مرد سلاطین وامراء بھی رشک کر سکتے ہیں، ان کا دورِ حکومت جو ربع صدی سے کم نہ رہا بھوپال کی تاریخ کا زریں عہد ہے، سلطانۂ مرحومہ مشرقی ومغربی تعلیم وتمدن کا ایسا مجمع البحرین (سنگم) تھیں جو آج مصلحین امت کا آئیڈیل ہے وہ نہ صرف فرماں روا تھیں بلکہ ہندوستانی خواتین کی رہنما، مسلمانوں کی واحد یونیورسٹی کی چانسلر، مذہبی تعلیم کی سب سے بڑی حامی، مذہبی علوم وفنون کی سب سے بڑی سرپرست، ہندوستان کی معتدل نسوانی اصلاحات کی سب سے بڑی مبلغ، مسلمان عورتوں میں سب سے بڑی کثیر التصانیف اور سب سے بڑی مقررہ، لیکن ان علمی اور اصلاحی کاموں سے بڑھ کر ان کا حقیقی شرف ان کی مذہبی گرویدگی اور ایمانی جوش وولولہ تھا۔ (ص/۱۰۶)

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے بیعت کی درخواست: میں سمجھتا ہوں کہ دینی واسلامی مزاج ہی کی بناء پر حضرت عالم ربانی مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ سے بیعت طریقت کی درخواست کی تھی جس کا جواب من وعن مکتوبات رشیدیہ سے درج کیا جارہا ہے۔

از بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ۔

عنایت فرمائے برحال بندہ

بعد سلام مسنون

مطالعہ فرمایند! بندہ بخیریت ہے آپ کے لئے دست بدعا ہے۔آپ کا

عنایت نامہ مشتمل بر استدعائے بیعت نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ کئی روز ہوئے آیا تھا مگر چونکہ بمقتضائے سن و بوجہ عروض عوارض مختلفہ میری طبیعت مضمحل رہتی ہے نیز در بارۂ تحریر جواب مجھے تردد بھی تھا اس لئے تحریر جواب کی ہنوز نوبت نہ آئی تھی کہ آپ کا دوسرا عنایت نامہ بغرض تقاضائے جواب آ گیا اس لئے اب جواب لکھواتا ہوں کہ بیعت دو وجہ سے کی جاتی ہے:

ایک تو بغرض تحصیل نسبت وحصولِ برکاتِ طریقت۔ اس کے لئے ایک مدت دراز مرشد کے پاس رہنا ضروری ہے اور یہ ظاہر ہے کہ نہ میں وہاں آ سکتا ہوں نہ بیگم صاحبہ کی یہاں تشریف آوری مناسب ہے اور بدوں اس کے یہ بیعت بے کار ہے۔

دوسری بیعت بغرض شرکت وتعلق بزرگان جس میں محض دخول سلسلہ ہوتا ہے اور اس کو اول تو بندہ کچھ مفید نہیں جانتا۔ دوسرے اس وجہ سے رئیسہ دام اقبالہا کو جو میرے حال پر نظر عنایت وتوجہ اور التفات ہوگی اس سے مجھے سخت ندامت ہوگی۔ نیز اس کی شہرت سے اہل حاجات بھی بندہ کو روز روز تنگ کریں گے جن میں سے کسی کی سعی وسفارش مناسب ہوگی کسی کی غیر مناسب۔ پھر یہ کہ جب رئیسہ دام اقبالہا کو میرے ساتھ محبت واخلاص ہے تو یہ تعلق واتحاد حاصل ہے۔ بایں ہمہ اگر اصرار ہو تو دو شرط سے مجھے منظور ہے۔ ایک یہ کہ میرے ساتھ قدیمی برتاؤ میں کوئی تفاوت نہ آوے اور میرے ساتھ کسی قسم کی مروت واحسان نہ ہو۔ دوسرے اس امر کا اظہار نہ ہو۔

اگر یہ دونوں امر منظور ہوں تو میں ان کی بیعت اس امر پر قبول کرتا ہوں کہ اتباع

سنت اور اجتناب بدعت کو اپنا شعار رکھیں اور حق پرستی وعدل گستری وانصاف سے رعایا پروری میں مصروف رہیں۔ والسلام۔

ف: سبحان اللہ! کیا ہی متوکلانہ ومحققانہ جواب باصواب ہے جو حضرت مولانا گنگوہیؒ کے علمی وباطنی وروحانی کمال کے شان کے مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ سلطانہ مرحومہ کی صدق طلب اور مولانا گنگوہیؒ کی بلاتکلف اس نصیحت کی جزائے خیر مرحمت فرمائے۔ آمین (مرتب)

نواب حمید اللہ کی تخت نشینی کے وقت آپ کی تقریر: نواب حمید اللہ خاں کی تخت نشینی کے وقت آپ نے جو تقریر کی وہ ان کی حیات دینی کی آئینہ دار ہے۔ وہ یہ ہے۔

”آج ۲۵ رسال سے زیادہ عرصہ گزرا کہ مالک حقیقی نے بھوپال کی حکومت میرے سپرد کی تھی میں نے خود کو ریاست کا امین سمجھا اور رعایا کی فلاح کو مآل زندگی بنایا تاہم یہ امکان باقی ہے کہ حکومت کی اہم ذمہ داریوں میں مجھ سے کوئی فروگذاشت ہوئی ہو جس سے کسی کے دل کو کچھ تکلیف پہنچی ہو اس کے لئے میں آج اس موقع پر ان لوگوں سے معافی چاہتی ہوں اور مجھے یقین ہے کہ وہ لوگ مجھے معاف کر کے عند اللہ ماجور ہوں گے اس دو سال کے عرصہ میں جو متصل اور پیہم صدمات مجھے برداشت کرنا پڑے اگرچہ ان کو مشیت الٰہی سمجھ کر انتہائی صبر وسکون سے کام لیا مگر آخر کار میرے دل پر ایک خاص حالت پیدا ہوگئی ہے جس سے مجھے یقین ہے کہ اس کا اثر حکومت پر پڑے گا اس لئے میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ حکومت کے بارگراں سے سبکدوشی حاصل کروں اور عنانِ حکومت اپنے

وارث اور جانشین کو تفویض کر کے بقیہ عمر یاد خداوندی اور صنف ضعیف کی خدمت میں بسر کروں۔ اب میں آپ لوگوں سے بحیثیت حکمران بھوپال رخصت ہوتی ہوں اور مجھے بے انتہاء مسرت ہے کہ آج اپنے ہاتھ سے اپنے عزیز فرزند کو انتقال حکومت کر رہی ہوں۔ نواب سکندر صولت افتخار الملک بہادر اب میں اپنی خوشی سے آپ کو صدر نشین کرتی ہوں اور امید رکھتی ہوں کہ آپ کلام مجید کے تمام احکام و مسائل پر کار بند ہوں گے بالخصوص اس آیت شریفہ کو ہمیشہ پیش نظر رکھیں گے۔ اِنَّ اللّٰهَ يَامُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَا ءِ ذِى الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْى ، يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْن۔

پھر مسند نشینی کی رسم ادا کی گئی اور بیگم صاحبہ نے ہاتھ اٹھا کر بارگاہ الٰہی میں یوں دعا کی: رَبِّ اَوْزِعْنِىْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتَ عَلَىَّ وَعَلٰى وَالِدَىَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَاَصْلِحْ لِىْ فِىْ ذُرِّيَّتِىْ ۔ اِنِّىْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔ (الاحقاف:۱۵)

چنانچہ نواب صاحب نے برسر اقتدار آتے ہی سب سے پہلے عصری تقاضوں کے ماتحت مختلف محکمہ جات اور ہر محکمہ کے لئے وزیر مقرر کئے جن کو اختیارات دے کر وزراء کے باہمی مشورہ کے لئے ایک کمیٹی اسٹیٹ کونسل کے نام سے قائم کی۔

وفات: اپنے وقت کی یہ عظیم خاتون ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۹۳۰ء میں دنیائے فانی سے کوچ کر کے دار البقاء میں پہنچ گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ رحمها اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (تاریخ ریاست بھوپال ص ۱۱۳)

مکرمہ حبیبہ خاتون متوفاۃ ۱۳۶۶ھ

خوشدامن حضرت مصلح الامتؒ

مرتبہ: محبوب احمد ندوی ابن عقیلہ خاتون بنت حضرت مصلح الامتؒ

تعارف: محترمہ نانی عابدہ صاحبہ اپنی والدہ مرحومہ حبیبہ خاتونؒ جو اس حقیر کی والدہ مرحومہ عقیلہ خاتونؒ کی نانی تھیں۔ ماشاء اللہ ہماری والدہ مرحومہ کی پرورش وتربیت بھی انھیں کی نگرانی میں ہوئی تھی۔ اور بہترین تربیت ہوئی۔

انھوں نے اپنی والدہ کے بارے میں مجھ سے بیان کیا کہ ہماری والدہ حبیبہ خاتون بہت نیک اور صوم وصلاۃ کی بیحد پابند تھیں، ان کی تیرہ برس تہجد کی نماز نہ چھوٹی۔ اشراق کی نماز پڑھ کر مصلیٰ سے اٹھتی تھیں۔ غریبوں اور مساکین کا بہت خیال رکھتی تھیں، بستی کے غرباء ومساکین کو اپنے گھر سے کھانا کھلاتی تھیں۔ اپنے گھر والوں سے کہا کرتیں کہ غریبوں اور مسکینوں کا زیادہ خیال رکھو، کیونکہ ایسے افراد کا لوگ کم خیال رکھتے ہیں، امیروں ومالداروں کو پوچھنے والے تو بہت ہیں۔

کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ گھر کا پکاپکایا کھانا گاؤں کے غریب افراد کو تقسیم کردیتیں، گھر کے لوگ ان سے پوچھتے آپ نے یہ کیا کیا؟ اب ہم لوگ کیا کھائیں گے؟ فرماتیں: ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی کئی کئی دن فاقہ سے رہتے تھے یہ ان کی سنت اور ان کے عمل کی اقتداء ہے۔ اس عمل سے اللہ تعالیٰ ہم کو بہت اجر وثواب

دے گا۔

بچپن کا واقعہ: ان کے بچپن کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ کوئی سائل گھر پر آیا، اس کو دینے کے لئے باہر آئیں تو سائل نے ان کو دیکھ کر کہا کہ تم لوگ ان کو پہچانو، یہ بچی اپنے وقت کی ولیہ ہے۔

دوسرا واقعہ: ایک مرتبہ آپ نے خواب دیکھا کہ دو سفید پوش شخص آئے، ان سے دریافت کیا کہ تم کس خاندان سے ہو؟ انھوں نے اپنے خاندان کا نام بتلایا۔ ان سفید پوش آدمیوں نے کہا کہ تم اس خاندان سے نہیں ہو، پھر انھوں نے اپنی والدہ کے خاندان کا نام بتلایا، تو ان آدمیوں نے کہا کہ تم اس خاندان سے بھی نہیں ہو، پھر انھوں نے اپنے سسرالی خاندان کا نام بتلایا۔ ان لوگوں نے کہا کہ تم اس خاندان سے بھی نہیں ہو بلکہ تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے ہو۔

ان کی عبادت کا حال: ہماری نانی عابدہ مرحومہ نے بیان کیا کہ جس وقت ہماری والدہ حبیبہ صاحبہ عبادت کرتیں تو اوپر سے نیچے تک ایک سفید روشنی نظر آتی، جس روشنی کو گاؤں کے افراد بچشم خود دیکھتے۔

وفات: غالباً آپ کی وفات ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۹۴۷ء میں ہوئی ہوگی۔ رحمہا اللہ تعالیٰ

انتباہ

اسی طرح دلی تقاضا تھا کہ اپنے متعلقات کی چند نساء صالحات کا بھی تذکرہ کروں، مگر افسوس کہ ان کے حالات سے بخوبی واقف نہیں تھا۔ ہاں اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ ماشاء اللہ وہ سب نیک تھیں، صفات صلاح سے متصف تھیں۔ مثلاً ہماری پھوپھی ''شمس النساء صاحبہ''، زوجہ اول کی والدہ ''جمیلہ خاتون'' (اہلیہ حضرت مصلح الامتؒ) زوجہ ثانی کی والدہ'' خیر النساء،'' ہماری والدہ ماجدہ ''زیب النساء صاحبہ'' اور والدہ ثانیہ ''حمید النساء صاحبہ'' وغیرہن۔

اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہوں اور جنت نصیب فرمائیں۔ آمین

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین، برحمتک یا ارحم الراحمین۔

محمد قمر الزمان الہ آبادی

بیت الاذکار وصی آباد، الہ آباد (یوپی)

یکم رشوال المکرم، یوم العید ۱۴۴۲ھ

۱۴رمئی ۲۰۲۱ء

مرحومہ حجانی زبیدہ بی المتوفی ۲۰۲۰ء

مرحومہ حجانی زبیدہ بی کی پیدائش ۱۹۲۰ء میں مدھیہ پردیش کے ضلع دھار کے ایک گاؤں پیتھم پور میں ایک بڑے زمین دار گھرانے میں ہوئی، انکے والد کا نام عمر پٹیل اور والدہ کا نام حمیدہ تھا، آپ کا تعلق سندھی برادری سے ہے، جو سندھ پاکستان سے ہندوستان آئے۔

آپ کے شوہر کا نام حاجی منیر صاحب ہے جو حاجی صاحب مفتی محمود صاحب نانوتویؒ کی صحبت میں بکثرت آیا جایا کرتے تھے اور آپ سے ان کا اصلاحی تعلق بھی تھا، حضرت مفتی محمود صاحب نانوتویؒ کے بیانات اور نصیحت آمیز باتیں حاجی صاحب اپنی اہلیہ کو سنایا کرتے تھے، جس کی برکت سے مرحومہ کے دل میں بھی اللہ والوں کی محبت اور عقیدت گھر کرگئی تھی۔ اب انہیں اپنے بچوں کو دینی تعلیم دلانے کا شوق پیدا ہوا، اسی وجہ سے انہوں نے اپنے تیسرے بیٹے مولانا محمد یونس صاحب کو حضرت شیخ ابراہیم صاحب اندوریؒ کے ہمراہ علم دین کے حصول کے لیے گجرات بھیجا، اور دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر سے ۱۹۷۴ء میں سند فراغت حاصل کی، یہ اپنی پوری سندھی قوم کے پہلے عالم تھے، مولانا کے والدین اور استاد محترم حضرت مولانا سید ذوالفقار احمد صاحب قاسمی نرورَی کے مشورے سے ۱۹۸۴ء میں ایک مدرسے کی بنیاد رکھی، وہی مدرسہ آج صوبۂ مدھیہ پردیش کی عظیم دینی درسگاہ جامعہ اسلامیہ بنجاری اندور

کے نام سے مشہور ہے، جس نے ہزاروں حفاظ اور سیکڑوں قراء وعلماء کی جماعت امت کے حوالے کردی، مدرسے کے قیام کے پیچھے بھی اس نیک خاتون اور ان کے شوہر کا نیک جذبہ کارفرما تھا۔

مدارس اور اہل مدارس کی فکر: ہمیشہ حجانی مرحومہ اور ان کے شوہر کو مدرسہ اور مدرسے کے طلباء کی فکر رہتی تھی، اور اپنے بیٹوں کو بھی ہمیشہ مدرسے سے جڑے رہنے کی تاکید کرتی تھیں۔

بحمد اللہ اب وہ مدرسہ آپ کے ہی داماد مولانا تصور صاحب کے زیر اہتمام، آپ کے تمام اولاد کی معیت میں بخیر وخوبی چل رہا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالی ان کی یہ دینی وابستگی نسلا بعد نسل قائم ودائم رکھے۔ آمین

اہل اللہ کی قدردانی: جب بھی مدرسے میں کسی بزرگ شخصیت کی تشریف آوری ہوتی تو ان کی ضیافت وخدمت اپنے لیے باعث سعادت سمجھتیں تھیں۔ آپ کے اولاد اور خاندان کے لوگ آج بھی علماء اور تمام آنے والے بزرگان دین کی خدمت میں لگے رہتے ہیں۔

آپ کی چند اہم نصائح

ایک خاص بات یہ کہ اپنے انتقال سے ایک روز قبل اپنے تمام خاندان کے افراد کو جمع کر کے ان سے معافی تلافی کر لی، گویا کہ ان کو پہلے ہی سے اپنے انتقال کی خبر مل گئی ہو۔

(۱) اپنے بیٹوں کو ہمیشہ علماء کی صحبت میں جانے کی نصیحت کرتی تھیں۔

(۲) ان کی وصیت تھی کہ مدرسہ کے متصل اپنے رہائشی مکان بنائیں۔ چنانچہ اس

کے مطابق ان کے بیٹوں نے مدرسہ ہی کے پڑوس میں اپنے مکان بنائے۔

(۳) اپنے بیٹوں کو نماز کی تاکید کرتیں، چنانچہ سب سے پہلے نماز ہی کا سوال کرتی تھیں (۴) اور ہمیشہ آپس میں مل جل کر رہنے کی تاکید کرتی تھیں۔

وفات: آپ پر ہر وقت آخرت اور حسن خاتمہ کی فکر سوار رہتی تھی، نماز کی تو اتنی پابند تھیں کہ ہر وقت جو بھی ملنے آتا اس سے نماز کا وقت دریافت کرتی تھیں، شاید و باید ہی کبھی ان کی نماز قضا ہوئی ہو، اللہ تبارک وتعالی سے تعلق کا یہ عالم تھا کہ ہمیشہ دعا کرتی تھیں کہ مجھے رمضان اور جمعہ کے دن اپنے پاس بلانا، جب جمعہ کا دن نکل جاتا تو پھر کہتیں: کہ اب تو مجھے پھر ایک ہفتہ کا انتظار کرنا ہوگا، اسی طرح جب رمضان کا مہینہ گزر جاتا تو بہت غمگین ہوتیں کہ اب پھر مجھے اللہ سے ملنے کے لئے ایک سال کا انتظار کرنا ہوگا، لہذا اللہ نے ان کی اس نیک تمنا کو پورا فرمایا اور ۸/مئی ۲۰۲۰ء ۱۴ رمضان المبارک ۱۴۴۲ء کو جمعہ کے دن افطار کے وقت اس دار فانی سے کوچ کر گئیں۔

اللہ تعالی ان کی تمام دینی کاوشوں کو قبول فرمائے، سیئات کو حسنات سے مبدل فرمائے، اور اپنے جوار رحمت میں جگہ نصیب فرمائے۔

اپنی سعادت: مرحومہ کے صاحبزادگان جناب حاجی محراب (ٹھیکیدار صاحب) جناب حاجی احمد مختارؒ (مُکاتی صاحب)، جناب مولانا محمد یونس صاحب فلاحی، جناب حاجی یوسف صاحب، جناب حاجی جنید صاحب، آپ کے پوتے، نواسے اور خاندان کے دیگر حضرات خصوصاً حاجی شفیق صاحب اور ان کے بھائی وغیرہ اس حقیر سے عقیدت ومحبت کا تعلق رکھتے ہیں۔ فجز اھم اللہ تعالی احسن الجزاء

رفیقۂ حیات اول عقیلہ خاتونؒ متوفاۃ ۱۳۷۹ھ

(بنت: مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتحپوری، الہ آبادیؒ)

ولادت: غالباً ۱۳۵۳ھ مطابق ۱۹۳۴ء بمقام فتحپور تال نرجا ضلع مئو میں ہوئی، اس حقیر سے نکاح مسجد فتح پور تال نرجا رجب ۱۳۷۰ھ مطابق جون ۱۹۵۰ء میں ہوا۔

تعلیم: ناظرہ قرآن اور اردو کے لکھنے پڑھنے کی تعلیم تو گاؤں کے مکتب میں ہوئی مگر حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ نے خود حضرت اقدس حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے رسائل کو پڑھایا، مثلاً حیوٰۃ المسلمین، تعلیم الدین، جزاء الاعمال، آداب المعاشرت وغیرہ۔

یقیناً حضرت مصلح الامتؒ کی تعلیم وتدریس کا اچھا خاصہ اثر پڑا، جس کی بناء پر ماشاء اللہ زہد وقناعت، تقویٰ وطہارت کی صفات سے متصف تھیں اور محبت ومروت کی پیکر ومجسمہ تھیں، ہر ایک سے بشاشت سے ملتیں، اور حسن سلوک سے پیش آتیں، نماز روزہ اور تلاوت کلام پاک کی پابند تھیں، مناجات کی اردو منزل پڑھتی تھیں۔

کبھی کہتی تھیں کہ پڑھنے کا مقصد عمل کرنا ہے، اس لئے یہ عربی فارسی پڑھنے پر موقوف نہیں ہے، بلکہ اردو کی کتابیں پڑھ کر بھی آدمی عمل کرسکتا ہے۔

ف: سبحان اللہ! کتنی کارآمد بات کہی، ہر مسلمان مرد وعورت کیلئے دین کا علم

حاصل کرنا اوراس پر عمل کرنا ضروری ہے، دین کا علم خواہ اردو کی کتابوں ہی سے ہوضرورحاصل کرنا چاہئے۔(مرتب)

بچوں پر شفقت کا واقعہ: ایک مرتبہ دوران بیماری مچھروں کی کثرت کی وجہ سے وہ بہت پریشان تھیں چھوٹے چھوٹے بچے یعنی مقبول احمدؒ، سعید احمد، عزیز احمد اورمحبوب احمد سلمہم پاس ہی سو رہے تھے میں نے ان سے کہا کہ منھ پر چادر ڈال کرسورہو،تو انہوں نے کہا کہ اگر میں ایسا کروں گی تو میرے حصہ کے مچھر بھی میرے پیارے بچوں پہ ٹوٹ پڑیں گے، یہ مجھ سے نہیں ہوسکتا کہ اپنی راحت کیلئے بچوں کی تکلیف گوارہ کروں۔

الہ آباد میں گرمی کی شدت اور پانی کی قلت: الہ آباد تشریف آوری کے بعد حضرت مصلح الامتؒ اوراہل خانہ کا قیام محلہ حسن منزل میں ہوا۔لیکن وہاں گرمی کی شدت اور پانی کی قلت تھی جس کی وجہ سے حضرت والا کے آرام کیلئے مکرم حافظ ڈاکٹر صلاح الدین صاحب صدیقیؒ نے حضرت والا کے عارضی قیام کا انتظام مچھلی کوٹھی میں فرمایا۔چند روز بعد حضرت والا محلہ حسن منزل مکرم حاجی شفیع اللہ صاحبؒ کے گھر تشریف لائے تو دیکھا کہ ان کی صاحبزادی (مولوی مقبول وغیرہ کی والدہ) بچوں کو گرمی سے راحت کیلئے پاؤڈر لگا کر بٹھائے ہوئی تھیں۔حضرت والا نے بچوں کی خیریت معلوم کی تو اہلیہ نے گرمی کی شدت کی شکایت کرکے کسی آرامدہ مکان کی خریداری کی خواہش ظاہر کی۔تو آپ نے اس کا ذکر ڈاکٹر حافظ صلاح الدین صاحبؒ سے کیا۔انہوں نے مکرم وکیل ابوالحسن صاحب مچھلی شہریؒ سے ان کے مکان نمبر ۲۳/بخشی بازارالہ آباد کے سلسلے میں بات کی،تو وکیل صاحب بہت

مسرور ہوئے کہ حضرتؒ جیسے بزرگ ہمارے مکان کے خریدنے کی خواہش ظاہر فرما رہے ہیں، یہ میری خوش نصیبی ہے۔ چنانچہ پچیس ہزار روپیہ کی قلیل رقم کے عوض فروخت کرنے کیلئے بخوشی راضی ہو گئے۔ حضرتؒ نے بروقت کچھ رقم ادا فرمائی اور بقیہ رقم اکثر اس حقیر کے ذریعہ قسط وار ادا فرماتے رہے۔ اس طرح کہ حضرت مصلح الامتؒ کو جو بھی رقم دستیاب ہوتی اسے مجھے عنایت فرما دیتے اور میں اس کو مکرم ڈاکٹر صلاح الدین صاحبؒ کے سپرد کر دیتا وہ مکرم وکیل صاحبؒ کو ادا کر دیتے تھے۔ الحمدللہ مکان کی خریداری کے بعد ہی جملہ اہل خانہ حسن منزل سے مکان نمبر ۲۳؍ بخشی بازار میں منتقل ہو گئے، اور وہاں مقیم ہو گئے۔

اسی طرح کا ایک واقعہ اور ہے کہ والدہ مقبول نے ایک دفعہ مجھ سے خود کہا کہ جب ہماری شادی ہوئی تو فتح پور کے جس مکان میں ہم لوگ رہتے تھے اس میں کمرے کم تھے اسلئے تنگی ہوتی تھی تو میں نے کہا کہ ابا کوٹھا بنوا دیجئے تاکہ رہنے کی آسانی ہو جائے چنانچہ ابا نے پختہ مکان کو تعمیر کروا دیا جواب بھی موجود ہے۔

عزیزہ نبیلہ کی وفات: مگر افسوس ہے کہ حضرت مصلح الامتؒ کی تیسری صاحبزادی عزیزہ نبیلہ کو ۱۳۷۹ھ رمضان المبارک کے شروع میں شدید چیچک کا مرض لاحق ہوا، اور ۱۷؍ رمضان المبارک کو وفات پا گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، اور اکبر پور الہ آباد کے قبرستان میں مدفون ہوئیں۔ نور اللہ مرقدھا۔

عزیزہ اہلیہ عقیلہ کی وفات: ۲۸؍ رمضان المبارک ۱۳۷۹ھ کو درد قولنج کی شکار ہوئیں جس کی وجہ سے احقر حضرت والاؒ کی صبح والی مجلس میں شریک نہ ہو سکا۔ مجلس کے بعد جب حضرت مرشدیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا تم آج

مجلس میں نہیں آئے؟ تو میں نے عرض کیا کہ اہلیہ کی طبیعت خراب ہوگئی تھی اس بناء پر حاضر نہ ہوسکا۔ تو حضرت والاؒ نے معاً فرمایا کہ وہ تو میری بیٹی ہی ہے اس کی خدمت کروگے تو مجھے خوشی ہی ہوگی لیکن میں تمہارا دینی، علمی نقصان نہیں چاہتا، لہٰذا مجلس میں حاضر رہا کرو۔ چنانچہ شاید ہی کوئی مجلس خصوصی بلکہ عمومی میں غیر حاضری ہوئی ہو۔ بلکہ مضمون بیان کرنے میں غایت محبت کی بناء پر بعض دفعہ فرماتے تھے کہ قمر الزمان آجائیں تو بیان کروں۔

چنانچہ اہلیہ کا علاج ہوتا رہا اور یہ مشورہ ہوا کہ ۲۹ / رمضان المبارک کا روزہ نہ رکھیں مگر انہوں نے غایت شوق میں روزہ رکھا، مرض میں چونکہ اضافہ ہوتا جارہا تھا اسلئے کالون اسپتال نخاس کہنہ الہ آباد میں داخل کی گئیں۔

مزید یہ مصیبت کہ لخت جگر عزیز احمد اور محبوب احمد سلمہما مرض چیچک میں مبتلا ہوگئے تھے۔ جن کو چھوڑ کر ان کی تیمارداری کیلئے اسپتال جانا مشکل ہوتا تھا، تاہم آنا جانا لگا ہوا تھا۔ اس وقت میرا کیا حال تھا بتلا نہیں سکتا۔ ایک موقع پر ایسا ہوا کہ ادھر اہلیہ کی طبیعت اسپتال میں نہایت نازک ادھر یہ خبر آتی کہ عزیزانم عزیز احمد و محبوب احمد کی طبیعت نہایت خراب ہے اسلئے دوڑ کر ان کے پاس آگیا۔ تاہم اہلیہ کا علاج نہایت اہتمام سے ہوتا رہا۔ چنانچہ حضرت مصلح الامتؒ نے فرمایا کہ ہماری بچی کے علاج میں کوئی کمی نہ ہونی چاہئے، بڑے سے بڑے ڈاکٹر کو بلاؤ اور علاج کراؤ۔ مگر بقول مولانا روم:

ع چوں قضا آید طبیب ابلہ شود

اس لئے جب مرض میں افاقہ نہ ہوا اور حالت نازک تر ہوتی جارہی تھی تو

حضرت مصلح الامتؒ کو کچھ ایسا مکشوف ہوا کہ ہماری پیاری بیٹی جانبر نہ ہو سکے گی، تو فرمایا کہ اب اسپتال سے گھر لے چلو۔ چنانچہ اہلیہ کو نا امیدی کی حالت میں اسپتال سے بخشی بازار مکان نمبر ۲۳/ میں لایا گیا۔ اور وہ اپنے خاص کمرے میں لٹادی گئیں، اور اس وقت ہوش وحواس کسی قدر صحیح تھا، تو احقر نے عزیزہ شکیلہؒ کے سامنے ہمت کر کے اہلیہ کو خطاب کر کے کہا کہ کچھ کہنا ہو تو کہو! شکیلہؒ نے کہا کہ بھائی میاں آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ میں نے کہا اس کہنے سے کچھ نہ ہوگا جو کہہ رہا ہوں کہنے دیجئے۔ چنانچہ اہلیہ نے ہماری بات کا جو جواب دیا وہ ان کے جذبۂ ایمانی اور غایت درجہ محبت مادری پر دال ہے۔ وہ یہ کہ ''اِن دنوں جو ہماری نمازیں قضا ہوئی ہیں ان کا فدیہ ادا کر دیجئے گا اور بچوں کا خیال رکھئے گا''۔

اس بات کو حضرت مصلح الامتؒ نے جب سنا کہ وفات کے وقت میری بیٹی نے یہ کہا ہے تو بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ ہمارے گھر کے ہر شخص کی موت عقیلہ کی موت جیسی ہو۔

خاص سعادت: سبحان اللہ! آپ کی آخری گفتگو نماز کے متعلق تھی۔ یہ ان کی انتہائی سعادت کی بات ہے۔ چنانچہ روایت میں ہے کہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بھی آخری گفتگو نماز کے بارے میں تھی۔ اور اسی طرح مجدد الف ثانیؒ کی آخری گفتگو بھی نماز کے متعلق تھی۔ جیسا کہ حضرت مولانا نسیم احمد فریدیؒ کی کتاب ''تجلیات ربانی'' میں لکھا ہوا ہے کہ ''جب خواجہ محمد سعیدؒ نے اپنے والد حضرت مجدد صاحبؒ کی سانس کو تیز چلتا ہوا دیکھا تو بے چین ہو کر عرض کیا کہ حضرت والا کی طبیعت کیسی ہے؟ جواب میں فرمایا ''اچھی ہے''۔ صاحبزادے نے عرض کیا کہ

طبیعت مبارکہ اچھی کیسے ہے میں تو آپ کو اس حال میں دیکھ رہا ہوں؟ اس وقت آپ نے ارشاد فرمایا'' وہ دو رکعت نماز جو ہم نے پڑھ لی ہے کافی ہے''۔ یہ حضرت کی آخری گفتگو ہے (جس میں نماز کا ذکر ہے) اور یہ انتہائی اتباعِ سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد عزیزہ رفیقہ حیات کی روح گرامی جسد عنصری سے پرواز کر گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

تاریخ وفات حسرت آیات: غرض عزیزہ اہلیہ عقیلہ بروز جمعرات ۲۳؍ شوال ۱۳۷۹ھ مطابق ۱۹۶۰ء کی صبح کو ہم سب کو حزین و غمگین چھوڑ کر دار الفناء سے دار البقاء کی طرف رخصت ہوگئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

الحمد للہ! ان کے کہنے کے مطابق احقر نے آپ کی نمازوں کا فدیہ ادا کر دیا اور بچوں کا ایسا خیال رکھا کہ ضرب المثل ہے عام طور سے اسکا تصور بھی نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، آمین۔

تدفین: ان کی تدفین بھی اکبر پور کے قبرستان میں اپنی بہن نبیلہ مرحومہ کے پچھّم جانب عین چہار دیواری کے متصل وقوع پذیر ہوئی۔ نور اللہ مرقدھا۔

ماشاء اللہ! ان سے پانچ اولادیں ہوئیں چار لڑکے اور ایک لڑکی عائشہ۔ جو دس بارہ دن اس عالم فنا میں رہ کر عالم آخرت روانہ ہوگئی اور فتح پور میں بیرونی مسجد کے قبلہ کی دیوار کے پشت پر مدفون ہوئی۔ بچوں کے اسماء بالترتیب یہ ہیں: مولوی مقبول احمد قاسمیؒ، بچی عائشہ خاتون، مولوی سعید احمد قاسمی ندوی، مولوی عزیز احمد قاسمی اور مولوی محبوب احمد ندوی۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو اپنے والدین کیلئے صدقات جاریہ بنائے اور حقیقی سعادت سے مشرف فرمائے۔ آمین وما

ذلک علی اللہ بعزیز۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو ہم دونوں ماں باپ کیلئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔آمین۔(مرتب)

مگر حضرت مصلح الامتؒ کسی خاص وجہ سے تدفین کے بعد بخشی بازار مکان ۲۳/ پرتشریف نہ لائے بلکہ قبرستان سے ہی بمرولی چودھری حبیب الرحمٰن صاحبؒ کے مکان پرتشریف لے گئے اورتقریباً چار ماہ وہیں مقیم رہے وہاں مجلس کا بھی سلسلہ جاری رہا۔جس میں عوام وخواص برابر حاضر ہوتے تھے۔ چونکہ دوصاحبزادیوں کا ۱۶/دن کے اندرہی انتقال ہوا تھا۔اس لئےحضرت غایت درجہ حزین وغمگین تھےجس کا اظہارحضرت مولانا عبدالماجد صاحب دریابادیؒ نے اپنےتعزیت نامہ میں یوں فرمایاہے:

تعزیت نامہ از: مولانا عبدالماجددریابادیؒ

آپؒ کے ابتلائےعظیم کا حال آپ کے ایک مسترشد کے خط سے ابھی علم میں آیا۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ آپ کے مرتبہ کوزیادہ سے زیادہ بلند کرے، یہ سب سامان اسی کا ہورہاہے، ایک ہی لخت جگر کی وفات کیا کم تھی چہ جائے کہ دودو کی اوروہ بھی دو ہفتہ کے اندر، اس سے بڑا اور کڑوا امتحان کیا ہوگا،لیکن درحقیقت آپ قابل مبارکباد ہیں،آپ کا ظرف اتنا بلند سمجھا گیا جبھی تو امتحان اتنا سخت لیا گیا۔

کوئی لقمان کوحکمت کیا پڑھائے گا،آپ خود ہی دوسروں کوتلقین کرتے ہیں دوسرا آپ کوصبر کی تلقین کیا کرے گا،ہاں آپ کی مثال اورآپ کانمونہ دیکھ کرکم ہمتوں کوبھی ہمت کسی درجہ میں بندھ جائے گی۔

اللہ تعالیٰ آپ کو لطف بیکراں سے نوازے، صاحبزادیوں کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس عطا فرمائے اور آپ سب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

والسلام

دعا گو ودعا خواہ: عبدالماجد

حضرت مصلح الامتؒ کا جواب: واقعی دوصدمے یکے بعد دیگر پیش آئے، واقعی ابتلائے عظیم ہے، اب آپ کے ارشادات جو اس ابتلا کی حکمت میں ارشاد فرمائے گئے ہیں بہت کچھ موجب تسلی ہوسکتے ہیں، میں تو اپنے کو ویسا کیسے خیال کرسکتا ہوں مگر اکابر کے ارشادات کے سوا اور کیا موجب تسلی ہوسکتا ہے، خط سرہانے رکھ لیا ہے، گاہے گاہے دیکھتا ہوں اور تسلی کرلیتا ہوں۔ (تذکرہ مصلح الامت حصہ دوم ص: ۴۱۷)

مبشرات: چند باتیں درج کرتا ہوں جو یقیناً مرحومہ عقیلہ کیلئے بشریٰ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ حقیر بھی اپنے لئے ان باتوں کو مژدہ سمجھتا ہے۔ اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بلا ریب یہ ارشاد ہے **المرءُ مَعَ مَن اَحب** (یعنی آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے محبت رکھے گا) اب ایسی رفیقہ حیات سے میری محبتِ بے غایت میں کسے شک ہوسکتا ہے؟

پہلے دوخواب ملاحظہ ہوں جسے مولانا انوار احمد صاحب کو پا گنجی نے دیکھا ہے اور لکھا ہے۔ ان دونوں پر حضرت مصلح الامتؒ کا جواب باصواب بھی ثبت ہے۔

باسمہ تعالی

سیدی وسندی، مرشدی ومولائی ادام اللہ ظلکم العالی دامت برکاتہم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت والا! احقر نے ایک خواب دیکھا ہے، امید کہ حضرت والا اس خواب کی تعبیر فرمادیں گے،خواب یہ دیکھا کہ ایک اینٹ کا بالکل نیا مکان ہے، لیکن اندرنہایت عمدہ مٹی کا پلاسٹر کیا ہوا ہے۔ زمین بھی مٹی ہی کی ہے ،نہایت صاف ستھری اور اس میں مرحومہ عقیلہ بہن نہایت بیش قیمت اور بہت ہی خوبصورت سونے کے تار کے پھول دار لباس پہنے ہوئے تشریف رکھتی ہیں اور بہت خوش ہیں۔اس مکان میں ایک چٹائی بہت قیمتی اور نہایت خوبصورت بچھی ہوئی تھی ،بہن مرحومہ اس چٹائی کو لپیٹ کر ایک طرف رکھ رہی تھیں۔ غالباً وہ زمین کے لیپنے کی تیاری کر رہی تھیں، اس کمرے کے بغل میں ایک سہ دری تھی جس میں حضرت والا اور عزیزی مقبول احمد سلمہ، رونق افروز تھے، حضرت والا نے عزیزی موصوف سلمہ سے فرمایا: چلو چلنا ہے نا۔ غالباً حضرت والا بہن مرحومہ سے ملاقات کیلئے فرما رہے تھے،اس کے بعد احقر کی آنکھ کھل گئی۔

والسلام مع الوف الاکرام
احقر انوار احمد عفی عنہ کوپاگنجی
۲/ذی قعدہ جمعہ ۷۹ھ

جواب باصواب از حضرت مصلح الامتؒ: خواب مبشرات سے ہیں، ماشاءاللہ (صاحبزادی عقیلہ خاتون) اچھے حال میں ہے۔ بہت دل خوش ہوا۔

باسمہ تعالیٰ

سیدی وسندی، مرشدی ومولائی ادام اللہ ظلکم العالی ودامت برکاتہم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

حضرت والا! احقر نے ایک خواب دیکھا ہے، امید کہ حضرت والا اس کی تعبیر فرماویں گے۔

حضرت والا! خواب یہ دیکھا ہے کہ احقر ایک اونچی جگہ پر کھڑا ہے اور کچھ دوری پر کچھ لوگ ہیں۔ایک شخص آگے ہیں اور ان کے پیچھے لوگ صف باندھے ہوئے ہیں اور احقر جس طرف ہے اسی طرف یہ لوگ تشریف لا رہے ہیں، جب کچھ قریب آئے تو دیکھا کہ آگے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔فداہ ابی وامی وروحی۔اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عین پیچھے مرحومہ عقیلہ بہن ونبیلہ بہن ہیں، اور سب لوگ نہایت عمدہ ونفیس لباس میں ملبوس ہیں۔ان لوگوں کی رفتار میں نہایت سکون اور وقار ظاہر ہوتا تھا اور ایسی محبوبیت کی شان ٹپکتی تھی کہ دل کھنچا جاتا تھا، جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور یہ سب لوگ احقر کے قریب اور سامنے تشریف لائے تو احقر نے چاہا کہ ملاقات کر لے اور کچھ عرض کرے، لیکن ایسا رعب چھا گیا کہ بس کھڑا تکتا رہ گیا اور یہ لوگ آگے تشریف لے گئے۔

جواب لاجواب:۔خواب کیا عمدہ بشارت ہے، رائی اور مرئی لہ (یعنی دیکھنے والا اور جسے دیکھا گیا ہے) اور مرئی لہ میں مرحومتین (یعنی صاحبزادی عقیلہ خاتون ونبیلہ خاتون) بھی ہیں اور ہم سب بھی ہیں، بڑی خوشی کی بات ہے کہ اتباع جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نصیب ہوا۔اس سے بڑھ کر کیا دولت ہوسکتی ہے، جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھے اس کا خاتمہ ایمان پر ہوتا ہے۔

حضرت مصلح الامتؒ کا خواب: حضرت مصلح الامتؒ مرحومہ کی تدفین کے دن ہی قبرستان سے بخشی بازار تشریف نہ لائے بلکہ موضع بمرولی چودھری

حبیب الرحمن صاحبؒ کے مکان پر چلے گئے اور وہاں مہینوں قیام فرمارہے۔ یہ حقیر غلام زادے عزیز احمد ومحبوب احمد کے مرض چیچک میں مبتلا ہونے کی وجہ سے شہرالہ آبادہی کے مکان پر مقیم تھا۔ کچھ دنوں کے بعد جب بمرولی حاضر ہوا تو فرمایا:

’’میں نے خواب میں عقیلہ کو دیکھا کہ کسی اونچی جگہ ہے، اس نے مجھ سے کہا کہ ابّا آجایئے۔ تو میں نے کہا کہ نہیں، تم ہی آجاؤ، چنانچہ وہ آئی تو میں نے یہ دعا بار بار کرنی شروع کردی، یااللہ! عقیلہ کی قبر کو نور سے بھردے، پھر خیال ہوا کہ نبیلہ کی بھی تو وفات ہو چکی ہے، اس لئے اب اس طرح دعا کرنے لگا، اے اللہ! عقیلہ اور نبیلہ دونوں کی قبروں کو نور سے بھردے‘‘۔ انتہی۔

الحمدللہ! اس خواب سے حضرت والاؒ بہت خوش تھے اور خوشی خوشی خود سنایا: **فللہ الحمد و المنہ۔**

مکرم مولانا افتخار الحق صاحب گورکھپوریؒ جو صاحب حال بزرگ تھے، جب حضرت مصلح الامتؒ کی خدمت میں آئے تو ان سے حضرتؒ نے فرمایا کہ آپ میری بچیوں کے متعلق مراقبہ کرکے بتلایئے کہ کیا حال ہے؟ تو انہوں نے بعد مراقبہ فرمایا کہ حضرت مولانا شاہ محب اللہ الہ آبادی نے فرمایا کہ **ھُمافی ظِلّی** یعنی دونوں میرے سایہ میں ہیں۔ اس حقیر نے ایک مرتبہ خواب میں مرحومہ کو دیکھا تو میں نے ان سے دریافت کیا کہ تمہارے ساتھ اللہ نے کیا معاملہ کیا؟ تو انہوں نے کہا کہ وفات کے وقت دو ہولناک آدمی اس دروازے سے کمرے میں داخل ہوئے تو اس وقت مجھے تکلیف و دہشت ہوئی۔ مگر پھر اس کے بعد میں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ میں جمعہ کے دن سورۂ یٰسین پڑھ کر

آپ کے پاس آئی ہوں، اس کے بعد پھر مجھ کو کوئی تکلیف نہ ہوئی۔

اس حقیر کا خواب: مرحومہ کی قبر پر فاتحہ کیلئے حاضر ہوا تو قبر دھنسی ہوئی تھی، اس سے اس حقیر کو بہت حزن و غم ہوا۔ تو اس کے بعد ہی خواب میں دیکھا کہ وہ نہایت تندرستی کی حالت میں آئی ہوئی ہیں، میں نے کہا کہ تم اتنے دنوں سے مٹی میں ہو، مگر مٹی کا کوئی اثر تمہارے بدن پر معلوم نہیں ہوتا، تو بڑے ہی پُر وقار لہجہ میں ہاتھ کی انگلی سے اپنے سینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اس بدن کو مٹی ضرر نہیں پہنچا سکتی۔ مزید دوبارہ کہا کہ اس بدن کو مٹی ضرر نہیں پہنچا سکتی۔

ف: سبحان اللہ! یہ خواب کیسا خوب سے خوب تر خواب ہے جو ہمارے لئے غایت درجہ تسلی بخش ہے، اور ان کے لئے شرف و مجد کی علامت ہے۔ **زادھا اللہ شرفاً و فضلاً۔**

رفیقۂ حیات دوم عزیزہ تقریب النساءؒ متوفاۃ ۱۴۳۷ھ

رفیقۂ حیات اول عزیزہ عقیلہ کی وفات کے بعد خود حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ نے دوسرے نکاح کیلئے رشتے کی کوشش کی مگر وہ سعی ناکام رہی، تو اس حقیر کے والدین نے اس کی سعی کی اور خاص وطن موضع ''کاریساتھ'' میں مکرم ماسٹر نورالحسن صاحب مرحوم کی صاحبزادی ''تقریب النساء'' کا انتخاب کیا اور والدہ نے ان کے متعلق فرمایا: ''حضرت مولاناؒ کی صاحبزادی اب تمہیں کہاں نصیب ہوگی مگر ہماری نظر میں ایک لڑکی ہے جو اخلاق کی اچھی ہے اور شکل وصورت کی بھی۔ اگر اس سے رشتہ ہوجائے تو مناسب رہے گا''۔ یہ بات پھر حضرت مصلح الامتؒ کے سامنے پیش کی گئی تو حضرت نے پسندیدگی کا اظہار فرمایا اور بخوشی اجازت مرحمت فرمائی۔

اس وقت حضرت ہر مہینے تین دن کیلئے مئوناتھ بھنجن بیان کیلئے تشریف لیجاتے تھے اور مدرسہ مفتاح العلوم میں بیان ہوتا تھا۔ جس میں ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ اور مئو کے علماء کے علاوہ دوسرے مقامات کے علماء بھی شریک ہوتے تھے۔

اس لئے احقر کا خیال تھا کہ حضرت والاؒ مئو ہی میں نکاح پڑھائیں تو ہماری سعادت ہوگی، جس کے لئے حضرت والا راضی بھی تھے۔ مگر حضرت نے مجھ سے بڑی محبت سے فرمایا کہ دیکھو چونکہ میری ہی لڑکی کی جگہ پر نکاح پڑھانا ہوگا، اس

لئے ظاہر ہے کہ میرا غم تازہ ہوجائے گا۔ اسلئے میں قاری ریاست علی صاحبؒ اور مفتی نظام الدین صاحبؒ سے کہونگا کہ ان میں سے کوئی کاری ساتھ جا کر نکاح پڑھادے، یہ حقیر راضی ہوگیا۔ چنانچہ یہ دونوں حضرات ہمارے موضع کاری ساتھ تشریف لے گئے اور ان حضرات میں سے کسی نے ۲۲؍جمادی الثانی ۱۳۸۱ھ کو مسجد کاری ساتھ میں نکاح پڑھایا۔ **فجزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔**

اخلاق وخصال: ماشاءاللہ! آپ زہد وقناعت، ہمدردی وغم خواری جیسی صفات حسنہ سے متصف تھیں اور اللہ تعالیٰ کے ارشادات "**واما السائل فلاتنھر**" پر عمل ہی نہیں بلکہ ان کا حال تھا۔ کسی بھی حال میں ہوتیں سائل خواہ مرد ہو یا عورت آواز سنتے ہی اس کی مدد کیلئے بیتاب ہوجاتیں اور جو کچھ میسر ہوتا اس سے مدد کرتیں۔ الحمد للہ نماز اور تلاوت قرآن پاک کی پابند تھیں، متعدد سورتیں یاد تھیں جنہیں ترتیل سے پڑھتی تھیں، نظر کے کمزور ہونے کے باوجود تکلیف ودقت کے ساتھ تلاوت کرتی تھیں، اور دعا بھی خوب طویل کرتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے ان اعمال خیر کو قبول فرمائے اور اس کے صلہ میں اپنی رحمت سے ان کو جنت نصیب فرمائے۔ آمین

وفات: افسوس کہ نکاح کے کچھ ہی دنوں بعد سے بیمار رہنے لگیں، اور اخیر میں بہت سی بیماریوں میں مبتلا ہوگئیں اور الہ آباد کے علاج سے شفا نہ ہوئی تو لکھنؤ کے سہارا اسپتال اور پی، جی، آئی اسپتال میں داخل کی گئیں۔ مہینوں علاج ہوتا رہا، چاروں بیٹیاں ان کی خدمت کے لئے آتی جاتی رہیں۔ اخیر میں عزیزہ صدیقہ سلمہا کے مکان واقع خرم نگر لکھنؤ لائی گئیں، مگر وہاں جب طبیعت زیادہ ہی بگڑ گئی تو

ایک خاص عزیز ڈاکٹر مبشر احمد کے ''رلیف ہاسپٹل'' میں داخل کی گئیں۔لیکن دو ہی دن کے بعد ۹؍رجب المرجب ۱۴۳۷ھ مطابق ۱۷؍اپریل ۲۰۱۶ء کو اللہ تعالیٰ کی رحمت میں پہنچ گئیں۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس کے بعد ان کی نعش ان کی پیاری بیٹی عزیزہ صدیقہ سلمہا کے مکان پر لائی گئی، وہاں سے الہ آباد بیت الاذ کار محلہ وصی آباد لائی گئی۔الحمدللہ لکھنؤ میں مشفقی المکرم حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی دامت برکاتہم برائے تعزیت تشریف لائے ،اورمزید تدفین میں شرکت کے لئے مولانا سید محمد بلال سلمہ وغیرہ کو بھیجا جو مرحومہ کے لئے بلکہ ہم سب کے لئے سعادت کی بات ہے۔فجزاہم اللہ تعالیٰ

اوراسی دن بعد نماز مغرب دارالمعارف الاسلامیہ کریلی الہ آباد کے سامنے جنازہ کی نماز ادا کی گئی،اس حقیر ہی نے نماز جنازہ پڑھائی۔اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ اور کالا ڈانڈا کریلی قبرستان میں دفن کی گئیں۔نماز جنازہ میں بکثرت لوگ شریک ہوئے اور قبرستان تک جنازہ لیجانے میں اکثر لوگ شریک رہے۔

یہ مرحومہ کی سعادت تھی کہ ان کو کثیر تعداد میں صالحین کے ہاتھوں تدفین کی سعادت نصیب ہوئی، جوان پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت اور رافت کی علامت ہے۔ بصد خلوص اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کے ساتھ رحمت ورافت کا معاملہ فرمائیں،اور قبر میں نم کنومۃ العروس کے مژدہ سے نوازے۔آمین

عزیزہ سے چار فرزند کی ولادت ہوئی،جن میں دو بڑے عمار احمد ونظام احمد جن کی بچپن ہی میں وفات ہوگئی۔اللہ تعالیٰ ہم سب کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔الحمدللہ محمد عبداللہ قاسمی ومحمد عبید اللہ ندوی باحیات ہیں اور دینی وعلمی

خدمات میں مشغول ہیں۔اور چار دختران چھوڑیں جن کے اسماء یہ ہیں۔مسعودہ خاتون، عائشہ خاتون، صدیقہ خاتون اور آمنہ خاتون۔ سلمہن

الحمدللہ سب ہی اپنی والدہ کی حیات میں صاحب اولاد ہو چکی تھیں۔ بحمداللہ جملہ اولاد نیک ہیں، سبھوں نے ماں کی خوب ہی خوب دلجوئی اور خدمت کی، اور وہ سبھی سے خوش ہوکر دنیا سے رخصت ہوئیں، ماشاءاللہ اس حقیر سے بھی خوش رہیں اور میں بھی ان سے خوش ہوں۔

خوشی کی بات یہ ہے کہ جس طرح زوجہ اول عقیلہ خاتون کے نام پر ''مسجد عقیلہ'' قمر باغ مہیوا میں بنوائی، اسی طرح مرحومہ کے نام ایک مسجد ''مسجد تقریب النساء'' بمرولی میں بنوانے کی سعادت نصیب ہوئی، جس کی تعمیر کی ذمہ داری عزیزم مولوی عبداللہ سلمہ کے سپرد رہی، جس کو انہوں نے بخوبی انجام دیا۔ یوں جملہ صاحبزادگان اس تعمیر میں شریک رہے۔ اللہ تعالی ان کو جزائے خیر مرحمت فرمائے۔آمین

ہر ایک کیلئے میری خاص نصیحت ہے کہ ؎

تو بندگی چو گدایاں بشرط مزد مکن

کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند

دعاء کرتا ہوں کہ اللہ تعالی ہم سب کو صدق وخلوص سے دینی ودنیوی تعمیری وتعلیمی خدمات انجام دینے کی توفیق مرحمت فرمائے، تاکہ آخرت میں کام آئے۔آمین واللہ الموفق

بشارت: ماشاءاللہ عزیزم مولانا مجیب الغفار اسعد اعظمی نے پہلی اہلیہ صاحبہ

عقیلہ خاتون متوفی ۱۳۷۹ھ بنت حضرت مصلح الامتؒ کی وفات کے بعد اقوال سلف قدیم حصہ پنجم کے تأثر میں یہ حدیث پاک درج فرمایا "ایما امرأۃ ماتت وزوجھا راض عنھا دخلت الجنۃ" (ابن ماجہ: ۱۸۵۴) یعنی جس عورت کی وفات ہوئی اور اس کا شوہر اس سے راضی ہے تو وہ جنت میں داخل ہوگی۔

پس اس حدیث کی رو سے بندۂ حقیر اپنی دوسری اہلیہ کے بارے میں بھی شہادت دیتا ہے کہ ان کی اس حالت میں وفات ہوئی ہے کہ میں ان سے راضی تھا اور وہ بھی مجھ سے راضی تھیں، اس لئے مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ جنت میں ان کو بھی داخلہ نصیب فرمائے گا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ سے بصدق وخلوص دعا ہے کہ ہم کو اور اولاد واحباب سب کو جنت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور جملہ صحابہ کرام واولیاء عظام کی معیت ورفاقت نصیب فرمائے۔ آمین یارب العالمین بحرمۃ سیدنا النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

ایک عابدہ جنیہ کی نصیحت

اب دلی تقاضا ہے کہ انسانی ولیات وصالحات کے تذکرہ کے بعد ایک جنی عابدہ کی نصیحت کو درج کریں جس کو حضرت علامہ جمال الدین ابوالفرج ابن الجوزیؒ نے اپنی کتاب "صفة الصفوة" جلد چہارم میں "ومن متعبد ان الجن" کے عنوان کے تحت تحریر فرمایا ہے اوراسی پر اپنی کتاب کا اختتام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ شرف قبولیت سے نوازے، آمین۔

صالح بن عبدالکریم قال: کنت احب ان ألقٰی شیأً من الجن فأکلمه، فرأیت امرأةفتعَلّقت بها، فقلت: عظینی، فقالت: اکتب، تقول غزالة: اشتغل بأولی الامور بک ولا تغفل عن ساعة ان فاتتک لم تدرکها۔ (صفة الصفوہ ج: ۴/ص: ۴۴۷)

صالح بن عبدالکریمؒ نے کہا کہ میں چاہتا تھا کہ کسی جن سے میری ملاقات ہوجائے، تاکہ میں اس سے باتیں کروں، تو میں نے دیکھا کہ ایک عورت پر ایک خاتون جن سوار ہوگئی ہے، تو میں نے اس سے کہا کہ مجھ کو نصیحت کرو! تو اس نے کہا کہ لکھو: غزالہ کہتی ہے "اپنے کاموں میں سے اہم کام میں مشغول رہو، اور ایک ساعت کیلئے بھی غافل نہ رہو، اگر وہ تم سے فوت ہوگیا تو تم اس کو پا نہیں سکتے۔

ف: سبحان اللہ! کیسی عمدہ نصیحت ہے جو حرز جان بنانے کے لائق ہے۔ اللہ تعالیٰ اس جنیہ صاحبہ کو جزائے خیر دے، آمین۔ اور ہم سب عورت مرد کو اس نصیحت پر عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

مصادر ومراجع اقوال سلف جلد دہم

قرآن شریف	کلام اللہ تعالیٰ
بیان القرآن	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ
تفسیر عثمانی	حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ
گلدستۂ تفاسیر	حضرت الحاج عبدالقیوم صاحب مہاجر مدنی
تفسیر ابن کثیر	علامہ عماد الدین ابن کثیرؒ
ماہنامہ معارف اعظم گڑھ	دارالمصنفین اعظم گڑھ
بخاری شریف	حضرت امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ
مسلم شریف	حضرت امام مسلم بن الحجاج قشیریؒ
تحذیر العلماء عن خصال السفہاء	حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ
پرانے چراغ حصہ اول	حضرت مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ
تفہیمات الٰہیہ	حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ
مشکوٰۃ شریف	حضرت شیخ ولی الدین خطیب تبریزیؒ
بیضاوی شریف	حضرت شیخ عبداللہ ناصر الدین بیضاویؒ
گلستاں	حضرت شیخ مصلح الدین سعدی شیرازیؒ
کنز العمال	حضرت علامہ علی متقی برہان پوریؒ
وصیۃ الاخلاق	مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ
معرفت حق	زیر ادارت: حافظ ڈاکٹر صلاح الدین صاحب صدیقیؒ
وصیۃ الاحسان	مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ
احیاء العلوم	حضرت حجۃ الاسلام ابوحامد امام غزالیؒ

روح المعانی	حضرت علامہ محمود آلوسیؒ
اشاعت اسلام	حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب عثمانیؒ
فتاویٰ شامی	حضرت علامہ ابن عابدین شامیؒ
تذکرہ مصلح الامت	مؤلف عفی عنہ
عہد رفتہ کے چند علماء ومشائخ	مکرم پروفیسر عبدالحی صاحب فاروقیؒ لاہور
تذکرہ فخر گجرات	حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب فریدی گجراتیؒ
تذکرہ مولانا عبدالرشید رانی ساگری	حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب مفتاحیؒ
چند روشن ستارے ملک برما میں	حضرت مولانا مرغوب احمد صاحب لاجپوریؒ
عالم اسلام کی عالمی شخصیت ترجمہ	مؤلفہ: حضرت مولانا عبداللہ عقیل صاحب
من اعلام الحرکۃ الاسلامیہ	مترجمہ: حضرت مولانا رئیس احمد فلاحی
تاریخ فکر اسلامی	حضرت مولانا محمد اجتباء صاحب ندویؒ
صحبتے با اہل دل	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ
تذکرہ علماء اعظم گڑھ	حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی دارالعلوم دیوبند
بزم اشرف کے چراغ	مکرم پروفیسر احمد سعید صاحب
تذکرہ قاری ریاست علی بجرآبادی	ڈاکٹر انیس ادیب صاحب
یادوں کے چراغ	حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی
ایضاح البخاری	افادات حضرت مولانا سید فخر الدین صاحبؒ
	ازحضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوریؒ
سوانح الحاج حبیب الحسن خاں شروانیؒ	حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب ومولانا مزمل حسن صاحب
تذکرۃ الظفرؒ	حضرت مولانا عبدالشکور صاحب ترمذیؒ

تذکرہ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ	حضرت مولانا محمد میاں صاحب دیوبندیؒ
نقوش رفتگاں	حضرت مولانا مفتی تقی صاحب عثمانی
ماہنامہ محدث عصر	جامعۃ الامام انور دیوبند
مقدمہ مرآۃ الانوار شرح مشکاۃ الآثار	حضرت مولانا نسیم احمد صاحب غازیؒ مرادآباد
عہد زریں	حضرت مولانا محمد میاں صاحبؒ دیوبندی
شخصیات افغانستان کی روح پرور یادیں	حضرت مولانا عبدالمالک صاحب پاکستان
نظام صلاح واصلاح	حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندوی
ماہنامہ البلاغ مفتی اعظم نمبر	دارالعلوم کراچی
البدور البازغۃ	حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ
درس بخاری	تقریر: حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ
	ضبط فرمودہ: حضرت مولانا عبدالوحید فتحپوریؒ
حیات اطہرؒ	حضرت مولانا شفیق الرحمن صاحب جلال آبادی
ذکر احسن (بابا نجم احسن نگرامی)	مکرم محمد صدیق صاحب الہ آبادی ثم کراچویؒ
معارف بہلوی (مولانا عبداللہ بہلوی)	حضرت مولانا سعید احمد صاحب جلالپوری
ماہنامہ نوائے دارالعلوم مئو	مدرسہ دارالعلوم مئو
سراج الامت (مولانا سراج احمد امروہوی)	حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمیؒ
ماہنامہ صدق	مدیر حضرت مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادیؒ
سوانح مولانا عبدالحکیم صاحب فتحپوریؒ	حضرت مولانا شمس الدین صاحب فتحپوریؒ
حیات اسعدؒ	حضرت مولانا نسیم احمد صاحب غازیؒ
خواتین اسلام کی دینی وعلمی خدمات	حضرت مولانا قاضی اطہر صاحب مبارک پوریؒ

ترمذی شریف	حضرت امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ
طبقات ابن سعد	حضرت علامہ محمد بن سعدؒ
العبر فی خبر من غبر	حضرت علامہ شمس الدین محمد الذہبیؒ
العقد الثمین فی تاریخ البلد الامین	حضرت علامہ محمد بن احمد فاسی مکی تقی الدینؒ
تاریخ ریاست بھوپال	حضرت علامہ سید عابد علی وجدی الحسینی قاضیٔ بھوپال
تاریخ اسلام کی چارسو باکمال خواتین	حضرت مولانا ابوطالب ہاشمی
تالیفات مصلح الامت جلد سوم	مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ
الاعلام	حضرت علامہ خیر الدین زرکلی دمشقیؒ
تاریخ بغداد	حضرت امام حافظ ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادیؒ
شذرا الذہب	حضرت علامہ ابوالفلاح عبدالحی ابن العماد حنبلیؒ
سیر اعلام النبلاء	حضرت علامہ شمس الدین محمد الذہبیؒ
حلیۃ الاولیاء	حضرت علامہ ابونعیم اصفہانیؒ
فوات الوفیات	حضرت علامہ محمد بن شاکر الکتبیؒ
صفوۃ الصفوۃ	حضرت علامہ ابن الجوزیؒ
تذکار صحابیات	حضرت مولانا ابوطالب ہاشمی
ولایت محمدیہ کا راز	محدث کبیر حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ
سیرت مولانا یحییٰ صاحب	حضرت مولانا محمد مسعود عزیزی ندوی
بہشتی زیور	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
حیات سلیمانؒ	حضرت مولانا معین الدین احمد ندویؒ

یادداشت